BROWN
BOOK ONLY

فہرست جلد اوّل

ادیب

ادب اردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

مرتب

نوبت رائے نظر لکھنوی

جلد اول نمبر ۱ تا ۶

[illegible]

[illegible]

مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد

قیمت [illegible]

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

جلد ۱ | جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوری متر اپرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد مین چھاپکر شائع کیا

طبع ثانی

(قیمت سالانہ للعہ)

ادیب

(فی پرچہ ۶؍)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشاپرداز اسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کیلئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۴ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصورون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدر دانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

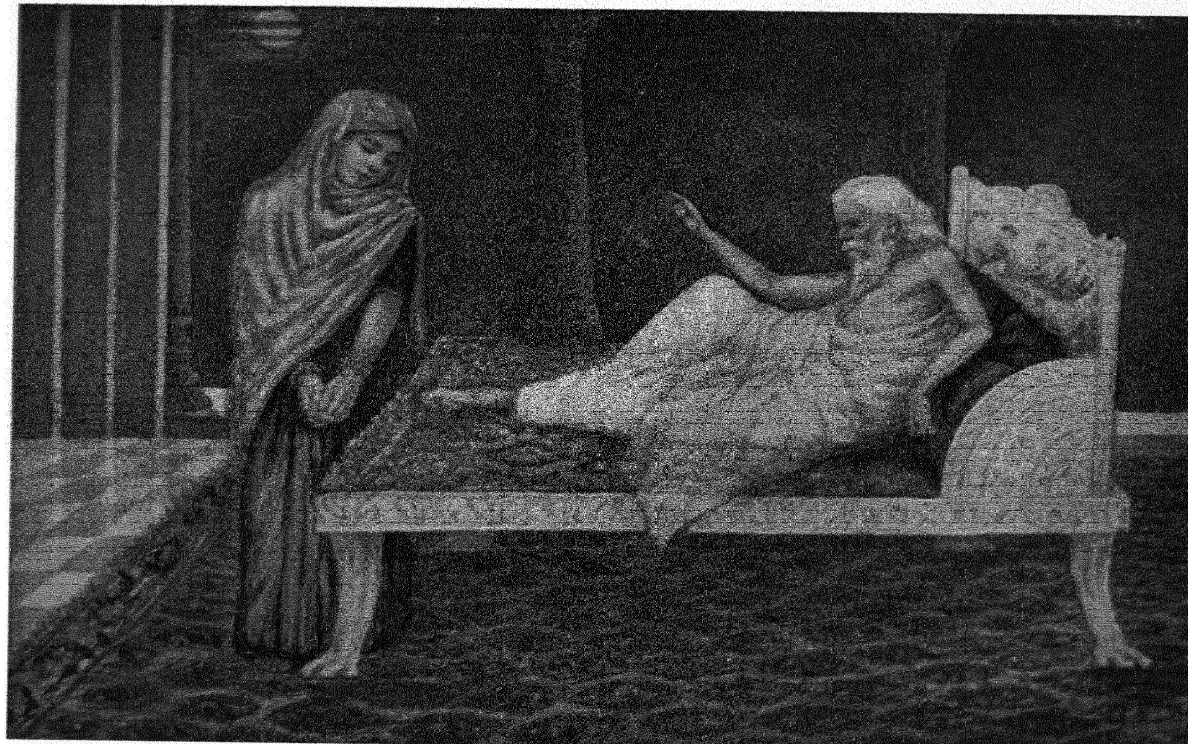
تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کیساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ بہرنوع قدر دانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ لہٰذا ہم معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ چھ آنہ وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف وخوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کیلئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی۔ تمام خط وکتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد



دھرشتراشٹر اور دروپدی

انڈین پریس الٰہ آباد

جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۱ ——— نمبر ۱

چند الہامی کلمات

نئی دنیا مین سینٹ لارنس نام ایک بڑا دریا ہے۔ اس دریا مین ایک ٹاپو ہے جو اسلئے مشہور ہے کہ وہان ملک ہند کے ایک سنیاسی نے اپنے عقیدتمندون کی ایک چھوٹی سی جماعت کو جسمین کچھ مرد اور کچھ عورتین تھین۔ روحانی تلقینات سے بہرہ ور کیا تھا۔ یہ عقیدتمند لوگ کل نئی دنیا ہی کے باشندے تھے اور انکو جیسی خاص ارادت ان سوامی جی سے تھی وہ تحریر مین نہین آسکتی اور نہ نوک قلم کا یہ یارا ہے کہ وہ اسکو لباس حروف دے۔ چنانچہ انھون نے جگہ بھی کچھ ایسی منتخب کی تھی کہ خواہ مخواہ دل مین روحانی جذبات پیدا ہون اور انسان کو کچھ دیر کے لئے ادھر متوجہ کر ہی دے جدھر مشکل سے توجہ رجوع ہوتی ہے۔ مقام بھی کیسا بالکل سنسان۔ انسان کی آہٹ سے کوسون دور۔ دریا کے بیچ مین ایک ٹاپو جسمین بجائے کٹی کے جو قدیم زمانہ مین ہندوستان کے رشی منی اپنے رہنے کے لئے بنا لیا کرتے تھے ایک چھوٹا سا دومنزلہ بنگلہ واقع ہے۔

اوپر کی منزل سے ایک طرف نظر ڈالئے تو دریا کا صاف شفاف پانی آہستہ آہستہ بہتا ہوا نظر آتا ہے جو ایک نہایت خوشنما منظر ہے اور دوسری جانب دیکھئے تو اونچے درختون کا ایک کنج ہے جسکے سایہ مین جانور اپنی قدرتی آزادی مین کلیلین کر رہے ہین اور اگر کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو خوش الحان طیور کی جو خوش آیند راگون سے سننے والون کے دلون کو مست کر رہے ہین یا کوئی جھونکا ہوا کا آجاتا ہے جس سے نیچے پڑے ہوئے سوکھے پتون مین کھڑکھڑاہٹ کی آواز پیدا ہو جاتی ہے سوائے اسکے اور کوئی آواز مخل تنہائی نہین جو اس جگہہ طاری ہے۔ ادھر ایک طرف تو ارادتمند لوگون کا جوش بڑھتا جاتا ہے اور دوسری طرف انکو سوامی جی کے بشاش اور ملکوتی چہرہ کے درشنون کے لئے بیتابی کی کوئی حد نہین۔ لیکن انکو زیادہ بیقراری کے اظہار کی ضرورت نہ تھی کیونکہ سوامی جی فوراً ہی اپنے حجرہ سے برآمد ہوتے ہین

اور اپنے مشتاق عقیدتمندون کو درشن دیتے ہین - یہ کوئی لیکچر نہ تھا کہ انٹروڈکشن وغیرہ کی ضرورت ہوتی بلکہ بیٹھتے ہی سوامی جی اپنی زبان دُرفشان سے یون فرمانے لگتے تھے -

"نیکی کو حقانیت کے قریب پہونچنے کا درجہ البتہ حاصل ہے لیکن وہ ہنوز قطعاً حقانیت نہین ہے - یہ سیکھنے کے بعد کہ ہمکو بدی سے پریشان نہ ہونا چاہیئے ہمکو یہ بھی سیکھنا ہوگا کہ نیکی سے بھی ہمین خوش نہونا چاہئے - ہمکو یہ ضرور معلوم کرنا ہوگا کہ ہم نیکی اور بدی دونون سے پرے ہین - سچ پوچھو تو نیکی اور بدی دونون ایک ہی شئے ہین اور دونون ہمارے من کے اندر ہین جبکہ من کی یکسوئی ہوجاتی ہے تب نہ نیکی اور نہ بدی کا اثر اُسپر ہوتا ہے اگر تم بالکل آزاد ہو جاؤ تو تم پر نہ نیکی کا اثر پڑ سکتا ہے اور نہ بدی کا اور ایسی حالت مین سرور ابدی حاصل ہوتا ہے - بدی کیا ہے ایک لوہے کی زنجیر اور نیکی مثل ایک سنہری زنجیر کے ہے آخر دونون زنجیرین ہی ہین اور باندھتی ہین اسلئے دونون کو ترک کرنا چاہئے - لہذا آزاد ہو نیکی کوشش کرو اور ہمیشہ کیلئے یہ جان لو کہ کوئی زنجیر تمکو باندھے ہوئے نہین ہے - یہ ضرور کرو کہ لوہے کی زنجیر سے اپنے کو چھوڑانیکے لئے سنہری زنجیر سے مدد لو - لیکن جب لوہے کی زنجیر سے جس سے تم بندھے ہوئے تھے تم نے اپنے کو سنہری زنجیر کی مدد سے ایک بار چھڑالیا ہے تو پھر ان دونون زنجیرون کو پھینکدو - اسیطرح تمکو یہ جاننا چاہئے کہ بدی کا کانٹا تمہارے گوشت مین چُبھا ہوا ہے - اس کانٹے کو نکالنے کے لئے ایک اور کانٹا لے لو اور اُس سے پہلے کانٹے کو نکالو اور پھر دونون کو پھینک دو"-

اس تلقین سے سوامی جی کی یہ مراد ہے کہ نیکی بدی دُکھ سُکھ عذاب و ثواب یہ سب انسان کو بندھن مین ڈالنے والے یعنی مقید کرنے والے ہین - انسان تو بڑے فخر کے ساتھ نیکی کا دعویدار ہوتا ہے اور بڑے زعم سے یہ کہتا ہے کہ مین نے فلان نیک کام کیا - خیرات خانے قائم کئے ہسپتال بنوائے جہان ہزارون بلکہ لاکھون بندگان خدا کو کھانا ملا یا شفا حاصل ہوئی - البتہ یہ بات قابل تعریف ہے کہ اُسنے بندگان خدا کی تکالیف رفع کرنے کی کوشش کی اور اُسمین کامیابی حاصل کی لیکن اگر نگاہ غائر سے دیکھا جاے تو معلوم ہوگا کہ جبتک اُسکو شہرت یا نیکنامی کا خیال گھیرے ہوئے ہے یا اُسنے کسی اور خواہش کے ساتھ نیکی کو کیا ہے وہ ضرور مقید رہے گا - وہ آزاد نہین ہوسکتا - نیکی کو جو محض اس خیال سے کرتے ہین کہ نیکی کرنا اچھا ہے اور کسی شہرت اور نیکنامی کی اُنکو پروا نہین ہوتی ہے وہی سچے سالک ہین - یہ کہنے سے کہ لوہے کی اور سُنہری زنجیر دونون کو پھینک دو سوامی جی کی یہ مراد نہین کہ نیکی کرنا چھوڑ دو بلکہ اُس سے اُنکی صرف یہی مراد ہے کہ نیکی محض نیکی کے لئے کرو اور اس خبط سے اپنے آپ کو بالکل پاک رکھو کہ تم اپنے فلان نیک کام سے دُنیا کو فائدہ پہونچا رہے ہو - یہ خبط اگر تمہارے دل مین سمایا تو جان لو کہ تم اسیطرح سے بندھن مین پڑو گے جیسے کہ کسی بد کام کے نتیجہ سے پڑتے - البتہ فرق اتنا ہوگا کہ نیک کام کا صلہ نیک پاوگے اور بد کام کا بد - لیکن جبکو سرور ابدی کہین گے وہ تب ہی حاصل ہوگا جبکہ تم نے اپنے تئین دونون خیالات سے پاک کرلیا ہے -

اس کے بعد سوامی جی پھر فرماتے ہین -

"اس دُنیا مین تم ایک داتی یعنی دینے والے کی حیثیت اختیار کرو جو کچھ تمہارے پاس ہو دیدو لیکن معاوضہ کی کوئی توقع نہ رکھو - اس دینے مین سب داخل ہین محبت - امداد - خدمتگزاری وغیرہ وغیرہ لیکن اس داد و دہش مین بنج بیوپار کے خیال کو

دور رکھو۔ کوئی شرط نہ کرو اور پھر تم سے بھی کوئی شرط نہ کیجائیگی۔
سچّا بخشندہ صرف خدا ہی ہے باقی سب مثل دوکانداروں
کے ہیں جو کچھ لیکر کچھ دیتے ہیں۔ اسلئے خدا ہی کی ہنڈوی
حاصل کرو اور وہ سب جگہ سکاری جائیگی"

سوامی جی کا مندرجہ صدر ارشاد ایک عجیب ارشاد ہے یہ انوکھی تلقین ہے کہ سب کچھ دیدو۔ اس سے یہ مراد ہے کہ زندگی صرف اپنے لئے مت بسر کرو بلکہ دوسروں کیلئے بھی۔ بقول؎

مرنا بھلا ہے اُسکا جو اپنے لئے جیئے   جیتا ہے وہ جو مرچکا انسان کیلئے

انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ سب جانداروں کے لئے۔ پھر اُنکا یہ ارشاد ہے کہ کبھی بدلے کی آرزو مت کرو۔ ظاہر میں تو ضرور ایک انوکھی تعلیم معلوم ہوتی ہے لیکن چشم باطن سے اگر دیکھا جائے تو اُسکا راز کھلتا ہے۔ سوامی جی کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلا لحاظ اسکے کہ کون مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے ہمکو خواہ مخواہ ہی محبت سے خدمتگزاری سے روپیہ پیسہ سے ہر فرد بشر کی مدد کرنا چاہئے۔ شاستر کا جو فرمان ہے کہ جو دان ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جسکا وہ مستحق نہیں اُسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ داتا بھی دان لینے والے کے ساتھ نرک گامی ہوتا ہے۔ پھر سوامی جی کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک کو دے ہی دو یہ مت دیکھو کہ کون اسکا مستحق ہے اور کون نہیں ہے اور وہ جو یہ فرماتے ہیں کہ معاوضہ کی کوئی توقع نہ رکھو اُس سے اُنکی یہ مراد ہے کہ اگر تم معاوضہ کی توقع رکھوگے یعنی یہ کہ تمہارے دل میں اگر یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں جسکے ساتھ اب سلوک کر رہا ہوں کبھی وہ بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کریگا یا یہ کہ وہ میرا احسان ہی مانے گا تو تمکو ضرور رنج پہونچے گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تمہاری حسب توقع تمہارے ساتھ ویسا سلوک نہ کرے یا تمہارا احسان نہ مانے اور اس رنج سے بچنے کیلئے یہ ضرور ہے کہ کسی بدلے یا معاوضہ کی توقع نہ رکھکر ہمکو نیکی کرنا چاہئے اور پھر جب بدلے ہی کی توقع رکھکر کوئی نیک کام کیا گیا تو وہ نیکی ہی کیا رہی یہ تو وہی ہوا کہ کسی سے خدمت کرائی گئی اور اُسکو اُجرت دیدی گئی۔

اسکے بعد سوامی جی یوں فرماتے ہیں۔

"جب ہمپر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یعنی یہ کہ دُنیا کے گرداب میں پھنسکر جب ہمکو تھپیڑے لگتے ہیں تب ہمکو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ دُنیا بڑی مصیبت کی جگہ ہے بڑی خوفناک ہے۔ لیکن ہمکو اپنے مصائب میں اپنی تشفی اسطرح کرنی چاہئے کہ جیسے کوئی دو پلّے آپسمیں ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں اور ہم تماشا دیکھ رہے ہیں مگر اسکی کوئی پروا ہمکو نہیں ہوتی ہے کہ وہ کیا کررہے ہیں۔ ویسے ہی ہمکو بھی یہ جان لینا چاہئے کہ ہمارے مصائب بھی خدا کی نظر میں مثل کھیل کے ہیں۔ یہ دُنیا ایک تھیٹر یعنی تماشاگاہ ہے اور اس تماشے کا دیکھنے والا وہی ایک پرمیشور ہے اور اسمیں کوئی ایسی شئے نہیں جس سے وہ ناراض ہو۔ سچّے عابد کو تو یہی مناجات ہمیشہ کرنی چاہئے؎

پھنسی منجدھار میں ہے موہ روپی سندھو کی نیّا
جو میرا پار بیڑا ہر لگا دوگے تو کیا ہوگا

تیری روشنی اے ہری کسی شئے سے جسپر وہ پڑتی ہے آلودہ نہیں ہوتی اور نہ اُس سے وہ کسی طرح منتفع ہوتی ہے۔ تیری روشنی ہمیشہ پاک ہے اور اُسمیں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے۔ ایک قاتل میں تیری روشنی اُسیطرح ہے جسطرح ایک سنت یعنی زاہد میں ہے۔ تکلیف راحت بھوک وغیرہ سب میں تو ہی موجود ہے۔ پھر جب یہ معلوم ہوا کہ ہری کی جوت کہاں نہیں ہے

توسادھو سنت یعنی اولیا الزام لگانے کے خیال کو مطلقاً ترک کرتے ہین - یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمکو کسی بات سے تکلیف نہین پہونچ سکتی ہے کیا تم وہی ذات حق نہین ہو جو سب جگہ ہے اُسی سے ہماری زندگی ہے - اُسی سے ہم دیکھتے ہین اُسی سے ہم سنتے ہین - لیکن ہمارا تو دنیا مین یہ حال ہو رہا ہے کہ گویا ایک کانسٹبل پولیس کا ہمارے پیچھے ہے اور ہمکو گرفتار کئے لے جا رہا ہے - ایسی حالت مین ہم کیا خاک دنیا کے خوبصورت نظارون کو دیکھ سکتے ہین - یہ سب خوف کس وجہ سے ہے صرف اس وجہ سے کہ دُنیا کو ہمنے سچّا سمجھ رکھا ہے۔"

یہ دُنیا ایک تماشا گاہ ہے اور خدا اُس تماشے کا دیکھنے والا ہے - یہ سوامی جی کا ارشاد ایک ہی بات ہوئی! واہ ہم تو شکنجہ کی تکلیفین اُٹھائین اور اُسکا تماشا ہو - یہ تو ضرور سوامی جی نے بھنگ کی ترنگ مین لکھ دیا ہے جنھون نے تکالیف جھیلی ہین اُنکے مجروح دلون سے پوچھنا چاہئے - کسی آتش فشان پہاڑ یا زلزلے کے اثر سے لاکھون جانین ایک دم مین تلف ہو جاتی ہین جسکی مصیبت کا کیا ذکر ہے یا یہ کہ کوئی لنگڑا ہے کوئی لولا ہے کوئی اندھا کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے اور ایسا اپاہج ہے کہ حوائج ضروری کے لئے بھی ہل نہین سکتا - یہ سب تکالیف کے نظارے ہماری نظرون کے سامنے ہمیشہ موجود ہین اور پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب خدا کے لئے ایک کھیل ہے یہ ایک بہت ہی ٹیڑھا سوال ہے اور اسکا جواب وہی دیسکتے ہین جنھون نے کچھ حاصل کیا ہے - میری کیا طاقت جو مین ایسے لاحل سوال کے حل کرنیکی کوشش کرون لیکن پھر اپنی عقل کے مطابق کچھ کہتا ہون -

مطابق عقیدۂ ویدانت کے ہر جیو یعنی جاندار مین فرداً فرداً جو آتما ہے وہ اُس جیو مین گویا ایک ساکشی یعنی گواہ کی حیثیت رکھتی ہے - جس طرح گواہ کو کسی کے افعال سے کوئی سروکار نہین ہے بلکہ وہ محض ایک دیکھنے والے کی حیثیت رکھتا ہے اُسیطرح آتما جو ہر جیو مین ہے ساکشی یعنی گواہ کے طور پر ہے اُسکو بھی اُس جیو کے کئے ہوئے افعال سے کوئی تعلق نہین - جیو جو اگیان انش کے اندر چیتن (चेतन) یعنی اُسی آتما کے آبھاس (आभास) یعنی عکس کا نام ہے - اگر وہ تکلیف یا راحت اُٹھاتا ہے تو یہ نتیجہ اپنے اعمال کے اس خیال کے اثر سے ہے کہ مین ہی فاعل ہون یہ کام مین نے کیا یا میرا کیا ہوا ہے اور وہ جو شدھ آتما ہے وہ بطور ساکشی (साक्षी) یعنی ایک تماشائی کے ہے - یہ تو افراد کا ذکر ہوا - اسیطرح بحیثیت کُل وہ ایشور اس جگت کا محض ساکشی یعنی شاہد عالم ہے اُسکو اس عالم کے کاروبار سے کوئی تعلق نہین - خدا اور عالم کے درمیان جو تعلق ہے اُسکی نسبت تین طرح کے خیالات درجہ بدرجہ ہین - ہم اوپر سے نیچے کو اُترتے ہین - پہلا خیال یہ ہے کہ بقول مولانا جامی - ع از روئے حقیقت ہمہ عین اند نہ غیر + یہ تمام محسوسات وہی وہ ہے - بقول شرتی (एवं अखिलं ब्रह्म) یعنی ہمہ اوست بنگاہ حقیقت سے سوائے ایک ذات کے کوئی دوسری ذات نہین ہے حقیقت ہے تو ایک ہے - اگر اور اشیاء محسوس ہوتی ہین تو وہ ظاہری صورتین ہین نہ کہ اصل اور اُنکا کوئی حقیقی وجود نہین ہے - پس ایسے خیال مین نہ کوئی تماشا ہے اور نہ اُسکا کوئی تماشائی یعنی نہ کوئی درشیہ (दृश्य) ہے اور نہ اُسکا کوئی درشٹا (द्रष्टा) یا یون کہو کہ نہ کوئی ساکشیہ ہے اور نہ اُسکا کوئی ساکشی - ہے تو صرف ایک ذات جسکو ذات مطلق کہتے ہین - اسکا انوبھو یعنی علم الیقین بحالت سمادھی یعنی مُراقبہ ہی

ہوتا ہے اور کسی حالت مین نہین جنکو ایسا علم الیقین ہوا ہے اُنکے نزدیک نہ یہ دنیا ہے اور نہ کوئی دُکھ سُکھ اور نہ کوئی عذاب و ثواب - اس سے اُترکر دوسرا یہ خیال ہے کہ ہمکو نمود عالم محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ یہ نمود بھی بے بود نہین بلکہ اُسکی بود وہی ذات پاک ہے اسلئے اسکے متعلق اس شعر کا مضمون صادق آتا ہے ف

یار کی میرے دیکھو رعنائی
خود تماشا و خود تماشائی

جو لوگ اس خیال کے ہیں وہ چونکہ یہ سمجھتے ہین کہ خود ہی وہ تماشا بنتا ہے اور خود ہی تماشائی ہے اسلئے تکالیف و آرام کے خیال کو اپنے دل مین نہین لاتے ہین اور ان دونون کو اُسی سے منسوب کرتے ہین کیونکہ جو یہ تماشا ہو رہا ہے وہ بھی وہ خود ہی بنتا ہے اور پھر آپ ہی دیکھتا ہے - سوامی جی کا اشارہ صرف اس خیال کیطرف ہے جب وہ یہ کہتے ہین کہ یہ دُنیا تماشا گاہ ہے اور خدا اس تماشے کو دیکھکر اپنا دل بہلاتا ہے - جب وہ خود ہی تماشا بنکر آپ دیکھتا ہے تو پھر وہ کس سے ناراض ہوگا اور کس سے خوش - لیکن جب ہم اس تیسرے خیال پر پہونچتے ہین جو مولانا جامی کے اس مصرع مین ظاہر کیا گیا ہے یعنی ع از روے تیقن ہمہ غیر اند نہ عین یعنی ہم مین جب انانیت کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ میری ہستی علحدہ ہے جو کچھ کرتا ہون مین کرتا ہون تو پھر ہم الگ ہین اور وہ الگ اور ایسی صورت مین خدا محض ایک تماشائی یا یون کہو کہ گواہ کی حیثیت کو چھوڑکر اور کرسی عدالت پر متمکن ہو کر جج بنجاتا ہے اور اپنے بندون کے کئے ہوئے افعال کی جزا و سزا دیتا ہے اور وہ اُنکے نیک افعال سے خوش اور بُرے افعال سے ناراض ہوتا ہے -

لیکن ایسی حالت مین بھی جو لوگ سچے عشاق خدا ہین اُنکے نزدیک خدا ہمیشہ رحیم و کریم ہی ہے وہ دَیا سِندھُ ہے کرُنا کا ساگر ہے اُنکے نزدیک خدا مین کوئی بات قہّاری و جبّاری کی نہین ہے لیکن جو ہمیشہ مبتلاے معصیت رہتے ہین اور اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتے رہتے ہین اُنکے نزدیک خدا مہیب ہی شکل اختیار کئے ہوئے ہے وہ قہّار و جبّار ہی ہے - چنانچہ گوسائین تلسی داس کا یہ قول ہے -

جن کی رہی بھاونا جیسی
پربھو مورت تن دیکھی تیسی

جو لوگ سچے عشاق خدا ہین اور ایشور کو صرف پریم مورتی جانتے ہین وہ تکالیف کو جو اُنہین پہونچتی ہین اپنے محبوب کی طرف سے ایک پیام محبت ہی سمجھتے ہین یا یہ کہ وہ یہ سمجھتے ہین کہ اُن تکالیف سے ہماری روحانی شدھی ہوتی ہے - ہم گناہون سے پاک وصاف ہو جاتے ہین -

آخر مین سوامی جی نے یہ کہا ہے کہ یہ سب خوف کس وجہ سے ہے صرف اسوجہ سے کہ دُنیا کو ہمنے سچا سمجھ رکھا ہے - اب دیکھنا چاہئے کہ یہ خوف کس طرح دور ہو ہم دُنیا کو کس طرح سچا نہ سمجھین اُسکے عذاب و تکالیف ہمکو ایسے سچے محسوس ہو رہے ہین کہ جب کوئی ذرا سا کانٹا بھی ہمارے بدن مین چُبھ جاتا ہے تو ہم ہاے پُکار اُٹھتے ہین - یہ سچ کہا گیا ہے کہ ایسی حالت مین بیڑے کو پار لگانے والا صرف خدا ہی ہے اور اسکے لئے سچے رہبر کی ضرورت ہے بقول شخصے -

گہری ف ندیا اگم جل زور بہت ہے دھار
کیوٹ سون پہلے ملو (جو) اُنزا چاہو پار

یعنی یہ کہ جو ندی بھوساگر یعنی دریاے حیات کی بڑے زور شور

ف وزن سے زائد ہے -

سے بہہ رہی ہے اور اُس سے گزر کسی طرح ممکن نہین ہے اُسکو اگر تم عبور کرنا چاہو تو کسی گرو یعنی مرشد کامل کو ملاح بناؤ وہی تمہاری ناؤ کو پار اُتارے گا۔ جب سچا رہبر تم کو ایک دفعہ مل جائیگا جو تم کو تب ہی ملیگا جب تم مین سچی ارادت پیدا ہوگی۔ تب ہی تم اس دُنیا کے سمندر سے پار ہو گے۔ خود سوامی جی کی سوانح عمری مین جنکے ارشادات ہم یہان ہدیۂ ناظرین کر رہے ہین یہ ذکر ہے کہ ابتدا مین انکے خیالات دہریت کے تھے لیکن ساتھ ہی اسکے اُن کو سچے دل سے تلاش بھی تھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک عارف کامل یعنی سچے رہبر سے ملاقات ہوگئی جنہون نے نہ صرف اُنکے تمام شبہات کو دور کردیا بلکہ وہ کایا پلٹ کردی کہ وہ خود ہی ایک عارف کامل ہوگئے۔ سوامی جی اُن کو صرف اپنا مرشد ہی نہین سمجھتے تھے بلکہ اُنمین اور ایشور مین وہ کوئی فرق نہین کرتے تھے۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔ دوہا۔

گرو[1] گوبند دونون کھڑے کس کے لاگون پاے
بلہاری اُن گردن کی (جن) ست گرو دیئے بتاے

اس کے بعد سوامی جی کچھ عشق حقیقی پر فرماتے ہین لیکن یہ مضمون ایک دریاے ذخار ہے جس کے لئے بہت کچھ وقت چاہیئے۔ انشاءاللہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔

پربھولال



فلسفہ اور اُسکی مُراد

فلاسفی کے متعلق لوگون کے خیالات عجیب و غریب ہین۔ ایک گروہ اسکو عُلما کی میراث حُکما کی جائداد۔ اور عقلا کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ دوسرا اُسکو دقیق اور مشکل مسائل کا معجون مرکب سمجھتا ہے۔ تیسرا گروہ سُست و ناکارہ آدمیون کے خواب و خیال سمجھتا ہے جسکی عملی دُنیا مین ذرا بھی ضرورت محسوس نہین ہوتی۔

میری سمجھ مین یہ سب کے سب غلطی پر ہین۔ اگر فلاسفی سے یہ مراد ہے کہ عوام کو اُسکی ہوا نہ لگنے پائے تو وہ فلسفہ نہین کچھ اور ہی چیز ہوگی۔ اگر دقیق اور فضول مسائل کے مباحثات کا نام ہی فلسفہ ہے تو اُسکو کسی شخص کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے۔ اور اگر وہ محض خواب و خیال ہے تو اُس سے فائدہ ہی کیا ہے۔

مگر نہین۔ فلاسفی بہت کارآمد چیز ہے۔ اسکا ہر خاص و عام سے تعلق ہے۔ کل دنیا مین اگر کوئی چیز مفید ثابت ہوتی ہے تو وہ صرف فلاسفی ہے۔ اور بدنصیب ہے وہ قوم جو اپنا فلسفہ نہین رکھتی۔ کیونکہ جسطرح تواریخ انسان کے جوش کے اُبھارنے اور اُسکو دنیا کی کشمکش مین ہاتھ پانون مارنے کا یقینی ذریعہ ہے فلسفہ اُس سے بھی زیادہ مفید چیز ہے۔

فلسفہ کیا ہے؟ یہ دو یونانی لفظون سے مرکب ہے۔ ’فلاس‘ ’یوفس‘، اور اسکا لفظی ترجمہ ہے۔ گیان کا پیار۔ مختلف زبانون مین اسکے لئے مختلف الفاظ و اصطلاحات مستعمل ہوتے ہین۔ مگر اب یہ لفظ انسانی مُراد کے اظہار کے لئے زیادہ موزون ہوگیا اور اسیوجہ سے قریب قریب دُنیا کے تمام حصون مین اسکا رواج ہوگیا ہے۔

[1] وزن سے زائد ہے۔

’فلسفہ‘ کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ مگر اصل مین یہ کیا ہے؟ اسکی اصلیت کا پتہ کسی قوم کے جذبات وخیالات کی گہرے تہ مین ملتا ہے۔ فلسفہ کسی زبردست عالم کی دماغی اُپج کو نہین کہتے۔ اسکا عملی تعلق عوام کے دلون سے ہے اور یہ عوام کے خیالات کا عجیب وغریب معجون مرکب ہے۔

زمانہ کے حالات - واقعات - حادثات اور بلیات کے سلسلہ مین عام آدمیون کے دلون مین اُن سے نجات پانے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ اُنکے دل و دماغ کو تربیت وتلقین کا مفاد نہین ملا ہے۔ اسلئے وہ خود اُسکی تشریح اور توضیح نہین کرسکتے - دل مین ہے مگر زبان پر نہین آتا۔ اندر ہے مگر باہر اسکی صورت نہین دکھی جاتی۔ دل کُریدرہا ہے۔ پتہ نہین کہ کیون کُرید رہا ہے - بسااوقات یہ بیچارے اتنا بھی نہین بتا سکتے کہ اُنکے نجات کی صورت کہان۔ کس مین اور کس بات مین ہے - خواہش ہے مگر خواہش کی صراحت نہین ہوتی - جب یہ حالت کچھ عرصہ تک رہتی ہے تو اُنکے خیالات مین ”گھناپن“ آجاتا ہے - قدرت کا اصول ہے کہ جہان کسی چیز کی ضرورت لاحق ہوئی - وہان اسکے مہیّا کرنے کا سامان خودبخود پیدا ہوتا ہے۔ دنیا مین بہت کم آدمی ملینگے جواس کی سچی سمجھ رکھتے ہونگے - جس طرح ہر سوال مین اُسکا جواب بھی موجود ہے جسطرح ہر بیج مین اُس کا پھل موجود ہے - جسطرح مٹّی کے ذرّون مین پتھر بننے کی خاصیت چھپی رہتی ہے اُسیطرح خیال مین اُسکے عملی جامہ پہننے کا سامان رہتا ہے - یہ قدرت اسقدر عقیل اور دانشمند ہے کہ وہ خود جانتی رہتی ہے کہ کہان کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ پہلے ہی سے اُسکا انتظام کر رکھتی ہے - بچّہ کے پیدا ہونے سے پہلے مان کی چھاتی مین دودھ آجاتا ہے - بچّہ پیدا ہوتا ہے تو اُس مین دودھ کے لئے قدرتی اشتہا موجود ہوتی ہے مگر وہ نہین جانتا کہ دودھ کہان ملیگا - مان اپنی چھاتی اُسکے ہونٹون سے لگا دیتی ہے اور وہ پینے لگتا ہے - بالکل اسیطرح خیالات کی دُنیا مین کام ہوتا ہے - خیال دل مین پیدا ہوا - عوام خود اسکی وضاحت نہین کرسکتے - مگر چونکہ قدرتی نظام مین ہر مانگ کے پورا کرنیکا سامان رہتا ہے - چند ہی روز بعد یا اُس سے پہلے ہی ایسے دانشمند اہل خیال ملک مین پیدا ہو جاتے ہین جنکی قوت تمیز ہاتھ بنکر دلون کی نبض ٹٹول لیتی ہے - وہ سمجھ جاتے ہین کہ لوگ کیا چاہتے ہین اور جس وقت وہ عوام کے خیال کی عملی صورت بنکر آجاتے ہین - اُنکے قول - فعل - عمل اور طرز معاشرت مین عوام کے خیال کی عملی صورت نظر آتی ہے وہ فطرۃً اور قدرۃً اُنکی طرف رجوع کرتے ہین اور اُن کی تعلیم سے فائدہ اُٹھاتے ہین - قوم کی قوم بدل جاتی ہے - سارے ملک کا نقشہ آناً فآناً پلٹ جاتا ہے اور اُسوقت خودبخود اُسکی وضاحت ہوجاتی ہے اور اُسکے راج کا ڈنکا بج جاتا ہے -

یہ فلسفہ ہے یہ اُسکی اصلیت ہے - یہ معما ہے جو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے - جو لوگ فلسفہ کو روز روشن مین خواب کی باتین کہتے ہین غلطی پر ہین یہ فلسفہ ہی کی روح ہے جسنے عملی صورت اختیار کی ہے - ہر خیال چاہتا ہے کہ عملی جامہ پہنے اور جب تک اسکو عملی جامہ نہین پہنایا جاتا وہ چین نہین لیتا نہ چین لینے دیتا ہے - جس وقت تم دیکھو کہ کسی ملک یا کسی قوم مین بیچینی کی حالت پیدا ہو رہی ہے تو یقین کرلو کہ وہان نئے قسم کا فلسفہ پیدا ہوگا - اور وہ قوم فوراً اپنی کایا پلٹ کریگی - خیال ہی تو ہے جو سب کچھ کرتا ہے -

اور کرسکتا ہے۔

قومون کے بنانیوالے مدبّر یا پولٹیکل لیڈر نہین ہوتے۔ ان بیچارون کو خبر بھی نہین کہ یہ کس کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بنے ہوئے ناچتے ہین۔ کہنے کے لئے تم جو چاہو وہ کہہ لو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قومون کے بنانیوالے ان کو راہ راست پر لانیوالے۔ اُنکے جذبات کو سمجھ کر خاص راہ کی طرف رجوع کرنیوالے اُس قوم کے فلاسفر اور اہل خیال ہوتے ہین۔ بسا اوقات یہ اہل خیال اوتار بنکر آتے ہین۔ بسا اوقات یہ جھونپڑون مین رہتے ہین۔ تم سمجھتے ہوکہ یہ اپاہج ہین، نکمے ہین، سُست ہین، اور ناکارہ ہین۔ یہ تمہاری غلطی ہے۔ یہ جھونپڑون کے رہنے والے قوم کے سچے رہبر اور سچے سردار ہین۔ وہ پبلک نوٹس مین نہین آتے۔ اپنی شخصیت کو نمود و شہرت کے جال سے بچاتے ہین۔ مگر دور دراز جنگل مین تنہائی کی زندگی بسر کرنیوالون کے خیال کا ہاتھ لامحدود بنکر کام کرتا ہے۔ ان کا خیال دماغ سے نکل کر ایسے آدمیون کے دلون مین سرایت کرجاتا ہے جو اُسکے ظرف ہین اور اُسی کے توسل سے کام ہو رہتا ہے۔ تنہائی مین رہنے والے فیلسوف دُنیا کی تمام طاقتون سے زیادہ طاقتور ہین اور گمنامی کی وجہ سے اُن کی طاقت اور بھی محیط اور وسیع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مبارک وجود ہین جو ناموری نہین چاہتے اور شہرت و نمود کے بھوکے نہین ہین۔ کام چاہتے ہین اور الگ تھلگ رہکر کام کرتے ہین اور قوم کی قوم کٹھ پتلی بنکر اُنکے خیال کے تارون مین بندھی ہوئی ناچتی ہے۔

یہ فلسفہ ہے۔ فلسفہ کی مختلف قسمین ہین۔ ہمارے خاص ملک مین اسوقت سولہ قسم کے درشن رائج ہین۔ جن مین چھ درشنون کو بالخصوص زیادہ اہمیت دیگئی ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب نہین ہے کہ وہ غلط اور ناکارہ ہین۔ خیال کے ایوولیوشن کے سلسلہ مین یہ سب کے سب ضروری کڑیان ہین۔ انکا رہنا لازمی ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ کب کب اور کس کس طرح خیالات نے دُنیا مین اپنا ظہور کیا ہے۔ یہ بطور خود مکمل ہین۔ انکی کمیون پر نہ بھولو۔ جب جیسی ضرورت ہوئی انہون نے پیدا ہوکر اپنا کام کیا اور اُس حد تک ان مین کوئی نقص نہین ہے۔ ہمارے یہان سارے فلسفہ مکمل ہین۔ دُنیا کے دوسرے ملکون اور قومونکا یہ حال نہین ہے۔ اور تاوقتیکہ وہ ہندو فلسفون سے مدد نہ لین وہ اپنی اصلیت کا پتہ تک نہین دے سکتے۔

آریہ ورت مین فلسفہ کی تواریخ نہایت ہی دلچسپ مضمون ہے۔ مگر ایسے لوگ کم ہین جو اسکو مطالعہ کرکے خیالی زنجیر کی تمام کڑیون کو مسلسل بناکر دکھا سکین۔ یہ عالمون کا کام ہے۔ ہر شخص کا کام نہین ہے۔

ہندؤن کا سب سے پہلا فلسفہ چارواک ہے اور سب سے آخری ویدانت ہے۔ انکے درمیان۔ سانکھیہ۔ بودھ۔ یوگ۔ نیاے۔ وشیشک۔ جین۔ ویاکرن (پانی) پورن پرجیا۔ پرتیہ بھجنا۔ تکولیس پسوپتی۔ رسیشور۔ میمانسا (جیمنی)۔ شیو۔ ہین۔ اور یہ سولہ وچار کرنیکے قابل ہین۔

ان مین سے بہتون کی کتابین نہین ہین۔ مگر اب تک انکے نشانات باقی ہین اور اُنکے عقاید و خیالات دوسری کتابون مین زیر بحث آئے ہین۔ سب سے زیادہ تصانیف بودھون کی ہین۔ حالانکہ انکا فلسفہ اسقدر لطیف و باریک ہے کہ دُنیا مین کم لوگ اسکو سمجھ سکتے ہین۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ پالی زبان مین ہین اور شریعت والون نے ان مین ایسی

خلط بیجا کی ہے کہ جسکا حد و حساب نہین - بودھون کے بعد ویدانت کی کتابین بیشمار ہین اور سوامی شنکر اچاریہ کے بعد اسقدر تصنیف و تالیف سے کام لیا گیا کہ اُسکی کتابون کی فہرست تیار کرنی مشکل ہے - سنسکرت اور بھاشا مین وہ ہزارون کی تعداد مین لکھی گئین - اُن مین بہت سی اب تک زندہ ہین - بہت سی مصنف کی زندگی ہی مین مرگئی تھین - تاہم خاص خاص کتب خانون مین اب تک موجود ہین - یوگ - سانکھ - نیار - اور جَین گرنتھ بھی کم نہین ہین مگر ویدانت کے سامنے انکی کچھ بھی حقیقت نہین -

سب سے پہلے اور شاید آخری ہی دفعہ سوامی مادھو آچاریہ جی نے ان سولہ فلسفون کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی - مگر وہ صرف مختصر ریویو ہے - کتاب اچھی ضرور ہے - مگر غیر کافی ہے - ضرورت ہے کہ اسکے متعلق کوئی بسیط کتاب لکھی جاے - جس مین فلسفہ کی تواریخ کے ساتھ اُنکے عقاید - اصول اور خیالات اکٹھا کئے جائین - مین نے ایک مرتبہ اس کام کی جرأت کرنی چاہی تھی - دوستون نے بہت اصرار کیا تھا - مگر ضروری کامون کی وجہ سے وہ اب تک التوا مین پڑا رہا - کیا اچھا ہو کہ کوئی قابل ودیا وان پنڈت اس کام کو اپنے ذمے لے - ہندؤن مین سولہ فلسفہ ہین جو قلمبند ہوچکے ہین - مگر یہ نہ سمجھو کہ ان مین فلسفہ کا خاتمہ ہوگیا - فلسفہ ضرورت وقت اور مصلحت وقت کے خیال اور کام کا مرکب معجون ہے -

جس طرح سنکر اچاریہ جی کے بعد رامانج کا زمانہ آیا - اور وہ نئے فلسفہ یعنی وششت اودیت واد کے موجد تھے - اسیطرح رامانج کے بعد زیادہ عملی زیادہ موثر زیادہ سہل پیرایہ مین کبیر صاحب ایک خاص خیال کے موجد ہوئے اور اُنکی تصوف کی لہرون نے قوم مین نئی روح پھونکی - اور اُسکی صدا آواز بازگشت بنکر تمام ملک مین گونج اُٹھی اور ابتک گونج رہی ہے - اس کا اثر اب تک کام کر رہا ہے - مگر ایسے آدمی کم نظر آئینگے جو اُسکی مکمل صورت دکھا سکین - کبیر صاحب کا فلسفہ ویدانت سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے - اور جس طرح ویدانت کی نسبت اور فلسفون سے ہے - وہی نسبت اس کو ویدانت سے ہے - مگر زمانہ کے رد و بدل سے اُسکے سمجھنے والے کم رہگئے - گو مقلد گروون کی تعداد مین ملینگے -

ہندؤن مین آخری دفعہ کبیر صاحب کے فلسفہ نے زور مارا - اور قوم کی وہ کایا پلٹ کی کہ جس کا حد و پایان نہین - کبیر صاحب کے کلام مین اعجاز تھا اور سوامی شنکر آچاریہ جی کی طرح اُنکی زندگی ہی مین اسنے بڑی خوبی کے ساتھ پانون نکالے - یہان تک کہ پنجاب مین گرو نانک صاحب اودھ مین جگ جیون صاحب بمبئی و گجرات مین کمال صاحب راجپوتانہ مین دادو صاحب - وغیرہ صاحبان نے اسکا بہت کچھ پرچار کیا - اُڑیسہ - بمبئی - وغیرہ صوبجات مین تُکا رام وغیرہ جو بھگت گذرے ہین وہ اسی کے خوشہ چینون مین ہین اور اُن کی نظمون مین کبیر صاحب کو خاص اہمیت دی گئی ہے - اسوقت اُسی کو بطرز دیگر اور زیادہ موثر پیرایہ مین راے سالگرام صاحب بہادر (آگرہ) نے خاص طور پر چلادی ہے - یہ ہندؤن کا اسوقت کا خاص فلسفہ ہے - اور گہری نگاہ سے مطالعہ کئے جانے کے قابل ہے - اسکی مکمل صورت بنانے کا اہتمام نہین کیا گیا - مین نے بطور خود اپنی نئی کتاب گیان کلیڈرم مین کسی حد تک اُسپر ویدانت کے نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے - اور امید ہے کہ آیندہ بہتر اور زیادہ جستجو کرنیوالے اسکو اور بھی دلچسپ اور عام فہم بنائینگے -

یہ فلسفہ ہے۔ اور یہ اُسکی اہمیت ہے۔ ہندوٗن کو بالخصوص فلسفہ کے نام سے نہین چڑھنا چاہیئے۔ جو کچھ ہے وہ فلسفہ ہی ہے۔ اور اُسکی مراد سمجھکر اس سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

شیوبرت لال

معاشرتی مذہب

جن جن اصول کے ہم بہ حیثیت روحانی یا عاقبتی امور کے پابند ہین عموماً اُن کے مجموعہ کا نام دھرم یا مذہب ہے۔ یا عموماً اُنہین دھرم یا مذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسوقت دُنیا مین اس قسم کے مذہبی مجموعون کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ گو ہر مذہب کے اصول مین دوسرے مذاہب سے ایک نسبت یا ایک قربت پائی جاتی ہو لیکن پھر بھی ایک مذہبی مجموعہ دوسرے مذہبی مجموعہ سے الگ خیال کیا جاتا ہے۔

اس وقت مذاہب مین مذہب پرستون کی حیثیت سے جو کچھ اختلاف اور ضد و کد پائی جاتی ہے وہ قابل تشریح نہین ہے کیونکہ اُس سے کوئی انکار نہین کر سکتا۔

یہ بھی محتاج بیان نہین کہ مناقشت مذاہب کی بدولت اسوقت قومون کے خیالات اور خلوص مین جس قسم کی ابتریان اور کمزوریان وجود پذیر ہو رہی ہین اُن سے انسانی راحت اور انسانی ترقیات مین کہانتک خرابیان عائد ہوتی جاتی ہین اور عائد ہوچکی ہین۔

ہم موجودہ مذاہب کی تقدیس اور ضرورت سے بیخبر نہین ہین اور نہ ہمارا یہ منشا رہے کہ ان مذاہب کو خیرباد کہا جائے یا ان سے قومین کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہ رکھین لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ موجودہ مجموعہ مذاہب کے ہوتے ایک اصلی مذہب کے وجود اور ضرورت سے عملی رنگ مین چونکہ انکار کیا جاتا ہے اس واسطے روحانی مذاہب کے فوائد اور خوبیون سے بھی لوگ متمتع نہین ہوسکتے۔

چونکہ پرستاران مذاہب مین سے بہت سی تعداد رسمی رنگ مین مذہب پرست ہے اس واسطے دن بدن اور بھی نقص اور خدشات پیدا ہوتے جاتے ہین۔ اسکا اثر یہان تک برے رنگ مین تسلیم کیا گیا ہے کہ جہان جہان عقلی تعلیمات کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے وہان مذاہب کی تقدیس کم ہو ہو کر کسی دوسرے رنگ مین طبیعتین رنگی جاتی ہین۔ یہ شاید بعض مذاہب کی کمزوری کی وجہ سے بھی ہو لیکن اسکا اصل موجب اور اُن توہمات اور اُن ضدون کا مجموعہ ہے جو ہر ایک مذہب پرست کی طبیعت مین گھر کئے ہوئے ہے۔

یا تو مذاہب کی تعلیم صحیح رنگ مین ہو اور یا مذاہب سے بالکل انکار ہی کیا جائے۔ سوائے اُن دونون صورتونکے اور کوئی ایسی صورت نہین ہے جو واجبی ترقیات یا واجبی ضروریات کی حامی ہوسکے۔

ایک طرف لوگ زمانہ کی ترقیات اور ضروریات کے شیدا یا دلدادہ ہین اور دوسری طرف مذہبی زوائد یا مذہبی حواشی اور مذہبی توہمات کے نرغہ مین آچکے ہین۔ یہ دونون صورتین ایک دوسرے کی مخالف واقع ہوئی ہین۔ ایک صورت آگے لیجانا چاہتی ہے اور دوسری صورت پیچھے ڈھکیلتی

ہے - ایشیائی حصون مین جہان مذاہب کے توہمات کے رنگ مین ایک بڑی خوفناک حکومت ہے ان دونون متضاد شقون کی وجہ سے ایک سخت لڑائی ہو رہی ہے - ایک قوم دوسری قوم کی دشمنی اور عداوت پر دل و جان سے تلی بیٹھی ہے اور ہر شخص اپنی جداگانہ دوڑ پر فخر کر رہا ہے۔

شاید وہ وقت تو کبھی نہ آئے یا ایسی کبھی اُمید نہین کیجاسکتی کہ ایشیا - یا خطۂ ہندوستان مین سے مذاہب کی خوفناک حکومت کا دور ختم ہو جائیگا - یا مذاہب کی تقدیس اپنے اصلی رنگ مین کیجائیگی - لیکن زمانہ بآواز دُہل یہ کہہ رہا ہے کہ وہ قومین کسی روز کچل ڈالی جائینگی جو زمانہ کی رفتار کے مطابق سالک نہونگی یہی سوال ہے جو ہر ایک کے واسطے حقیقی رنگ مین قابل بحث ہے۔

کیا ایسے حالات مین کوئی سلیم صورت ایسی بھی نکلسکتی ہے جو ان مایوسیون اور آنے والی خرابیون سے محفوظ رکھ سکے؟ ہمارے خیال مین وقت آگیا ہے کہ ایشیائی قومین اپنے اپنے آبائی مذاہب کی تقدیس بحال رکھکر اور اُن کا دائرہ مندرون - گرجون اور مسجدون ہی تک محدود رکھکر ایک تیسرے مذہب کی بنیاد ڈالین - وہ مذہب باقی کے سب مذاہب سے قدیمی اور پائدار ہے اور اُسمین کوئی اختلاف خوفناک رنگ مین عائد ہو ہی نہین سکتا اور نہ اس کے سوائے کوئی چارہ ہے۔

وہ کیا اور کیسا مذہب ہے اور اُسکا نام کیا ہے اور اُسمین کس وسعت سے قومین یا قومون کے افراد شامل ہوسکتے ہین؟ جس ملک اور جس خطہ مین کوئی قومین رہتی ہین اُنکی معاشرت یا ضروریات معاشرت ہمیشہ اُن ملکون یا اُن خطون کے مطابق ہوتی ہین - خواہ اُن قومون مین اور طرح سے کتنی ہی عداوت اور دشمنی یا بدظنی ہو لیکن اُن ضروریات اور اُن معاشرتی امور کے حاصل کرنے مین وہ ایک ہی لے اور ایک ہی دوڑ مین فاصلہ طے کرنا چاہتی ہین۔

ہندوستان کی ہر ایک قوم کا ممبر یکسان طریق سے ہندوستان کی ہوا یا پانی کا خواہان رہتا ہے - جب ہندوستان مین کوئی بیماری یا کوئی عارضہ وبائی رنگ مین عائد ہوتا ہے تو اُسوقت ہندوستان کی کسی قوم کا کوئی ممبر یہ نہین چاہتا کہ خدانخواستہ وہ عارضہ ہندوستان کے کسی حصہ مین جاری اور قائم رہے - شروع سے لیکر اخیر تک ہر قوم کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا عارضہ ہندوستان مین باقی اور عارض نہین رہنا چاہیئے - جب ہندوستان کی خوشحالی کا ذکر آتا ہے تو ہر قوم کا ممبر اپنے اپنے رنگ مین بہتری کا خواہان اور مشتاق ہوتا ہے - یہ عملی دلیل اس بات کی ہے کہ معاشرتی ضرورتون یا معاشرتی امور مین کوئی قوم دوسری قوم سے ایسی خوفناک ضد نہین کرتی جس سے اہم امور معاشرت مین خدانخواستہ تزلزل کا اندیشہ ہو۔

جس طرح تمام مذاہب کے پرستار فروعات تک ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہین لیکن جب قدرت کے مقاصد مین بحث کرتے ہین تو عموماً اُنکا رخ ایک ہی طرف ہوتا ہے - مسجدون مندرون اور گرجون مین جب دعائین مانگی جاتی ہین تو سب کی زبانون پر اُس خدا کا نام ہوتا ہے جو سب کا ساتھی ہے۔

کوئی ملک اور کوئی قوم اُس وقت تک معاشرتی رنگ مین ترقی نہین کرسکتی جب تک معمولی مذاہب کے سوا اُسکا تیسرا مذہب معاشرتی نہ ہو - اسوقت روے زمین پر

جسقدر قومین مختلف ترقی یافتہ ممالک مین ہین اُنکی ترقی کا راز اصلی یہی ہے کہ وہ معاشرتی مذہب کے اصول کی پابند ہین - یوروپ کی قومون مین کیون اتحاد اور کیون خلوص ہے ؟ اس واسطے کہ وہ اس مذہب کی خوبیون اور عمدگیون سے واقف اور آشنا ہوچکی ہین -

ان ترقی یافتہ قومون مین - دیگر مذاہب کا بھی زور ہے اور اُنکی تقدیس کی جاتی ہے - لیکن دُنیاوی سفر اور دُنیاوی نجات کیواسطے اُنکا عمل معاشرتی مذہب کے مطابق ہے - یہ وہ مذہب ہے جسکے دائرہ خوش آیند سے کوئی فرد بھی خوبیٔ قسمت سے باہر نہین -

زمانہ کی موجودہ رفتار بزور اعلان کررہی ہے کہ کوئی قوم اُسوقت تک صفحۂ دُنیا پر عزت کے ساتھ قائم نہین رہ سکتی اور نہ اُسے زندہ قوم کہا جاسکتا ہے جو معاشرتی مذہب اور معاشرتی اصول کی پابند نہو - ہندوستان کی موجودہ حالت اسوقت زور سے یہ یاد دلا رہی ہے کہ اس مذہب کی پابندی اور تقدیس سے لوگون نے مُنہ پھیر لیا ہے - یہانتک کہ لوگ اسکی ضرورت اور وسعت سے قریباً نا آشنا ہیں اور یہ نہین جانتے کہ یہ مذہب اپنی خوبیون اور اپنے اہم اصول کی وجہ سے کہان تک قابل تقلید اور قابل عزت ہے -

اس مذہب پر بحث کرتے ہوئے سب سے اول ہندوستان کی تمام قومون سے خواہ وہ ہنود ہون اور خواہ عیسائی اور خواہ مسلمان یہ پوچھنا چاہیئے کہ اُن کی زیست کا مدار کن امور پر ہے ؟ کیا صرف روحانی مذاہب کی پیروی پر یا اُن توہمات کی بضاعت پر جو اسوقت زورون پر ہین -

یا اُنکی زیست کا مدار اُن امور پر اور اُن وسائل کے بھروسے پر ہے جن سے روحانی خیالات کی تکمیل ہوتی ہے ؟ اور کیا ایسے امور سب قومون مین مشترک نہین ہین ؟ -

جب ہندوستان کی فلاکت یا فلاحت کی بابت بحث کی جاتی ہے تو اُسوقت کوئی روحانی اصول زیر بحث نہین ہوتا بلکہ زندگی کے معمولی وسائل سے بحث کی جاتی ہے جب ایسے وسائل مین کسی کو بھی کلام اور اختلاف نہین تو پھر اُن امور متفقہ کی بابت اتفاق نہ کرنا اُس معاشرتی مذہب کی تقدیس سے روگردان ہونا ہے جو عالمگیر ہے -

ہر مذہب کے لوگ اس بات پر زور دیتے ہین کہ دوسرے مذہب کے لوگ اُنکے مذہب روحانی مین ملین اور اُنکا ساتھ دین اور آخری غرض گو تسکین یا نجات ہو مگر ابتدائی مدعا سوائے اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگ اُنمین شامل ہوکر اُنکے معاشرتی اغراض مین عملاً حصہ لین اور اُن کے شریک بنین -

اگر بجائے اسکے یہی کوشش کیجائے کہ براہ راست لوگ معاشرتی مذہب مین داخل ہون اور معاشرتی مذہب کی پابندی سے دُنیاوی زندگی کا سفر کرین تو بہ نسبت اس موجودہ تگ و دو کے خاص فائدے کی اُمید کیجا سکتی ہے اور ساری قومون کے واسطے کوئی ایسا دن بھی خوش قسمتی سے آسکتا ہے کہ اسی واحد پلیٹ فارم پر اپنا اپنا نظارہ خوشحالی اور امن کے رنگ مین کرسکین -

معاشرتی مذہب کی ضرورت اور وسعت کے اعلان اور اشاعت کے واسطے ایک خاص کوشش اور خاص مذاق کی ضرورت ہے - جن لوگون کے خیالات اور معلومات اس مرحلے مین صاف اور روشن واقع ہوئے ہین اُنکا فرض ہے

کہ اس کی تبلیغ کے واسطے خاص خاص ذرائع سے کام لین اور خصوصیت سے ہر کوچہ اور ہر شاہراہ مین اسکا اعلان کرین۔

یہ وہ سبب نہین کہ لوگ اپنے اپنے تقدیسی مذاہب سے روگردان ہون یا چھوڑ دین یا اُنکی تقدیس اُنکے دلون سے اُٹھ جاے۔ بلکہ اس عالمگیر مذہب اور ہمہ اوست پنتھ کی اشاعت کے واسطے ایک خاص پہلو اختیار کیا جاے۔ موجودہ زمانہ زور سے اسکی تائید اور اشاعت کر رہا ہے اور وقت آنے والا ہے کہ بہت سی روحین خود بخود باوجود انواع اقسام کے مناقشون او اُلجھنون کے بھی اسطرف ہوتی جائینگی۔

لیکن اگر اُس مجبوری کے زمانے سے پہلے ہی لوگ اسطرف بہ طیب خاطر متوجہ ہوسکین تو اُسمین ایک خاص برکت اور خاص زور ہو۔ اگر لوگ اس معاشرتی مذہب سے اخیر وقت تک باوجود زمانہ کی اس تبلیغ کے منحرف رہے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ قومین بربادی کے غار مین گرکر رفتہ رفتہ معدوم ہوجائین گی۔

ہندوستان کی قومون مین آشتی اور صلح موجودہ مذاہب کی مداخلت سے نہین مفقود ہے۔ بلکہ اسواسطے کہ لوگون نے توہمات کے زور سے مذاہب کے اغراض سے لاپروائی کررکھی ہے۔ جب مذاہب کی تقدیس اور تبلیغ علمی رنگ مین ہونے لگے گی تو اُسوقت معاشرتی مذہب کی برکتین نمودار ہونگی۔ ہر مذہب معاشرتی مذہب کی تائید مین واقع ہوا ہے۔

چونکہ لوگ معاشرتی مذہب کی وسعت اور ضرورت سے نابلد ہین اور نہین جانتے کہ اُسکی طنابین کہان تک چلی جاتی ہین اسواسطے روحانی مذاہب کے اصول سے معاشرتی مذہب کے اصول کو متضاد جانتے ہین وہ موجودہ مذاہب کے توہمات جو محض خود سازی کا اثر ہین راحت اور آسایش یا اصلی انسانیت کے مقدس مفہوم سے بہت کچھ پرے رکھتے ہین۔ لیکن موجودہ مذاہب کی اصلی غرضین ان مفہومات کی منافی نہین ہین۔

اگر ایک مجمع مین یہ اعلان کیا جاے کہ آج معاشرتی مذہب پر تقریر کیجائیگی تو شاید بہت کم لوگ دفعتہً اصلی مفہوم کا صحیح رنگ مین احساس کرسکین اور بہت سے لوگ ایک حیرت کے ساتھ اُس جلسہ مین شریک ہونے کی آمادگی ظاہر کرین۔ یہ طریق عمل اُن قومون کا ہے اور یہ روش اُن ملکون مین پائی جاتی ہے جنکی قومین اور جنکی نسلین مردہ ہین۔

جو قومین زندہ اور جو نسلین اس موت کے غار سے بہ سلامتی نکل چکی ہین اُن مین جب کوئی ایسا مبارک اعلان کیا جاتا ہے تو وہ صدہا اُمنگون اور جوش کے ساتھ آتی ہین اور فائدہ اُٹھاتی ہین۔ روحانی مذاہب بھی اُنکی تائید اور اُنکی شرکت کے واسطے دوہی سے لبیک کرتے ہین اور روحین جسمانی آسایش کے واسطے خلوص سے موجود ہوتی ہین۔

جب ایک پوجاری مندر مین ناقوس اور ایک گرجہ مین منادی گھنٹی بجاتا اور ایک مسجد مین موذن اذان دیتا ہے تو لوگون کے کان کھڑے ہو جاتے ہین۔ لیکن زمانہ جو شب و روز معاشرتی مذہب کی منادی کرتا ہے اُسکی طرف بدقسمتی سے بعض قومین رخ تک نہین کرتین حالانکہ ان دونون منادیون اور دونون صداؤن کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے۔

مندر۔ گرجے اور مسجدین اُسی حالت مین بچ سکتی ہین اور اُنکے پرستارون مین بھی خلوص اُسی صورت مین ہوسکتا ہے جب معاشرتی مذہب کی تقدیس ایک جوش کے ساتھ کیجاے

لوگ اس مذہب سے مانوس ہونے کی کوشش کرین اور اسکے پاک اصولون کی تفسیر کرکے دکھائین - شاید اس صورت مین کامیابی کا پودا پھولے پھلے اور کچھ رنگ لائے -

سلطان احمد

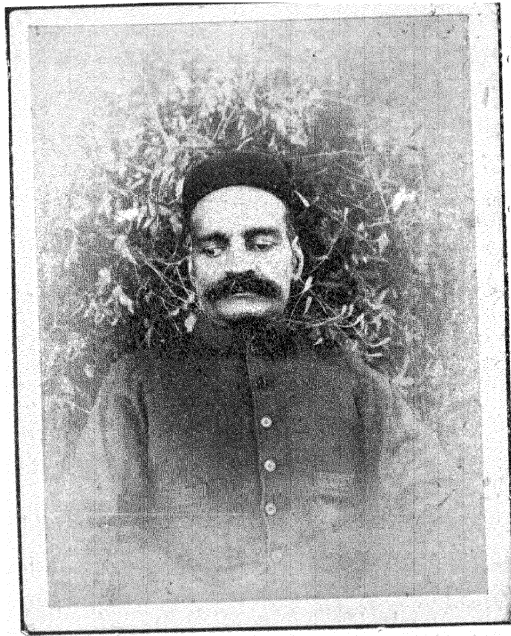
پنڈت بشن نراین درؔ

(متخلص بہ ابرؔ)

باغ جہان مین کھلتے ہین گل کتنے جا بجا — بو بھی نہین سُنگھاتی ہے جن کی کبھی صبا
کتنے گہر ہین گردِ یتیمی مین مبتلا — آئینے خاک مین ہین پڑے کتنے بے جلا
ہین بے نشان کتنے نگین ہائے نامدار
حیران جنکو دیکھکے ہو عقل سادہ کار
(ابرؔ)

مین عزیزان وطن کی نگاہون کے سامنے ایسی زندگی کا مرقع پیش کر رہا ہون جسکی قدرتی آب و تاب پر مکروہات دنیوی کے گرد و غبار نے پردہ ڈالدیا ہے مگر جسکا حُسن ازلی عقیدت مند آنکھون سے پنہان نہین ہے - جو بندگان خدا محض دولت دنیا اور شہرت و ناموری کو مآل کار ہستی سمجھتے ہین اُنکو اس زندگی کے افسانہ مین ایک واقعہ بھی دلچسپ نظر نہ آئیگا - لیکن جن علم دوست مُحبان وطن کا یہ خیال ہے کہ انسان کے دل و دماغ مین اکثر ایسے جوہر لطیف موجود ہین جنکا حُسن ذاتی مصنوعی شان و شوکت کی جلا کا محتاج نہین ہے وہ اس حیرت و عبرت کی داستان کو ضرور ادب کے کانون سے سُنینگے -

پنڈت بشن نراین صاحب درؔ کی زندگی ایک ایسے مرد قانع کی زندگی ہے جس نے علم کو دولت اور ملک و قوم کی خدمت کو ذریعۂ نجات سمجھا - اور آزاد خیالی اور بلند نظری کو انسانی شرافت کا معیار خیال کیا - جو واقعات ذیل مین قلمبند ہین اُنکو انہین صفات کی تفسیر سمجھنا چاہئے - آپ ضلع بارہ بنکی مین ۱۸۶۴ء مین پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ آٹھ نو برس کے سن مین اُردو فارسی کی ابتدائی تعلیم شروع ہوئی - اسکے بعد اسکول مین انگریزی تعلیم کی بنیاد پڑی - انگریزی زبان سے آپ کو کچھ ایسا خلقی اُنس تھا کہ مڈل ہی کی جماعت مین آپ نے علاوہ نصاب تعلیم کی کتابون کے انگلستان کے مشہور مصنف اسمائلس (Smiles) کی وہ نورانی تصانیف پڑھین جو سلف ہلپ (Self-help) اور کیرکٹر (Character) کے لقب سے مشہور ہین - ان کتابون کو آپ کے علمی مذاق کی عالیشان عمارت کا بنیادی پتھر خیال کرنا چاہئے - انٹرنس مین پہونچکر آپ کے مطالعہ کا دائرہ اسقدر وسیع ہوا کہ آپ نے کارلائل ایسے خارا شگاف مصنف کی زبردست تصنیف ہیرو اور ہیرو ورشپ (Hero and Hero-worship) کو بارہا پڑھا اور جزو دماغ کیا - اسکے علاوہ اسپکٹیٹر (Spectator) کو بھی بہت پڑھا - انٹرنس کی منزل طے کرنے کے بعد لکھنؤ مین کیننگ کالج مین شریک ہوکر ایف - اے کی جماعت مین قدم



پنڈت بشن نرائن در بیرسٹر ایٹ لا - لکھنؤ

انڈین پریس الہ آباد

رکھا۔ یہان کالج کا نفیس کتب خانہ کیا ملا گویا پیاسے مسافر کو دریا کا کنارہ مل گیا۔ یہان آپ مذہب و اخلاق اور فطرت انسانی کے فلسفے کے متعلق متعدد کتابین پڑھا کئے جن مین مندرجہ ذیل تصانیف خاص شوق کے ساتھ پڑھیں۔

(1) Spencer's Study of Sociology.
(2) Spencer's Essays.
(3) Spencer's First Principles.
(4) Hume's Essays.
(5) Conflict between Science and Religion.
(6) Mill's Subjection of Women.
(7) Mill's Three Essays on Religion.

آخری کتاب لکھنؤ سے بنارس تک ریل کے سفر مین پڑھ ڈالی۔ میرے نوجوان دوستو اس علمی شوق کی مجسم تصویر پر نظر ڈالو اور اپنے مذاق کی پاکیزگی پر غور کرو۔ اول تو نصاب تعلیم کی کتابون کے علاوہ تمہارے لئے دوسری کتاب کا پڑھنا محض خلاف وضع ہی نہین ہے بلکہ کفر مین داخل ہے۔ اور خدا خدا کرکے یہ کفر اگر کبھی ٹوٹتا بھی ہے تو اُن ادنیٰ درجے کے افسانون کے مطالعہ سے جنکا بازار اسٹیشنون پر گرم رہتا ہے۔ دیکھو اگر ایک ایف۔ اے کی جماعت کا طالبعلم اپنی دماغی قابلیت کو کافی نشوونما دیتا ہے تو وہ کارلائل۔ مِل۔ اور اسپنسر کے ایسے باریک بین اور نکتہ سنج مصنفون کے آسمان فکر سے تارے توڑ کر لاسکتا ہے۔ مگر یہ ہو تو کیونکر ہو تم کو پوشاک کی تراش و خراش اور دماغ کے بیرونی حصہ کی آرائش اور بیٹ اور رکیٹ کی گردش پر وجد کرنے ہی سے فرصت نہین ملتی کہ تم مِل اور اسپنسر کی روح پر احسان کرو۔ پنڈت بشن نراین درؔ کا یہ وتیرہ نہ تھا۔ آپ طالبعلمی کے زمانہ مین دماغی مشاغل مین ہمہ تن محو رہتے تھے۔ اور انگریزی لکھنے مین آپ نے خاص مہارت پیدا کر لی تھی۔ کالج کی تعلیم کے علاوہ آپ کے دل و دماغ کی نشوونما پر ایک اور بہترین اثر پڑ رہا تھا۔ یہ کشمیری کلب کا اخلاقی اثر تھا اس کلب کے جلسے ہفتہ وار ہوتے تھے جن مین مختلف اخلاقی اور علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی اِس مرکز اخلاق کا اثر بہت زبردست اور وسیع تھا اور حضرت درؔ خود فرماتے تھے کہ آپ کے گھر کی نظری تعلیم ایسی تھی کہ اگر آپ کلب کے ممبر نہ ہوئے ہوتے تو شاید قومی اور سوشل مسائل کے متعلق آپ اکثر نئے خیالات سے عرصۂ دراز تک بے خبر رہتے۔ غرضکہ کلب کی تربیت اور ذاتی مطالعہ کتب سے آپ کے خیال روز بروز وسیع اور روشن ہوتے گئے اور آپ کو ولایت جانے کا خیال پیدا ہوا۔ یہ خیال رفتہ رفتہ ترقی کرتا گیا اور کالج کی تعلیم سے طبیعت ہٹ گئی۔ اس عرصہ مین امتحان کا زمانہ آیا اور آپ ریاضی کی مد مین ناکامیاب رہے اور بی۔ اے کی جماعت مین ترقی نہ پاسکے۔ اس ناکامیابی نے ولایت کے شوق پر تازیانہ کا کام کیا۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ولایت کے نام سے روح فنا ہوتی تھی اور ولایت کا سفر عقبیٰ کے سفر سے کم وحشت ناک نہین خیال کیا جاتا تھا۔ لہذا والدین سے اجازت ملنا ناممکن تھا۔ مگر آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو موافق کرلیا اور بجز دو ایک احباب کے اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیا۔ اور ایک روز الہ آباد کے سفر کا بہانہ کرکے بمبئی روانہ ہوگئے اور وہان سے ولایت کی راہ لی۔ لندن پہونچکر آپ نے بیرسٹری کی تکمیل کی فکر کی مگر چونکہ قانون سے طبعی مناسبت نہ تھی لہذا اسکو محض اک معاش کا ذریعہ سمجھا اور اپنا علمی مذاق

وہان بھی قائم رکھا - ولایت کے تین سال کے قیام کے زمانہ مین آپ نے زیادہ تر فن تاریخ - فلسفہ - اصول پالیٹکس (Abstract Politics) اور سوشیالوجی (تمدن) کے متعلق کتابین پڑھین خصوصاً ذیل کی کتابون پر زیادہ توجہ رہی -

Herbert Spencer's Works.

Huxley's Essays.

Tyndall's Fragments of Science.

Darwin's Origin of Species.

Mill's Works.

Lecky's Rationalism.

Lecky's History of European Morals.

History of Civilization.

Draper's Intellectual Development of Europe.

Sir H. Mayne's Works.

Carlyle's Works.

ولایت کے سفر کے قبل کارلائل کی ہیرو ورشپ اور اسپنسر کی سوشیالوجی کا اثر آپ کی دماغی تربیت پر بہت پڑا تھا - ولایت مین آپ کو مل کی تصانیف پڑھنے کا زیادہ شوق دامنگیر ہوا - آپ فرماتے تھے کہ ولایت مین آپ نے مکالے کی کوئی تصنیف نہین پڑھی بلکہ ہندوستان واپس آنے کے بھی کئی برس بعد اس برق وش مصنف کی کتابون کی سیر کی - پنڈت بشن نراین در کو سنجیدہ تصانیف کا مطالعہ ہمیشہ مدنظر رہا - افسانون اور ناولون کو بالاے طاق رکھا - یعنی ادنے درجے کے ناول تو خارج از بحث ہین پنڈت صاحب موصوف نے ولایت سے واپس آنے کے بعد انگلستان کے جادو نگار مصنف اسکاٹ کے تاریخی افسانے پڑھے - ولایت کی تعلیم سے آپ کا علمی مذاق پختہ ہو گیا - اور آپ کو انگریزی ادب اور انگریزی زبان پر وہ عبور حاصل ہو گیا جسکی تعریف آسان ہے مگر تقلید مشکل ہے - انگریزی زبان کے مصنفین مین کارلائل - مل - فرووڈ - میتھو آرنلڈ - ہکسلی - مارلی - ہیرسن - برک زیادہ تر ہمیشہ سے آپ کے پسند خاطر ہین اور شعرا مین شیکسپیر - بائرن - شیلی - کیٹس - ورڈس ورتھ اور ٹینی سن کے چمنستان سخن مین آپ زیادہ گرم سیر رہتے ہین - ملٹن کا کلام کم پڑھا ہے اور اُسطرف طبیعت بھی زیادہ مائل نہین ہے -

ولایت کے اخبارون مین لنڈن ٹائمس کی نسبت آپ ایک لطیفہ بیان کرتے تھے کہ اس گران قدر اخبار کی نسبت آپ سے ولایت کے قیام کے زمانہ مین مسٹر بنٹنگ نے (جو کہ اب سر پرسی بنٹنگ ہین) فرمایا کہ اگر تمکو دریافت کرنا ہو کہ انگریزون کا اصلی خیال کیا نہیں ہے تو ٹائمس کو پڑھو

"If you wish to know what the English people do not think, read the *Times.*"

یہ ایک عجیب فقرہ تھا - مگر پنڈت صاحب موصوف کا خیال ہے کہ ایسا کہنا بالکل صحیح نہین ٹائمس مین جمہور کے خیالات کا عکس نہو مگر اس کو اُمرا اور اکابر کے جذبات اور خیالات کا مرقع ضرور سمجھنا چاہیے - ولایت کے اکثر اخبارون اور رسالون مین پنڈت بشن نراین نے مضامین لکھے جو وہان وقعت کی نگاہ سے دیکھے گئے - ولایت کے قیام کے پہلے سال مین پنڈت صاحب موصوف کو پولٹیکل امور مین زیادہ دلچسپی پیدا

نہین ہوئی مگر جب ۱۸۸۶ء کے آخر مین مسٹر گلیڈسٹن نے ہوم رول بل پیش کرکے انگریزون کے پولٹیکل خیالات کے دریا مین تلاطم پیدا کردیا تو اُس سے آپ بھی متاثر ہوئے اور ہندوستان کے پولٹیکل حقوق کی حفاظت کے جذبات آپ کے دل مین بھی بیدار ہوئے - حسن اتفاق سے اُسی زمانہ مین مسٹر لال موہن گھوش مرحوم اور مسٹر چندر دار کر بھی ہندوستان کے ادبار و بیکسی پر نوحہ خوانی کرنے کیلئے ولایت تشریف لے گئے اور مسٹر گھوش موصوف نے پارلیمنٹ کی پولٹیکل خانقاہ مین اپنا سجادہ قائم کرنے کی فکر کی - ان تمام واقعات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ آپ نے بھی ہندوستان کے پولٹیکل مسائل کا مطالعہ شروع کیا اور ملکی خدمت کا بیڑا اُٹھالیا - ولایت سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے واپس آنے کے بعد آپ نے مطالعہ قانون محض تفنن طبع کی طور پر جاری رکھا اور پولٹیکل اور سوشل مسائل کی چھان بنان مین ہمہ تن سرگرم رہے - آپ کے کتب خانہ مین انگریزی ادب و فلسفہ و اخلاق وغیرہ کی کتابون کی تعداد سیکڑون سے تجاوز کرگئی مگر قانون کی کتابون کا ذخیرہ بہت محدود رہا - مین اپنے ذاتی علم سے کہہ سکتا ہون کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت مین نیاز حاصل کرنے کے لئے جانا ہوا تو یہ تماشا نظر آیا کہ آپ کسی پولٹیکل یا سوشل مسئلہ پر مضمون تحریر فرما رہے ہین اور خدمتگار کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر موکل آئے تو اُس سے کہدو کہ بیرسٹر صاحب گھر پر موجود نہین ہین - دُنیا دار اور زر پرست اس اخلاقی سرگرمی کو نرم سے نرم الفاظ مین جنون اور سخت الفاظ مین حماقت کہینگے مگر جن فدائیان وطن کے دل درد محبت سے آشنا ہین اور جنکے سر پر ایثار کے فرشتے کے پرون کا سایہ ہے وہ ضرور اس حب الوطنی کے جوش پر درود پڑھینگے - میرے دوستو انسانی عظمت اسی کا نام ہے اور حیات جاودانی کا سرمایہ ایسی ہی زندگی سے حاصل ہوتا ہے مگر حرص و ہوا کے اسیر اور خود پرستی کے شیدا ان روحانی رموز سے واقف نہین - فارسی کا اُستاد کہہ گیا ہے؟

حریف ناوک مژگان خون ریزم نئی ناصح   بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن

۱۸۸۷ء مین جب کانگرس کا تیسرا اجلاس مدراس مین ہوا تو پنڈت بشن نراین در بھی اُسمین شریک ہوئے - کانگرس مین شریک ہونے کا آپ کا یہ پہلا موقع تھا - لیکن آپ کی تقریر سے کانگرس کے پیر طریقت مسٹر ہیوم ایسے متاثر ہوئے کہ اُنھون نے تقریر مذکور کے ایک اقتباس سے کانگرس کی روداد کی پیشانی کو رونق بخشی

آپکی پولٹیکل جدوجہد کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۸۹۳ء مین اعظم گڈھ کے ہندو مسلمانون مین گاوکشی کی بنیاد پر فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوگئی اور بعض حکام ضلع کی ناعاقبت اندیشی اور پولٹیکل تعصب کی وجہ سے واقعات نے یہ رفتار اختیار کی کہ ہندوون پر سرکاری عتاب نازل ہوا اور متعدد ہندو رئیسون اور زمیندارون کی آبرو خطرہ مین آگئی - اس طوفان کے عالم مین جبکہ سرکاری قہر سے اعظم گڈھ کے در و دیوار بھی پناہ مانگ رہے تھے اور کسی وکیل یا بیرسٹر کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ ناکردہ گناہ ملزمون کے مقدمات کی پیروی کرے - پنڈت بشن نراین در خود اعظم گڈھ تشریف لے گئے اور وہان کل واقعات کی تحقیقات کرکے ایک معرکہ آرا پمفلٹ مین حکام کی انتظامی بدعنوانیون کا پردہ فاش کیا - یہ پولٹیکل معرکہ اس صوبہ کی تاریخ مین یادگار رہیگا - اور اُس زمانہ مین بنگال کے اخبارون نے لکھا تھا کہ پنڈت بشن نراین در نے وہ کام کیا ہے جسکے لئے اگر اُن کا سونے کا بُت قائم کیا جاے تو مناسب ہے -

اس پمفلٹ کے علاوہ پنڈت صاحب موصوف نے اکثر طولانی مضامین پولٹیکل اور سوشل مسائل پر مختلف اخبارون مین لکھے ہین جنکے پڑھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے مغربی ملکون کی تاریخ اور فلسفہ پر کیسا عبور حاصل کیا ہے اور مغربی اصول کی روشنی مین آپ کس آسانی سے ہندوستان کی پولٹیکل اور سوشل گتھیان سلجھانے کی کوشش کرتے ہین آپکی تحریرین ہمیشہ نہایت فلسفیانہ آزادخیالی کے جوہر سے معمور ہوتی ہین اور اعلیٰ درجہ کی تنقید کا نمونہ ہوتی ہین۔ جہان تک حسن تحریر کا تعلق ہے اُسکی تعریف میرے قلم کی محتاج نہین ہے۔ بابو گنگا پرشاد صاحب ورما کہتے تھے کہ مسٹر ڈگبی نے اُن سے ایک مرتبہ فرمایا کہ اسوقت ہندوستان مین دو شخص اعلیٰ درجہ کی انگریزی لکھ سکتے ہین ایک پنڈت بشن نراین درؔ اور دوسرے مسٹر ان۔ ان گھوش مرحوم۔

ڈاکٹر تیج بہادر سپرو کا بیان ہے کہ جب وہ آگرہ مین کالج مین پڑھتے تھے تو ایک روز مسٹر اینڈرو ز اُنکے پروفیسر جو کہ خود انگریزی زبان کے ایک عالم متبحر تھے کہنے لگے کہ اگر اس صوبہ مین کوئی شخص ایسی انگریزی لکھتا ہے کہ جسکی تحریر پر اہل زبان انگریز کی تحریر کا دھوکا ہوتا ہے تو وہ بشن نراین درؔ ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ آگرہ کالج کے پرنسپل مسٹر ٹامسن نے اُنسے برسبیل تذکرہ ایک روز کہا کہ جو مضامین بشن نراین درؔ نے آثار زمانہ (Signs of Times) کے عنوان سے تحریر کئے ہین۔ اگر مین ایسے مضامین لکھتا تو ولایت کے کسی نامی اخبار مین شایع کرتا اور اُن کی اشاعت سے میرا نام ہوگیا ہوتا۔

پنڈت بشن نراین درؔ کا علمی مذاق محض انگریزی ادب اور انگریزی زبان تک محدود نہین۔ اُردو اور فارسی شاعرون کا کلام بھی آپ نہایت شوق سے پڑھا کرتے ہین اور آپ کا خیال یہ ہے کہ قومی اور ملکی ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے وطن کی قدیم زبانون کو یعنی اُردو ہندی وغیرہ کی مردہ ہڈیون مین نئی روح پھونکی جاے۔ چنانچہ آپ خود اُردو کے سخن سنج ہین۔ پہلی غزل جو اُردو مین آپ نے تصنیف فرمائی تھی اُسکا ایک شعر مجھے اسوقت یاد آگیا۔ وہ شعر یہ ہے۔

حبیبِ ملک ہین اپنے وطن سے ہمکو الفت ہے
تمنائے ولایت کیا کرین ہندوستان ہوکر

بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا کہ پنڈت للتا پرشاد صاحب بٹ پوری کے یہان لکھنؤ مین دو سال تک مشاعرے ہوا کئے۔ یہ مشاعرے بھی یادگار رہینگے۔ پنڈت بشن نراین درؔ برابر ان مشاعرون مین شریک ہوتے رہے اور برابر طرحی غزلین کہتے رہے۔ پہلی ہی غزل جو آپ نے مشاعرہ مین پڑھی اُسکا ایک شعر بہت مقبول ہوا اور مشہور بھی ہوا۔ ع

نیتِ پاک ہی کافی ہے طہارت کے لئے
نہ وضو چاہیئے زاہد نہ تیمم مجھ کو

ایک مرتبہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہان قطب کی لاٹ کی سیر کو بھی گئے۔ اُس خاص موقع پر آپ نے ایک رباعی تصنیف فرمائی۔

رباعی

دُنیا کی عجب ہم نے ہستی دیکھی پہونچے جو بلندی پہ تو پستی دیکھی
مینار قطب سے ہم نے ڈالی جو نگاہ اُجڑی ہوئی دہلی کی بھی بستی دیکھی

اُردو شاعرون مین آپ کو آتش وانیس وغالب کا کلام بہت پسند ہے۔ اور انیس کو آپ تمام اُردو شعرا مین ممتاز سمجھتے

ہین۔ اور نیز آپ کا یہ خیال ہے کہ اعلیٰ درجہ کے اُردو شعرا کی پرواز فکر اکثر بڑے بڑے انگریزی شعرا کی پرواز فکر کا مقابلہ کرتی ہے۔ آپ کے کلام سے چند اشعار تبرکاً درج ذیل ہین۔

قیدیِ دامِ رگ گل ہون برنگ رنگ گل
اے صبا آزاد کردے صورت نکہت مجھے
من وسلوا مفت کا گر ہو تو ہے مجھ کو حرام
ہو ریاضت کی تو نانِ خشک ہے نعمت مجھے

ہر دانہ کی کیا زیرِ زمین کل تھی حقیقت
کیون خاک سے دامن کو اُٹھائے ہین شجر آج

ہے بیکاری بھی اس خمخانۂ عالم مین باکاری
جو خالی بیٹھے ہین وہ عمر کا پیمانہ بھرتے ہین
جب نہ سوجھی راہِ حق گم گشتگان دہر کو
شیخ کوئی ہوگیا کوئی برہمن ہو گیا

اثر ہو سننے سے کانون کو یا نہ ہو لیکن
جو فرض تھا وہ ادا کر چکی زبان اپنا

ہر اک تھا زیر سایۂ دامان مادری
کس کو نہین ہے یاد وہ الطاف گستری
موقوف جب تھی شیر ہی پر جسم پروری
تاثیر مادری سے ہو کیونکر کوئی بری
بچون کو مان کی گود بھی مکتب سے کم نہین
اس مدرسہ مین حاجتِ لوح و قلم نہین

ابھی دو تین ہفتہ کا عرصہ ہوا کہ بیماری کی حالت مین آپ نے الموڑہ سے ایک غزل لکھکر بھیجی ہے۔ دو اک شعر اُس کے درج ذیل ہین۔

طریقِ لطف مہمانی مین یکسان دوست دشمن ہین
گھر اُسکا ہے یہان جو آشنا بیگانہ آتا ہے
نکل آئے ہین کسی وحشت سرا مین تیرے دیوانے
نظر کوسون تلک ویرانہ ہی ویرانہ آتا ہے
ہین مرگ و زیست پردے شعبدہ گر کے تماشے کے
نظر بندی کا عالم ہے کوئی جاتا نہ آتا ہے

لیکن دس بارہ سال کے عرصہ سے آپ کچھ ایسے مکروہات دُنیوی سے تنگ رہے جسکی وجہ سے آپ کو پولیٹکل معرکہ آرائیون کے میدان سے ہٹکر گوشۂ تنہائی اختیار کرنا پڑا اور سوا اسے مطالعۂ کتب کے آپ کے تمام دماغی مشاغل کا بازار سرد رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عرصۂ دراز سے آپ کے اہل وطن آپ کی تحریر و تقریر کے فیض سے محروم رہے اور ملک کے اکثر گوشون سے یہ صدا آیا کی ؎

صد فصل نوبہار گذشت و درین چمن
بُلبل تو نالۂ نکشیدی چہ شد ترا

زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ملک اور قوم کی بدنصیبی آپ کی مسلسل علالت کی شکل مین نمودار ہوئی ہے جس مین آپ چار سال سے گرفتار ہین۔ لیکن اس عالم مین بھی آپ ملک کی خدمت سے بے خبر نہین ہین۔ لکھنؤ کی پراونشل کانفرنس مین جو آپ نے زبردست تحریر رفارم اسکیم کے متعلق پڑھی تھی اس سے لوگون پر یہ آئینہ ہوگیا کہ تپ دق کی جانگزا علالت سے بھی اس شیر دل اور شیر مرد مدبر کی قوت دماغ مین اور

شانِ تحریر مین فرق نہین آیا ہے - یا جو مضمون آپ کا ۱۲ - دسمبر ۱۹۰۹ء کے لیڈر مین نئی کونسل کے قواعد کے متعلق شایع ہوا ہے اُسنے سب کو حیرت مین ڈالدیا ہے اور آپ کی صحت کی ناقابل اطمینان حالت کو دیکھکر اگر ہم اس مضمون کو قوت تحریر کا معجزہ کہون تو نامناسب نہ ہوگا - ملک کے پولٹیکل واقعات کی رفتار کا اندازہ آپ اپنی بیماری کے بستر سے کر رہے ہین - اور جان مارلی کی نیک نیتی مین آپ کو یقین نہین بلکہ عقیدہ ہے - اس وقت اکسٹریمسٹ یعنی شورش پسند فرقے نے جو ملک مین ہنگامۂ حشر بپا کر رہا ہے اسکے نسبت آپ ایک حال کے خط مین تحریر فرماتے ہین -

" اسوقت کی پولٹیکل شورش کی نسبت میری نہایت مختصر راے یہ ہے کہ (Anarchy)[۵۱] تو ہر طرح سے قابل گردن زدنی ہے لیکن (Extremism)[۵۲] ابھی ہمارے واسطے سخت مضر ہے - جس قسم کے فائدہ ان سے کبھی کبھی بعض ملکون مین ہون لیکن جو میرے نزدیک نہایت مشتبہ ہین وہ بھی ابھی ہندوستان کو ۵۰ برس تک نہین ہوسکتے - میرے نزدیک جو بمبئی کے لیڈر ہین اُنھون نے اس معاملہ کو خوب سمجھا ہے اور بہت دانشمندی کی پالیسی اختیار کی ہے - بنگال کے بعض لیڈرون کی حالت قابل اطمینان نہین ہے اور ہمارے صوبہ والون کو تو انکی کبھی اس معاملہ مین تقلید نہین کرنا چاہیے (Moderate)[۵۳] فریق کے اصول بہت عمدہ ہین مگر اُن سے مجھکو یہ خوف ہمیشہ لگا رہتا ہے کہ وہ (too moderate)[۵۴] نہ ہوجائین"

طالبعلمون کو آپ خاص محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور متعدد نوجوان آپ کے علمی فیض کے چشمے سے سیراب ہو چکے ہین - اور اسوقت تک اپنے کو آپ کا شاگرد خیال کرتے ہین اور فخر کرتے ہین - ڈاکٹر تیج بہادر صاحب سپرو - ایم - اے - ال - ال - ڈی اس صوبہ کے تعلیم یافتہ حضرات مین خاص امتیاز رکھتے ہین - آپ ایک خط مین تحریر فرماتے ہین -

"۱۸۹۵ء مین مجھے پنڈت بشن نراین سے دہلی مین چند بار موقع ملاقات کا ہوا اور اسکے بعد مجھے اُن سے ایسی عقیدت ہوگئی جیسے کہ کسی شاگرد کو اُستاد سے ہوتی ہے مین نے اُسی زمانہ مین ایم - اے کا امتحان پاس کیا تھا - اور ایم - اے کے امتحان کے کورس مین میرے زمانہ مین مِل کی مشہور کتاب لبرٹی (Liberty) مقرر تھی - باوجودیکہ مین نے اس کتاب کو نہایت محنت سے پڑھا تھا مگر چند مشکلات مجھے ایسی معلوم ہوتی تھین کہ جنکا جواب مین خود آسانی سے نہین دے سکتا تھا - مین نے ایک مرتبہ موقع پاکر پنڈت صاحب سے انکا تذکرہ کیا . . . . مین اپنے تجربہ کے بعد یقیناً کہہ سکتا ہون کہ مِل کو جس خوبی کے ساتھ پنڈت بشن نراین صاحب نے سمجھا ہے بہت کم ہندوستانیون نے سمجھا ہوگا"

اسی صورت پر پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم - اے پروفیسر ٹریننگ کالج الہ آباد ایک خط مین تحریر فرماتے ہین -

"مجھے یہ کہنے مین کلام نہین ہے کہ پنڈت بشن نراین در نے مجھکو غور و فکر کا طریقہ بتلایا - مجھ کو اُنکی علمی شاگردی کا فخر ہے اور مین اُنکی خدمت مین نیاز حاصل ہونے کو اک نعمت سمجھتا ہون"

میرے دوستو ابھی تک مین نے پنڈت بشن نراین در کے دماغی اوصاف کا ذکر کیا ہے - لیکن پنڈت صاحب موصوف کی اصلی وقعت و عظمت کا اندازہ وہی حضرات کرسکتے ہین جنکو

---

۵۱ - طوائف الملوکی - ۵۲ شورش پسند فرقہ کا طرز عمل - ۵۳ اعتدال پسند - ۵۴ ضرورت سے زیادہ اعتدال پسند -

آپ کی خدمت مین دوستانہ یا شاگردانہ نیاز حاصل ہے۔میرا یہ کہنا ہرگز مبالغہ مین داخل نہوگا اور آپ کے احباب مجھسے کلیتہً اتفاق کرینگے کہ پنڈت صاحب موصوف اپنے صفائی قلب۔ حمیت و نیک نیتی اور صبر و استقلال کے لحاظ سے انسانی عظمت کی تصویر ہین یا یون کہون کہ قدرت نے توکل اور استغنا کے پتلے مین کسی یوگی کی روح پھونک دی ہے۔اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کے احباب آپ کی پرستش کرتے ہین۔جب آپ کے ولایت سے واپس آنے پر کشمیری پنڈتون کے فرقہ مین طوفان بے تمیزی برپا ہوا اور آپ کو قوم سے خارج کرنے کا فتویٰ دیا گیا تو اُس زمانہ مین بھی آپ کے دل مین بغض و کینہ کے جذبات جوش مین نہ آئے اور آپ نے اپنے پُرجوش مخالفین کی حماقتون کو ہنسی مین ٹال دیا۔اور آپکی اس اخلاقی عظمت کا یہ نتیجہ تھا کہ کشمیری پنڈتون مین سفر ولایت کا مسئلہ آسانی سے طے ہوگیا۔آپ کا ہمیشہ یہی اصول رہا

وفا سرشت ہون شیوہ ہے دوستی میرا
نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

مگر مین یہ ضرور کہونگا کہ اکثر موقعون پر پنڈت صاحب کا توکل و استغنا درجۂ اعتدال سے گذر جاتا ہے مثلاً ایک مرتبہ انگلستان کی مشہور فسانہ نگار مسز آسٹیل نے آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنے تمام مضامین اُنکو عنایت کرین تاکہ وہ اپنے زیر اہتمام ولایت مین شایع کرائین اور وہان کے انگریزون پر آپ کے خداداد طبعی جوہرون کا اظہار کرین۔ آپ نے مضامین دینے کا وعدہ تو کر لیا مگر آپ کے پاس آپ کے ایک مضمون کا بھی مسودہ نہ تھا۔اب مضمون آئین تو کہان سے آئین۔بہر حال آپ کے اکثر احباب آپ کے مضامین جمع کرتے تھے۔اُنہون نے جتنے مضامین آپ کے قلم سے نکلے ہوئے دستیاب ہوسکے آپ کے حوالے کئے مگر آپ کے استغنا اور تساہل نے اس امر کی اجازت نہ دی کہ آپ وہ مضامین مسز آسٹیل کو روانہ کر دین۔اُنہون نے ولایت پہونچکر بہت تقاضے کئے۔لیکن یہان سے بجز سکوت کے جواب نہ ملا۔آخر معلوم ہوا کہ وہ مضامین آپ سے گُم ہوگئے۔مین یہ ضرور کہونگا کہ آپ کو ذاتی شہرت کا خیال مطلق نہین ہے لیکن اگر آپ کے مضامین ولایت مین مسز آسٹیل کے اہتمام سے شایع ہوجاتے تو غریب ہندوستان کا بہت کچھ بھلا ہوتا اور وہان کے انگریز اس تیرہ خاکدان کی بہت سی حالتون سے واقف ہوجاتے۔اسیطرح ایک مرتبہ کسی جرمن سائنٹسٹ نے آپ کو ایک خط بھیجا اور اُس مین یہ درخواست کی کہ آپ مسئلہ ذات کے متعلق اگر ایک مضمون لکھکر بھیجدین تو آپ کو پی۔ایچ۔ڈی کا خطاب دیا جاے۔ آپ نے اس خط کو بھی ردّی کی ٹوکری کے سپرد کیا۔آپ کے دوستون کو اسطرح کی متعدد مثالین یاد ہین جبکہ آپ نے شہرت سے دور بھاگنے کی کوشش بلیغ فرمائی ہے۔مجھے یقین ہے کہ جناب موصوف میری اس نکتہ چینی کی گستاخی کو معاف فرمائینگے کیونکہ مین ہمیشہ سے آپ کو اپنا محسن اور فرشتۂ رحمت خیال کرتا ہون۔اس توکل و استغنا کے ساتھ طبیعت مین صبر و استقلال کا یہ عالم ہے کہ تپ دق کی بیماری نے بھی آپکی کمر ہمت نہین توڑی ہے۔آپ کو اپنی بیماری مین محض ایک سائنٹفک دلچسپی ہے اور وہ وحشت یا خوف جو کہ عام طور پر ایسے مریضون مین پایا جاتا ہے آپ سے کوسون دور ہے مجھے گذشتہ ستمبر مین الموڑہ جانے کا اتفاق ہوا اور آپ کی

خدمت مین قریب تین ہفتہ کے نیاز حاصل رہا۔ اس عرصہ مین جو آپ سے مختلف سوشل پولٹیکل معاملات پر مباحثہ رہا تو آپ کی گفتگو کی تازگی مین مطلق فرق نہین پایا۔ نہ آپ کے بشرہ سے خوف یا مایوسی کے آثار نمایان دیکھے۔ برعکس اسکے گفتگو مین وہی قدیم انداز پر ظرافت کی چاشنی کا مزہ موجود تھا۔ ایک روز ایک طالبعلم آپ سے ملنے آیا جو بیچارہ خود دق وسل کے مرض مین مبتلا تھا۔ اسکی حالت آپ سے اچھی تھی مگر حسب معمول وہ کسیقدر مایوسی کی گفتگو کر رہا تھا اور کچھ اس امر پر مجھسے اور اُس سے بحث ہونے لگی کہ ڈاکٹر جو آکہ لگاکر امراض سینہ کی جانچ کرتے ہین تو واقعی یہ تشخیص کا طریقہ نہایت مشکل ہے اور محض سانس کی آواز سے پھیپڑون کے زخمون کا اندازہ کرنا کارے دارد۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اس طریقۂ تشخیص کے غیر مکمل ہونے پر طالب علم مذکور کچھ افسوس اور مایوسی ظاہر کر رہا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ ہنسکر کہا کہ تشخیص کا طریقہ تو بہت اچھا ہے بشرطیکہ ڈاکٹر ہوشیار ہو اور اسیکے ساتھ غالب کا یہ شعر پڑھا ؎

واقف ہی تو نہین ہے نوا ہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس شعر کے پڑھنے سے سب ہنس پڑے اور مایوسی کا رنگ تازگی سے بدل گیا۔ اور یہی طبیعت کی تازگی ہے جسکو کہ ڈاکٹر بہت اچھی علامت سمجھتے ہین اور یقین ہے کہ دو اک مہینے کے عرصہ مین تپ رہنا موقوف ہو جاے۔ اور صحت عود کر آئے۔ اطبا کی یہ راے ہے کہ آپ کے مرض کا زور بہت کم ہو گیا ہے اور عقیدت مند دل یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہے ہین کہ ؎

لذتِ سیر دگر چشم تمنا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

مگر ابھی مرض پورے طور سے فنا نہین ہوا ہے اور ضعف اسقدر قائم ہے کہ ۲۴ گھنٹے بستر ہی کے نذر ہوتے ہین۔ مگر یہ جسمانی کاہشین اس پولٹیکل یوگی کی روح کی تازگی مین فرق نہین پیدا کر سکتی اور آزاد دماغ کے آزاد خیالات اپنی اصلی قوت کے کرشمے دکھا رہے ہین۔ میرے دوستو عبرت کی آنکھین کھولو اور انسانی عظمت کی پرستش کا کلمہ پڑھو اور یہ دعا کرو کہ آپ رفتہ پھر صحت مین آئے۔ تمہاری دعا مستجاب ہوگی۔ کیونکہ ع

اثر باقی ہے بیکس کی دعا مین

برج نراین چکبست

شکوۂ دوست

ترا انتظار کب تک مین کرون؟ کچھ انتہا بھی؟
تری راہ اور دیکھون کرے وعدہ تو وفا بھی!
ہوئے دس برس کہ جب سے تری جستجو مین ہون مین
کبھی تو نے رحم کھایا؟ کبھی مجھسے تو ملا بھی؟
یہ زمانہ گرچہ خالی نہین بے مروتون سے
نہ ملیگا پر جہان مین کوئی تجھسا بیوفا بھی
مین اگر تڑپ رہا ہون تو تری بلا سے بیشک
تجھے ملکہ غم نہو گا جو یونہی مین مر گیا بھی
غلط است آنکہ گویند کہ بدل رہیست دل را
دلِ من ز غصہ خون شد دلِ تو خبر ندارد

محمد یحیی تنہا

غزل

دل سے جو کی تھین رات بھر باتین
کاش سنتے وہ پُر اثر باتین
کر رہی ہے تری نظر باتین
بے اثر کب ہے تری خاموشی
سُن سکے کون اسقدر باتین
کوئی سمجھائے آ کے ناصح کو
مین نے جو کین تھین عمر بھر باتین
اُسکے افسانے بن گئے لاکھون
رہ نہ خاموش کچھ تو کر باتین
دم اُلٹ جائے گا عزیز عزیز

مرزا محمد ہادی عزیز

مستورات ہند کی حالت

"قدرت اپنی کمن سالی کی قسم کھاکر کہتی ہے کہ اُسنے عورت کو سب سے بہتر صورت مین خلق کیا ہے - جب مرد نے نیستی سے نکلکر ہستی مین قدم رکھا تو اُسوقت قدرت یک گونہ کام سیکھ رہی تھی مگر عورت کے خلق ہونے پر وہ کامل اُستاد ہو چکی تھی"

"برنس"

مسٹر گلیڈ اسٹون سابق وزیر اعظم انگلستان بنی نوع انسان کے معیار تمدن وشایستگی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہین "اگر یہ دریافت کرنے کی خواہش ہو کہ فلان قوم کے درمیان جو تصور فطرتِ انسانی کا مروّج ہے وہ کسقدر وقیع ہے - تو اسکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دیکھو اُنکے یہان مستورات کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے - وہ قانون قوت جسکے ذریعہ سے دوسرون کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنا لیا جاتا ہے وہ صرف انسانون ہی مین نہین بلکہ حیوانات مین بھی پایا جاتا ہے - یہ قانون دراصل تجبّر ہے جو انگریزی مین "لا آف فورس" کے نام سے مشہور ہے پس جس نسبت سے وہ اس قانون کی پابندی کرتا ہے اُسی لحاظ سے وہ حیوانات کے طبقہ سے مشابہ ہوتا جاتا ہے - برعکس اسکے انسان جسقدر اس قانون کے اختیار سے نکل جاتا ہے اُتنا ہی وہ ہستی کے اعلیٰ طبقے مین قدم رکھنے لگتا ہے اور اُسی تناسب سے قربت الٰہی کا دعویٰ بھی کرسکتا ہے" گویا کسی قوم کی ترقی وشایستگی کا معیار اُسکے طبقۂ نسوان کی حالت پر منحصر ہے اور افراد کی تہذیب اور روشن خیالی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ وہ کس حد تک دوسرون کو زور وجبر سے اپنا تابع کرتے ہین - وحشی اقوام مین عورت محض غلام اور خدمتگار سمجھی جاتی ہے - مرد ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے مگر بیوی بچون کی دیکھ بھال کے علاوہ تمام محنت ومشقت کے کام بھی انجام دیتی ہے - برعکس اسکے مہذب ممالک مین اُنکو تعلیم وتربیت دیجاتی ہے اور وہ قابل عزت اور واجب الاحترام سمجھی جاتی ہین -

مستورات ہند کی حالت کچھ اور ہی ہے - اُنکو مردون کی بہ نسبت زیادہ نفیس پوشاک اور عمدہ خوراک دیجاتی ہے - اُن کے شوہر حسب حیثیت اُنہین فراخ دلی سے زیورات بھی پہناتے ہین فرقہ کے متعلق اُنکو کسی قسم کی شکایت نہین - وہ اپنی حالت موجودہ مین خوش اور بشاش ہین - مگر اُنکی یہ طمانیت اور قناعت اُنکی جہالت کا لابدی نتیجہ ہے - مستورات کے باب مین بہت سے امور بیان کئے جاتے ہین جن مین اصلاح کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے !

جنوبی ہندوستان کا مشہور اخبار "ہندو" لکھتا ہے: "ہمارے یہان ایک ایسی بڑی خرابی نظر آتی ہے جو تمام اصلاحون مین سدراہ ہے - اگر بہ طریق احسن اسکی بیخکنی کردیجائے تو ہماری قوم بلا روک ٹوک ترقی کے اعلیٰ مرتبے پر پہونچ جائیگی - اس بڑی خرابی سے ہماری مراد مستورات کی موجودہ حالت ہے - ہم اُن لوگون سے اتفاق نہین کرسکتے جو محض اپنی تجاویز کی اہمیت کو پبلک پر ظاہر کرنیکی

غرض سے مجلسی خرابیون کے بیان مین نہایت مبالغہ سے کام لیتے ہین۔یہ خیال کرلینا کہ مستورات ہند کی بھی وہی حالت ہے جو ممالک غیر مین ہے حب الوطنی کے نقطۂ خیال سے کوسون دور اور سراسر نادانی ہے۔ہم اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہین ہین کہ ہمارے ملک کی مستورات مین اسقدر قابلیت موجود ہے کہ وہ قوم اور افراد قوم کی زندگی اور چال چلن پر کوئی نمایان اثر ڈال سکین۔یہان کے قوانین شادی کی سختی ونامعقولیت ۔ پردہ نشینی اور مستورات کی جہالت نے اُنہین ایسا نکما اور ناکارہ بنادیا ہے کہ اب اُنمین افراد قوم کے چال چلن پر اعلیٰ اور پاکیزہ اثر ڈالنے کی صلاحیت بھی باقی نہین رہی۔اسکی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ اور ذاتی اختیار کو عمل مین لانے کے ناقابل بنادیگئی ہین۔ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ قوم کی حیثیت نوجوانون سے بنتی ہے اور نوجوان اُسی شاہراہ پر چلتے ہین جن پر اُنکی مائین اُنہین ڈال دیتی ہین۔

"اگر ہم چاہتے ہین اور اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ملک مین محبان وطن اور بہی خواہان ملک۔بڑے بڑے بہادر اور شجاع۔مدبر اور دانائی کے پتلے پیدا ہون تو مستورات کو ایک نئی قسم کی تربیت دینا چاہئے۔اُنکے ساتھ کچھ اور ہی سلوک کیا جاے۔موجودہ پالیسی کو بالکل بدل دینا مناسب ہے۔مستورات کو گھر کی چار دیواری کے اندر صرف چولھے کے لئے مختص نہ رکھو اور نہ پروہتون کو اُنکے اخلاقی ناصح بناؤ۔شادی کے سخت اور نامعقول قوانین جنکے ہاتھون اُنکی جوانی اور اُنکا شباب برباد ہوتا ہے اُنہین یک قلم موقوف کردینا چاہئے۔گویا اس بات کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیم سے اُنکے دل ودماغ زیادہ وسیع بنائے جائین آؤ ہم سب اُنکی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کو سُدھارنے کا تہیہ کرلین۔اُنکو زیادہ آزادی دین اور اُن مشکلات کو دور کرین جو اُنکی ترقی مین حائل ہوتی ہین۔ہمین یہ امر ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ مستورات ہی قوم کی حیثیت کو اعلیٰ اور بلند بنانے والی ہین[1]"

کیا وہ لوگ "ہندوستان کے سچے دوست" کہے جاسکتے ہین جو اسکی حالت کو مبالغہ آمیز لہجہ مین مکمل اور خرابیون سے بھرا بیان کرتے ہین اور یہان کی مذموم رسمون اور اندرونی قباحتون کو مفید اور معقول ثابت کرنے مین مصنوعی اور نمایشی بہانے ڈھونڈھتے اور آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہین؟ نہین۔نہین حقیقی بہی خواہان ملک وہی اصحاب ہین جو اپنی اصلاحی تجاویز کے ذریعہ سے اپنے ملک کو شاہراہ ترقی پر ڈالنا چاہتے ہین مستورات ہند کے ساتھ جو جابرانہ سلوک کیا جاتا ہے اسکا بیان مسٹر ڈی۔ای۔گمی اسطرح کرتے ہین:۔"ہم زمانۂ قدیم سے باقاعدہ طور پر اپنی مستورات کو یہ تعلیم دیتے آئے ہین کہ جب وہ اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہوجاتی ہین اور کسی قسم کے دعاوی پیش نہین کرتین بلکہ اپنے تئین سرتاپا اپنے آقا اور خداوند (شوہر) کے سپرد کردیتی ہین تو وہ نیک اور پاکیزہ خصلت معلوم ہوتی ہین۔ہر زمانہ اور ہر ملک مین مستورات کی ملایم اور اثر پذیر فطرت کا بہت بُرا استعمال ہوتا ہے۔آدمی اپنے خودغرضانہ مقاصد کے لئے اُنہین ایسی تربیت دیتا آیا ہے کہ گویا اُن مین اب زندگی کا احساس ہی باقی نہین رہا۔" اب سوال ہوسکتا ہے کہ وہ کونسے وسائل ہین جنپر عمل کرنے سے ہمارے ملک کی مستورات کی حالت بہتر ہوسکتی ہے؟ اسکے متعلق ہم چند تجاویز پیش کرتے ہین۔

[1]۔ دیکھو اخبار ہندو مطبوعہ ۲۸۔ستمبر ۱۹۱۰ء

۱- تعلیم نسوان کو رواج دینا چاہئے!

حیوان اور انسان مین ایک بیّن فرق یہ ہے کہ انسان کی فطرت مین وہ مادّہ ودیعت کیا گیا ہے جس سے وہ زیورِ علم سے آراستہ ہو سکتا ہے - مگر حیوان اس قوت سے فطرۃً بے بہرہ ہے - کُتّا کیسا سمجھدار اور ہوشیار جانور ہے - مگر وہ ایک حرف بھی نہین سیکھ سکتا - برعکس اسکے ایک چندسال کا بچہ بشرطیکہ وہ صحیح الدماغ ہو بآسانی پڑھنا لکھنا سیکھ سکتا ہے - جو آدمی لکھنے پڑھنے کی قوت سے بہرہ یاب نہین ہے وہ حیوان کے برابر ہے!

زمانۂ قدیم کی سنسکرت کتب مین مذکور ہے کہ گارگی بہت مشکل اور ادق سوالات پوچھا کرتی تھی - یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رشی یاگ بلک نے اپنی اہلیہ میتریؔ کو علم فلسفہ کی تحصیل کرائی تھی - مگر ایسی مثالین شاذونادر ہین جنکو مستثنیات سے سمجھنا چاہئے - مہاراج منو کے زمانہ سے مستورات ہند عموماً ان پڑھ اور جاہل ہی رہی ہین -

ہندوستان کی مستورات بہت سے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے مملو ہین - انکی وفا اور پارسائی کے ڈنکے چار دانگ عالم مین بج چکے ہین - بچّون سے اُنہین ایسی محبت اور اُنسیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل جاتی ہین مگر اُنکا بال تک بیکا نہین ہونے دیتین - انتظامِ خانہ داری کے معاملہ مین شاید ہی کوئی دوسری قوم انکا مقابلہ کرسکے - غریبون اور بیکسون پر وہ بیحد مہربان ہوتی ہین - باوجود ان خوبیون کے اُنکی زنانہ فطرت اپنے اسقام ونقائص سے بالکل مبرا نہین ہے - جسطرح اندھا اندھے کی رہبری نہیں کرسکتا - اُسیطرح ایک ان پڑھ اور جاہل ماں اپنی اولاد کو نیک تعلیم وتربیت نہین دیسکتی - خزانِ علم کا ایک عظیم حصّہ کتابون ہی مین مقفل ہے - اُنہین کے طفیل بہت سے اشخاص نہایت عقلمند اور مشہور ہوئے ہین - بھلا جب مائین لکھ پڑھ نہ سکینگی تو وہ دولتِ علم سے کیا خاک بہرہ یاب ہونگی -

آدمی کے لئے سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ وہ عمدہ تربیت یافتہ بچون کا باپ بنے - اگر بچون کی تربیت بطریق احسن نہ ہوگی تو اُسکی تمام زندگی تلخ ہوجائیگی - اُنکا فرمانبردار - نیک محنتی اور مودّب ہونا ہی دُنیوی برکت وشادمانی کا موجب ہے - اور بچون کی ایسی تربیت کا دارومدار زیادہ تر اُنکی ماؤن پر موقوف ہے - کیونکہ وہ زمانۂ بچپن مین زیادہ تر اپنی مان کے پاس ہی رہتے ہین - باپ اپنے دنیوی کاروبار مین مصروف رہنے کے باعث اُن سے بہت کم ملتا جاتا ہے - اسلئے وہ کوئی نمایان اثر اپنی اولاد پر نہین ڈال سکتا - سیموئل لینڈر صاحب کا قول ہے کہ :- " جیسی مائین ہوتی ہین ویسے ہی بچّے بنتے ہین باپ خواہ کتنی ہی کوشش کرے مگر وہ بچّے پر کچھ اثر نہین ڈال سکتا - آہ! مان کی اُن محبت بھری نگاہون مین کیسا جادو نما اثر ہے جو اُس بچے پر لوٹی پڑتی ہین جو گہوارے مین پڑا ہے" - ہندوستان مین بھی عام طور پر کہا جاتا ہے جیسی مان ویسا بچہ -

جو ہدایت اور نصیحت بچّے کو بچپن مین ملتی ہے وہ اُسکی آیندہ زندگی مین ظہور پذیر ہوتی ہے - اوٹ وے صاحب نے لکھا ہے کہ :- " روح کی کُنجی مان کے ہاتھ مین ہے - مان ہی اُسکے اخلاق پر نیکی اور سچائی کی مہر لگاتی ہے اور وہی وحشی سے انسان بناتی ہے - مناسب ہے کہ عورت کو "ملکۂ عالم" کا خطاب دیا جاوے " اگر تعلیم یافتہ باپ بچّے کے لئے ایک برکت ہے تو تعلیم یافتہ مان اُس سے کئی درجہ افضل نعمت ہے -

مستورات کی جہالت اور حمق کا اثر اُنکے خاوندون پر بھی کئی طریقون سے پڑتا ہے - بعض اوقات قابل شوہر کو

ملک کے کسی دوسرے حصہ مین عمدہ اسامی ملتی ہے ۔مگر ان پڑھ بیوی اُسے وہان جانے سے محض اس بنا پر روکتی ہے کہ وہ کسی اجنبی شہر یا صوبہ مین جانے سے خوف کھاتی ہے ۔اگر شوہر کسی مفید کام مین روپیہ لگانا چاہتا ہے تو بیوی اڑ بیٹھتی ہے کہ "پہلے مجھے زیور بنوادو ۔ایسے ویسے کامون کے لئے تمھارے پاس روپیہ آجاتا ہے مگر میرے نام پر پھوٹی کوڑی بھی تم سے نہین نکلتی"۔ کبھی کبھی زیورات کے مطالبہ مین مقابلہ سے بھی کام لیا جاتا ہے ۔مثلاً بیوی کہتی ہے کہ "میری بہن مایا دیبی جب سے دولت رام کے گھر گئی ہے ۔اُسکے میان نے اُسے کتنا زیور بنوادیا ہے ۔مجھے تو اب اُس سے ملتے بھی شرم آتی ہے ۔جبتک تم بھی مجھے اُتنا ہی زیور نہ بنوادوگے مین چین نہین لینے دونگی"۔ ایسے چھوٹے چھوٹے تفکرات اور رنج وغم جاہل عورت کے دل پر بہت بڑا اثر کرتے ہین ۔وہ ہمیشہ ایسے ہی خیالات مین متغرق رہتی ہے ۔اور انہین وجوہ سے خاندانون مین فساد اور ناچاقی پیدا ہوجاتی ہے جو آخر مین بڑے بھاری دُکھ اور ابتری کا موجب ٹھہرتی ہے۔

بہت سے اصحاب اصلاح تمدن مین عملی حصہ لینا چاہتے ہین ۔مگر اُنکی جاہل بیویان مخالفت کرتی ہین ۔مجبوراً اُنہین اپنے ضمیر کے خلاف عمل کرنا پڑتا ہے ۔اگر عام طور پر مستورات تعلیم یافتہ ہون تو وہ ضرور ملکی اصلاحون مین حصہ لینگی اور تب یہ کام دس گُنا زیادہ عمدگی کے ساتھ انجام پائے گا ۔ایک روشن ضمیر شخص جو تعلیم نسوان کے اعلیٰ مقصد کی ترقی و اشاعت کا نہیہ کئے ہوئے ہے ۔محض اس اندیشہ سے رُک جاتا ہے کہ بوڑھی عورتین مخالفت کرینگی ۔جاہل مستورات کے دل و دماغ مین فضول اور لغو تعصبات بھرے ہوئے ہین ۔وہ دستور اور رواج کی اندھا دُھند پیروی کرتی ہین ۔جب وہ خود ہی ان پڑھ اور جاہل ہین تو تعلیم نسوان کے فوائد کیا سمجھینگی ۔مرد کو خاندان کا سرمانا جاتا ہے ۔اگر ایسی جاہلانہ مخالفتون کی وہ پروا کرین اور اپنے ارادون کو اُنسے مغلوب ہوجانے دین تو اس سے زیادہ شرم اور افسوس کی بات کیا ہوگی ؟

کبھی کبھی مردون کی بے اعتنائی سے بھی بہت بُرے نتائج ظہور مین آتے ہین ۔ایک مرتبہ کسی عورت نے کہا تھا: "میرے لکھنے پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ سب لوگ مجھ پر ہنستے ہین میرا شوہر بھی میری حوصلہ افزائی نہین کرتا ۔غرضکہ مین سب کی نظرون سے گری ہوئی ہون !" کوشش کرنا چاہیئے کہ ایسے اعتراضات پیدا نہ ہونے پائین !

صغر سنی کی شادی بھی ایک رُکاوٹ ہے جو تعلیم نسوان کی سدِّ راہ ہے ۔ہندوستانی لڑکیان پڑھنے لکھنے مین بہت ہوشیار ہوتی ہین اور تعلیم مین نمایان ترقی کرتی ہین لیکن جب اُن کی تعلیمی ترقی کا وقت آتا ہے تو اُنکی کہین شادی ٹھہرا دیجاتی ہے ۔بدینوجہ مجبوراً اُنہین مدرسہ کو خیرباد کہنا پڑتا ہے ۔اس سے صرف مطالعہ ہی بند نہین ہوجاتا بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ آموختہ بھی بھول جاتا ہے ۔بچپن کی شادی کیوجہ سے ذہنی طور پر وہ تمام عمر "نادان بچہ" ہی رہتی ہین ۔اگرچہ اب یہ تعداد گھٹ رہی ہے ۔مگر اب بھی تعلیم یافتہ اصحاب کی بیویان زیادہ تر تمام عمر ان پڑھ ہی رہتی ہین ۔اگر عورت ضعیف العمر ہو یا کوئی اور خاص وجہ ہو تو خیر ۔ورنہ ہر عورت کو کچھ نہ کچھ تعلیم دینا چاہیئے ۔یہ کوئی عذر نہین ہے کہ عورتین پڑھنے لکھنے سے انکار کرتی ہین ۔اصل وجہ یہ ہے کہ خاوند خود کچھ خیال نہین کرتے اُنکا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی عورتون کو تعلیم دین

اورتا وقتیکہ وہ لکھنے پڑھنے کے قابل نہ ہوجائین اُنہین روزمرہ سبق دیاجاے-اسکے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے کہ تعلیم کی قدر اُسکی نوعیت پر منحصر ہے-قواعد حفظان صحت-مریض کی تیمار داری-بچّون کی تربیت اور پرورش-انتظام خانہ داری یہ سب ایسے ضروری مضامین ہین کہ اگر ہرایک عورت ان سے واقف ہو تو اُسکا گھر "خوشی و خرمی کا گھر" بنا رہیگا-

بمبئی مین پارسیون کے زنانہ مدارس کا آغاز اُن چند نوجوانون کی کوشش سے ہوا تھا جو سٹوڈنٹس لٹریری و سائنٹفک سوسایٹی کے ممبر تھے-جب اُنکے دل مین اس خیال نے گھر کرلیا کہ "زبانی جمع خرچ تو کافی سے زیادہ ہوچکا ہے-اب وقت آگیا ہے کہ عملی کارروائی کیجائے" تو انجمن مذکور کے ممبرون نے بخوشی بلامعاوضہ اُستاد بننا منظور کیا اور بعض نے اپنے اپنے گھرون کے کمرے مین عارضی مدرسے قایم کردئے-اور اس خیال سے کہ آنریری اُستادون کے روزانہ فرائض کی انجام دہی اور معمولی کاروبار مین خلل واقع نہ ہو تعلیم کا وقت صبح مقرر کیا گیا-چھ ماہ بعد یہی کام باقاعدہ شروع ہوا اور ضرورت کے موافق اُستاد ملازم رکھے گئے-

جبتک مستورات ہند جاہل اور اَن پڑھ رہینگی ملک کی نصف دماغی قوت ضائع ہوتی رہیگی-یہ اُس چوپہیہ گاڑی کی مثال ہے جسمین ایک ہی گھوڑا جوتا گیا ہو-عورتون کو تعلیم نہ دینے سے صرف یہی قباحت واقع نہین ہوتی بلکہ جیسا ہم اوپر ذکر چکے ہین وہ ملکی ترقی اور اصلاح کے کام مین بھی بہت سی مشکلات پیدا کردیتی ہین-لہذا ہر روشن ضمیر شخص کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ تعلیم نسوان مین عملی حصہ لے-ایک مشہور فرانسیسی عالم کہتا ہے:- "لڑکے کو پڑھانے سے ایک فرد واحد تعلیم یافتہ ہوتا ہے مگر لڑکی کو تعلیم دینے سے ایک خاندان تعلیم حاصل کرتا ہے!"

۲-صغرسنی کی شادیون کو موقوف کرنا چاہئے!

تقریباً دُنیا کے تمام ممالک مین یہ دستور ہے کہ جبتک آدمی خود کھانے کمانے کے قابل نہین ہوجاتا اور اپنی بیوی کی پرورش اور دیگر ضروری اخراجات کے متحمل ہونیکی قدرت حاصل نہین کرلیتا-اُسوقت تک شادی نہین کرتا-برعکس اسکے ہندوستان مین بچپن ہی کی شادی کردیجاتی ہے-شادی کی پہلی رسم تو "سگائی" کہلاتی ہے-مگر کچھ عرصہ کے بعد دوسری رسم ادا ہوتی ہے جسکو نکاح کا درجہ حاصل ہے-اس رسم کے بعد اگر دولہا کا فوت ہوجائے تو کم عمر بیوی تمام عمر کیلئے بیوہ ہوجاتی ہے-شادی کی عمر ملک کے مختلف حصون اور ذاتون مین مختلف ہے-بعض فرقے معصوم بچّون ہی کی شادیان کردیتے ہین-گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بنگال مین ایک سالہ شادی شدہ لڑکیون کی تعداد ۳۹۰۱ تھی-اور ایک برس کی عمر کی بیوہ لڑکیون کا شمار ۵۳۸ تھا-

صغرسنی کی شادیون کا رواج قدیم زمانہ مین رائج نہین تھا-رام چندر نے سیتا جی سے، مہاراج کرشن نے رکمنی جی سے، ارجن نے دروپدی سے اور راجہ نل نے دمینتی سے شادی کی اور یہ سب شادیان جوانی کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہوئی تھین-قانون تعزیرات ہند نے سن استرضا دس برس کی عمر قرار دی تھی-مگر اس سے بہت سے ہولناک حادثے پیش آئے ہین اور بہت سی کمسن بیویان اپنی جانین کھو بیٹھی ہین-لارڈ لینسڈاون کے عہد حکومت مین دو برس اور بڑھائے گئے اور دس کے بجاے بارہ برس کی عمر قرار دیگئی-مندرجۂ ذیل وجوہ کے باعث صغرسنی کی شادی کی رسم قابل ترک ہے:-

الف-صغرسنی کی شادیون سے کمزور اور سست بچے

پیدا ہوتے ہین! اس امر سے ہر ایک کاشتکار واقف ہے کہ اگر بچھڑے کو ہل مین جوت دیا جاے تو وہ کبھی مضبوط و قوی نہ ہوگا۔ یہی حال مستورات کا ہے۔ اگر چھوٹی عمر مین وہ مائین بن جائیں تو اُن کے جسم کو بہت بڑا نقصان پہنچیگا۔ وہ قبل از وقت ضعیف ہو جائینگی۔ صغر سنی کی شادی کے بعد جو اولاد ہوتی ہے وہ بہت دُبلی پتلی اور کمزور ہوتی ہے۔ اور اُسکا نصف سے زائد حصہ حالت طفلی ہی مین عدم کو روانہ ہو جاتا ہے۔

ب۔ صغر سنی کی شادی حارج تعلیم اور ذہنی کمزوری کی موجب ہے! پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ صغر سنی کی شادی سے کس طرح بیوی کے دماغی قوا کو ضعف پہنچتا ہے۔ ایسا ہی اثر خاوند پر بھی ہوتا ہے۔ ایک مجرّد طالبعلم اپنا تمام وقت تحصیل علم مین صرف کرتا ہے مگر شادی شدہ طالبعلم کو اپنا کچھ نہ کچھ وقت بیوی اور بچّون کی نذر بھی کرنا پڑتا ہے۔ گھر کی چھوٹی چھوٹی باتین اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہین۔ زیور کی فرمایش بھی اُس سے کیجاتی ہے بعض اوقات خانگی تنازعات مین بھی اُسے اُلجھا دیا جاتا ہے مجبوراً وہ پڑھنے کے بجاے معمولی نوکری قبول کرلیتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ تحصیل علم مین لگا رہتا تو کسی اعلیٰ اسامی پر فایز ہو کر شہرت حاصل کرتا۔ نوعمر خاوند کے جسم پر بھی متاہلی کا بہت اثر پڑتا ہے۔ ایک انسپکٹر مدارس کا خیال ہے کہ "صغر سنی کی شادی کے باعث طلبا کی جسمانی طاقت سترہ برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اُن مین وہ مستعدی اور تیزی طبع پھر نظر نہین آتی!

ج۔ ناتجربہ کار اور نوعمر مان اپنے بچون کی تربیت نہین کرسکتی! بچون کی خاطر خواہ اور عمدہ تربیت کرنا کوئی کھیل نہین ہے۔ بچّہ کو لاڈ پیار سے بگڑنے سے بچانے مین بڑی احتیاط اور دانائی کی ضرورت ہے۔ لیکن جو مان خود ہی سن بلوغ کو نہ پہنچی ہو وہ اس اہم فرض کو کب انجام دیسکتی ہے؟ شاید یہ کہا جاے کہ نوعمر بیوی کی ساس بچّہ کی تربیت کریگی۔ مگر اول تو بچّہ پر مان کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ دویم جب ساس بھی جاہل اور ان پڑھ ہے تو بچّہ کی عمدہ تربیت معلوم!

د۔ صغر سنی کی شادی خلاف انصاف ہے! بچّون کے بھی طبعی حقوق ہوتے ہین جنسے کوئی باپ اُنکو محروم نہین کرسکتا ہے۔ اُنکی مرضی کے خلاف اُنکو تمام عمر کے لئے کسی وعدہ کا پابند بنا دینا بعید از انصاف ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو دستور انصاف کے خلاف ہے وہ درحقیقت بُرا دستور ہے۔ لہذا تاوقتیکہ اولاد بالغ نہ ہو جائے اُسے شادی کی زنجیرون مین نہین جکڑ دینا چاہئے۔

ر۔ ہندوستان مین بیوہ عورتون کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے اور اسکی ایک بڑی وجہ صغر سنی کی شادی ہے۔ جسقدر بچّے پیدا ہوتے ہین اُنکی ایک تہائی پانچ برس کی عمر کو پہنچنے سے پیشتر ہی مرجاتی ہے۔ اور باقی مین نصف سے زائد نوخیزی کی حالت مین روانۂ عدم ہوجاتے ہین۔ اگر کمسن لڑکیون کی شادی کردیجاے تو یہ ممکن ہے کہ اُنکے خاوند سن بلوغ کو پہنچنے سے پیشتر ہی چلتے بنین گے۔ اور بدنصیب لڑکیان تمام عمر بیوہ رہینگی۔

س۔ صغر سنی کی شادی باعث افلاس ہے!۔ دوسرے ممالک مین شادی کا خیال نوجوانون کو بڑی محنت و تندہی سے کام کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ مگر ہمارے ملک مین اسکے خلاف نظر آتا ہے۔ حالت تجرید مین تو کسی قدر محنت و توجہ سے کام لیا جاتا ہے اور کامیابی کی صورت بھی نظر آنے لگتی ہے۔ مگر متاہل آدمی کو گھربار کے تفکرات کامل توجہ کے ساتھ کام کرنے کی اجازت نہین دیتے۔

ش - صغرسنی کی شادی قومی تنزل کا موجب ہے۔ ڈاکٹر پی - جی - فلپ سن نے ہندؤن کو ایڈرس کرتے وقت کہا تھا۔ "صدیون سے آپ لوگ بچون کے بچے ہوتے چلے آئے ہین اور غلامون کے خادم بننے کا اس سے عمدہ اور یقینی کوئی دوسرا طریقہ نہین ہے۔" مسز ڈاکٹر مٹسل فرماتی ہین کہ "صغرسنی کی شادیون کے رواج کے باعث ہندوستان کی ذہین اور طباع نسلین پست ہوگئی ہین۔ وہ اپنی اصلی حیثیت سے گرکر خارجی قوتون کی مطیع وفرمانبردار بنگئی ہین - وہ اُس قوم کی محکوم ہوگئی ہین جو جسمانی قوت مین اُنسے بدرجہا زیادہ ہے - یہی وجہ ہے کہ دیگر اقوام کے درمیان ہندوستان "کمتر" شمار کیا جاتا ہے - جبتک صغرسنی کی شادی کی زبون اور مذموم رسم جاری رہیگی اور مستورات کو غلامی کی حالت اور جہالت مین رکھا جائے گا - قوم زیادہ پست اور ذلیل ہوتی جاے گی - جبتک مائین کمزور اور ناتوان ہنگی اور اپنے بچون کو اصلی طاقت وجان نہ دے سکینگی - ہندوستان مین ایسے کمزور اور ناکارہ بچے پیدا ہوتے رہینگے جو بہادری اور محنت کشی کی طاقت سے محروم ہونگے اور اسطرح تو قوم ضعیف اور دوسرون کی دست نگر بنی رہے گی۔"

خوشی کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ مین صغرسنی کی شادی کے برخلاف جوش پیدا ہوچلا ہے - راجپوتون نے بہت اچھا نمونہ قائم کیا ہے کہ شادی کی عمر اٹھارہ ۱۸ اور چودہ ۱۴ برس مقرر کردی ہے - اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگون نے بھی اس تجویز پر عملدرآمد شروع کیا ہے کہ لڑکا جب تک کالج کی تعلیم سے فارغ نہ ہوے شادی ملتوی رہے - اگر عام طور پر لڑکون کی شادی اُسوقت تک موقوف رکھی جاے جبتک کہ وہ بالغ نہ ہوجائین تو بہت اچھا ہو - اس سے وہ اس قابل ہوجائینگے کہ کامل توجہ کے ساتھ اپنے کاروبار اور فرایض منصبی کو انجام دے سکین!

شاکر

کلام مہر

سالگذشتہ کی قابل الذکر تصانیف مین منشی سورج نراین صاحب مہر دہلوی کا کلیات یا مجموعۂ کلام ایک مہتم بالشان تصنیف ہے جو اُردو شاعری کے اعلیٰ مذاق پر مبنی ہے - جناب مہر کی قادرالکلامی اور پاکیزہ مذاق سے ارباب سخن عرصے سے واقف ہین - آپکی پُرمعنی اور لطیف نظمین اُردو اخبارات و رسائل مین ارباب ذوق کی ضیافت طبع کا بہت کچھ سامان بہم پہونچاتی رہی ہین - تاہم اُن متفرق نظمون سے شاعر کی اُس قادرالکلامی، بلندخیالی اور زور طبع کا پورا اندازہ ناممکن تھا جو اس ضخیم کلیات کے ہر صفحے سے ظاہر ہے - کلیات کی مجموعی ضخامت ساڑھے چارسو صفحات کے قریب ہے جسمین تقریباً ڈیڑھ سو مختلف العنوان نظمین درج ہین - اصناف سخن مین قصاید - غزلیات - ترکیب بند - مخمسات - مسدسات - مثمنات - مثنویات - قطعات - رباعیات - بچون کی نظمین - اور انگریزی نظمون کے ترجمے موجود ہین - بچون کی نظمون مین بیشتر ایسی ہین جو سررشتہ تعلیم کے اُردو کورس مین داخل ہین - طبعزاد نظمون کا رنگ عارفانہ ہے جنمین تصوف وعرفان کے مدارج اور فلسفۂ اخلاق کی منزلین نہایت کامیابی کے ساتھ طے کیگئی ہین - طرز بیان نہایت دلنشین اور طمانیت بخش ہے جو ذی استعداد مصنف کے تبحر اور وسیع النظری کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے - شروع کتاب مین ایک دیباچہ بھی شامل ہے جسمین شاعری کی ماہیت پر بحث کی گئی ہے - ہم اسکے بعض حصون سے اتفاق نہین کرسکتے - اہل زبان کے متعلق بھی حضرت مہر کی بعض بے اعتنائیونکی شکایت کیے بغیر نہین رہ سکتے - لیکن اسمین شک نہین کہ ایسی مہتم بالشان تصنیف مین چند فروگذاشتین اسکی اہمیت اور وقعت کے مقابلے مین ہیچ ہین - کتاب کی جلد نہایت خوشنما اور مضبوط ہے جو آج تک کسی اُردو تصنیف پر نہین دیکھی گئی - ایڈیٹر

ملنے کا پتہ :- منشی برج نراین صاحب - بی - اے - کایستھ بورڈنگ ہوس لاہور - قیمت مجلد عہ ٩ ر

عقل حیوانی

کیڑے مکوڑون مین اگر عقل اور ادراک کے ہونے کو نہ مانو تو اُنکے قواے اندرونی جنکے ذریعہ سے وہ اپنی زندگی کی کل ضرورتون کو پورا کر لیتے ہین ایک ایسا راز ہے جس کو سواے خدا کے اور کوئی نہین جانتا۔

ادنےٰ درجہ کی مخلوق مین قدرت نے کسطرح کے حواس عطا کئے ہین اُنکے احساس کا ہم ہرگز تصور نہین کر سکتے۔ اگر یہ مان لین کہ خدا نے اُنکو بھی عقل کا نورانی جوہر عطا کیا ہے تو یہ بات بھی سمجھ مین نہین آتی اسلئے کہ ایک بئے کا بچہ جسنے اپنی ماں باپ کی پُر حیرت عمارت کی ساخت کو ایک مرتبہ بھی نہ دیکھا ہو لیکن جب اُسکو ضرورت پڑتی ہے تو وہ اُسیطرح کا گھونسلا بناتا ہے جسطرح کا اور بئے بنایا کرتے ہین۔

یہ کاریگری اُسکو از خود آتی ہے تعلیم یا تجربہ کی کوئی ضرورت نہین ہوتی۔ اسیطرح کل جانور کیڑے مکوڑے اپنی تمام ضرورتون کو پورا کرتے ہین اور انکو کسی کام کے سیکھنے کی حاجت نہین ہوتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جانور اپنے کامون کو جو سراسر اُنکے فائدے کا ہوتا ہے سمجھ بوجھکر کرتے ہین یا اُن کامون کو انجام دینے کی اُنمین کوئی فطرتی قوت ہے جس سے وہ خود بخود انجام دیجاتے ہین۔ لیکن اُنکو خود اس بات کی خبر نہین ہوتی کہ کس کام کے کرنے سے کیا ہوگا اور وہ کیون کسی کام کو کرتے ہین۔

اسطرح سے کام کرنے کی عقل کو "عقل حیوانی" کہتے ہین لیکن سچ پوچھو تو عقل حیوانی جسکو تعلیم و تربیت سے کوئی واسطہ نہین جانورون کے کام کرنے کے ایک نامعلوم اصول کا نام ہے جسکو ہم خود نہین جانتے۔

اکثر سائنس دالون کی یہ راے ہے کہ شہد کی مکھی مین کسی طرح کی عقل یا سمجھ نہین ہے۔ وہ مثل اور کیڑے مکوڑون کے اپنے کل کامون کو عقل حیوانی سے انجام دیتی ہے۔ اُسکی انوکھی کاریگری جسکو دیکھکر بے ساختہ مُنہ سے داد نکلتی ہے۔ محض اُسکی عقل حیوانی کا نتیجہ ہے۔

مکھی کے اعضا اور اُسکے عجیب و غریب جوڑ بند ہر ایک کام کو اُسی طرح کرنے کے لئے موزون پیدا ہوئے ہین جسطرح وہ کرتی ہے۔ اتنی دانائی اور چالاکی سے کل کامون کو پورا کرنا جسکو اوپر سُن چکے ہو مکھی کی طبیعت کا مقتضا ہے۔ چھتے کی حیرت انگیز عمارت کا بنانا اُسکا ذاتی سبھاؤ ہے۔ لاکھون برس کی مدت مین ضرورت نے بتاتے بتاتے چھتے کی ساخت اور اُسکے بنانے کا ایک اصول قائم کر دیا جس سے بہتر اب ممکن نہین ہو سکتا۔ ہزارون برس سے مکھی ایک ہی اصول کی پابند چلی آتی ہے اور اُسی کے مطابق اپنا چھتہ بناتی آتی ہے اور اسیطرح شدہ شدہ یہ کاریگری اُسکی عادت مین داخل ہو گئی اور اسیطرح اُسکی زندگی کے اور فرائض ہین جسکا انجام دینا اُسکی فطرت ہے۔

لیکن اس تقریر کے خلاف مین دوسرے سائنس دالونکی یہ راے ہے کہ شہد کی مکھی کو قدرت نے غیر معمولی عقل اور سمجھ عطا فرمائی ہے اور اس قول کی تائید مین وہ بیان کرتے

ہین کہ جسوقت کوئی نئی مشکل آن پڑتی ہے تو اُسکے حل کرنے مین مکھیان نہایت دانائی سے کام لیتی ہین اسطرح کا کام مکھی کے روزمرہ کے کامون مین داخل نہین ہوتا اسلئے اُس پر مکھی کی عادت یا فطرت کا اطلاق نہین ہوسکتا۔

ایک مشہور نقل ہے کہ کسی چھتے مین مکھیان سرگرمی سے اپنے کامون مین مشغول تھین اتفاقاً اُس چھتے کا ایک کنگرہ ٹوٹکر گرگیا۔ یہ دیکھکر مکھیون نے اپنا کام بند کردیا اور چھتے کی جڑ مین سریش لگانا شروع کیا اور جب تک چھتے کی جڑ خوب مستحکم نہ ہولی سارا کام بند رہا۔

اس مشاہدے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مکھیون نے ایک ٹکڑے کے ٹوٹ کر گر جانے سے یہ نتیجہ مستنبط کیا کہ چھتے کی جڑ کمزور ہے اور ممکن ہے کہ ایک روز اسی طرح ساری عمارت ٹوٹ کر گر جائے اور انکی محنت برباد ہوجائے۔ یہ ایک ایسا عظیم خطرہ تھا جسمین جان و مال کی بربادی کا ڈر تھا اسلئے اس سے بچنے کی فوری مناسب تدبیر کی گئی اور چھتے کی جڑ کو اٹل بنانے کی ضرورت مقدم مانی گئی۔

دیکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ جہان سے مکھیان پھولون کا رس لیجاتی ہین وہان برابر آیا کرتی ہین اور اُس جگہہ کو خوب یاد رکھتی ہین۔ یورپ مین جو لوگ مکھیون کو پالتے ہین وہ اُنسے مانوس ہوجاتی ہین اور اپنے آقا کو اچھی طرح پہچان سکتی ہین۔ ان باتون پر لحاظ کرنے سے یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ شہد کی مکھیون مین قوت حافظہ موجود ہے۔ اگر تم انکی روزانہ زندگی اور خانہ داری کے انتظام پر غور کرو تو انکی دور اندیشی کی حیرت خیز مثالین نظر آتی ہین۔

جب نرون کی ضرورت باقی نہین رہتی اُسوقت اُنکو خادم مکھیان چھتے سے باہر نکال دیتی ہین یا ہلاک کرڈالتی ہین۔ یا جب بچہ کش ملکہ مرجاتی ہے تو اُسوقت خادم مکھیون کو مقوی غذائین کھلاکر نئی ملکہ تیار کیجاتی ہے یا جب ایک سے زیادہ دو یا تین شہزادیان پیدا ہوجاتی ہین تو وہ ملکہ مکھی کے خوف سے جو اُنکو دیکھکر رشک کھاتی ہے نظر بند کردیجاتی ہین۔

اسیطرح کی بہت سی باتین ہین جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مکھیان ان کامون کو انجام دینے مین ایک خاص غرض اور مدعا کو مد نظر رکھتی ہین اور اپنی قوت ارادہ سے کام لیتی ہین جسکو خیال کرنے سے سراسر حیرت ہوتی ہے۔

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ جسوقت ایک چھتے مین دو ملکہ مکھیان آجاتی ہین تو آپسمین جنگ کرتی ہین اور جسطرح دو بادشاہون کا ایک اقلیم مین رہنا ناممکن ٹھہرایا گیا ہے اُسی طرح دو ملکہ مکھیان ایک چھتے مین نہین رہ سکتین۔ آخرکار جب دو ملکہ مکھیان ایک چھتے مین آجاتی ہین تو لڑتے لڑتے اُن مین سے ایک مرجاتی ہے اور جو زندہ رہ جاتی ہے اُسکا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور چھتے کی حکمرانی اُسکے سپرد کیجاتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ دو ملکہ مکھیان آپسمین حکومت کیلئے جنگ کر رہی تھین۔ اتفاقاً لڑتے لڑتے دونون آپسمین اسطرح گتھ گئین کہ ایک دوسرے کے ڈنک کی زد پر آگئی۔ جب خادم مکھیون نے یہ دیکھا کہ دونون ملکہ ہلاک ہوا چاہتی ہین جس سے اُنکے چھتے کی آبادی برباد ہوجاتی تو فوراً لڑنے والیون کو جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھین الگ کردیا۔

اس مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مکھیون کو قدرت نے عقل عطا فرمائی ہے۔ اسکے علاوہ اور دوسرے مشاہدات ہین جنسے مکھیون مین خواہ مخواہ عقل اور سمجھ کا ہونا

ثابت ہوتا ہے۔

چھتے کے اندر کی صفائی کا ایک خاص اہتمام رکھنا، مُردہ مکھیون کی لاش کو باہر نکال کر پھینکنا، اپنے غنیم پر خشمناک حملہ کرنا، اجنبی مکھیون کے ساتھ جنکی جھولی مین شہد بھرا ہوتا ہے اخلاق سے پیش آنا، اور مفلس چور مکھیون کو ڈانٹ بتانا، چھتے کے اندر تازہ ہوا پہونچانے کی فکر کرنا، ایسی باتین ہین جن سے مکھیون مین عقل کے نورانی جوہر کی جھلک دکھائی دیجاتی ہے۔ مکھیون کی ایثار نفسی اور اپنی قوم پر اُنکا بے دریغ اپنی ننھی جانون کو نثار کرنا حیرت خیز باتین ہین۔

خلاصہ یہ کہ شہد کی مکھی نہ تو ایسی نری بے عقل ہے کہ وہ اپنے کسی کام کی غرض کو نہین سمجھ سکتی اور نہ ایسی سمجھدار ہے کہ ہر ایک کام کو جان بوجھکر انجام دیتی ہے سچ پوچھو تو اُسکے قوائے دماغی مین یہ دونون باتین موجود ہین۔ کچھ کام تو ایسے ہین جنکو وہ سمجھکر کرتی ہے اور کچھ ایسے ہین جنکا کرنا اُسکی عادت اور فطرت مین داخل ہے لیکن ان دونون اصول کی حد کو دریافت کرنا کہ کہانتک کس کام کو مکھی سمجھکر کرتی ہے اور کہانتک کس کام کے کرنے مین محض اپنی عقل حیوانی سے مدد لیتی ہے سراسر دشوار اور ناممکن ہے۔

سید راحت حسین - بی - اے

فریاد آدم

ہے ہے! کدھر گئی وہ نسیم بہارِ خلد
وہ جوشِ گُل ہے آہ! نہ وہ سبزہ زارِ خُلد

دلکش ادا تھی جنکی وہ کلیان کدھر گئین
وہ پھول کیا ہوئے۔ تھے جو آئینہ دارِ خُلد

خون ہوکے دل کہین مری آنکھون سے بہ چلا
مجھکو لہو رُلا نہ غمِ انتظارِ خُلد

اُلجھا ہوا ہے کانٹون مین دامانِ شوق اب
دامن مین یا کبھی تھے گُلِ نوبہارِ خُلد

پہلو بدل رہا ہے اب آغوشِ وہم مین
وہ دل جو آہ! تھا کبھی زیبِ کنارِ خُلد

صد اضطراب شوق کی کمبخت ہو چکی
پہلو مین اب تڑپ نہ دلِ بیقرارِ خُلد

اے مہر و ماہ! اے سحر و شام آرزو
دو دن کو پھیر دو مجھے لیل و نہارِ خُلد

وہ دن خدا کرے۔ لبِ کوثر پھر ایکبار
بھر کر پیون مین جام مئے خوشگوارِ خُلد

مجھکو مئے طہور ملے۔ ساقیٔ ازل
آنکھون مین میری ہے ابھی باقی خمارِ خُلد

پائے طلب شکستہ ہون مین کوئے شوق مین
ہون منزلِ جہان مین غریب الدیارِ خُلد

مجھ پر کرم! کہ بندۂ عاصی ہون اے کریم
یارب ہو مجھپہ رحم کہ ہون بیقرارِ خُلد

مین خوشِ بہشت مین مرے پروردگار تھا
دُنیا کی فکر تھی۔ نہ غمِ روزگار تھا

پابند تھا نہ قید علائق کا مین غریب
بیڑی نہ کوئی پاؤن مین تھی۔ رستگار تھا

محفوظ تھا قضا سے مین کیسا غمِ فنا
ناآشنائے ہستی ناپائدار تھا

ناکامِ آرزو تھا نہ اس غمکدہ مین مین
تسکین تھی جانِ زار کو۔ دل کو قرار تھا

واقف نہ تھا جہان کے سپید و سیاہ سے
لب پر نہ میرے شکوۂ لیل و نہار تھا

ہے ہے! کدھر گیا وہ مرا کنج دلنشین
مین آہ! جس مین زمزمہ سنج بہار تھا

تھا موج بوئے گُل سے معطر مرا مشام
ایک ایک پھول۔ نافۂ مشک تتار تھا

ہر سو ترانہ سنج تھے مرغانِ خوشنوا
اک طائرون کا شور سرِ شاخسار تھا

دلکو لگی ہوا ابھی نہ تھی باغ دہر کی
کانٹا نہ کوئی میرے کلیجے کے پار تھا

آنکھون مین بس گئی تھی کچھ ایسی بہارِ خُلد
دم بھر فراق اُسکا مجھے ناگوار تھا

دُنیا مین آکے مجھپہ حقیقت یہ کُھل گئی
غم آہ! میرے عیش کا پایانِ کار تھا

مرغِ اسیر ہون۔ مجھے میرا چمن ملے
بچھڑا ہوا وطن سے ہون مجھکو وطن ملے

اب مین ہون آہ! اور غمِ ایامِ آرزو
پتلا ہون بیکسی کا مین ناکامِ آرزو

سُرور جہان آبادی



حضرت آدم و حوا

انڈین پریس الہ آباد

نمایش گاہِ لاہور

مصنوعاتِ ہند کی عظیم الشان سودیشی نمایش منعقدۂ لاہور صوبۂ پنجاب کی حرفتی تاریخ مین ایک مشہور اور قابل الذکر واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ اپنی قسم کی پہلی نمایش ہے۔ اس سے قبل پنجاب مین تین نمایشین سنہ ۱۸۶۴ء، سنہ ۱۸۸۱ء، اور سنہ ۱۸۹۳ء مین علی الترتیب منعقد ہو چکی ہین۔ لیکن اُن نمایشون کی موجودہ نمایش کے مقابلے مین کوئی وقعت نہین ہے۔ وہ بالکل جداگانہ قسم کی نمایشین تھین جو اپنے اجرا و انعقاد کے لئے حکام کے مساعی حسنہ کی شاکر ہین۔ اُنمین صوبۂ پنجاب اور اُسکے مضافات کی تمام نمایشی اشیا، نمایان کی گئی تھین۔ اُنکا خیال حکام ہی کے دل مین پیدا ہوا تھا اور اُنہین کی کوششون سے جملہ انتظام پایۂ تکمیل کو پہونچا تھا۔

سنہ ۱۸۶۴ء کی نمایش موجودہ میونسپل مارکٹ کے اندر منعقد ہوئی تھی اور اُسمین صوبۂ ہذا کی ہر قسم کی اشیا نمایان کیگئی تھین سنہ ۱۸۸۱ء کی نمایش مسٹر لاک و ڈکپلنگ کی کوشش سے منعقد ہوئی تھی اور نمایشی اشیاء صوبۂ ہذا کی دستکاریون ہی تک محدود تھین۔ اسکے واسطے اسکول آف آرٹ کے کمرے اور چند خیمے کافی سمجھے گئے تھے۔ اُس نمایش سے ایک عملی اور مفید نتیجہ نکلا تھا کہ لاہور مین ایک عجائب خانہ قائم ہوا۔ جسکا سنگ بنیاد ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کلیرنس مرحوم نے سنہ ۱۸۹۰ء مین رکھا تھا۔ سنہ ۱۸۹۳ء کی نمایش مین بھی زیادہ مصنوعات پنجاب ہی نمایان کی گئی تھین

موجودہ نمایش لاہور (جو سنہ ۱۹۰۹ء مین منعقد ہوئی ہے) گذشتہ نمایشون سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ نہ صرف غیر سرکاری ہے بلکہ تمام ہندوستان کی پیداوارون کا عجائب خانہ پیش کرتی ہے۔ تمام ہندوستان کی اشیا کی نمایش کے سلسلے مین یہ ساتوین نمایش ہے۔ نیشنل کانگریس کی ایک نہایت مفید شاخ ہے۔ جیسے سوشل کانفرنس۔ انڈسٹریل کانفرنس وغیرہ مین سنہ ۱۹۰۰ء مین کانگریس کا اجلاس لاہور مین منعقد ہوا تھا جسمین ایک ریزولیوشن اس مضمون کا پیش ہوکر پاس ہوا تھا کہ ایک کمیٹی منجانب کانگریس صرف حرفتی مسائل و مباحث پر غور کرنے کے لئے مقرر ہو جو صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی تجاویز وضع کرے اور اپنے ملک کو خاص طور پر اسطرف متوجہ کرتی رہے۔

سنہ ۱۹۰۱ء مین کانگریس کلکتہ مین منعقد ہوئی وہان کے عالی حوصلہ اور اولوالعزم لیڈرون نے مناسب خیال کیا کہ تمام ہندوستان کی پیداوارین ایک معتم باشان نمایش مین نمایان کرکے لوگون کو دستکاریون کی ترقی کیطرف مائل کیا جاوے۔ چنانچہ ایک عظیم الشان نمایش ہوئی جو اُسوقت سے لیکر آجتک کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ہر سال منعقد ہوتی چلی آتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء مین کانگریس بمقام احمدآباد فراہم ہوئی تھی اور اُسکے ساتھ وہان آل انڈیا نمایش بھی ہوئی سنہ ۱۹۰۳ء مین کانگریس بمقام مدراس سنہ ۱۹۰۴ء مین بمقام بمبی۔ سنہ ۱۹۰۵ء مین بمقام بنارس۔ سنہ ۱۹۰۶ء مین دوبارہ بمقام کلکتہ منعقد ہوئی سنہ ۱۹۰۷ء مین کانگریس کا اجلاس ناگپور مین ہونا قرار پایا تھا۔ مگر باہمی اختلافات و تنازعات کے سبب سے کانگریس کو سورت مین منتقل کرنا پڑا اور قلتِ وقت کے لحاظ سے نمایش آیندہ سال پر ملتوی رہی۔ مگر سنہ ۱۹۰۸ء مین بمقام مدراس بھی کانگریس کے اجلاس کے ساتھ نمایش نہو سکی۔

دسمبر ۱۹۰۹ء مین کانگریس کا اجلاس لاہور مین منعقد ہوا- لہذا نمائش بھی یہین ہوئی- سال مذکور کے اوائل مین پنجاب کے حامیان کانگریس کے درمیان اختلاف رائے بہت سختی سے نمایان ہوا جسکی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کانگریس اور نمائش نہو سکینگی- مگر محبان وطن اور عالی ہمت اصحاب نے دل وجان سے کوشش کر کے ان دونون کو کامیاب بنانیکا عزم بالجزم کیا- ۶- ماہ جون کو نامور اصحاب کی ایک کمیٹی صرف نمائش کے اہتمام کے لئے مقرر ہوئی جسمین ہر طبقے- ہر فرقے- اور ہر گروہ کے لوگ شریک ہوئے- جنکی تعداد دوسو اصحاب تک پہونچگئی- اس کمیٹی مین ہندوستانی اور انگریز حکام سرکار اور وکلا، رعایا- ہندو- مسلمان- سکھ- عیسائی- اور پارسی کانگریس کے حامی- مسلم لیگ کے لیڈر- کانفرنس کے طرفدار اور سنگھ سبھا کے ممبر شامل تھے- تخمینہ کیا گیا کہ نمائش پر ساڑھے تین لاکھ روپیہ صرف ہونگے اور اس رقم خطیر کی بہم رسانی کے وسائل پر بھی غور کیا گیا-

کمیٹی نے گورنمنٹ پنجاب سے دستگیری کی استدعا کی جو قبول ہوئی- سرلوئیس ڈین نے ایک لاکھ روپیہ سے امداد کا وعدہ فرمایا اور نمائش کے مربی بنے- اس سے نہایت مفید نتیجہ نکلا یعنی جب حضور لفٹننٹ گورنر بہادر نے نمائش کی سرپرستی منظور فرمائی تو اُن رؤسا اور شرفا نے بھی جو اسے ایک پولٹیکل معاملہ کہتے تھے اور اس سے محترز رہتے تھے اسمین شرکت وشمولیت کی خواہش ظاہر کی- کمیٹی نے راجگان اور والیان ریاستہاے پنجاب سے التجا کی کہ وہ بھی اسمین شریک ہوکر اسے کامیاب بنانے مین کمیٹی کی امداد کرین- چنانچہ اُنہون نے ہز آنر کی تقلید کر کے ہر قسم کی مدد دی اور زر نقد کے علاوہ اپنی اپنی ریاستون کی تمام اشیا نمائش کے لئے بہم پہونچائین- کشمیر- پٹیالہ- بھاولپور- مالیر کوٹلہ- فریدکوٹ وغیرہ وغیرہ کے واسطے نمائشگاہ مین خاص کمرے مخصوص تھے جنکی آرایش کا جملہ اہتمام ہر ریاست نے خود کیا تھا-

نمائش کا محل وقوع

نمائشگاہ شہر سے باہر قلعۂ لاہور کے متصل جانب غرب پریڈ کے میدان مین ٹھیک اُس مقام پر ہے جہان نومبر ۱۹۰۵ء مین حضور پرنس آف ویلز کی تشریف آوری لاہور کے قابل یادموقع پر رؤسا پنجاب کا کیمپ تھا- اس وسیع میدان مین گاہے گاہے قلعۂ لاہور کی متعینہ فوج کی قواعد اور ریویو ہوا کرتا ہے- میدان کی مغربی حد دریاے راوی کی پُرانی گذرگاہ سے وابستہ ہے- اب دریا وہان سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر بہتا ہے- لیکن برسات کے موسم مین جب دریا مین طغیانی ہوتی ہے تو اُسکا پانی کنارون سے نکلکر پُرانی گذرگاہ مین چلا آتا ہے اور اُسوقت یہ میدان بہت دلکش منظر پیش کرتا ہے- لق ودق میدان کے اس سرے سے اُس سرے تک پانی کی ایک بے پایان چادر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے- اب اسی مقام پر منٹو پارک بنایا جائیگا-

نمائش کی عمارتین اور کیمپ ۳۰ ایکڑ اراضی مین پھیلے ہوئے ہین- پختہ عمارات (۱۰۹۰۰۰) اور خام عمارتین (۲۳۵۰۰) فیٹ مربع زمین پر استادہ ہین- انکی تعمیر مین ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ صرف ہوئے ہین جانب شہر سڑک کے ساتھ ساتھ ایک پختہ دیوار بنائی گئی ہے- مغربی حد پر دریاے راوی کی پُرانی گذرگاہ ہے- اور دو طرف دیار کے تختون کی بلند دیوارین قائم کر کے ایک محفوظ احاطہ بنالیا گیا ہے جسکے اندر کیمپ اور نمائشگاہ محدود ہے- نمائشی اشیا کیلئے جو عمارتین مخصوص ہین وہ سُرخ اینٹون کی ہین جن پر ٹین کی چھتین چھائی گئی ہین لیکن یہ بہت ناقص ہین- کیونکہ ۱۳- اور ۱۴- دسمبر گذشتہ کو جب لاہور مین بارش ہوئی تو یہ چھتین پانی روکنے مین ناکام

رہین جسکی وجہ سے نمایشی چیزون کو کسیقدر نقصان پہونچا۔ رات کو شبنم بھی گرتی ہے اور اُسکا پانی بھی اندر ٹپکتا ہے۔ حالانکہ نمایشی اشیار رکھنے کے لئے گلاس کیس موجود ہین لیکن سب چیزین انکے اندر نہین سما سکتین بلکہ بڑی بڑی چیزین تختون پر رکھی ہوئی ہین۔

بڑی بڑی عمارتین دو سلسلون مین دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہین جنکے درمیان ایک خوبصورت چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔ وسط مین ایک چوک ہے جہان ہر روز سہ پہر کو دو بجے سے گورکھا پلٹن کا بینڈ (فوجی باجہ) بجتا ہے۔ یہ چوک بہت وسیع ہے۔ اسی جگہ ہز آنر لفٹننٹ گورنر بہادر نے ۱۱- دسمبر کو افتتاحی رسم ادا کرتے وقت دربار منعقد فرمایا تھا جسمین پنجاب کے تمام والیان ریاست۔ روسا امرا اور معززین شریک ہوئے تھے۔ یہان کرسیان اور بنچین بچھی ہوئی ہین۔ ایک جانب ہندو ہوٹل۔ دوسری طرف اسلامیہ ہوٹل اور تیسرے پہلو مین انگریزون کا ریفرشمنٹ روم ہے۔ نمایشگاہ کے بڑے دروازے کی چپ و راست حد بندی کے اندر دوکاندارون اور تاجرون کے لئے کچی کوٹھریان بنا دی گئی ہین جنپر ٹین کی چھتین ہین۔ یہ کوٹھریان دوکاندارون کو کرایہ پر دیگئی ہین جہان وہ اپنا مال فروخت کرتے ہین۔ نمایش کی خاص عمارت کے اندر بھی بڑے بڑے تاجرون کو کرایہ پر جگہ دیگئی ہے۔ جہان ہر ایک نے اپنا اپنا مال قرینے سے چُنا ہے اور فروخت ہو رہا ہے۔

نمایش کی رسم افتتاح

افتتاح نمایش کی رسم ہز آنر سر لوئیس ڈین بہادر نے نہایت تزک و احتشام اور سرکاری کرّوفر سے روسا و شرفار پنجاب اور عمائد شہر کے روبرو ۱۱- دسمبر ۱۹۰۹ء کو دوپہر کیوقت ایک بڑے دربار مین ادا فرمائی۔ اس سے پیشتر ہاتھیون کا ایک شاندار جلوس بھی شہر سے گذرا تھا۔ دس بجے دن کے قریب ہز آنر اور لیڈی ڈین گورنمنٹ ہاوس سے گاڑی پر سوار ہو کر ریلوے اسٹیشن کو تشریف لیگئے۔ اس موقع پر قلعہ سے پندرہ توپون کی سلامی سر ہوئی۔ اسٹیشن پر جلوس آراستہ کیا گیا۔ تمام رئیس اپنے اپنے ہاتھیون پر سوار ہوئے جو بیش قیمت ساز و سامان اور مغرق جھولون سے آراستہ تھے۔ پنجاب لائٹ ہارس کا ایک دستہ گورنمنٹ ہاوس سے حضور ممدوح کے ہمرکاب تھا۔ جلوس کی ترتیب زیادہ تر وہی تھی جو لارڈ منٹو کی تشریف آوری لاہور کیوقت تھی۔ دہلی دربار کے موقع پر جو قاعدہ لارڈ کرزن نے ہاتھیون کے شاندار جلوس کے لئے مقرر کیا تھا وہی ایک مختصر پیمانے پر اسوقت بھی برتا گیا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ سر لوئیس ڈین کا جلوس پراونشل تھا۔ جلوس مین سب کے آگے ضلع جہلم کے پرائیویٹ سوارون کا دستہ تھا جو نمایشی کھیلون مین اپنے کرتب دکھانے آیا تھا۔ اسکے بعد نواب الانہ زادہ اور اُسکے لفٹننٹ ملک محمد عمر حیات خان صاحب تھے۔ اس دستے کے پیچھے سکھ پلٹن کا ایک دستہ تھا۔ اور اسکے بعد رجمنٹل بینڈ بجتا جاتا تھا۔ بعد ازان لاہور میونسپل کمیٹی کے بعض ممبر اور وائس پریسیڈنٹ گھوڑون پر سوار تھے۔ اور انکے پیچھے ہاتھیون کا جلوس تھا۔

سب سے پہلے ہاتھی پر شیر مرد راجہ صاحب پونچھ سیدھے سادے لباس مین سوار تھے۔ انکے بعد چیف کورٹ پنجاب کے چیف جج تھے۔ انکے پیچھے چند ہاتھی خوب آراستہ و پیراستہ تھے جنپر زربفت کی جھولین اور سنہری روپہلی ہودے کسے ہوئے تھے۔ ان ہاتھیون پر راجہ صاحب چمبہ۔ راجہ صاحب فریدکوٹ۔ نواب صاحب مالیرکوٹلہ۔ راجگان کپورتھلہ اور جنید تھے۔ انکے پس پشت نوعمر مہاراجہ صاحب پٹیالہ ایک قدآور ہاتھی پر جلوہ افروز تھے۔ جسپر زربفت کی نہایت قیمتی اور شاندار جھول پڑی ہوئی تھی۔ بعد ازان ہز آنر کے عملے کے ہاتھی تھے۔ سب سے پیچھے

سر لوئیس اور لیڈی ڈین ایک بلند اور آراستہ ہاتھی پر تشریف لائے اور اُنکے عقب مین پلٹن کا ایک حصہ تھا۔

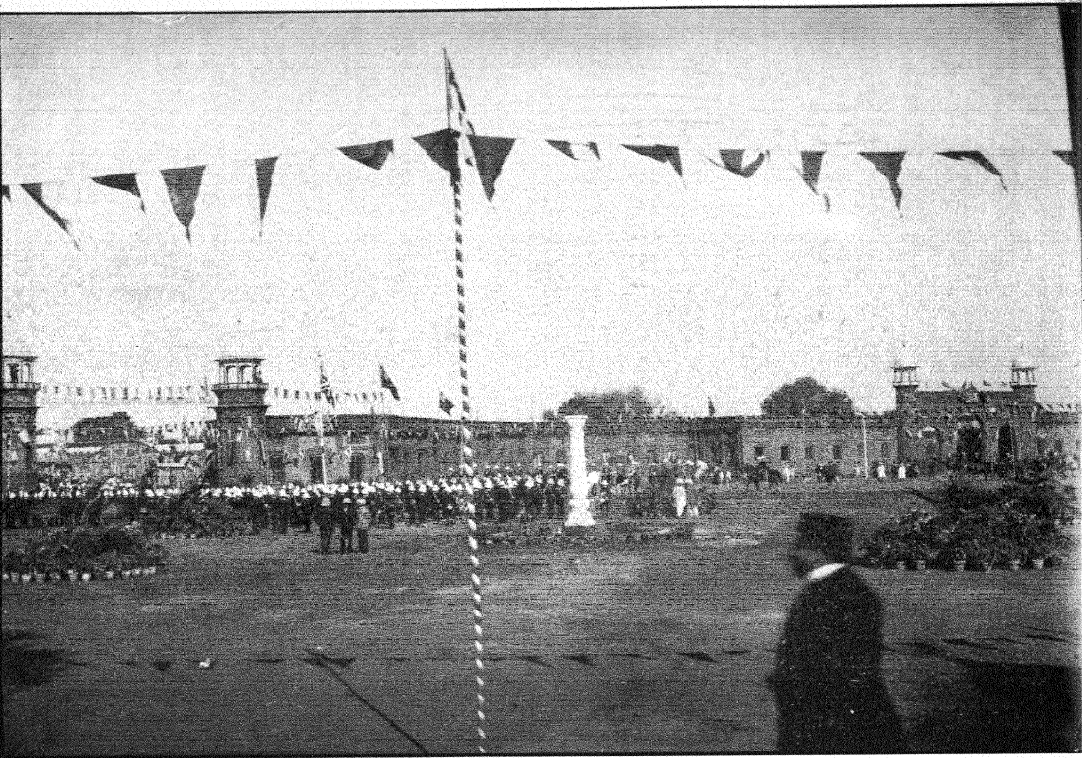
ہز آنر لنڈے بازار سے روانہ ہو کر دہلی دروازہ سے گذرے اور کشمیری بازار - ڈبی بازار - بزاز ہٹہ - واٹر ورکس - ہیرا منڈی ہوتے ہوئے قلعہ اور شہر کے درمیانی میدان مین داخل ہوئے - جہان شہر کے تمام اسکولون اور کالجون کے لڑکے حضوری باغ اور قلعہ کے لاہوری دروازہ اور باولی گرو صاحب تک رنگارنگ پگڑیان باندھے ہوئے دورویہ کھڑے تھے - اُنہون نے لاٹ صاحب کو چیرز دیئے اور ہپ ہپ ہرے کے نعرون سے آسمان سر پر اٹھا لیا - لوگ اُن راستون پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیشتر ہی مجتمع ہو گئے تھے جنمین سے جلوس گذرنیوالا تھا - یہ ایک عظیم الشان منظر تھا - خصوصاً نمایش گاہ کے احاطے مین ایک زبردست مجمع تھا جس مین ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ موجود تھے - دربار مین داخلے کیلئے ٹکٹ مقرر تھا جسکی مقدار بالترتیب دس، پانچ اور تین روپیہ تھی۔

ایک قیمتی اور عالیشان شامیانے کے نیچے سر لوئیس اور لیڈی ڈین کے لئے دو سنہری کرسیان بچھی ہوئی تھین - نیز مہاراجگان کشمیر و پٹیالہ اور راجگان چمبہ - پونچھ - کپورتھلہ - فریدکوٹ - جنید - منڈی اور نواب مالیر کوٹلہ کے لئے بھی بیش قیمت کرسیان بچھائی گئی تھین - علاوہ برین عہدہ دارانِ سرکاری اور نامور اصحاب کے لئے بھی کرسیان آراستہ کی گئی تھین - جب لاٹ صاحب اور دیگر روسا اپنی اپنی کرسیون پر متمکن ہو گئے تو نمایش کی کیمٹی کے پریسیڈنٹ سر پرتول چندر چٹرجی نے ہز آنر سے اجازت چاہی کہ جنرل سکریٹری لالہ ہرکشن لال صاحب رپورٹ پڑھین - چنانچہ حسب اجازت رپورٹ پڑھی گئی جسکے ضروری اور قابل غور امور مضمون ہذا مین جا بجا مذکور ہوئے ہین - اسکے بعد سر پرتول چندر چٹرجی کی اسپیچ ہوئی اور

بعد ازان مولوی حاجی رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ کونسل بہاولپور نے اُردو مین تقریر کی - اسکے بعد حضور لاٹ صاحب نے ایک طولانی تقریر فرمائی جسمین صوبۂ پنجاب کی مختلف ترقیون - ریلون اور نہرون کا خاص ذکر تھا - حضور ممدوح نے فرمایا کہ "نمایش سیلف گورنمنٹ (حکومت خود اختیاری) کی تعلیم و تجربہ کا مدرسہ ہے" ختم تقریر پر ہز آنر کی خدمت مین ایک نقرئی کنجی پیش کی گئی جس سے ہز آنر نے ایک قفل کھولا اور نمایش کی رسم افتتاح انجام پذیر ہوئی - بعد ازان ہز آنر اور روسا نمایش کے مختلف کمرون مین تشریف لے گئے اور اشیا ملاحظہ فرمائین - نمایش مین جو ایمفی تھیٹر بنایا گیا ہے حضور ممدوح نے اُسے بھی ملاحظہ فرمایا اور نمایش کا معاینہ کر کے بسواری موٹر کار واپس تشریف لے گئے - آنریبل مسٹر کے - بی - گپتا ممبر انڈیا کونسل بھی افتتاح نمایش کے دربار مین شریک تھے اور ایک ہی روز پیشتر لاہور مین تشریف لا کر گورنمنٹ ہاؤس مین قیام پذیر ہوئے تھے۔

نمایش گاہ اور اشیا نمایش

آمدنی اور اخراجات | نمایش و اشیا نمایش کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض ضروری امور کی تشریح بھی کیجائے نظر برین سب سے پہلے اخراجات اور آمدنی کے وسائل کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے - اخراجات کا اندازہ ساڑھے تین لاکھ روپیہ ہوا تھا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے - اس رقم کی فراہمی کے کئی ذریعے قرار دیئے گئے جنکا مختصر ذکر خالی از لطف نہو گا - پنجاب گورنمنٹ نے ایک لاکھ روپیہ کی امداد منظور کی تھی جسمین تیس ہزار روپیے منٹو پارک کے لئے علٰحدہ کئے گئے ہین - گورنمنٹ کے بعض دوسرے صیغون سے بھی کئی قسم کی مدد ملی ہے - کئی اضلاع کے ڈپٹی کمشنرون نے چندہ اور نمایشی اشیا کے بہم پہونچانے مین



دربار نمائشگاہ لاہور

کوشش بلیغ سے کام لیا ہے - صیغہ ہاے ڈاک - تار برقی اور ریلوے نے بھی بہت مدد دی ہے - مینجر صاحب نارتھ ویسٹرن ریلوے نے عمارتی سامان بہم پہونچانے مین امداد کی اور ٹکٹ دیکھنے کے لئے ریلوے ملازم دئے ہین - یہ کہنا بیجا نہوگا کہ حکام کی اعانت و دستگیری بغیر نمایش کی کامیابی مشکوک تھی -

پنجاب کے والیان ریاست نے اڑتیس ہزار روپیہ نقد دئے - ۶۲ میونسپل کمیٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون نے پچیس ہزار سے اعانت کی - دس ہزار روپیہ لاہور کی میونسپلٹی نے دئے - عوام کے چندہ سے اڑتیس ہزار روپیہ وصول ہوئے - کشتیون وغیرہ کے ٹکٹون سے ساٹھ ہزار اور نمایش کے ٹکٹونکی فروخت سے ایک لاکھ کی آمدنی کا اندازہ ہوا - تیئیس ہزار روپیہ کرایہ وغیرہ سے وصول ہونگے - خاص اشیا نمایش سے چھ ہزار - اشتہارات سے ساڑھے تین ہزار اور ریفرشمنٹ روم اور تھیاٹر کے کرایہ سے ساڑھے پانچہزار وصول ہونے کا تخمینہ ہے - گویا ان مدات سے تین لاکھ چوراسی ہزار روپیہ کی آمدنی ہوگی - اور اخراجات کے بعد چالیس پنتالیس ہزار کی توفیر ممکن ہے -

نمایش کے شعبے | ملکی تقسیم کے اعتبار سے ہندوستان دو حصون مین منقسم ہے - ایک وہ حصہ جو گورنمنٹ انگریزی کے تحت مین ہے اور دوسرا وہ جو دیسی ریاستون کے زیر حکومت ہے - آبادی کے لحاظ سے پانچوان حصہ اور رقبہ کے اعتبار سے ⅓ حصہ ملک دیسی ریاستون کے قبضے مین ہے - اگر نمایش مین بھی یہی تقسیم ملحوظ رکھی جاے تو نامناسب نہوگا - دیسی ریاستون مین سب سے عمدہ کمرے ریاستہاے کشمیر اور پٹیالہ کے ہین - انکے دوسرے درجے پر بہاولپور اور کپورتھلہ ہین - مالیر کوٹلہ - فرید کوٹ - چمبہ - بلاسپور پونچھ - میسور - ٹراونکور - بھرتپور - جودھپور - گوالیار - بڑودہ - بیکانیر - خیرپور - اندور - دھار - جےپور - حیدرآباد دکن وغیرہ کی طرف سے بھی اشیا نمایان کی گئی ہین -

بعض ریاستون نے صرف دو دو چار چار چیزین بھیجی ہین جنکے لئے وہ مشہور ہین - اور بعض نے زیادہ اشیا بہم پہونچائی ہین - باقی اشیا برٹش ہندوستان کے ہر حصے سے جمع کیگئی ہین - کسی قسم کی ایسی پیداوار نہین ہے جو نمایان ہونے سے رہ گئی ہو - انکی تقسیم انکی نوعیت کے مطابق کیگئی ہے اور مختلف کمرون مین مختلف اشیا آراستہ کیگئی ہین - صیغۂ زراعت - صیغۂ جنگلات - ڈیئر یزی - معدنیات - بنگال کی مچھلیان - سائنس - آرٹ - لٹریچر - صیغۂ حفظان صحت - صیغۂ زنانہ مصنوعات - فائن آرٹس - (فنون لطیفہ) صیغۂ اسباب چرمی - ٹیکسٹائل یعنی ہر قسم کے سوتی اونی اور ریشمی کپڑون کا صیغہ - ظروف چینی - اشیا چوبی و آرایشی سامان کا صیغہ - جویلری (زیورات اور سونے چاندی کی قیمتی اشیا) کا صیغہ - اور پیتل تانبا وغیرہ کی اشیا کا صیغہ - صیغۂ انہار پنجاب مشینون کا صیغہ کیمیکل انڈسٹری (کیمیائی حرفتون کا صیغہ) اور متفرق دستکاریون کا شعبہ وغیرہ وغیرہ ہین -

دیسی ریاستون کی اشیا | جیسا اوپر بیان ہوا ہے دیسی ریاستون مین سب سے پہلے قابل ذکر پٹیالہ ہے جسکے دو کمرے بہت اچھی طرح آراستہ کئے گئے اور ریاست کی ہر قسم کی پیداوارین اور دیگر اشیا جمع ہین - جنگلی پیداوارون مین دو لکڑیان خاص ذکر کے قابل ہین جو چھتریان اور دیا سلائیان بنانے کے کام آتی ہین - پٹیالہ کے بنے ہوئے پیتل کے آلات علم ہیئت قابل دید ہین - ایک بڑا شیشہ بھی دیسی ساخت کا ہے جسمین بھلے چنگے آدمی کی شکل بہت بھونڈی اور کریہ معلوم ہوتی ہے - دوسرے کمرے مین تیس بڑے اور ستائیس چھوٹے کپ رکھے ہین جو مہاراجہ پٹیالہ نے گھوڑ دوڑ کرکٹ اور پولو وغیرہ کھیلون مین بطور انعام حاصل کئے تھے -

بعض کپ بہت بھاری ہین اور نقرۂ ہونے کے باعث بہت قیمتی ہین۔ دو زرنگار کرسیان اور ایک چاندی کی پالکی اور چند پرانے قیمتی قلمی نسخے فارسی ہندی وغیرہ کے ہین جنکے اندر تصاویر بھی ہین۔کشمیر کے چاندی کے برتن۔ چوبی اور کاغذ کے قلمدان اور شال بہت مشہور ہین۔ اور یہ چیزین ریاست کشمیر کے ایک بلے مخصوص کمرے مین آراستہ ہین۔ ریشم نکالنے کا کام جیسا جموں مین ہوتا ہے ایک کوئے مین دکھایا گیا ہے۔ کوئے گرم پانی کے اندر پکتے ہین۔ اور اُنہین سے ریشم کے تار علیحدہ کئے جاتے ہین۔ پانچ۔ چھہ کوؤن کے تار لیکر ایک تار بنایا جاتا ہے اور مشین پر لپیٹا جاتا ہے۔ یہ کام صبح سے شام تک ہوتا رہتا ہے۔ اور لوگ اُسے دیکھتے ہین۔ اسکے علاوہ تانبے کی طرح طرح کی زیبایشی اشیار موجود ہین۔ کشمیر کی زرعی پیداوارین بھی نمایان کی گئی ہین۔

ریاست بھاولپور کے کمرے مین وہان کی ہر قسم کی چیزین دکھائی گئی ہین۔ زرعی صنعتی۔ مالی جنگلی۔ الغرض کل اشیار ہین۔

ریاست کپورتھلہ کے کمرے مین بہت سی عمدہ چیزین ہین۔ دو زرنگار کرسیان اور دو بڑے بڑے قیمتی ہودے ہین لکڑی کا کام کپورتھلہ مین بہت ہوتا ہے۔ ایک چوبی نمونہ حال کے بنے ہوئے محل کا ہے۔ وہان ہیئت دانون کے کام کے آلات بھی بنتے ہین۔ اور لڑکیون کے اسکول کی بنی ہوئی چند نفیس چیزین بھی قابل دید ہین۔

بیکانیر کی خاص چیزین دو تین قسم کی ریت اور مٹیان ہین اول الذکر سفید کانچ اور بوتلین بنانے کے اور موخرالذکر چینی مٹی کے خوبصورت برتن اور قیمتی اینٹین بنانیکے کام آتی ہین۔

گوالیار کے قالین اور ایک حاضری کا عمدہ گھنٹہ ہے جو ریاست کے ورکشاپ مین بنایا گیا ہے۔ یہ گھنٹہ بڑا کارآمد معلوم ہوتا ہے۔ اسکے ذریعے سے آنے اور جانے کا وقت گھنٹے اور منٹ آپ سے آپ اسکے اندر درج ہوتے رہتے ہین۔

ریاست فریدکوٹ کے سرکاری مستری کا بنایا ہوا ایک بڑا گھنٹہ بھی ہے جسکا ہر پرزہ محمد شریف نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے۔ اسکے علاوہ دو سرکاری جھپان اور ریاست کی دیگر مشہور پیداوارین ہین۔

ریاست میسور کی طرف سے کئی قسم کے اناج۔ غلے۔ گرم مسالے جڑی۔ بوٹیان ہین۔ صندل اور صنوبر کے نمونے بھی ہین۔ ایک بڑی قیمتی تصویر گائے اور بچّہ کی ہے۔ یہ ہندوستانی روغنی نقاشی کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ ایک اور روغنی تصویر "سنگار" ہے مگر یہ ایسی اعلیٰ نہین ہے۔

ریاست جودھپور کا بنا ہوا سنگ مرمر کا تخت اور فوارے ہین۔ جو سنگ تراشی کے فن کا نہایت عمدہ نمونہ ہین۔ ریاست برودہ کیطرف سے بھی کئی چیزین دکھائی گئی ہین۔ کئی مرکبات دیسی ساخت کے۔ برودہ ملز کے کپڑے اور سوت۔ لکڑی کا کام۔ اور جغرافیائی کام کے چند آلات ہین۔ باقی ریاستون کی چیزین بہت معمولی قسم کی ہین۔ اور وہ خاص ذکر کے قابل نہین ہین اُنہین عجائبات کی فہرست مین شامل کرنا بھی مشکل ہے۔

اشیار ہند| نمایش گاہ مین سب سے عمدہ اور بہترین قسم کا آراستہ صیغہ زراعت ہے۔ جسکے تین بڑے شعبے ہین (۱) آلات کشاورزی (۲) مرغی خانہ اور انڈے سینے کی مشین۔ (۳) خاص زرعی پیداوارون کا حصّہ ہے۔ اور اسکا ایک حصّہ باغ کی پیداوارون کے لئے وقف ہے۔ زرعی آلات کے شعبے مین کئی مفید اور کارآمد کلین ہین۔ گھاس۔ چارہ کترکر باریک کرنے کی کلین۔ فصل کاٹنے کی

مشین اور بیج بونے کے آلات - ڈھیلے توڑنے - مٹی باریک کرنے زمین سے گھاس نکالنے اور الگ کرنے کی کلین - سن اور اسی وغیرہ سے سن اور ریشہ نکالنے کی مشینین - بھوسے سے اناج علٰحدہ کرنے اور اُڑانے کی مشینین - پیسنے - دلنے کی کلین - جوار کے دانے بھٹون سے الگ کرنے - ہینڈ پمپ یعنے ہاتھ سے پانی نکالنے کی کل - ولایتی ہل وغیرہ وغیرہ کلین موجود ہین - دیسی ایجاد کی بلدیو بالٹی ہے جسکے ذریعے سے چند فٹ گہرائی کے تالاب یا خندق سے پانی نکالکر کھیت سیراب کرسکتے ہین - مصری پیچ بھی دکھایا گیا ہے جو نیچی جگہہ سے اوپر پانی چڑھانے کے کام آتا ہے - یہ پیچ لکڑی کا ہے جو ہاتھ سے گھمایا جاتا ہے - اس صیغے مین پندرہ سولہ قسم کے ولایتی چھوٹے بڑے لوہے کے ہل ہین - ان مین "راجہ ہل" بہت مفید معلوم ہوتا ہے جو دو تین دیسی ہلون کے برابر کام کرتا ہے - ایک ہل "ہیرو" ہے جو سات ہلون کے برابر زمین جوت سکتا ہے - اس صیغہ کے متعلق چند قطعات آراضی ہین جہان ان ہر دو ہلون سے زمین جوت کر دکھائی جاتی ہے - اس سے بہت گہرائی تک زمین کھد سکتی ہے - "ہیرو" ہل کی قیمت پچاس روپیہ ہے - اکہرے اور دوہرے ہل تیس تیس روپیے کو بھی مل سکتے ہین - ان ہلون سے تھوڑی دیر مین بہت سا کام ہوسکتا ہے - بھوسہ اڑانے اور بونے اور فصل کاٹنے کی کلین نہایت مفید ہین - جو ایک گھنٹے مین بہت سے ہلون اور بہت سے آدمیون کے برابر کام کرتی ہین - بھوسہ سے اناج نکالنے اور اُڑانے کی کل سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے - کیونکہ اسکے ذریعے سے کام لیکر کسان لوگ ہوا کے محتاج نہین رہینگے - ان کلون کے مقابلے مین دیسی زرعی آلات بھی دکھائے گئے ہین - انہین ۴۶ قسم کے دیسی ہل ہر حصہ ملک سے لاکر جمع کئے گئے ہین - خراس اور چکی جو پانی سے چلتی ہین - دھان کوٹنے اور چانول نکالنے کی دیسی کلین جو پانی سے چلائی جاتی ہین - گھاس اور چارہ کترنے کی مشین بھی بہت کارآمد معلوم ہوتی ہے - الغرض جتنے آلات وہان دکھائے گئے ہین وہ سب زمیندارون اور کاشتکارون کے کام کے ہین - مجھے یہ دیکھکر بہت خوشی ہوئی کہ لاہور کے قرب وجوار کے کسان صیغۂ زراعت کی نمائشی اشیا اور آلات کشاورزی دیکھنے آتے ہین - اور کئی قسم کے سوالات پوچھتے اور ضروری امور دریافت کرتے ہین - پنجاب کے دیگر اضلاع کے زمیندار - ذیلدار اور نمبردار وغیرہ بھی ان چیزون کو دیکھنے آتے ہین - زرعی اسٹیشن لائلپور کی طرف سے تین چار قسم کی مرغیان - دو ایک قسم کی بطخین اور فیل مرغ بھی دکھائے گئے ہین جنکی پرورش نئے طریقون سے کیجاتی ہے - اُنکی صنعت کو ترقی دینے اور اُنکی نسل کو بہتر بنانیکی کوشش کیجاتی ہے - اسکے ساتھ ہی "انکوبیٹر ہاؤس" (Incubator House) یعنی ایک مشین سے مرغی کے انڈے سینے اور بچے نکالنے کا ڈھنگ بتایا جاتا ہے - چھوٹی مشین مین ۲۰ - ۳۰ - انڈے اور بڑی مین ۹۰ - ۱۰۰ - انڈے رکھے جاتے ہین - جن مین سے اکیس دن کے بعد بچے نکل آتے ہین - بڑی مشین کی قیمت ساٹھ روپیے اور چھوٹی کی چالیس روپیے ہے - جو شخص انکے انچارج ہین اُنسے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گندے انڈون کے سوا باقی سب سے بچے نکل آتے ہین - جنکی پرورش کا علٰحدہ انتظام ہے - اور وہ فاسٹر مدر (Faster mother) یعنی "سوتیلی ماں" کے نام سے مشہور ہے - یہ مشین ایک معمولی قسم کا صندوق سا ہے جسکے ایک حصہ مین لیمپ جلتا ہے اور جسکی حرارت انڈون کو پہونچتی رہتی ہے - یہ کل مرغی پالنے والون کے کام کی شے ہے -

شہد کی مکھیون کا گھر بھی زراعت کے شعبہ سے متعلق ہے جہان زندہ مکھیان رکھی گئی ہین - یہ ایک لکڑی کے صندوق کے اندر ہین جہان وہ چھتہ بناتی اور شہد جمع کرتی ہین - یہ گھر شیشے کا ہے - اور اسکے اندر پھولون کے گملے ہین جنپر مکھیان پرورش پاتی ہین - ہارٹی کلچر یعنی باغ کی پیداوارون کا حصہ بھی زرعی پیداوارون کے صیغہ سے متعلق ہے - اسکے اندر کئی قسم کی سبزی - ترکاریان اور پھل پھول ہین - ولایتی سیب دس قسم کے اور پیاز دیسی اور ولایتی ستر قسم کی اور اسکاٹلینڈ کے پچیس قسم کے آلو ہین - پینتالیس قسم کے پھلون - پھولون اور سبزیون کے تخم ڈبیون کے اندر بند ہین - ایک طرف حجامہ آلات دکھائے گئے ہین جو مالیون کے کام آتے ہین - مثلاً پچکاریان جنسے پانی یا دوا پودون پر چھڑک کر موذی کیڑون سے انہین محفوظ رکھا جاتا ہے - پودے چھانٹنے - کاٹ اُتارتے دوا چھڑکنے کے آلات اور درختون سے پھل اُتارنے کے بہت سے اوزار بھی ہین - انکے علاوہ اور اکثر آلات اور کلین مالیون کے کام کی ہین - حشرات الارض ہند کا کمرہ بھی بہت عمدہ ہے - جسمین ہندوستان کے معمولی کیڑے جو فصلون - پودون پھلون اور پھولون کو نقص پہونچاتے ہین دکھائے گئے ہین - ان کی تصاویر اور مردہ نمونے بھی موجود ہین - اسی کمرہ مین ریشم کے جنگلی اور پالے ہوئے کیڑے اور ریشم دکھایا گیا ہے - کوئے سے ریشم نکالنے کا عمل بھی دکھایا جاتا ہے - باقی کمرون مین ہندوستان کے ہر حصہ کی زرعی پیداوارین دکھائی گئی ہین - کہین کہین جوار - گیہون - دھان - کپاس وغیرہ وغیرہ کے سوکھے پودے بھی ہین جنہین دیکھکر اُنکے قد کا اندازہ ہوسکتا ہے - السی - تل سرسون - رینڈی - بنولہ وغیرہ کے اڑتالیس قسم کے روغن شیشے کے برتنون مین موجود ہین - سٹن (Sutton) کمپنی کے پچیس تیس قسم کی گھاسون کے تخم - ارنڈ - سرسون - السی - تل تارہ میرہ - اور بنولہ کی چالیس قسم کی کھلی - چالیس پینتالیس انواع کے گوند - پچاس ساٹھ قسم کے مختلف گرم مسالے اور پچیس تیس قسم کے ایسے چھلکے - پھل - پتے - اور جڑین وغیرہ ہین جنسے رنگ بنتا ہے - کپڑے رنگے جاتے ہین یا رنگ پختہ کیا جاتا ہے - ہندوستان کے کل علاقون کی بیس قسم کی السیان - چودہ قسم کے ارنڈ - اٹھائیس یا تیس قسم کے تل - پچاس پچپن قسم کی سرسون بیس پچیس قسم کا تمباکو - بیس یا تیس قسم کی چاے - تیس پینتیس قسم کی مونگ پھلی - نو دس قسم کے دیسی آلو - تیس پینتیس قسم کے چنے - دس بارہ قسم کے ماش - چالیس قسم کی مونگ موٹھ اور مسور - تیس قسم کی جوار اور باجرہ - دھان اڑھائی سو قسم کے - جو چالیس - گیہون نوے - کپاس ستر - مکئی دس بارہ قسم کی دکھائی گئی ہے - اسکے سوا کئی قسم کے ریشے - سن اور چھال بھی ہین - سب سے زیادہ اقسام دھانون اور چاولون کی ہین جو پشاور سے توتی کورن اور آسام سے کراچی تک جمع کی گئی ہین اور کئی چیزین بھی ہین جنکے خاص ذکر کی کوئی احتیاج نہین معلوم ہوتی -

محکمہ انہار پنجاب محکمہ زراعت سے بالا واسطہ وابستہ صیغہ انہار پنجاب ہے جسکے واسطے علیحدہ جگہ مخصوص ہے - اسے بھی ہر طرح سے عمدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے - اسکے اندر نہرون کے نمونے بنائے گئے ہین - ایک جگہہ دکھایا گیا ہے کہ نہر کسطرح کھیتون کو سیراب کرتی ہوئی آبادیون کے قریب سے گذرتی ہے اور کیونکر اُسکی شاخین نکالکر الگ الگ کی گئی ہین - دیوارون پر فوٹو آویزان ہین جنکے نیچے مختصر کیفیت درج ہے - ان تصاویر

مین نہرین کھودنے کی جگہہ - انکے مختلف ہیڈ کو اٹر یعنی صدر مقام اور دلچسپ کوالف دکھائے گئے ہین - بعض مقامات مین نہر دریا کے نیچے سے اور کبھی اُسکے اوپر سے نکالی گئی ہے - جسکا نمونہ زمین پر ریت بچھاکر اور دریا و نہر کی شکل بناکر بتایا گیا ہے - الغرض اس شعبہ کی ہر طرح سے عمدہ اور سبق آموز بنانیکی کوشش کیگئی ہے - جن لوگون کو نہری آبادیون مین جانے اور اُنکی اصلی حالت دیکھنے کا موقع نہین ملتا - وہ نمایشگاہ مین جاکر دیکھ سکتے ہین اگر سچ پوچھو تو نہرون کے ذریعے سے پنجاب کو بڑا فائدہ پہونچا ہے - لاکھون ایکڑ اراضی جو صدیون سے غیر مزروعہ اور غیر آباد پڑی ہوئی تھی اور کرون مکعب فٹ پانی پنجاب کے پہاڑون اور میدانون سے بہکر سمندر مین پہونچتا اور کسی مصرف مین نہ آتا تھا - وہ اب لاکھون بندگان خدا کی روزی اور گورنمنٹ کی آمدنی مین اضافہ کثیر کا باعث ہوا ہے -

نہرون کے نمونون کے کمرے کے باہر چار قطارون مین فی قطار چھ نمونے مٹی اور اینٹون کے بنائے گئے ہین جو پل پائے کی شکلون کے ہین - انکے ذریعے سے نہرون کا خرچ - پیداوار - آمدنی اور پیداوار کی مالیت جو سنہ ۱۸۶۵ء - سنہ ۱۸۷۵ء - سنہ ۱۸۸۵ء - سنہ ۱۸۹۵ء - سنہ ۱۹۰۵ء و سنہ ۱۹۰۸ء مین ہوئی ظاہر کیگئی ہے - یہ بہت عمدہ اور سبق آموز ہین -

صیغہ جنگلات | اسمین جنگلی لکڑیون کے مختلف نمونے اور شہتیرون اور کڑیون کا ایک بڑا انبار ہے - لکڑی کے برادہ کے کئی قسم کے برتن اور مقوے ہین جنکے صندوق اور دیگر مفید اشیا بن سکتی ہین -

صیغہ وٹیرنیری مین گائے - گھوڑے - اونٹ - بھینس - بھیڑ اور کُتّے کے ڈھانچ ہین ایک گلاس کیس کے اندر ایک بڑے ہولناک چینی اژدہے کا ڈھانچ بند ہے - اور ایک ستون کے اردگرد ایک بڑے بھاری اژدہے کی کھال جسکے اندر بھوسہ بھرا ہوا ہے لپٹی ہوئی نمایان کی گئی ہے - اسکا طول بارہ پندرہ فیٹ اور دور سوا یا ڈیڑھ فٹ ہوگا - معدنیات کے صیغہ مین ہندوستان کی تمام دھاتون کے نمونے جمع ہین - کھیوڑہ (پنجاب) سے جو نمک نکلتا ہے - اُسکے کئی نمونے موجود ہین - بنگال کی زندہ اور مردہ مچھلیون کے نمونے شیشے کے کیسون مین بند ہین زندہ مچھلیان پانی کے اندر چلتی پھرتی نظر آتی ہین جو بنگال کے تالابون اور ندی نالون مین پائی جاتی ہین - انکی کئی قسمین دکھائی گئی ہین -

ڈائمنڈ ہند و جوبلی ٹیکنکل اسکول لاہور اور پنجاب سائنس انسٹی ٹیوٹ لاہور کی بنی ہوئی بہت سی چیزین نمایان کیگئی ہین - سائنس انسٹی ٹیوٹ کے علمی آلات پنجاب کے اسکولون اور کالجونکی لیبوریٹریون مین اکثر مستعمل ہوتے ہین - یہ چیزین عمدہ ہین اور دیسی کاریگری قابل قدر ہے - سائنس اور لٹریچر مین انگریزی اُردو کی کتابین - نقشے اور کُرے اور ڈرائینگ وغیرہ ہین - ونکٹیشور پریس بمبئی کے بنے ہوئے مختلف ٹائپ اور تصاویر کے بلاک ہین - ایک ڈاکخانہ کا کارڈ خاص ذکر کا مستحق معلوم ہوتا ہے - اسپر مسٹر نوشیروان - جی - این - منشی نے لارڈ منٹو کی مختصر تاریخ نہایت باریک حروف مین قلم بند کی ہے - اسپر ایک سو سطور (۱۷۳۷) الفاظ اور (۹۱۰۴) حروف ہین - انگریزی زبان مین ہاتھ سے لکھا گیا ہے - بائبل مقدس ایک سو مختلف زبانون مین پنجاب بائبل سوسائٹی کیطرف سے دکھائی گئی ہے -

صیغہ حفظان صحت | اسمین چند چیزین صفائی سے متعلق ہین - ایک حصہ مین کونین کی گولیان بذریعہ مشین بنتی ہین اور تین گولیان فی پیسے کے حساب سے فروخت ہوتی ہین - ای ین رائے شمبھو ناتھ ایگزیکیوٹو انجینیر دہلی کی وضع کردہ چند چیزین بھی نمایان کی گئی ہین - مثلاً فولڈنگ پنکھا - برساتی - انگیٹھی - واٹر ہیٹر یعنی پانی گرم کرنے کا آلہ - پروف ونٹی لیٹر وغیرہ ہین -

زنانہ دستکاریون کے صیغہ مین بہت سی نفیس اشیاء لڑکیون

اورعورتون کے ہاتھ کی بنائی ہوئی موجود ہین - تصاویر - بچون کے کپڑے - لیس - چکن - جالی - واسکٹ وغیرہ چیزین ہین جو نہایت خوبصورت ہین - کشیدہ اور سوزنکاریان بہت عمدہ قسم کی نمایان کیگئی ہین - انہین راجکماری شری من ہرکنور بھاونگرا ور راجکماری جشونت کنور کہرستا کی بنائی ہوئی چیزین بہت نفیس ہین -

متفرق مصنوعات | اس صیغہ مین قابل ذکر " اپر انڈیا گلاس ورکس انبالہ " پیسہ فنڈ گلاس ورکس پونہ " کی مختلف کانچ کی چیزین ہین - انکے علاوہ بنگال کے سودیشی نِب - قلم - کاغذ - پنسل - اور سودیشی روشنائیان اورسامان تحریر بھی توجہ خاص کا محتاج معلوم ہوتا ہے - فن انجینیری کے بعض نمونے مثلاً جہازا ور ریلوے کے سامان بہت عمدہ ہین -

کیمیائی حرفت کے ڈیپارٹمنٹ مین سودیشی صابون ہیون قسم کے - سودیشی مرکبات - ادویات - خوشبویات - کئی قسم کی دیا سلائیان جو بنگال اور بمبئی اور دیگر صوبون مین تیار ہوتی ہین - انہین بنگال کیمیکل ورکس - کلکتہ او کیمیکل ورکس بمبئی کے مرکبات اورآرایش اور زیبایش کی اشیا بہت نفیس اور قابل تعریف ہین -

ظروف چینی کے صیغہ مین چینی اور چکنی مٹی کے مختلف قسم کے برتن ہین - مثلاً پیالے - پرچ - پلیٹ - مٹکے - گھڑے - صراحیان ٹی پاٹ - گلاس - لوٹے وغیرہ وغیرہ - ملتان کے مرتبان اور مٹکے بھی ہین مگر روغنی کام بہت اچھا نہین ہے - البتہ جالندھر کا ٹی سٹ قدرے اچھا ہے -

فائن آرٹس (فنون لطیفہ) | اسمین نقاشی - تصویر کشی - سنگتراشی - اور فوٹوگرافی کے عمدہ نمونے ہین - کئی قسم کے باجے بھی ہین - ایرانی اور ہندی ساخت کی پرانی روغنی تصویرین بھی دکھائی گئی ہین - لکڑی اور ہاتھی دانت کی اشیا بہت اچھی ہین - ایرانی ساخت کی تصاویر - درختون کی چھال اور دھات کے ٹکڑون پر بنی ہوئی ہین

بعض روغنی تصاویر جو ہندی مصورون کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہین بہت قابل تعریف ہین - اور بعض قیمتی بھی سمجھی جاتی ہین بعض پر رامائن اور مہابھارت کے سین بنے ہوئے ہین - بعض مین قدرتی مناظر دکھائے گئے ہین -

چرمی اسباب کے صیغہ مین مدراس کا کروم (Chrome) چرم بہت عمدہ اور قابل دید ہے - سانپ - اژدھے اور گھڑیال کی کھالون کو کماکر عمدہ بنایا گیا ہے - سانپ کی کھال کا کروم بناکر کمربند بنائے گئے ہین - بمبئی - کانپور وغیرہ کے چرمی اسباب بھی موجود ہین - ایک گھوڑا بھوسہ بھرا ہوا ساز و زین سے آراستہ دکھایا گیا ہے - یہ دور سے اصل گھوڑا معلوم ہوتا ہے - اس شعبہ مین ایک بوٹ کا پاپوش قابل ذکر معلوم ہوتا ہے - اسکی لمبائی چھ فٹ اور کل وزن مع بھرتی پانچ من بتایا گیا ہے - اندر سے اتنا کھلا ہے کہ معمولی قسم کے دو تین آدمی بآسانی لیٹ سکتے ہین - اسکی قیمت تین سو روپیہ لگائی گئی ہے - رازدان برادرس امرتسر نے تیار کرکے بھیجا ہے -

ٹیکسائل | یعنی اونی - ریشمی اور سوتی اشیا کا صیغہ بہت عمدہ ہے - اسمین ہندوستان کے ہر حصے کے کپڑے ہاتھ اور کل کے بنے ہوئے دکھائے گئے ہین - دھاریوال کے طرح طرح کے نفیس ملائم اونی کپڑے - امرتسر کی شال - قالین - ریشمی کپڑے سوزنکار اور زرنگار زیرپوش اور سوتی کپڑے - چھوٹی سلک فیکٹری بمبئی کے انواع اقسام کے ریشمی کپڑون کے نمونے ہین - جو فرانس اور جرمنی سے بخوبی مقابلہ کرسکتے ہین - کارونیشن کاٹن ، وولن ہوزری بمبئی - بکنگھم ملز مدراس - آدم جی پیر بھائی ملز بمبئی - بھٹا و مانک کپنی بمبئی - نیو قیصر ہند ملز - فضل بھائی ملز - ٹکسائل اینڈ اسپننگ ملز - اسٹینڈرڈ ملز - مُرارجی گوکل داس ملز - اور کریسنٹ ملز بمبئی - شروک ملز احمد آباد -

شولاپور ویونگ ملز- وغیرہ وغیرہ کے بنے ہوئے کپڑے یورپ کے کارخانون سے بہت اچھی طرح لگا کھاتے ہین-اگر اس قسم کے پانچ چھ سو کارخانے ملک کے ہر صوبہ اور ہر بڑے شہر مین ہون تو ولایت سے ہر سال ۴۴ کروڑ روپیہ سالانہ کا کپڑا خریدنے کی کوئی ضرورت نہ رہے-اور نہ یہان سے سولہ کروڑ روپیہ کی روئی ولایت بھیجنے کی زحمت باقی رہے-

مذکورۂ بالا کارخانون مین ہر قسم کے نفیس-باریک-پائدار اور خوشنما کپڑے بنتے ہین جنکے نمونے صیغۂ زیر بحث مین موجود ہین- کلانور کی بیل مشین کے بنے ہوئے کپڑے ایک علٰحدہ چھوٹے کمرے مین ہین- انکی شہرت چارون طرف ہے- اسلئے یہان خاص ذکر کرنا غیر ضروری ہے- اس شعبہ پر سرسری نظر ڈالنے سے انسان یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس ملک مین ہر طرح کا سوتی کپڑا بنتا ہے-جو اہل ہند کو غیر ممالک سے مستغنی بنا سکتا ہے-مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اسقدر نہین بنتا کہ اُس سے ملک کی ضروریات پوری ہون-

پیتل | یعنی دھات کی چیزون کے صیغون مین جے پور-کشمیر-بنارس اور مراد آباد وغیرہ وغیرہ کی طرح طرح کی چیزین موجود ہین-پیتل-تانبے-جست اور کانسے وغیرہ کے برتن بکثرت ہین- اسی صیغہ مین دھات کی ایک پرانی ایرانی میز بھی ہے جسکی قیمت کئی ہزار ہے-جوئلری کے صیغہ مین دہلی اور کلکتہ کے جوہریون نے عمدہ عمدہ قیمتی زیورات-چاندی کے نفیس برتن اور ہیرے-لعل-فیروزے اور موتیون کے ہار بہم پہونچائے ہین- فولادی اشیاء کے صیغے مین ملتان کے نفیس چھوٹے بکس اور دیگر اشیاء اور سیالکوٹ وغیرہ کے اسٹیل ٹرنک ہین- چاقو-چھریون کے شعبہ مین سیالکوٹ کے بنے ہوئے نازک آلات جراحی-چاقو چھریان وغیرہ ہین- اسکے علاوہ اور مقامات کی بنی ہوئی اشیاء بھی ہین-

چوبی صیغہ مین پنجاب اور دیگر مقامات کی بنی ہوئی چیزین ہین-فرنیچر کے متعلق ہر قسم کی کرسیان-میز-لکڑی کے پردے-طرح طرح کی میزین-آرام چوکیان وغیرہ وغیرہ ہین جو دیکھنے سے خاص تعلق رکھتی ہین-گجرات (پنجاب) راولپنڈی اور چند دیگر شہرون کا آرایشی سامان چوبی بہت عمدہ ہے-بمبئی کے بنے ہوئے اسٹووو (Stoves) یعنی گیس کے چولھے بھی بہت عمدہ اور نفیس معلوم ہوتے ہین-

جنرل مشنری کے شعبہ مین ہینڈ لوم سب سے زیادہ دلچسپی لئے ہوئے ہین- انکے کئی نمونے ہین- کاریگر دن بھر کام کرتے دیکھے جاتے ہین- مکتی فوج کے تین چار قسم کے ہینڈ لوم خاص ذکر کے قابل ہین- ان مین ایک بہت بڑا ہے جسکی مشین پیچیدہ ہے- اور اسمین ڈیڑھ ، پونے دو گز عرض کا کپڑا- پلنگ اور میز پوش (جنمین طرح طرح کے بیل بوٹے بن سکتے ہین) تیار ہوتے ہین-باقی بہت سادے ہین جنکے ذریعہ سے ایک کاریگر دن بھر مین کئی گز کپڑا بن سکتا ہے- ٹھکرال کمپنی سیالکوٹ کا ہینڈ لوم بہت اچھا اور مفید معلوم ہوتا ہے-

سامان تفریح | نمایش کی کمیٹی نے پبلک کی دلچسپی کا خاص اہتمام کیا ہے- نمایش گاہ کے اندر ایک طرف نالہ کے قریب ایک بڑا تماشا گاہ بنایا گیا ہے جہان دیسی کھیل-گھوڑ دوڑ-نیزہ بازی-کبڈی وغیرہ سرحدی پٹھانون کا تلوار کا ناچ-مشہور پہلوانون کی کشتی وغیرہ کا اہتمام ہوا ہے- اسکے علاوہ اور بیسیون کھیل تماشے ہین جنکے تذکرہ کی گنجایش نہین- واٹر شوٹ (Water chute) تکمیل کو نہ پہونچ سکا- ہوائی جہاز کی ہم سائی مین بھی کامیابی نہ ہوئی-نمایشگاہ کے تمام کھیل تماشے سوا کشتیون کے اُسی ٹکٹ مین دیکھے جا سکتے ہین

جو آٹھ آنہ دیگر داخلہ کے لئے لینا پڑتا ہے۔ کشتی کے دن تماشا گاہ کا علحدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

نمایش کوپریشن کا نمونہ | نمایش مل جل کر کام کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ رعایا کے لیڈر اور حکام سرکاری دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوکر اُسے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ برین صوبۂ ہذا کے ہر مذہب و ملت اور ہر طرح کے خیالات کے لوگ اسمین شریک ہوئے ہین۔ اس عظیم کوشش سے یہ بخوبی عیان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ہفت رنگ آبادی کے مختلف اجزا اپنے ملکی اور قومی فوائد اور حرفتی ترقی کے لئے اتفاق اور یکجہتی سے کسطرح کام کر سکتے ہین۔

نمایش یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اہل ہند اپنے معاملات کا خود کسطرح اہتمام کر سکتے ہین۔ سر لوئیس ڈین نے اپنی تقریر مین اسے سیلف گورنمنٹ یعنی حکومت خود اختیاری کا مکتب اور تجربہ گاہ قرار دیا ہے۔ اسی سے رفتہ رفتہ ہم بڑے بڑے معاملات کا انتظام کرنیکی قابلیت پیدا کر سکتے ہین۔

نمایش کا تعلیمی پہلو | نمایش کے فوائد بیشمار ہین جنکے اعادہ کی چندان ضرورت نہین۔ اس سے ملکی دستکاریان ترقی پکڑتی ہین۔ تاجر اور کاریگر دونون کی ہمت افزائی ہوتی ہے مصنوعات کو عمدہ اور اعلی بنانیکی تحریک ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر لوگون کے دلون مین وطن پرستی کا جوش اور اپنے ملک کی تکریم و توقیر کا خیال موجزن ہوتا ہے۔

پس نمایش دو بڑے اہم پہلو رکھتی ہے۔ ایک حرفتی اور ملکی اور دوسرا تعلیمی۔ ان دونون کو مدنظر رکھکر ہر صوبہ ہر ضلع۔ ہر تحصیل اور ہر پرگنہ مین ہر سال نمایش ہونا چاہئے۔ جسکی بدولت برادران وطن صنعتی ترقی اور تعلیم کی طرف بہت جلد راغب ہو سکتے ہین۔

جے۔ آر۔ راے

تنقید

"تاریخ تمدن"

(مترجمۂ منشی محمد احمد علی صاحب۔ بی۔ اے۔ مرحوم)

بکل کی مشہور و معروف کتاب "ہسٹری آف سولزیشن" انگریزی زبان کی ایک نہایت نامور تصنیف خیال کیجاتی ہے۔ بکل سے پہلے انگلستان مین اعلی درجہ کے مورخ گذر چکے تھے مثلاً گبن جس نے اہل روما کے زوال کی تصویر اپنی معرکۃ الآرا کتاب (The Decline & Fall of the Roman Empire) مین کھینچی ہے اور جو تاریخی تحقیق اور عبارت کی سنجیدگی اور شکوہ کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ یا مکالے جسنے انگلستان کے ریوولیوشن کی کیفیت اپنے جادو نگار قلم سے کچھ ایسے دلفریب طریقہ سے بیان کی ہے کہ باوجود اسکے کہ مزید تحقیق اور تفتیش نے اسکے بعض بعض بیانات کو تعصب پر مبنی اور غلط ثابت کردیا ہے

۵۷۔ قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ دفتر الندوہ لکھنؤ۔

تاہم آجتک اسکی تصنیف نہایت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے اور اُسکا طرز بیان مورخون کیواسطے قابل تقلید سمجھا جاتا ہے یا کارلائل جسکا "فرنچ ریوولیوشن" اُسوقت تک زندہ رہیگا جبتک کہ انگریزی زبان صفحۂ ہستی کے کسی حصے مین بولی جائیگی۔ لیکن بکل کا طریقہ اپنے ان تمام پیشیروون سے جدا گانہ ہے۔ گبن یا مکالے یا کارلائل واقعات کے متعلق تحقیقات کرکے انکو ایک دلکش اور دلچسپ طریقے سے بیان کرنا چاہتے ہین۔ بکل واقعات سے گذر کر اُنکے معنی اور مطالب۔ اسباب اور نتائج پر غور کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ کمسٹری یا ہیئت کے طرز پر تاریخ کا بھی ایک علم مرتب کرے۔ اسمین شک نہین کہ تاریخ کا فلسفہ مرتب ہوسکتا ہے اور کسی ملک کے جغرافیہ اور اُسکے باشندون کی جسمانی اور دماغی قوا اور جذبات کی کیفیت معلوم ہونے سے یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اُس ملک کا تمدن کون سا رویہ اختیار کریگا مثلاً جزائر کے باشندے عموماً تجارت پیشہ ہونگے۔ پہاڑی اقوام اسوجہ سے کہ انکو آب وہوا اور نیز پیداوار کے لحاظ سے ہمیشہ دقتون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اکثر جری ہونگے۔ اسلام کا سا پُرجوش مذہب اپنے پیروون کو فتوحات کے طرف مائل کریگا برخلاف اسکے بدہزم ایسے مذہب کا فلسفہ رواداری اور آشتی پیدا کریگا۔ چنانچہ بکل نے انہیں اصول کی بنیاد پر مختلف ممالک کی شکل وشباہت۔ آب وہوا۔ پیداوار وغیرہ کو تاریخی اسباب قرار دیکر اُسنے تاریخی اور تمدنی نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش مین ایک حد تک کامیاب ہوا ہے۔ چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یوروپ کے مستند علوم مین داخل ہوجانا بکل کی کامیابی کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے اسمین شک نہین کہ بکل نے اس امر کو نہین سمجھا کہ جن اصول پر اُسنے تاریخ کے فلسفہ کی بنا رکھی ہے وہ کلیتہً نہین بلکہ ایک خاص حد تک صحیح ہین۔ کمسٹری یا ہیئت کے قواعد قضایاے مسلمہ کا حکم رکھتے ہین۔ اُنکے نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر خاص خاص اسباب جمع ہونگے تو اُن سے خاص خاص نتائج ضرور پیدا ہونگے برخلاف اسکے علم الاقوام (Socialogy) یا علم تاریخ کے کے متعلق یہ بات نہین کہی جاسکتی۔ اور وجہ یہ ہے کہ اول الذکر علوم کا تعلق بے جان چیزون سے ہے جنمین انسان کیطرح قوت ارادی موجود نہین ہے اسمین شبہ نہین کہ انسان کی قوت ارادی بھی چند قواعد کی پابند نظر آتی ہے۔ لیکن اول تو ان قواعد کی پوری طرح سے ابھی تفتیش اور تحقیق ہونا باقی ہے دوسرے بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کے جذبات زمانے یا مرزبوم یا اور کسی سبب سے متاثر ہوکر خلاف امید نتائج پیدا کرتے ہین لیکن اسمین شک نہین کہ اگر فلسفۂ تاریخ کی یہ حد قائم کردیجاے اور اسکے نقائص کو مدنظر رکھکر اس سے وہین تک کام لیا جاے جہانتک کہ وہ کام دیسکتا ہے تو اس سے اکثر مفید اور کارآمد نتائج اخذ ہوسکتے ہین۔

بہرحال باوجود اس نقص کے جسکو مین نے اوپر بیان کیا ہے بکل کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ اُسنے ایک نئے فلسفہ کے اصول کو فرنگستان کی علمی دنیا مین رواج دیا اور چونکہ ہندوستان اسوقت مغرب کے علمی خیالات سے متاثر ہورہا ہے اسوجہ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ بکل ایسے مصنف کی کتاب کا ہماری زبان مین ترجمہ کیا جاسے۔ چنانچہ جس کتاب کا مین اسوقت ریویو کررہا ہون وہ بکل کی تصنیف کے دو ابواب کا ترجمہ ہے۔ علّامہ شبلی نے اس کتاب کا ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے جسمین وہ لکھتے ہین کہ منشی احمد علیصاحب نے چھ ابواب کا ترجمہ کرلیا تھا اور ساتوین باب کا ترجمہ اُنکے کچھ اعزا کررہے ہین۔ علاوہ اس ترجمے کے

جو آٹھ آنہ دیگر داخلہ کے لئے لینا پڑتا ہے۔کشتی کے دن تماشا گاہ کا علحدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

نمایش کوپریشن کا نمونہ | نمایش مل جل کر کام کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ رعایا کے لیڈر اور حکام سرکاری دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوکر اُسے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے۔علاوہ برین صوبۂ ہذا کے ہرمذہب وملت اور ہرطرح کے خیالات کے لوگ اسمین شریک ہوئے ہین۔ اس عظیم کوشش سے یہ بخوبی عیان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ہفت رنگ آبادی کے مختلف اجزا اپنے ملکی اور قومی فوائد اور حرفتی ترقی کے لئے اتفاق اور یکجہتی سے کسطرح کام کرسکتے ہین۔

نمایش یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اہل ہند اپنے معاملات کا خود کسطرح اہتمام کرسکتے ہین۔سرلوئیس ڈین نے اپنی تقریر مین اسے سیلف گورنمنٹ یعنی حکومت خوداختیاری کا مکتب اور تجربہ گاہ قرار دیا ہے۔اسی سے رفتہ رفتہ ہم بڑے بڑے معاملات کا انتظام کرنیکی قابلیت پیدا کرسکتے ہین۔

نمایش کا تعلیمی پہلو | نمایش کے فوائد بیشمار ہین جنکے اعادہ کی چندان ضرورت نہین۔ اس سے ملکی دستکاریان ترقی پکڑتی ہین۔تاجر اور کاریگر دونون کی ہمت افزائی ہوتی ہے مصنوعات کو عمدہ اور اعلیٰ بنانیکی تحریک ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر لوگون کے دلون مین وطن پرستی کا جوش اور اپنے ملک کی تکریم و توقیر کا خیال موجزن ہوتا ہے۔

پس نمایش دو بڑے اہم پہلو رکھتی ہے۔ ایک حرفتی اور ملکی اور دوسرا تعلیمی۔ ان دونون کو مدنظر رکھکر ہرصوبہ ہرضلع۔ ہرتحصیل اور ہرپرگنہ مین ہرسال نمایش ہونا چاہئے جسکی بدولت برادران وطن صنعتی ترقی اور تعلیم کی طرف بہت جلد راغب ہو سکتے ہین۔

جے۔آر۔راے

تنقید

”تاریخ تمدّن“

(مترجمۂ منشی محمد احمد علی صاحب۔بی۔اے۔مرحوم)

بکل کی مشہور و معروف کتاب ”ہسٹری آف سولزیشن“ انگریزی زبان کی ایک نہایت نامور تصنیف خیال کیجاتی ہے۔بکل سے پہلے انگلستان مین اعلیٰ درجہ کے مورخ گذرچکے تھے مثلاً گبن جس نے اہل روما کے زوال کی تصویر اپنی معرکۃ الآرا کتاب (The Decline & Fall of the Roman Empire) مین کھینچی ہے اور جو تاریخی تحقیق اور عبارت کی سنجیدگی اور شکوہ کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔یا مکالے جسنے انگلستان کے ریوولیوشن کی کیفیت اپنے جادونگار قلم سے کچھ ایسے دلفریب طریقہ سے بیان کی ہے کہ باوجود اسکے کہ مزید تحقیق اور تفتیش نے اسکے بعض بعض بیانات کو تعصب پر مبنی اور غلط ثابت کردیا ہے

۵؎ قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ دفتر الندوہ لکھنؤ۔

تاہم آجتک اسکی تصنیف نہایت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے اور اُسکا طرز بیان مورخون کیواسطے قابل تقلید سمجھا جاتا ہے یا کارلائل جسکا "فرنچ ریوولیوشن" اُسوقت تک زندہ رہیگا جبتک کہ انگریزی زبان صفحۂ ہستی کے کسی حصے مین بولی جائیگی- لیکن بکل کا طریقہ اپنے ان تمام پیشروون سے جداگانہ ہے- گبن یا مکالے یا کارلائل واقعات کے متعلق تحقیقات کرکے انکو ایک دلکش اور دلچسپ طریقے سے بیان کرنا چاہتے ہین- بکل واقعات سے گذر کر اُنکے معنی اور مطالب- اسباب اور نتایج پر غور کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ کمسٹری یا ہیئت کے طرز پر تاریخ کا بھی ایک علم مرتب کرے- اسمین شک نہین کہ تاریخ کا فلسفہ مرتب ہوسکتا ہے اور کسی ملک کے جغرافیہ اور اُسکے باشندون کی جسمانی اور دماغی قوا اور جذبات کی کیفیت معلوم ہونے سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اُس ملک کا تمدن کون سا رویّہ اختیار کریگا مثلاً جزایر کے باشندے عموماً تجارت پیشہ ہونگے- پہاڑی اقوام اسوجہ سے کہ اُنکو آب وہوا اور نیز پیداوار کے لحاظ سے ہمیشہ دقتون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اکثر جری ہونگے- اسلام کا سا پُرجوش مذہب اپنے پیروون کو فتوحات کے طرف مائل کریگا برخلاف اسکے بُدہزم ایسے مذہب کا فلسفہ رواداری اور آشتی پیدا کریگا- چنانچہ بکل نے انہین اصول کی بنیاد پر مختلف ممالک کی شکل وشباہت- آب وہوا- پیداوار وغیرہ کو تاریخی اسباب قرار دیکر اُنسے تاریخی اور تمدنی نتایج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش مین ایک حد تک کامیاب ہوا ہے- چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یوروپ کے مستند علوم مین داخل ہوجانا بکل کی کامیابی کا بیّن ثبوت ہے- لیکن ساتھ ہی اسکے اسمین شک نہین کہ بکل نے اس امر کو نہین سمجھا کہ جن اصول پر اُسنے تاریخ کے فلسفہ کی بنا رکھی ہے وہ کلیتہً نہین بلکہ ایک خاص حد تک صحیح ہین- کمسٹری یا ہیئت کے قواعد قضایاے مسلمہ کا حکم رکھتے ہین- اُنکے نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر خاص خاص اسباب جمع ہونگے تو اُن سے خاص خاص نتایج ضرور پیدا ہونگے برخلاف اسکے علم الاقوام (Socialogy) یا علم تاریخ کے کے متعلق یہ بات نہین کہی جاسکتی- اور وجہ یہ ہے کہ اول الذکر علوم کا تعلق بے جان چیزون سے ہے جنمین انسان کیطرح قوت ارادی موجود نہین ہے اسمین شبہ نہین کہ انسان کی قوت ارادی بھی چند قواعد کی پابند نظر آتی ہے- لیکن اول تو ان قواعد کی پوری طرح سے ابھی تفتیش اور تحقیق ہونا باقی ہے دوسرے بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کے جذبات زمانے یا مرزبوم یا اور کسی سبب سے متاثر ہوکر خلاف امید نتایج پیدا کرتے ہین لیکن اسمین شک نہین کہ اگر فلسفۂ تاریخ کی یہ حد قائم کردیجاے اور اسکے نقائص کو مدنظر رکھکر اس سے وہین تک کام لیا جاے جہانتک کہ وہ کام دیسکتا ہے تو اس سے اکثر مفید اور کارآمد نتایج اخذ ہوسکتے ہین-

بہرحال باوجود اس نقص کے جسکو مین نے اوپر بیان کیا ہے بکل کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ اُسنے ایک نئے فلسفہ کے اصول کو فرنگستان کی علمی دنیا مین رواج دیا اور چونکہ ہندوستان اسوقت مغرب کے علمی خیالات سے متاثر ہورہا ہے اسوجہ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ بکل ایسے مصنف کی کتاب کا ہماری زبان مین ترجمہ کیا جاے- چنانچہ جس کتاب کا مین اسوقت ریویو کررہا ہون وہ بکل کی تصنیف کے دو ابواب کا ترجمہ ہے- علامہ شبلی نے اس کتاب کا ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے جسمین وہ لکھتے ہین کہ منشی احد علیصاحب نے چھ ابواب کا ترجمہ کرلیا تھا اور ساتوین باب کا ترجمہ اُنکے کچھ اعزا کررہے ہین- علاوہ اس ترجمے کے

منشی صاحب مرحوم نے ایک نہایت مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے اور مختلف مقامات پر جہاں جہاں ضرورت سمجھی ہے اپنی طرف سے حواشی ایزاد کئے ہین۔ جنسے اُنکی علمیت اور لیاقت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اس امر کا خیال کر کے کہ کتاب کا موضوع کسقدر مشکل ہے اور آجکل اُردو کے لکھنے والے معمولی عبارت کے لکھنے مین بھی کسقدر زبان کو خراب کرتے ہین منشی احمدعلیصاحب کے ترجمے مین زبان کی سلاست اور الفاظ کی نشست اور فقرون کی بندش قابل داد ہے۔ ہم انکے مقدمہ سے چند فقرے ذیل مین نقل کرتے ہین۔

"یہ گروہ عالم اور مافی العالم کی بابت تحریری داستانین پڑھنا نہین چاہتا کیونکہ لکھنے والون کی معلومات ہی کچھ زیادہ اطمینان کے قابل نہین بلکہ وہ خود اشیاء عالم کی زبان حال سے اُن کی رام کہانی سُننا چاہتا ہے۔ وہ کرم خوردہ کتابون کی ورق گردانی کے بدلے بوسیدہ استخوانون مین اپنی عقل ودانش کی روح پھونک کر اُنکی سرگذشت معلوم کرنے کا آرزومند ہے۔ وہ سلطنتون کے حالات بادشاہون کے فتوحات اور وزیرون اور سپہ سالارون کے کارنامجات سے مطلق دلچسپی نہین رکھتا اور اُنکی تحقیق وتفتیش محض تضیع اوقات سمجھتا ہے۔ اُسکے پیش نظر تماشاگاہ عالم رہتا ہے جسمین سب انسان بازیگر ہوتے ہین۔ اور وہ اس تماشاگاہ اور اُسکے بازیگرون کے حال وقال کا دلدادہ اور تماشائی ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ یہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی اسنے کتنے انقلاب دیکھے۔ انسان اس تماشاگاہ مین کب آیا اور کس حال سے آیا اور اسنے وقتاً فوقتاً کیسے روپ بھرے اور کیا کیا کرتب دکھائے۔ ظاہر ہے کہ ان سوالات کے جواب مین مروجہ تاریخون سے مدد نہین ملسکتی یہ وہ باتین ہین جو تاریخ کی بدایت سے بھی پہلے کی ہین۔ تاریخین صرف عہد تاریخی کے حالات بیان کرسکتی ہین نہ کہ مقدم التاریخ کے کارنامے۔ پس ان سوالات کے جواب اگر ملتے ہین تو صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے۔ صحیفۂ فطرت ہی کا مطالعہ ہمکو اس مقولے کے معنی سمجھاتا ہے کہ "زبان حال فصیح تر ہے زبان قال سے" صحیفۂ فطرت ہی کی عینک سے ہر ذرّے مین آفتاب اور ہر قطرے مین سمندر نظر آتا ہے۔ صحیفۂ فطرت ہی کے مطالعے نے یہ ہزار در ہزار علوم تجربیہ وحکمیہ کی بنیاد ڈالی ہے اور صحیفۂ فطرت ہی کا مطالعہ کرنے والا درخت کی ایک پتّی کو "دفتر کردگار" کا ایک "ورق" سمجھتا ہے اور کھریا مٹی کے ایک ٹکڑے کو تاریخ کے ہزار صفحون سے زیادہ معلومات بڑھانیوالا ثابت کرسکتا ہے۔ افکار انسانی کی یہ ساری گُل تراشیان اور بلند پروازیان دنیا کی یہ تمام بزم آرائیان اسی صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کی بدولت ہین۔ یہ خوشحال اور فارغ البال شہرون کی آبادیان یہ تہذیب اور شایستگی کی رنگ برنگ گُل کاریان ایک ادنی کرشمہ ہین صحیفۂ فطرت کے مطالعے کا۔ یہ بحروبر مین بےخطر سیروسیاحت اور یہ کوہ وجبل کی بےضرر مساحت آسان ہے اسی صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے۔ قومون نے اسی مطالعے کی مشق بڑھاتی اور عروج پر پہونچین۔ فتح ونصرت ہمرکاب ہوئی۔ اقبال سے برومند ہوئین اور جب اس سے مُنہ موڑا اقبال نے سازواری چھوڑی۔ تنزل نے مُنہ دکھایا۔ ادبار مین گرفتار ہوئین"

جس قابلیت اور خوبی سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے اسکا اعتراف ہم اوپر کرچکے ہین ساتھ ہی اسکے ہم دو ایک لغزشون کا ذکر کردینا بھی مناسب سمجھتے ہین مثلاً صفحہ ۱۶ اور ۱۷ مین مذکور ہے کہ "نہ صرف افراد مین بلکہ اقوام مین بھی کسی بڑی مہم سر کرنے یا کسی زبردست حریف سے سربر ہونے کیواسطے تمدن اور اعلیٰ درجہ کے تمدن کی ضرورت ہے اور اقوام عالم کی تاریخ اسپر شاہد ہے کہ جب دو ملکون یا قومون مین باہم مقابلہ یا محاربہ ہوتا ہے تو فتح کا سہرا اسی کے سر رہتا ہے جو بلحاظ تمدن فائق ہوتا ہے"۔

یہ قاعدہ کلیہ نہین ہے۔شمالی یوروپ کی جن قومون نے سلطنت روما کو برباد کیا وہ اہل اطالیہ کے مقابلہ مین قطعی وحشی اور اُجڈ تھین۔ جسوقت ساسانیون کے آتش خانے اسلام کی آب شمشیر سے بجھائے گئے کیا اُسوقت عرب ایرانیون سے زیادہ متمدن تھے؟ جس تاتاری سیلاب نے خلافت بغداد کا نام ونشان تک مٹا دیا اس کے تمدن کی کیا حالت تھی؟ اسمین شک نہین کہ قومی مجادلہ مین تمدن فتح وظفر کا بہت بڑا عنصر ہوا کرتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہمکو یاد رکھنا چاہئے کہ وحشی اقوام مین بھی بعض اوقات ایسی اخلاقی قوتین موجود ہوتی ہین جو اُنکو متمدن اقوام پر غالب کردیتی ہین ۔اس مقدمہ مین ایک دوسرے مقام پر ان مختلف مدارج کا ذکر ہے جسکو طے کرکے وحشی اقوام تمدن کا درجہ حاصل کرتی ہین اسمین یہ فروگذاشت ہوتی ہے کہ شکار اور کاشتکاری کے مدارج کے درمیان جو گلہ بانی کا ایک درجہ ہوتا ہے اُسکو نظر انداز کیا گیا ہے ۔شکاری کی حیثیت سے ایک درجہ آگے بڑھکر انسان جانورون کو رام کرکے اپنے قبضہ مین کرنا سیکھتا ہے ۔اس زمانہ مین اُسکی دولت محض اُسکے پالو جانور ہوتے ہین اور اُن جانورون کے واسطے چراگاہون کی تلاش مین وہ دنیا کے مختلف حصص مین گھوما کرتا ہے اور انھین کے خاطر مختلف فصلون مین تبدیل سکونت کیا کرتا ہے ۔اسکے بعد تیسرا درجہ کاشتکاری کا ہوتا ہے جب وہ درختون کا بونا اور لگانا سیکھتا ہے اور زمین کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے مجبوراً کسی خاص مقام پر مستقل سکونت اختیار کرتا ہے۔

اسمین شک نہین کہ منشی احد علیصاحب نے بکل کی تاریخ کا ترجمہ کرکے ہمکو فلسفہ تاریخ کے اصول سے آگاہ کیا ہے اور ہمکو امید ہے کہ ہمارے اہل ملک کی قدر دانی اس کتاب کے باقی حصص کے طبع ہونے کا باعث ہوگی۔لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کی تمدن کی تاریخ ان نئے اصول پر لکھی جاے ۔مسٹر دت کی تاریخ ہندوستان قدیم (Ancient India) اور مسٹر لوس کی تصنیف موسومہ "ہندو تمدن" (Hindu Civilization under British Rule) مین اُنکی جھلک ضرور نظر آتی ہے لیکن جیسی چاہئے ویسی کوشش ابھی تک اس بارہ مین نہین ہوئی ہندوستان کے زمانہ قدیم کے متعلق تاریخی کتابین بہت کم ملتی ہین ۔لیکن اسمین ذرا بھی شک نہین کہ دوسری قسم کے تاریخی ذخیرے مین کمیاب نہین ہین اور مسٹر ونسنٹ اسمتھ نے انہین ذخیرون سے اپنی تاریخ کو مرتب کیا ہے ۔ہندوستان کے حالات کی تفتیش وجستجو اس مقولے کو کہ "زبان حال فصیح تر ہے زبان قال سے" بالکل صحیح ثابت کرتی ہے ۔کیونکہ چاہے سلطنتون کے حالات ۔بادشاہون کے فتوحات اور سپہ سالارون کے کارنامے ہمکو کتب تاریخ مین نہ ملین لیکن ہندوستان کے تمدن کے حالات ہمکو صرف کتب قدیمہ سے نہین بلکہ ہندوستان کی خاک کے ہر ذرّے سے معلوم ہوسکتے ہین ۔البتہ لیاقت محنت اور شوق کی ضرورت ہے ؎

نہین کچھ دفتر گل ہی مین لکّھی سرگذشت اپنی + شہادت نامۂ بلبل ہے ہر تّیا گلستان کا

کاش منشی احد علیصاحب مغفور کیطرح کوئی صاحب اسطرف بھی توجہ کرتے اور ہندی تمدن کی دلکش ۔حیرت انگیز اور سبق آموز داستان اپنی زبان مین اپنے اہل مُلک کو سُناتے ۔

منوہر لال زتشی

کلامِ اکبر

بارشِ پالسی ہوئی ہے بہت　　سب کے دامن کی گوٹ بھیگی ہے
نئی تفریق اب ہے ملت کی　　کوئی "مکسی"[ملہ] ہے کوئی "لیگی"[عہ] ہے

فرہاد کو تو دلپہ بس اک چوٹ چاہئے　　خسرو کو گنج چاہئے اور نوٹ چاہئے
میری ہوائے بزم اگر سرد و خشک ہے　　یارون کو ممبری کا فقط ووٹ چاہئے

حریفون کیلئے ہنگامۂ مشقِ قوافی ہے　　یہان انشائے دلکواہ کا مصرع بھی کافی ہے
کہا جب مین نے ہون بیمار تیری چشمِ فتان کا　　بُت طناز نے ہنسکر کہا اللہ شافی ہے

شبِ تاریک کو ہم گیسوئے لیلا بھی کہتے ہین　　یہی حُسنِ تصور ہے جسے سودا بھی کہتے ہین
نہ پوچھو میری کیفیت بہارِ لالہ و گُل مین　　یہی موسم وہ ہے جسکو جنون افزا بھی کہتے ہین

کیا عجب ہو گئے مجھسے مرے دمساز جدا　　دورِ فونو مین گلے سے ہوئی آواز جدا
آسمان کی نہ یہ چالین ہین نہ جادو کے یہ رنگ　　سب سے اُس نرگسِ فتان کے ہین انداز جدا
وجد یارون کو ہے اس بزم مین حیران ہون مین　　سُر سے آواز جدا، راگ سے ہے ساز جدا
اُنکی آنکھون کی لگاوٹ سے حذر اے اکبر　　دین کو کرتی ہین دل سے بھی غماز جدا

نہ وہ بُتکدے کہین رہ گئے، نہ وہ دلبری و صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے، نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے
مری رندیون کا ہے خاتمہ، نہ وہ مستیان نہ وہ ولولے
نہ مئے کُہن کا رہا نشان، نہ طریقِ محفلِ جم رہے
مجھے کیا امید فروغ کی، کہ بتون کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زبان رہے، نہ خدا رہے نہ حرم رہے

"ظرافت"

شایقِ تحقیق کے یہ مضمون سُن لین　　انسان کی شکل جیسے میمون بنا
پاجامہ بھی یون ہی ارتقا سے بدلا　　سمٹا، اُبھرا، غرضکہ تپلون بنا

کلامِ رشید

"سلام"

ستم ایجاد تیر و نیزہ و خنجر لگاتے ہین　　غضب ہے فاطمہ کے لال کو ٹھوکر لگاتے ہین
عدالت دیکھ حیدر کی، نظر کر زورِ بازو پر　　برابر تیرے حصے اے درِ خیبر لگاتے ہین
غرور اب کیا رہیگا جُھک گئے اسدرجہ پیری سے　　ہم اپنے سر کو اپنے پانون سے ٹھوکر لگاتے ہین
جو ضربت سے علی کی کٹ گئے تھے جنگِ خیبر مین　　ملک آنکھون سے وہ جبریل کے شہپر لگاتے ہین
جنان مین ساقیِ کوثر کا دیکھا لطف کوثر پر　　ہَنیئاً کہتے ہین جب مُنہ سے ہم ساغر لگاتے ہین
رقم اشعار یون آراستہ ہون مدحِ حیدر مین　　سلیقے سے دکانین جیسے سوداگر لگاتے ہین
فلک پر سب فرشتے اُٹھ کھڑے ہونے ہین گھبرا کر　　وغا مین زور سے تلوار جب حیدر لگاتے ہین
کہان ہین آکے دیکھین باغبانِ گلشنِ مدحت　　کہ ہم نخلِ مضامین جابجا کیونکر لگاتے ہین
وغا مین دیدنی ہے حضرتِ عباس کی قوت　　جہنم مین پہونچتا ہے جسے ٹھوکر لگاتے ہین
ازل سے ہے جنہین عشقِ علی ابنِ ابیطالب　　وہ کیا جانین بھلا دل اور سے کیونکر لگاتے ہین
نجف سے باغِ جنت مین نجانینگے نجانینگے　　نہین اُٹھنے درِ حیدر پہ جو بستر لگاتے ہین
قیامت آئی وقتِ امتحانِ صبر آپہونچا　　کہ اب سینے سے حضرت لاشۂ اکبر لگاتے ہین
تہِ خنجر نہ کیونکر شاد ہو جان و دلِ زہرا　　گلے سے دمبدم جُھک جُھک کے پیغمبر لگاتے ہین
رشید اہلِ حسد سے ہون مین شاکی دیتے ہین ایذا　　مری تقصیر کیا ہے کیون مجھے خنجر لگاتے ہین

"رباعیات"

طفلی نہ رہی کہ تھی وہ جانے والی　　کیا رہتی جوانی تھی مٹانے والی
پیری کو رشید بس غنیمت سمجھو　　اب فصل نہین ہے کوئی آنے والی

پیری سے خاک مہربانی نہوئی　　وقتِ آخر بھی کامرانی نہوئی
یون توڑتا دم کہ دیکھنے لوگ آتے　　افسوس ہے اسوقت جوانی نہوئی

ملہ مشترکہ انتخاب کے موئد۔　　عہ جداگانہ انتخاب کے موئد۔ ۱۲



خان بہادر سید اکبر حسین - جج پنشنر الہ‌آباد -

مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہیں * بجا ہے مجھسے جو پوچھے کوئی نشاں میرا

انڈین پریس الہ‌اباد

آہِ سرد

ایکدن مین۔ اور شریکِ رنج و راحت ایک دوست مہربان و مشفق و اخلاص مند و باصفا
یکدلی کہیئے کہ یک رنگی کہ فرطِ اتحاد اُسکے دلمین مین تھا۔ میرے دلمین وہ جلوہ نما
آشکارا اُس پہ تھی جو بات میرے دل کی تھی وہ زبان پر تھا مری جو کچھ کہ اُسکے دلمین تھا
ایک کا دل ایک سے تھا صاف مثلِ آئینہ ایک کا راز ایک سے مخفی نہ ہرگز تھا ذرا
اُسکی باتونکو مین سمجھون جھڑ رہے ہین منہ سے پھول گفتگو کو میری وہ سمجھے نسیم جان فزا
ایک ٹھنڈی سانس نکلی دلسے میرے ناگہان ہوگیا بے چین سُنکر وہ رفیق باصفا
اور کہا اسطرح ٹھنڈی سانس تونے تو بھری جیسے ہوتا ہے کسیکے دلمین دردِ جانگزا
ہنسنے ہنسنے کیون مکدر ہوگیا تو ایک بار باتین کرتے کرتے آخر کیا تجھے یاد آگیا
دلمین اکثر میرے آیا۔ پوچھیئے اسکا سبب مین نے ٹھنڈی سانس بھرتے تجھکو دیکھا بارہا
کیا کوئی حسرت ہے دلمین کیا کوئی غم ہے تجھے اپنے ٹھنڈی سانس لینے کا سبب کچھ تو بتا
سُن کے مین نے ہمنشین سے یہ محبت کا کلام کھینچی ایک اور آہ سرد اور یہ جواب اُسکو دیا
یون تو صدہا واقعے گذرے ہوا دل جن سے خون مجھکو یاد آیا نہین اسوقت کوئی ماجرا
یون تو لاکھون حسرتین پیدا ہوئین اور مرگئین کوئی حسرت بھی نہین اسوقت دلمین کھٹکتا
درد سے یون تو نہین خالی کسی انسان کا دل میرے دلمین تو نہ تھا اسوقت دردِ جانگزا
غم کو گر پوچھو تو غم سہتے ہی سہتے کٹ گئی لیکن اسوقت آتشِ غم سے تھا خالی دل مرا
کیا بتاؤن مین اس آہ سرد کا مشفق سبب سچ اگر پوچھو تو مدت کا ہے دل دُکھا ہوا
ٹھنڈی سانسین بھرتے بھرتے ہوگئی عادت مجھے بے سبب بھی کھینچتا ہون آہ سرد اب بارہا
سُن کے یہ اُسنے بھی کھینچی ایک دل سے آہ سرد اور فرمایا کہ حیدر یہ تو تونے سچ کہا
اب جو دیکھا وہ بشاشت تھی نہ حسنِ التفات ہوگیا اک دم مین وہ افسردہ دل حد سے سوا
دیکھکر افسردگی اسکی کہا دل نے مرے آہ کر کیون اسطرح جو سُن لے کوئی دوسرا
چھوڑ دینا تو نہ ہاتھون سے اگر دامانِ ضبط کیون پشیمانی کا ہوتا اسطرح سے سامنا
تیرا دل خود تو مکدر تھا مگر یہ تو سمجھ دل مکدر کرکے اک مشفق کا تجھکو کیا ملا
کر دیا اپنی طرح سے اُسکو بھی حسرت نصیب کیا محبت اور مروت کا یہی تھا مقتضا
ہاتھ سے دیدیجیے سر رشتۂ ضبط اسطرح دوسرے کو ساتھ اپنے کیجیے یون مبتلا
چاہیئے ہر دم بچانا اس ہوائے سرد سے آدمی کا دل تو شیشے سے بھی نازک ہے سوا
تو ہمیشہ رہتا ہے چین بر جبین افسردہ دل پھر کسیکی بزم عشرت مین نہ جا بہر خدا
خود ہے اپنی جان سے بیزار تو۔ انصاف کر تجھسے اہل بزم پھر کس طرح خوش ہونگے بھلا
خود بنا رکھی ہے تونے نا امیدون کی سی شکل پھر کسی سے کیا بھلا نکلیگا تیرا مدعا
گر یہ خواہش ہے نہ تیرے کام مین گتھی پڑے ہے یہ لازم بل نہ آنے پائے تیوری پر ذرا
دل مین جب تاریکیِ غم ہو تو ہر دم چاہیئے روشنیِ رخ پہ بشاشت کی۔ تبسم کی ضیا
چاہیئے اسطرح جانا محفل احباب مین باغ مین جسطرح خوش خوش آتی ہے بادِ صبا
خیر مقدم کا اشارہ جھوم کر کرتی ہے شاخ اور چٹک کر دیتی ہین کلیان صدائے مرحبا
جس شجر کے پاس سے گذری لگا وہ جھومنے پہونچی جس غنچے تک۔ افسردہ تھا وہ ہنسنے لگا
دل پہ جو گذرے وہ گذرے کیون کسیکو ہو خبر سب سے بڑھکر ہے خدا تو حال دل کا جانتا
گر زمانہ عیش کا جاتا رہا مضطر نہو غم کی آمد دیکھکر پروا نکر گھبرا نہ جا

شادی و غم جبکہ دونون ہین جہان مین بے ثبات
وقت اپنا کاٹ دے ہنس بول کر مردِ خدا

علی حیدر طباطبائی

شاعر کی قبر

اے اجل! اے موت! اور اے نشترِ سوہانِ روح! یاد کرتے ہی تجھے بے چین ہو جاتا ہون مین
دفعتہً شمعِ خرد ہو جاتی ہے گل اور آہ ایک ہیبتناک تاریکی مین کھو جاتا ہون مین

یعنی ہنستے بولتے اکبار رہ جاتا ہون چُپ اور بنجاتا ہون مین گھنٹون مجسم خامشی
دیر تک رہتی ہے چھائی مجھپر اک افسردگی موت کا سا اک سکوت اور ایک پُرغم خامشی

کتنا وحشت ناک ہے اور کتنا پُرغم یہ خیال
یعنی مین مرنا نچاہون گا مگر مرجاؤن گا

خیر۔ مرجاؤن۔ مگر پھر ہوگا میرا حشر کیا؟
مرکے کیا ہونگا؟ کہان جاؤنگا؟ کیونکر جاؤنگا؟

اسکو بھی جانے دو۔ یہ مضمون وہ عقدہ ہے جو
حل ہوا ہے اور حل ہوگا نہ جیتے جی کبھی

یون سمجھ لو مرکے مین اک قبر بنجاؤنگا اور
بیکسی برسیگی اُسپر اور حسرت روئیگی

سیر کرتے اکثر آنکلینگے احباب اُسطرف
اور پڑھینگے فاتحہ پہلے وہ لیکر میرا نام

تذکرہ پھر میرا چھڑ جانے پر آجائینگے یاد
کچھ مرے اشعار موزون کچھ پسندیدہ کلام

یہ بھی ہے اک زندگی۔ اک بے تعلق زندگی
یعنی مین دنیا مین تو ہون۔ گو برائے نام ہون

اس مکان مین مین مکینِ مرگ قسمت تھا کبھی
اب سرِ دیوار تصویرِ فنا انجام ہون

اک صدی کے اندر ایسے لوگ بھی اُٹھ جائینگے
اور مٹ کر بےنشان ہوجائیگا میرا مزار

اب یہ گویا ہوگی میری دوسری موت اور آہ
رہ نہ جائیگی بظاہر کوئی میری یادگار

خیر۔ اصلی قبر وہ میری نہین۔ احباب نے
ایک تودہ سا بنا رکھا تھا میرے نام کا

مدفنِ اصلی ہے میرا گوشۂ باغِ سخن
شاعری میری ہے گہوارہ مرے آرام کا

یہ تو خود میرے ہی ہاتھون کی بنائی قبر ہے
سوؤنگا مین اس لحد مین چین سے آرام سے

اور رہیگا سبزہ بھی محفوظ تربت کا مری
دور تاراجِ خزان سے گردشِ ایام سے

نادر علیخان نادر



لطفِ سحر

(ایک قصیدے کی تشبیب)

صبح کیا آئی کہ جاگا بخت چرخ چنبری
دور کر دی مہر نے عالم کی تیرہ اختری

اپنے غمخانے مین گویا جی اُٹھے فرقت نصیب
مرگئے حاسد تھا جنکو لطفِ وصلِ دلبری

آرہا ہے متصل چھن چھن کے نورِ صبحدم
پھر چلی اپنی جگہ تھم تھم کے شبنم کی تری

لشکرِ انجم نے پسپا ہوکے اپنی راہ لی
شرق سے تا غرب پھیلا حکم شاہِ خاوری

مہر کی ضو سے ہوا یہ انقلابِ ماہیت
نور کا بقعہ بنا ہے گنبدِ نیلوفری

دیدنی ہے آج خورشیدِ مبین کا فیض عام
کر رہے ہین خاک کے ذرے بھی مہر کی ہمسری

جستجوئے رزق مین حیوان بھی آمادہ ہوئے
بحر مین موجون نے پھر کی مچھلیونکی رہبری

نغمۂ بلبل سے پھر مستی گلون مین آگئی
پھر قیامت خیز رفتارین چلا کبک دری

چشمِ یعقوب از پئے دیدارِ یوسف پھر کھلی
ہوگئی زائل زلیخا کی بھی تیرہ اختری

قافلے راہی ہوئے پھر کاروان در کاروان
بڑھ کے آوازِ جرس کرنے لگی پھر رہبری

لے چلی مجنونکو پھر خوشبو لگا کر اپنے ساتھ
بہرِ زینت پھر کھلی لیلیٰ کی زلفِ عنبری

بیستون پر پھر پڑا فرہاد کو تیشے سے کام
پھر تمناؤن نے کی بدقسمتی سے ہمسری

از سرِ نو پھر ہوا آراستہ بازارِ حسن
پھر چلے نقدِ دل و جان لیکے گھر سے مشتری

عیدگاہِ روزِ قربانی بنی پھر کوئے یار
کھینچ لایا عاشقون کو جذبِ حسنِ دلبری

یہ سحر عالم مین کیا ہی معرفت انگیز ہے
دیکھتے ہین اپنی ہستی کو بتانِ آذری

کر دیا دم مین نظامِ کارِ عالم کو درست
کیا ہی روشن ہے دماغِ گنبدِ نیلوفری

کھل رہے ہین متصل میخانہ و مسجد کے در
یہان اذان کا شور وان دورِ شرابِ احمری

وا ہین شکلِ دیدۂ بیدار در ہائے قبول
کی ہر اک زاہد نے پیدا فروشانِ بوذری

آسمان والون پہ روشن ہے زمین والونکا حال
مہر کی کرنون نے پایا منصبِ پیغمبری

بچے گہوارون مین چونکے دیکھکر شیرِ سحر
کہکے بسم اللہ بڑھی تسکین کو مہر مادری

روحِ موسیٰ کو جنان مین کیون نہو شوقِ جہان
نور ہے یہ صبحِ صادق کا کہ شانِ داوری

رات کا پھیلا ہوا کاجل چھڑلتے ہین حسین   اور کچھ سوجھی ہے شاہدِ صورت افسونگری
یون اُڑا ہے نشہ سے دلبرون کی آنکھ سے   شیشۂ عارِض سے اُڑ جائے کبھی جیسے پری
نور بخشا اس سحر نے سب کو حسب احتیاج   مٹ گیا معشوقون کے چہرے سے خالِ عنبری
جاگ اُٹھے اپنی جگہ شور اذان سے حق پرست   سو گیا جاگا ہوا شب بھر کا سحرِ سامری
دیکھتے ہین خضر آکر اپنی پیری کا جال   بنگئی آئینہ لوحِ تربتِ اسکندری
کیون نہون شبنم کے قطرے خسروِ گل کو عزیز   قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

محشر

قیسِ دیوانہ

اکدن آکر شہر مین قیسِ حزین   پھنس گیا احباب مین صحرا نشین
عشق کے رنج و آلم جھیلے ہوئے   یار تھے سب ساتھ کے کھیلے ہوئے
رہروانِ جادۂ ملکِ وصال   قدردانِ دولتِ حسن و جمال
جیخودان خط و خالِ ظاہری   عاشقِ حسن و جمالِ ظاہری
قیس سے ہونے لگا کچھ تذکرہ   حسن و الفت کا چھڑا کچھ تذکرہ
حال مجنون پر ترس کھانے لگے   قصۂ دیرینہ یاد آنے لگے
چرخ کا ذکرِ ستم کرنے لگے   لوگ اسکے غم کا غم کرنے لگے
پھر نر راہ طعن لیلی کے خلاف   اُسکے مُنہ پر کہدیا یون صاف صاف

ابلہان گفتند مجنون را ز جہل
حسنِ لیلی نیست چندان ہست سہل

تونے دنیا کے حسین دیکھے نہین   نازنین ناز آفرین دیکھے نہین
تیری لیلی سے نرالے ہین بہت   گوری گوری شکل والے ہین بہت
دلربا انداز والے ہین بہت   حسن والے ناز والے ہین بہت
حسن کا بازار مالا مال ہے   ماہرویون کا نہین کچھ کال ہے
ہر قدم پر دلبرون کی بھیڑ ہے   ہر طرف غارتگرون کی بھیڑ ہے
مہ جمالون کا ہے مجمع ہر جگہ   حسن والون کا ہے مجمع ہر جگہ
جانفزا دیدار کا جلوہ تو دیکھ   حسن کے بازار کا جلوہ تو دیکھ
حسنِ لیلی پھر نہو مدِ نظر   پہلے تو نظارۂ خوبان تو کر

بہتر از وے صد ہزاران دلربا
ہست ہمچون ماہ در شہر اے کیا

سیکڑون ہین لعبتان نازنین   سیکڑون اچھے سے اچھے ہین حسین
سیکڑون ہین دلربایانِ ملیح   سیکڑون ہین ماہ رویان صبیح
جانفزا تصویر بول اُٹھتی ہے خود   خودنما تصویر بول اُٹھتی ہے خود
شمع کا فانوس مین روشن ہے حال   چھپ نہین سکتا چھپائے سے جمال
جلوہ فرما آفتابِ حسن ہین   سیکڑون مستِ شرابِ حسن ہین
سیکڑون ہین ماہ پیکر شہر مین   چاند کے ٹکڑے ہین اکثر شہر مین
امتیازِ حسن ہی تجھکو نہین   سیکڑون لیلی سے بڑھکر ہین حسین
ہوش مین آ ہائے کیا کرتا ہے تو   سانولی صورت پہ کیون مرتا ہے تو

وارہان خود را و مارا نیز ہم
از چنین سودائے زشت متہم

قیس خستہ دل نے بھر کر ایک آہ   یون کہا تم لوگ ہو گم کردہ راہ
تم نہین ہو قدردانِ حسن دوست   تمکو کیا معلوم شانِ حسن دوست
عارض رنگین کا دم بھرتے ہو تم   پیاری پیاری شکل پر مرتے ہو تم
کالے بالون سے محبت ہے تمہین   گورے گالون سے محبت ہے تمہین
سیرتِ صورت پرستان اور ہے   مذہب الفت پرستان اور ہے
دُرد ہے جسمین وہ صہبا اور ہے   بادۂ نابِ مصفّا اور ہے
جسکے ہم جویان ہین وہ شے اور ہے   جو رہم جس سے ہین وہ مے اور ہے
مے ہے اپنی اور پیمانہ ہے اور   عشق کے مستون کا میخانہ ہے اور

گفت صورت کوزہ است و حسن مے
مے خدا یم مید ہد از ظرف وے

پی کے مین اُس مے کو پایندہ ہوا صورت جان پاک و شاہندہ ہوا
وہم و عقل و ہوش کا سامان لُٹا زنگِ ہستی شیشۂ دل سے چھُٹا
دیکھتا ہون اسکا جلوہ آنکھ سے اُٹھ گیا پردہ دوئی کا آنکھ سے
دل کسی محبوب پر آتا نہین کچھ سوا اُسکے نظر آتا نہین
جب سے دیکھا اسکا جلوہ آنکھ سے غیرِ لیلیٰ کچھ نہ دیکھا آنکھ سے
سا بنا ہے آفتابِ عشق سے مست و بیخود ہون شرابِ عشق سے
یارے واصل اسی شے نے کیا زندۂ جاوید اسی مے نے کیا
میرے حق مین ہے یہ شے آبِ حیات دوسرون کو ہے یہی مے سمیات

از یکے کوزہ دہد زہر و عسل
ہر یکے را دستِ حقِ عز و جل

جگر

گوپی چند

کبھی ہندوستان جنت نشان کیا رشکِ جنت تھا تقدس مین تھا یکتا یے جہان کان لطافت تھا
یہان کا ذرہ ذرہ آفتابِ نورِ حکمت تھا ہر اک فرد بشر دلدادۂ حُسنِ حقیقت تھا

ہوئے بیہوش موسیٰ طور پھونکا برق نے جسنے
مجسم ہوکے یان جلوہ دکھایا نور پنہان نے

ہر اک انسان کی پاکیزہ سیرت نیک طینت تھی مقدس اور مبارک عورتون مردونکی خصلت تھی
فقیرونکی شہنشاہون سے بڑھکر شان عظمت تھی یہان کے بادشاہونکی فقیرانہ طبیعت تھی

سمائین سازو برگِ جاہ و حشمت کیا نگاہونمین
جہان اک ہستیٔ موہوم ہو دُنیا نگاہون مین

روایت ہے کہ گوپی چند اک سلطان ذیشان تھا خوش و شاداب ملک گوڑ جسکے زیرِ فرمان تھا
رعیت پروری - انصاف مین بیمثل دوران تھا فضائل مین ملائک سے بھی افضل تر وہ انسان تھا

مچی ہر مملکت مین دھوم اُسکے عہد شاہی کی
ہر اک سو شہرتین دنیا مین تھین عالم پناہی کی

مہاراجہ کا اکدن جلسۂ یوم ولادت تھا طرب انگیز دار السلطنت مین جوشِ عشرت تھا
عیان اُس روز خورشیدِ سحر سے نورِ فرحت تھا خوشی کا دور تھا ہر سمت سامانِ مسرت تھا

ہوا تھی فرح بخش جان نسیم خرمی بنکر
نشاط انگیز تھا آبِ روان موجِ خوشی بنکر

مہاراجہ نے بہرِ غسل کی جب جلوہ فرمائی ادب کے ساتھ غازہ لیکے آئی شانِ زیبائی
لطافت بنکے پانی مین ملی خوبی و رعنائی صفائی تھی یہ آب و تابِ محوِ حُسن افزائی

ادائین دیکھکر بیٹے کی بھولی بھولی صورت کی
دلِ مادر پہ اس نظارہ نے برپا قیامت کی

خدا جانے خوشی نے کیا کیا اُلٹا اثر پیدا خیالاتِ غم افزا سے دگرگون ہو گیا نقشا
اُمنڈ آیا کلیجہ - آہ اِتا بو مین کہان دل تھا نکل ہی آئے آنسو گو بہت کچھ ضبط نے روکا

لبِ بام ایک غرفے مین کھڑی تھی مادرِ سلطان
گری نورِ نظر پر اشکِ گرمِ دیدۂ گریان

عجب عالم تھا گوپی چند کی حیران طبیعت تھی دریچہ کیطرف دیکھا تو مان کی غیر حالت تھی
اُداسی چھائی تھی چہرہ پہ اور غمگین صورت تھی یہ حالت دیکھکر کب ضبط اک بیٹے مین طاقت تھی

اُسی حالت مین جاکر مان سے رونے کا سبب پوچھا
ادب سے موجبِ غم - باعثِ رنج و تعب پوچھا

کہا دل تھا مگر میناوتی* نے سوزِ پنہانی فنا ہو جائیگی یہ کائناتِ عالمِ فانی
بہارِ نوجوانی کی سمجھ کچھ روز مہمانی نہ ہوگا چاند سی صورت پہ تیری حُسنِ نورانی

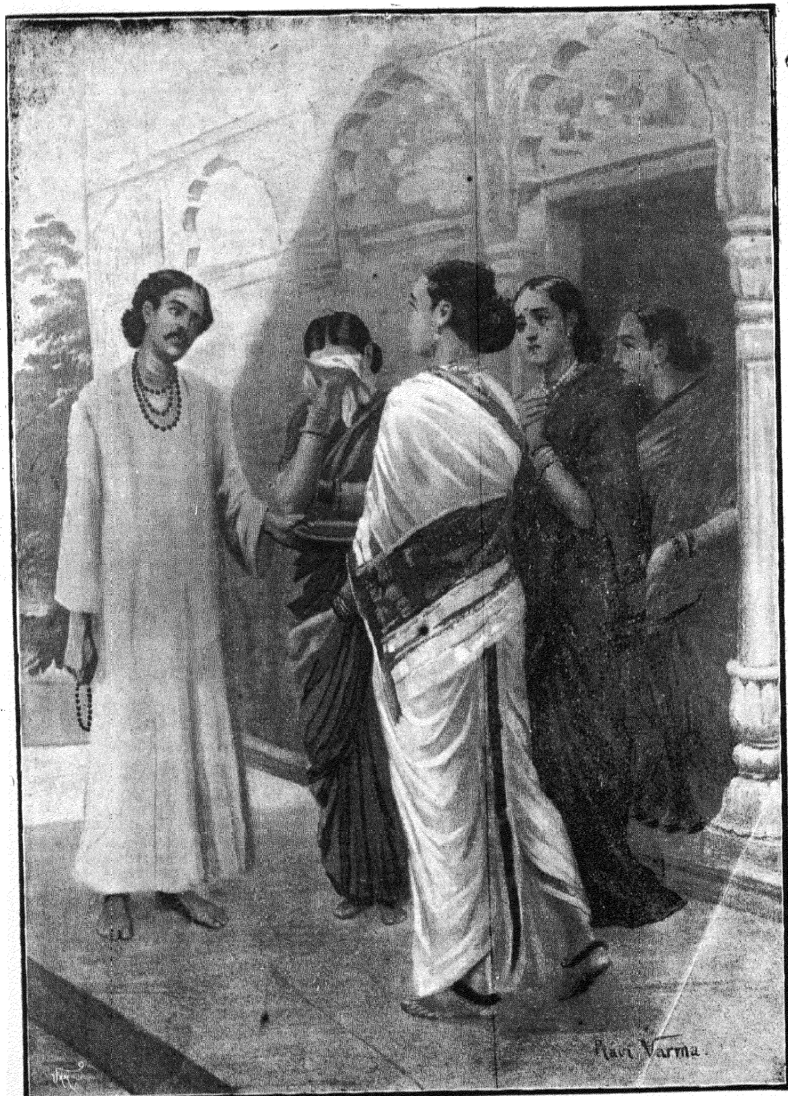
یہ جسمِ خوبصورت ایکدن ہے خاک ہونے کو
مقرر وقت ہے ہستی کا قصہ پاک ہونے کو

عبث عمرِ دو روزہ پر خیالِ جاہ و حشمت ہے بقا جسکو نہین اُس چیز سے ناحق محبت ہے
جہانِ بیوفا مین ہیچ فکرِ مال و دولت ہے مہاراجہ ہون مین ایسا تصور عین غفلت ہے

کہان ہے باپ تیرا جسنے برسون بادشاہت کی
مناتے تھے خوشی سب اُسکے بھی روزِ ولادت کی

---

* مہاراجہ گوپی چند کی والدہ کا نام ہے -



گوپی چند

انڈین پریس الہ آباد

کہان کا تاج ماروالات تخت بادشاہت پر   وہی انجام مین ہے خاک ڈالے جاہ و حشمت پر
وہی سرور دائم ہے نہ بھولے عیش و عشرت پر   وہ ہے انسان نظر جسکی ہو یکسان رنج و راحت پر

مٹا کر ہستی فانی نشان بے نشان پائے
تمنا ہے یہ میری تو حیات جاودان پائے

اثر دل پر پڑا جادو بھری تقریر کا ایسا   ہوا القصہ گوپی چند۔ گورکھ ناتھ کا چیلا
گلے مین ڈال لی کفنی سنبھالی ہاتھ مین مالا   خدا کی شان ہے دم بھر مین جوگی ہو گیا راجا

حقیقت کھل گئی جب اس جہان بے حقیقت کی
تعلق ہائے دنیائے دنی سے قطع الفت کی

گرو کا واجب التعمیل یہ ارشاد اول تھا   کہ جسکو سن کے ہر فرد بشر کا دل تڑپ اٹھا
ادا اسطرح سے کرنا ہے فرض اولین اپنا   محل سے رانیون کے مانگ لاؤ بھیک کا ٹکڑا

غرور پادشاہی سر سے تا یکسر نکل جائے
فقیری کا قدم راہ حقیقت پر سنبھل جائے

وہ کشکول گدائی ہاتھ مین لیکر وہان پہونچا   صدا دی بھیک دینا مائیو سب کا بھلا ہوگا
اثر آواز نے پیدا کیا شور قیامت کا   فغان و نالہ سے رنواس مین کہرام تھا برپا

ہر اک رانی مجسم صورت تصویر ماتم تھی
سراسر روح فرسا دل پہ طاری حالت غم تھی

یہان سے چل کے مانگی بھیک مان کے آستانہ پر   دعائین مان نے دین بیٹے کو خوش ہو کر
مبارک ہو لباس فقر تجکو اے خرد پرور   گدائی اسکے کوچے کی شہنشاہی سے ہے بہتر

وزیرون کے یہان بھی بھیک مانگی جا کے سلطان نے
مٹائی نخوت شاہی یہانتک شاہ ذیشان نے

غرض صحرا کیجانب شہر سے اسنے عزیمت کی   غم و افسوس سے ناگفتہ بہ حالت تھی خلقت کی
اسے پروا نتھی مطلق کسیکے رنج و کلفت کی   وہان کا بابلٹ ہی ہو چکی تھی قلب و نیت کی

حباب آسا ملا تھا لوٹکر بحر حقیقت مین
بسر کی عمر گوپی چند نے زہد و عبادت مین

شمیم [illegible]

چند روز

اے عندلیب رونق بستان ہے چند روز   فصل بہار باغ مین مہمان ہے چند روز
دو دن کو خوشنوائی قمری چمن مین ہے   خوش قامتی سرو خرامان ہے چند روز
دل مین گلون کے رہتی ہے ہر وقت یہ خلش   ہوگا یہ خارزار گلستان ہے چند روز
لالہ کو بے ثباتی عالم کا داغ ہے   یون دیکھنے کو باغ مین خندان ہے چند روز
چمنے نہ دیگی رنگ یہ نیرنگی خزان   اے باغبان بہار گلستان ہے چند روز
گل کیطرح گذارئے یان ہنس کے زندگی   باغ جہان مین صحبت یاران ہے چند روز
کہتی ہے نئے کہ تلخ جہان کی ہین لذتین   دنیا کے ساز عیش کا سامان ہے چند روز
انسان کیا ہے؟ بحر جہان کا ہے بلبلہ   مہمان سرائے دہر مین مہمان ہے چند روز
دنیا کی رنج و غم سے اسیر و نہ ہو ملول   چھوٹو گے اس سے جلد یہ زندان ہے چند روز
ہے کچھ دنون جہان مین گدائی گداگری   واحسرتا حکومت سلطان ہے چند روز
کیا مال و جاہ و حسن و جوانی پہ کیجئے ناز   افسوس زندگانی انسان ہے چند روز

اک حال پر کوئی نہین رہتا یہان ذہین
خندان ہے چند روز تو گریان ہے چند روز

سید غلام مصطفےٰ ذہین

قطعہ

نہین بدلتی یہ دنیا بدلتے رہتے ہین ہم
کہ ہمکو ہوتے ہین محسوس راحت و آلام
جو انقلاب ہوا زندگی مین انسان کی
اسیکو کہنے لگے لوگ گردش ایام

ایڈیٹر



نوٹس

توضیح مقاصد

ادیب کی اشاعت سے اُردو علم ادب کی ترقی کیطرف ایک قدم اور بڑھایا گیا ہے۔ اس عرصے مین ہماری زبان کی سرحد مغربی ادب و انشاپردازی کے حدود سے بہت کچھ قریب ہوگئی ہے۔ اب اُردو مین ایسے اہل قلم پیدا ہوگئے ہین جو آڈیسن سے نثار اور ٹینیسن سے شاعرون کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہین۔ انکی رسائی خیال، ذہانت اور زور طبع نے ثابت کردیا ہے کہ خاک ہند اپنی مردم خیزی مین دُنیا کی کسی سرزمین سے کم نہین ہے۔ ساتھ ہی ہمارے علم ادب کا دامن بھی اسقدر وسیع ہوگیا ہے کہ عربی و فارسی، تُرکی، تاتاری، سنسکرت و بھاشا کے علاوہ اب اسمین مغربی زبانون کے رنگین و شاداب پھول بھی نظر آرہے ہین۔

ان پھولون کی رنگارنگی کا دلکش نظارہ صرف اُن ادبی رسالون مین نظر آسکتا ہے جنکے مضامین کی گوناگونی درحقیقت ایک چمنستان ادب ہے۔ ان رسالون کے بانیون مین اکثر اب اس دنیا مین موجود نہین ہین، لیکن اُنکی یاد عام دلون مین تازہ ہے اور اُنکے نام عزت و احترام کے ساتھ لئے جاتے ہین۔ ہم بھی انہین ارباب کمال کی خوشہ چینیون مین ہین اور اُنکے نمونے پر ایک ایسا رسالہ پیش کرتے ہین جو چند خصوصیات سے وابستہ ہے گو ایسی کوشش بالکل نئی اور عدیم النظیر نہین ہے تاہم "ادیب" کے مقاصد اور رنگ ڈھنگ مین کسیقدر جدت کی جھلک نظر آئیگی۔

اس رسالے کے ساتھ تصاویر کی کثرت اس امر کو واضح کرنے مین قاصر نہ رہیگی کہ مصوری علم ادب کی ایک ضروری شاخ ہے۔ مغربی نقادان فن نے اس ضرورت کو یہانتک تسلیم کیا ہے کہ وہ کسی مضمون کو اُسوقت تک مکمل نہین سمجھتے جبتک اُسے الفاظ کے علاوہ تصاویر کے ذریعے سے بھی ذہن نشین نہ کیا جاسے۔ بلکہ بعض بعض مطالب محض تصاویر ہی کے ذریعے سے ادا کردئے جاتے ہین۔ گویا ایک خاموش تصویر وہ زبان حال ہے جو اپنی سرگذشت بیان کرنے مین تاریخ کے ہزارون صفحات سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ اور مصور کا قلم اندرونی جذبات و احساسات کو واضح کرنیکے لئے قدرت کی پیشہ ستی مین قاصر نہین رہتا۔

حال کے بعض نامور رسالون کے نازک خیال ایڈیٹرون کے دماغ عرصے سے ان ادبی ضرورت کی حد تک پہونچ گئے ہین جنہین معزز مخزن و زمانہ کی کوششین قابل داد ہین

ادیب اس ضرورت کو کسیقدر وسعت کے ساتھ رفع کرنیکا قصد رکھتا ہے جو اسکے سلسل نمبرون سے واضح ہوتی رہیگی۔ نیز ان اوراق مین زیادہ تر ملکی صناعون کے زور قلم کے نمونے پیش کئے جائینگے جس سے ملکی صنعت کی رفتار ترقی پر بھی ایک عمدہ روشنی پڑتی رہیگی۔ اسکے ساتھ ساتھ زبان اور علم ادب کے خزانے مین بھی ایک معتد بہ اضافہ کا تہیہ کیا گیا ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ ملک کے نامور اہل قلم کے خیالات سے ایک ایسا چمنستان ادب تیار کیا جائے جسکی جانفزا خوشبو سے عام مشام معطر ہون اور جسکی مہک دُور دُور تک پہونچے۔

ادیب کی خصوصیات مین ایک مابہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ اسمین حتی الامکان ایسے لٹریچر سے کام لیا جائیگا جو مرد و عورت دونون طبقون کے لئے یکسان دلچسپ و خوشگوار ہو۔ یہ ایسی بات ہے جو معمول سے زیادہ احتیاط کی محتاج ہے اور جس پر سب سے پہلے لحاظ کرنیکی ضرورت ہے۔ کیونکہ تعلیم نسوان کی موجودہ ترقی صاف بتارہی ہے کہ اب ہمارے علم ادب مین حصہ لینے کے لئے ایک ایسا فرقہ بھی تیار ہوگیا ہے جو اس سے بیشتر علمی دُنیا سے علیحدہ تھا اور جسکی قدرتی حیا اور پاک جذبات کا احترام ہمپر واجب ہی نہین بلکہ فرض ہے۔ گو اس ضرورت کیلئے بعض رسالے مخصوص ہین لیکن ہمارے خیال مین یہ مقصد عام ہونا چاہئے نہ کہ خاص۔ چنانچہ ادیب مین اسی عمومیت کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اسکے مختلف مضامین (نظم و نثر) مین ہمیشہ ملحوظ رہیگی۔

حالانکہ باغ ادب مین ایک نئی قلم لگاتے ہوئے ہمنے اس رسالے کا رنگ ڈھنگ اور طرز و انداز سب سے جداگانہ رکھا ہے تاہم ادیب اپنے معاصرین کے ساتھ مل جل کر کام کرنا اور اُنکی کوششون مین اُنکا ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھے گا اور فضول مباحث اور بیجا جھگڑون مین پھنسکر اپنی ترقی کی رفتار کو منقطع کرنا اپنے لئے باعث ننگ خیال کریگا۔ یہ دُنیا کی ہر زبان اور قدیم و جدید علم ادب کے خزانون تک اپنا ہاتھ پہونچانیکی کوشش کرتا رہیگا اور نکتہ چینیونکے خیالات سے ہمیشہ اپنے لئے مفید نتائج اخذ کرتا رہیگا یعنی اسکا کام خاموشی اور سنجیدگی کیساتھ انجام پاتا رہیگا نہ کہ اُن معرکہ آرائیون کیساتھ جو علم ادب کی رفتار ترقی مین حارج ہوکر اکثر مضر نتائج پیدا کرتی ہین

تصریح تصاویر

(۱)

اس نمبر کی رنگین تصویر جو انڈین پریس کے ایک خاص مصور کی صناعی کا نمونہ ہے مہابھارت کے ایک عبرت انگیز واقعے سے تعلق رکھتی ہے۔ اصل قصہ بہت طولانی ہے تاہم مختصر طور پر اسقدر بتا دینا ضروری ہے کہ جب راجہ جدھشٹر راج پاٹ اور اثاث البیت کے علاوہ خود اپنی ذات، اپنے بھائیوں اور اپنی رانی دروپدی کو بھی جوے مین ہار گئے اور جوے کی شرط کے مطابق سب کے سب جرجودھن کی غلامی مین آگئے تو جرجودھن کے چھوٹے بھائی دوساسن نے عصمت و عفت کی دیوی دروپدی کو سر دربار ذلت دینے کی کوشش کی۔ اس خبر کو سُنکر جرجودھن کی مان گاندھاری نے اپنے شوہر مہاراجہ دھرتراشت سے فریاد کی۔ بوڑھے دھرتراشت نے بیٹے کو زجر و توبیخ کرنیکے بعد دروپدی کو (جو اُسکی بھتیج بہو تھی) معافی مانگنے اور اُسکی دلجوئی کرنیکی غرض سے طلب کیا۔ دروپدی سامنے آئی ہے اور اپنی قدرتی شرم و حیا کیساتھ گردن جھکائے کھڑی ہے ضعیف العمر مہاراجہ نوعمر دروپدی سے معافی مانگنے اور اُسکی انتہائی دلجوئی کرنیکے بعد کہہ رہا ہے کہ "جو تو مانگ وہ مین دینے کو تیار ہون" یہ ہندو فرمانرواؤن کا ایک قدیم قاعدہ تھا جسے اصطلاحاً "بردان" کہتے ہین۔ دروپدی نے اپنے شیرین اور موثر لہجے مین کہا کہ "اگر آپ مجھپر ایسے ہی مہربان ہین تو راجہ جدھشٹر کو غلامی سے آزاد کر دیجئے" دھرتراشت نے اس استدعا کو فوراً قبول کرکے کہا "ابھی کچھ اور مانگ۔ یہ بردان میرے حوصلے سے بہت کم ہے" دروپدی نے نہایت سادگی سے کہا کہ "ارجن بھیم نکل اور سہدیو یہ چارون بھی آزاد کر دئے جائین" دھرتراشت نے پھر التجا کی کہ ابھی کچھ اور مانگ۔ دروپدی نے جواب دیا کہ "اب مین کچھ مانگنا نہین چاہتی۔ دھرم کے مطابق ویشیون کو ایک چھتریون کو دو اور برہمنون کو سو بردان مانگنے کا استحقاق ہے۔ مین چھتری ہون لہذا دو سے زائد بردان مانگ کر دھرم کی خلاف ورزی نہین کر سکتی" اخلاق کا یہ بلند معیار گو اب مفقود ہے لیکن یہی باتین ہین جنکی بدولت دنیا کے تاریخی تھیئٹر میں یہ کیرکٹر اپنا پارٹ ادا کر رہے ہین

(۲)

پنڈت بشن نراین صاحب در بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ جنکی علمی زندگی اہل ملک کیلئے چراغ ہدایت ہے عرصے سے ایک مرض صعب مین مبتلا ہین اور الموڑہ کے پُرفضا پہاڑ پر زیر علاج ہین۔ آپکے دلچسپ حالات ہماری درخواست پر پنڈت برج نراین صاحب چکبست بی اے وکیل لکھنؤ نے ایک دلآویز پیرائے مین قلمبند فرمائے ہین اور آپ کا تازہ فوٹو بھی عنایت کیا ہے جو ۲۷۔ نومبر گذشتہ کو بمقام الموڑہ لیا گیا ہے۔ اس مرقع حسرت سے آپکے مرض کی موجودہ حالت کا کافی اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن جناب چکبست نے اپنے مضمون کے آخر مین یہ خوشخبری سُنائی ہے کہ اب آپکی حالت رو بصحت ہے جو تمام علم دوست حضرات کیلئے یکسان مسرت خیز ہے۔ خصوصاً ہم اُس مژدہ جانفزا کیلئے ہمہ تن گوش ہین۔ جب آپ صحت یاب ہو کر ہمارے اجڑے وطن کو پھر آباد کرینگے اور اپنے علمی سرچشمے سے تشنگانِ ادب کو سیراب فرمائینگے۔

(۳)

حضرت آدم و حوا کی تصویر حکیم محمد خانصاحب لکھنوی کے زور قلم کا نمونہ ہے جو خاص ادیب کیلئے تیار کرائی گئی ہے حکیم صاحب جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ کے تعلیم یافتہ اور کلکتہ آرٹ اسکول کے نامور طالبعلم ہین۔ آپ کی مصوری کے نمونے ماڈرن ریویو وغیرہ انگریزی رسالون مین نہایت وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین۔ اور مسٹر ہیول ایسے مبصر یورپین آپکی صناعی کے مداح ہین۔ آپ مسٹر ابنندرو ناتھ ٹیگور پرنسپل آرٹ اسکول کلکتہ کے خاص شاگرد ہین مسٹر اروندو گھوش نے آپکی تصویر "نادر شاہ اور حکم قتلِ عام" کی داد اپنے مشہور اخبار یوگن مین نہایت وسعت اور کشادہ دلی کے ساتھ دی ہے۔ حضرت آدم کی تصویر مین بھی جو اس نمبر کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے آپ نے اعلیٰ صناعی دکھائی ہے۔ تصویر کے بالائی حصے مین بہشت کا نظارہ پیش نظر ہے۔ نیچے ایک سنسان میدان مین جو دُنیا کی ابتدائی حالت مین بالکل تاریک ہوگا حضرت آدم و حوا بھٹک رہے ہین بہشت کو روشن اور دُنیا کو تاریک دکھانے مین جدت قلم سے کام لیا گیا ہے

وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا۔ ان آسمانی مخلوق کی ستر پوشی کے متعلق روشن خیال مصور کو باقتضائے تہذیب حال اصلی روایت سے مجبوراً تجاوز کرنا پڑا ہے بہشت ایسے مسرت خیز مقام سے نکلکر انسان کے ان مورث اعلی کے دلون پر جو کیفیت گذری ہوگی اُسے جناب سرور جہان آبادی نے نہایت دلکش اور موثر الفاظ مین نظم کیا ہے اور یہ نظم اپنی ترتیب سے علیحدہ اس تصویر کے مقابل درج ہے۔

(۴)

نمایش گاہ لاہور کے بسیط مضمون کے ساتھ اسکا فوٹو بھی شایع کیا جاتا ہے جو اُس منظر سے تعلق رکھتا ہے جب ہز آنر لفٹنٹ گورنر پنجاب نے ایک عالیشان دربار کے ساتھ نمایش کا افتتاح فرمایا تھا۔ تاریخی حیثیت سے یہ نمایش اپنی قسم کی خاص نمایش ہے جسمین گورنمنٹ اور اہل ملک نے متفقہ طور پر سرگرمی ظاہر کی ہے اس سے ملکی صنعت و حرفت ہی کے لئے ایک نیک فال نہین نکلتی ہے بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اسی سنجیدگی اور فہم و فراست سے کام لیا گیا تو گورنمنٹ ہمارے تمام مقاصد کی کامیابی مین تہ دل سے حصہ لینے کو موجود ہے۔ اس سے زیادہ عظیم الشان نمایش اس سال کے اختتام پر ہمارے شہر مین منعقد ہونیوالی ہے جسکا دیباچہ پراونشل نمایش کے نام سے اسی ماہ مین شروع ہوگیا ہے

(۵)

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج پنشنر الہ آباد جنکی پاکیزہ شاعری اور اعلی تخیل نے ارباب ذوق کے دلون کو مسخر کر لیا ہے عرصے سے ضعف بصارت کے سبب تصنیف و تالیف کے شوق کو خاطر خواہ پورا نہ کرسکتے تھے۔ اسی حالت مین آپکا تازہ فوٹو یکم دسمبر گذشتہ کو ادیب کے لئے لیا گیا تھا اور باوصف اس معذوری کے آپنے اپنا تازہ کلام بھی عطا فرمایا تھا جس سے اوراقِ ادیب کو زینت دیگئی ہے انہین ایام مین آپ بغرض علاج چشم کلکتہ تشریف لیگئے تھے جہان مغربی عمل جراحی مین کامیابی ہوئی اور یہ خبر نہایت مسرت انگیز ہے کہ اب آپ صحت یاب ہوکر واپس آگئے ہین۔ ادبی دُنیا کیلئے اس سے زیادہ کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ ایک جادو نگار قلم پھر اپنی گلکاریون سے اُسے رشک ارم بنانیکے قابل ہو گیا ہم آپکی نظمون کے علاوہ آپ کی نثر تحریرون کے نمونے بھی جلد ہی ہدیۂ ناظرین کرسکین گے جنکا آپ نے خاص وعدہ فرمایا ہے۔

(۶)

راجہ گوپی چند کی تصویر ہندوستان کے زندۂ جاوید مصور مسٹر راوی ورما کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسے ہندؤن کی مشہور نفس کشی کی ایک نمایان مثال سمجھنا چاہئے۔ اصل واقعہ کو دو ہزار برس کے قریب ہوچکے ہین مگر اپنی عبرت خیز نوعیت کیوجہ سے ابتک تازہ ہے اور عام طور پر اسکے ناٹک ہوتے رہتے ہین۔ جادو نگار مصور نے اس تصویر مین وہ منظر پیش کیا ہے جب یہ عظیم الشان راجہ فقیرانہ حالت مین اپنی رانیون سے بھیک مانگنے آیا ہے اور اپنے فلک فرسا محل کے دروازے پر کشکول گدائی لئے ہوئے کھڑا ہے۔ مصور کے زور قلم اور منظر کے عبرتناک ہونے مین کلام نہین لیکن اس قصے مین اصلی جان اُس نظم نے ڈالی ہے جو حضرت شرر سہارنپوری کے پُر زور قلم سے نکلی ہے اور اس تصویر کے ساتھ درج ہے۔



جلد ۱ | فروری سنہ۱۹۱۰ء | نمبر ۲

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

ایڈیٹر ۔ نوبت راے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ | فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی متر پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

(قیمت سالانہ للعہ) **ادیب** (فی پرچہ ۶؍)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پردازاسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کے لئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصورون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہے گا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ بہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کہ قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا۔ بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۸؍ وصول ہونے یا ویلیو پےایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے ورنہ تعمیل ارشاد نہو سکیگی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

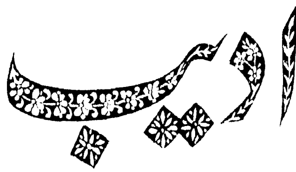
منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد



دمینتی اور ہنس

انڈین پریس الہ آباد

فروری ۱۹۱۱ء

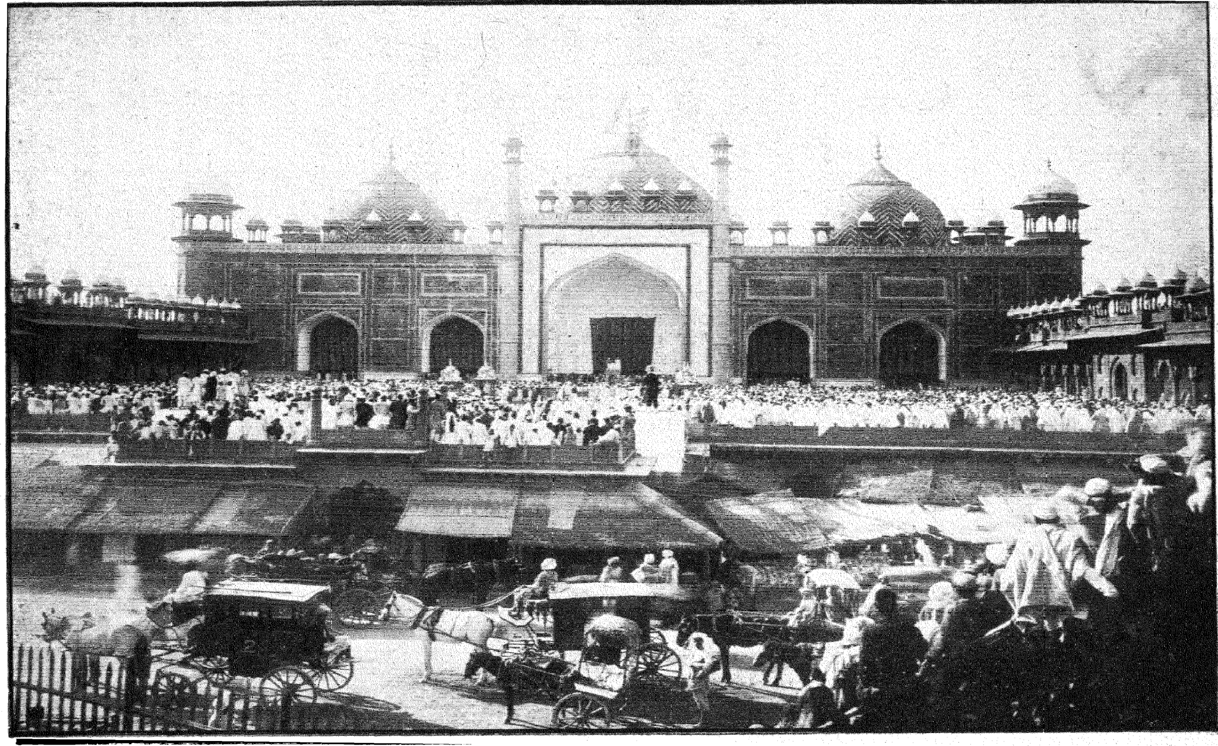


جلد ۱ نمبر ۲

اخلاقی تعلیم

اکثر لوگ کہا کرتے ہین کہ جب سے مغربی روشنی نے ہندوستان مین آزادی کو نقش سلیمانی بخشا ہے خود رائی اور بےتمیزی نے لوگون مین اور بعض بعض قومون مین عجیب کیفیت پیدا کردی ہے۔ زمانے کے آشوب کو کون نہین جانتا اور باوجود اعلی درجہ کی تعلیم کے اخلاقی تعلیم کی ضرورت کو کون محسوس نہین کرتا۔ اگلے وقتون مین جب مشرقی علوم پڑھائے جاتے تھے اخلاقی تعلیم بجاے خود کوئی شاخ تعلیم رسمی کی نہین سمجھی جاتی تھی۔ عربی اور سنسکرت مین لٹریچر یعنی علم ادب کے تار و پود کی پرداخت مذہبی عقائد سے اسقدر منضم ہے کہ تعلیم کے ساتھ تہذیب اخلاق خود بخود ہونا ممکن تھا۔ جہانتک معلوم ہوتا ہے پُرانے وقتون کے فضلا کی دوربینی اور عاقبت اندیشی بلاشبہہ اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اُنہون نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ بلا مذہب کے یعنی بلا خوف خدا کے انسان کے اخلاق پر وہ اثر مترتب نہین ہو سکتا جو اُسکی روحانی ترقی کو مدد دے اور اُسکے ذاتی اور قومی بہبود کا باعث ہو۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر شق مین علم و فن کے تاوقتیکہ اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ کیطرح چند ابتدائی اصول ایسے نہ مان لے جائین جنکی توثیق مین بُرہان و ثبوت خود عاجز ہون ترقی نہین ہو سکتی۔ نظام قومی کے لئے بھی اسیطور پر مذہب نے وہ اصول ہر قوم مین قرار دئے تھے جنسے اُس قوم مین ہر قسم کی ترقی خوش اسلوبی کے ساتھ اور بغیر فتنہ انگیزی کے ہو سکتی تھی۔ قوم کے افراد مین باہمی اُنس اور یکجہتی پیدا ہوتی تھی کیونکہ سب ایک ہی اصول پر کاربند ہوتے تھے جو لوگ اُن عقائد سے منحرف ہوتے تھے وہ ہدف سہام ملام بنتے تھے اور سوسائٹی مین اُنکے لئے گنجایش نہین رہتی تھی۔ چنانچہ زندگی بغیر تردد اور خرخشے کے خوبی کے ساتھ بسر ہو سکتی تھی۔ لیکن مغربی روشنی نے مذہب کو کچھ ایسا لوگون کی نگاہون مین بےوقعت اور بے اعتبار بنا دیا کہ سب کام درہم برہم ہوگیا اور زمانے مین ایک

عجیب قسم کا آشوب پھیل گیا۔ یہ ہم مانتے ہین کہ انگریزی تعلیم نے لوگون کو روشن دماغ بنا دیا مگر اسکے ساتھ یہ کہنا بعید از انصاف نہوگا کہ روشن‌ضمیری کا ہندوستان مین فقط نام رہ گیا اور وہ ملکہ ہندوستان کے طبائع سے نکل گیا۔ آج ہم دیکھتے ہین کہ گریجویٹ اور تعلیم یافتہ اشخاص ایک انسان کی جان لینے مین ذرا تامل نہین کرتے۔ گورنمنٹ انگلشیہ اسقدر معدلت پرست ہے مگر اسکوان باتون سے وہ وہ فتنین پیش آرہی ہین۔ جو ہندوستان مین نہایت بدانتظامی اور بدامنی کے زمانہ مین بھی کسی بادشاہ وقت کو نہین ہوتی تھین یعنی تعلیم نے کبھی کسیکو خون کا پیاسا نہین بنایا تھا۔ یہ کب ممکن تھا کہ عربی فارسی مین قرآن کی آیتون اور احادیث کے فقرون سے مزین مضامین کو پڑھکر یا وید اور پُرانون کے اقوال سے مربوط عبارتون کو سنسکرت مین پڑھکر لوگ جادۂ استقامت سے تجاوز کرتے۔ واقعی بات تو یہ ہے کہ جب سے بزرگان دین کی توہین روا ہوئی اور مذہب کی لطافت ختم ہوئی لوگون نے اپنی عقل کو مشیر بنا لیا اور اپنے میزان عقل مین ہر چیز کے عیب و ثواب کو تولنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی انضباط مین فرق آگیا اور یکرنگی کا مادّہ جاتا رہا۔ مغربی ممالک مین جس اصول پر لوگ عمل کر رہے ہین وہ ہمارے فطری عقائد سے بالکل مغائر ہین اسلئے ہم انکی تعلیم سے تہذیب حاصل نہین کر سکتے۔ ہمارے یہان تعلیم رسمی ہی کی لو رو مین اخلاق پر اچھا اثر پڑتا تھا اور سوسائٹی مین اخلاقی تعلیم نہین دیجاتی تھی بلکہ ایک قسم کی تلقین کیجاتی تھی۔ لوگ اپنی روش یعنی ایگزامپل سے دوسرون کو اپنا مقلد بنا لیتے تھے۔ اور یہ ضرور ہے کہ مثال قائم کرنے سے جو اثر ہوتا ہے وہ کتابی نصائح سے نہین ہو سکتا۔ ایک بات اور بھی ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص مغربی روشنی کی جھلک پر کچھ ایسے محو ہو گئے کہ اپنی فطرتی ساخت پرداخت کو بھول گئے۔ فضیلت کے یہ معنی نہین ہین کہ ہم دوسرون کی تقلید سے اپنی آبرو بنائین جبتک ذاتی جوہر نہوگا ہم واقعی ترقی کرنے کے قابل نہونگے۔ مین یہ ضرور کہونگا کہ اخلاقی تعلیم مدارس مین دی بھی جاے تو تا وقتیکہ سوسائٹی مین تہذیب اخلاق کی تلقین نہوگی کچھ فائدہ نہوگا۔ گورنمنٹ ہماری خیر اندیش ہے۔ ہماری بہتری اور آسایش کی ہر طرح کی فکر کر رہی ہے۔ ہمکو یہ اپنا فرض مذہبی قرار دینا چاہئے کہ ہم بھی ایسے طریق پر عمل کرین کہ جس سے تشتت کو قطعی لفظ غلط کیطرح مٹا دین اور اپنے دینی عقائد پر واثق ہو جائین۔ میرے نزدیک اخلاقی تعلیم کی دو صورتین ہو سکتی ہین۔ ایک یہ کہ مدرسون مین ایسی کتابین پڑھائی جائین جسنے لوگ روحانی ترقی کا نفع اور قدر سمجھین لیکن اس صورت مین اندیشہ یہ ہے کہ مغربی لٹریچر کے بڑے بڑے فضلا کے خیالات جب دلون مین پہونچینگے تو پہلے خیالات کی ترتیب خواہ مخواہ غلط ہو جاوے گی۔ مل اور اسپنسر کے اقوال اور خیالات کا اثر اُسی سلسلہ مین اگر شامل ہوتا جو ابتدائی تعلیم مین حاصل ہوتا ہے تو شاید انسان کو منزل بمنزل علم کی ترقی مین تغیر ذہنی کا موقع نہ ملتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی مین تہذیب کا پیمانہ مشرقی خیالات سے مشروط ہو اور ہم تعلیم انگریزی حاصل کرین مگر اس صورت مین بھی تعلیم کے اثر کو ہم دُور ہرگز نہین کر سکتے۔ تہذیب مین غیر ملک کی تعلیم ایسی رنگ آمیزی پیدا کر دیتی ہے کہ خیالات کی شکل دگرگون ہو جاتی ہے۔ ہم سرکار انگلشیہ کو الزام نہین دیتے کہ اُس نے ہماری تہذیب کو خراب کر دیا ہم بجاے الزام دینے کے اُسکے ازبس شکر گزار ہین کہ اُس نے ہمکو خواب غفلت سے بیدار کیا اور ترقی کی راہ دکھلائی۔ ہمارے لئے جو بہتری کا سامان ہو سکتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہم خود بھی اپنی آنکھون سے ہر چیز کے نقص و کمال کو دیکھین اور محض تقلید پر



جامع مسجد آگرہ

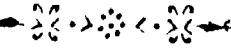
انڈین پریس الہ آباد

انحصار نہ کرین - گورنمنٹ ہمارے لئے جو کچھ کر رہی ہے اُسکا اعتراف کرین اور اپنی ذاتی فضیلت اور دینی عظمت کو فخر سمجھین - اس موقع پر یہ کہنا نامناسب نہوگا کہ بچّون کی طبیعتین مثل سفید کاغذ کے ہوتی ہین اپر جو نقش قائم ہوجاتا ہے وہ عمر بھر باقی رہتا ہے اور اسکا اثر پشتہاپشت تک جاری رہتا ہے - اگر ہماری گورنمنٹ ہمارے اسکولون مین درسی کتابون مین ایسے مضامین کا اندراج فرمائے کہ بچّون کو تہذیب اخلاق کا سبق ملے تو فی الواقع بہت مفید ثابت ہوگا - اس مین کوئی شبہ نہین ہے کہ ہندوستان ایسے پاکیزہ رو ملک مین ایسی ناجائز حرکتون کا مہرشی سنتانون سے سرزد ہونا نہایت مکروہ اور قابل افسوس ہے لیکن ہماری سوسائٹی کے لیڈر اگر لڑکون کو صرف مدرسون کی تعلیم ہی پر نہ چھوڑین اور خود بھی انکے نگران ہوکر انکے تہذیب اخلاق کی فکر کرتے رہین تو بہت سی دقّتین رفع ہوسکتی ہین - کیا یہ ممکن نہین ہے کہ ہماری قوم کے لیڈر کچھ اتیار نفسی کے ساتھ تعلیم مین گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائین اور لڑکون کے رہنما ہون - اگر لیڈرون کو یہ خیال نہین ہوسکتا تو انکا دعویٰ بھی میرے خیال مین غلط ہے کہ وہ لوگ لیڈر سمجھے جانے کے قابل ہین -

قطعہ

خرم آنروز کزین منزل ویران بروم   راحت جان طلبم وز پے جانان بروم
بہواے رخِ او ذرّہ صفت رقص کنان   تالب چشمۂ خورشید درخشان بروم

گنیشی لال ماتھر



جامع مسجد آگرہ

یہ مسجد قلعۂ آگرہ کے شمال مغرب جانب واقع ہے جسے شاہجہان کی پیاری بیٹی جہان آرا نے تعمیر کرایا تھا اور جسکی تیاری مین پورے پانچ سال صرف ہوئے تھے - اس تعمیر سے اُسکا نام "مسجد بیگم" پڑ گیا تھا جو عوام الناس مین عرصے تک مشہور رہا - اس مسجد کی تیاری مین پانچ لاکھ روپئے صرف ہوئے جو جہان آرا نے اپنے پاس سے دئے تھے - یہ پہلے "جہان آرا مسجد" کے نام سے مشہور تھی لیکن بعد کو اسکا نام "جامع مسجد" رکھدیا گیا جو ابتک مشہور ہے - شہر مین اس سے بڑی کوئی مسجد نہین ہے - یہ سُرخ پتھر کی عمارت ہے جو نہایت وسیع اور عالیشان ہے - اسکے ساتھ ایک وسیع بارگاہ بھی ہے جو ایک بلند چبوترے پر قائم ہے جسکی کرسی مشرقی صحن سے گیارہ فیٹ اونچی ہے - اصل مسجد بارگاہ سے مغرب جانب ہے جو نہایت رفیع اور عظیم الشان ہے اسکا طول ایکسو تیس فیٹ ہے اور عرض ایکسو فیٹ ' جو محرابون کی دوہری قطار پر قائم ہے جنمین سامنے کیطرف پانچ محرابی دروازے ہین - اُنمین ایک وسطی اور صدر دروازہ ہے اور اُسکے دونون پہلوؤن مین دو دو اندرونی دروازے ہین - عمارت کے چارون کونون پر بالائی جانب چار بڑے بُرج ہین اور سامنے کیطرف چھوٹی چھوٹی مربع بُرجیون کی قطار ہے - وسطی درجے کی چھت کے چارون کونون پر چار پتلے پتلے مینار ہین جو ساری عمارت سے زیادہ بلند ہین - عقب کیطرف چھت پر تین عالیشان گُنبد ہین جو نہایت نفیس اور نادر ہین - انکی معماری مین نہایت عمدہ صنّاعی دکھائی گئی ہے اور سنگ خارا کے لہردار یا آڑے ترچھے ٹکڑون کو سنگ مرمر کی چوڑی چوڑی پٹیون اور باریک خطوط کے ساتھ پیوست کیا ہے - مشرقی پھاٹک اور حجرے جو بہت ہی خوشنما تھے ایام غدر مین مسمار کردئے گئے - کیونکہ یہ باغی فوج کیلئے مورچون کا کام نہین دے سکتے تھے جہان سے قلعے پر گولہ باری ہوسکتی جو اس مسجد کے سامنے ہی واقع ہے -

چند الہامی کلمات

(۲)

"عشق حقیقی"

پریم پریم سے ہوئے پریم سون پار ہی بجیئے ۔ پریم بندھو سنسار پریم پرمارتھ پیئے (سورداس)

(یعنی یہ کہ عشق سے عشق ہوتا ہے اور عشق ہی سے آدمی اس دنیا سے پار ہوتا ہے عشق سے یہ جہان بندھا ہوا ہے اور عشق ہی سے ابدی مرتبہ ملتا ہے)

عشق حقیقی پر لکھنے کے لئے قلم اسی کو اٹھانا چاہئے جس نے عشق کا مزہ چکھا ہو عشق حقیقی کا نہین تو عشق مجازی ہی کا سہی۔ یہ وہ دریاے ذخار ہے جسمین جس کسی نے غوطہ کھایا پھر باہر نہ آیا یہ عاشق مثل پروانے کے ہوتے ہین جو ایک بار جلکر پھر دوسری بار نہین جلتے ہے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

عشق کی کہانی حقیقت مین ایسے ہی لوگ کہہ سکتے ہین مگر ایسے عشاق پھر دوبارہ دنیا مین اپنی کہانی کہنے کے لئے نہیں آتے ہین پھر سچے عشق کی کہانی لکھی جاے تو کیونکر۔ گو سچے عشق کی داستان سنانے والے چاہے وہ مجازی ہو یا حقیقی وہی لوگ ہوسکتے ہین جنکے جگر پر عشق کا خنجر کاری لگا ہے۔ مگر ایسے عشاق سے بھی یہ داستانین سنی جاسکتی ہین جو اگرچہ عشق کا ذایقہ پوری طور سے لے رہے ہین مگر اس ذایقہ سے سیر ہونا نہین چاہتے بلکہ ہمیشہ ہی وہ ذایقہ لینا چاہتے ہین۔ ان سے اترکر وہ لوگ بھی کچھ کچھ عشق کی کہانی کہہ سکتے ہین جو اگرچہ عاشق نہین ہوئے ہین مگر جوشیلی طبیعت رکھتے ہین اور جو ہمیشہ خوبصورتی کے نظارون پر مرتے رہتے ہین گو نہ اسقدر کہ جل بھنکر خاک ہوجائین۔ ہمارے سوامی جی جنکے ارشادات ہم پیشتر لکھ چکے ہین انمین سے کسی مین بھی داخل نہ تھے تاہم عشق کی باتوں سے وہ بیخبر بھی نہ تھے۔ اگرچہ وہ ایک سنیاسی تھے اور اسلئے ان سے عشق کی باتون کا سننا ایک حیرت خیز امر بھی ہوسکتا ہے مگر جو ارشادات انکے اس بارہ مین ہین وہ بھی کچھ کم حیرت افزا نہین ہین۔ انہون نے اپنے ارادتمندون سے مخاطب ہوکر جو کچھ عشق حقیقی پر کہا وہ سچے عشاق خدا کے کلمات پر ہی فرمایا تھا چنانچہ سوامی جی کے ارشادات ذیل بیشتر مہرشی نارد کے بھگتی سوترون پر مبنی ہین۔

"خدا کے ساتھ انتہائی عشق کا نام بھگتی ہے اور یہ عشق حقیقی آبحیات ہے جسکو پیکر آدمی کی پوری تشفی ہوجاتی ہے اور جسکے بعد اسکو کسی نقصان کا افسوس نہین ہوتا اور نہ وہ کسی سے کبھی کوئی حسد کرتا ہے اور یہ وہ شراب ہے جسکے سرور مین وہ ہمیشہ متوالا رہتا ہے"

اسی خیال کو سندرداس نے اپنے ذیل کے سوئیے (सवैया) مین کیا خوب ظاہر کیا ہے۔

پریم لگیو پرمیشر سون تب بھول گیو سگرو گھر بارا
جیون انمت پھرے جت ہی تت نیک رہو نہ شریر سنبھارا
سواس اساس اٹھے سب روم چلے درگ نیر اکھنڈت دھارا
سندر کون کرے نودھا بدھ چھاک پریو رس پی متوارا

پھر سوامی جی یون فرماتے ہین۔

"خدا کا خیال کر کے بعض گریہ وزاری کرتے ہین بعض گاتے ہین بعض ہنستے ہین بعض ناچتے ہین بعض نہایت ہی تحیر کی باتین کرتے ہین مگر یہ سب سواے خدا کے اور کسی کا ذکر نہین کرتے۔

بھگتی یعنی عشق حقیقی کا یہ مقصد نہین ہو سکتا کہ وہ کسی خواہش کے پورا کرنے کے کام مین لائی جاے کیونکہ وہ خود ہی تمام خواہشات کی روک ہے۔ جب تمام خیالات تمام کلمات تمام افعال نذر خدا کر دئے جاتے ہین اور جب خدا کی طرف سے ذرا بھی فراموشی ہو جانے سے دل کو سخت بے چینی ہوتی ہے تب ہی جاننا چاہئے کہ عشق کا آغاز ہوا ہے۔ بھگتی کا سب سے بڑھا ہوا درجہ وہی ہے جب کسی بدلے کی خواہش باقی نہین رہتی کیونکہ بدلے کی ایسی خواہش انسانی محبت کا ایک خاصّہ ہے۔

بھگتی کے تین اقسام ہین۔ ایک وہ جسمین حاجت ظاہر کیجاتی ہے اور مانگا جاتا ہے مگر دیا کچھ نہین جاتا۔ اس قسم کی بھگتی مین کوئی سچا پریم نہین ہوتا اور نہ اُسمین بھگت کو ایشور کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ بھلا کبھی کسی گدا کو کسی شاہی ڈیوڑھی مین کبھی باریابی حاصل ہوئی ہے۔ ڈیوڑھی کے دربان ایسے بھکاری کو مار مار کر باہر نکال دیتے ہین۔ جو لوگ حاجتمند ہو کر کسیکے پاس جاتے ہین اُنکی جیسی کچھ عزّت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ دوسری وہ جسمین کچھ دیا اور کچھ مانگا جاتا ہے۔ یہ بھی سچی بھگتی نہین بلکہ ایک تجارتی اصول کی بھگتی ہے۔ تیسری وہ جسمین معاوضہ کا کچھ بھی خیال نہین ہوتا۔ تن من دھن سب کچھ اُسکے نذر ہے مگر ہم اُس سے کچھ بھی نہین مانگتے۔ مثل پروانہ کے جو شمع پر قربان ہو جاتا ہے ہمین اپنے کو اُسپر نثار کر دینا چاہئے یہ آخری درجہ کی بھگتی ہے"۔

سریمد بھاگوت مین ایک جگہہ یہ آیا ہے "اے راجہ بھگوان کے ایسے اچھے اوصاف ہین کہ مہاتما لوگ جنکو برہمہ گیانی یعنے عین الہی ہو جانے کی حالت مین آنند یعنی سرور دائمی حاصل ہوتا ہے اور جو تمام قیود سے چھوٹ گئے ہین وہ بھی بھگوان کے ساتھ محض اُنکی محبّت کے لئے محبّت کرتے ہین" ایسے لوگ شکر ہونا نہین چاہتے بلکہ شکّر کا مزہ چکھنا چاہتے ہین۔

ہمارے دلون مین ایشور کی بھگتی کے خیالات کسطرح پیدا ہون اسکے متعلق سوامی جی یہ ارشاد فرماتے ہین۔

"خدا کی عنایت و رحم کے طالب ہو اور نیز ایسے لوگون کی برکت طلب کرو جو اللہ والے ہین یہی دو طریقے خدا تک پہونچنے کے ہین جو اللہ والے ہین اُنکی صحبت کا ملنا بہت مشکل ہے۔ پانچ منٹ کی ایسی صحبت سے ساری زندگی کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور اگر صدق دل سے تمہارے دل مین خواہش پیدا ہو گی تو ایسا شخص تمکو ضرور ملیگا۔ یہ اہل دل کچھ ایسی صفت کے آدمی ہوتے ہین کہ جہان وہ رہتے ہین وہ جگہہ بھی اُنکے وجود سے پاک ہو جاتی ہے۔ وہ خدا ہی ہین اور اُنکے کلام وحی کا مرتبہ رکھتے ہین۔ ایسے سچّے عُشّاق کے یہان۔ شرافت۔ دولت۔ خوبصورتی۔ علم ذات پات وغیرہ کا کوئی امتیاز نہین۔ تمام بدصحبت سے پرہیز کرو اور یہ میرا ہے یہ تیرا ہے ایسے تمام خیالات کو ترک کرو۔ کیونکہ خدا کا وصال اُنہین کو ہوتا ہے جو بالکل تارک الدنیا ہو جاتے ہین تمام دنیوی محبّت کے بندھنون کو کاٹو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب نذر خدا کر دو اور اسکا کوئی افسوس مت کرو۔ ایسی حالت مین مثل تیل کی دھار کے دل خدا سے لگ جاتا ہے اور اتنی فرصت نہین ملتی کہ دولت شہرت یا نام پیدا کرنیکا خیال پیدا ہو اور سواے عشق خدا کے اور کوئی خیال باقی ہی نہین رہتا۔ ایسی حالت جب ہو جاتی ہے تب ہی محبّت کرنے کا وہ آنند حاصل ہوتا ہے جسکی کوئی انتہا نہین۔ اس عشق مین کوئی کمی نہین

ہوتی بلکہ وہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور ہمیشہ نیا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُس سے دل کبھی چھکتا نہین - تمام انانیت کا خیال جب دُور ہو جاتا ہے اور خودی مٹ جاتی ہے اور غصہ رنج خواہش وغیرہ سب کالعدم ہو جاتے ہین تب ہی جاننا چاہیئے کہ سچے عشق کی نوبت پہونچ گئی ہے - اُسوقت بیساختہ زبان سے یہ نکلتا ہے کہ میری ہستی کچھ نہین ہستی ہے تو تیری اور مین تو ہی ہون"-

ایسے سچے عشاق خدا ہندوؤن مین کیا زمانہ سلف اور کیا زمانہ حال مین کئی گذرے ہین - مثلاً ہنومان - برج کی گوپیان اور پرہلاد - دھرو وغیرہ بھگتی تین قسم کی مانی گئی ہے - ایک وہ جس مین بھگت کا تعلق بھگوان کے ساتھ مثل ایک داس یعنی غلام کے ہے یعنی بھگت یہ کہتا ہے کہ مین تیرا خادم ہون - یہ بھگتی ہنومان جی کی تھی یہ ادنیٰ درجہ کی بھگتی ہے کیونکہ اسمین خوف کا خیال باقی رہتا ہے اور سچی بھگتی مین خوف مطلق نہ رہنا چاہیئے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوؤن مین ایشور کو کبھی دوست کرکے یا کبھی بیٹا کرکے بھی مانا گیا ہے - صرف اس خیال سے کہ خوف کے لئے مطلق گنجایش نہ رہے -

دوسری وہ جسمین بھگت یہ کہتا ہے کہ مین تیرا ہون اور تو میرا ہے - ان دونون مین حسد کا خیال باقی رہتا ہے یہان رقابت ضرور رہتی ہے - ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ مین ہی سب سے بڑا خادم ثابت ہون اور نوازش بھی اُسکی میرے ہی اوپر رہے یا یہ کہ وہ میرا ہی رہے دوسرے کا نہین - تیسری قسم کی بھگتی وہ ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی" یعنی یہ کہ مین تو ہی ہون - چنانچہ روایت ہے کہ کسی پریمی یعنی عاشق نے اپنے پریتم یعنی معشوق کے دروازے پر پہونچکر دروازے کو کھٹکھٹایا اور جب اندر سے آواز آئی کہ کون ہے تو اُسنے یہ جواب دیا کہ مین ہون مگر پھر کوئی جواب اندر سے نہ آیا - دوسری بار اُسنے پھر کھٹکھٹایا اور اندر سے آواز آئی کہ کون ہے تو - اُسنے جواب دیا کہ اے پیارے مین تو ہی ہون - اسپر فوراً دروازہ کھُل گیا -

عشاق خدا اور خدا کے درمیان جو حالت پیدا ہوتی ہے اُسمین کبھی عین ہونے اور کبھی غیر ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے - جسوقت پرہلاد مراقبہ مین جاکر خدا کو اپنے مین جانتے تھے تو وہ مین اور تو کے خیال کو بھول کر اپنے اور خدا کے عین ہونے کے آنند مین ڈوب جاتے تھے مگر جو ہین وہ مین اور تو کے قید مین پھنسکر باہر نظر ڈالتے تھے تو اُنکو خدا کا جلوہ نظر آتا تھا جسکے وصف مین وہ فوراً اپنی زبان کو تر کرتے تھے - چنانچہ روایت ہے کہ جب پرہلاد کے سنگدل اور ظالم باپ نے اُنکو سخت اذیتین پہونچائین اور دریا مین پھینک دیا اور بڑے بڑے پہاڑون اور پتھرون سے اُنکو توپ دیا اُسوقت اُنھون نے خدا کی ایک ستایش کی تھی جو یہ ہے -

"مین سجدہ کرتا ہون تجھکو جو خداوند عالم ہے جو رحیم ہے کریم ہے اور جو برہمنون اور جانورون دونون پر یکسان مہربان ہے جو برہما ہوکر عالم کو پیدا کرتا ہے - وشنو ہوکر اُسکو قائم رکھتا ہے اور رودر یعنی شیو ہوکر اُسکو اپنے مین فنا کرتا ہے - سب تعریفین سزاوار ہین تجھکو جو تمام ملائک و جنات و انسان و حیوانات و طیور و نباتات و جمادات - پانی - آگ - ہوا اور آکاس بُو و خوشبو و آواز و قوت خیال و ادراک وغیرہ وغیرہ کا اصلی جوہر ہے تو صرف اُنکا جوہر ہی نہین بلکہ تو ہی یہ سب کچھ ہے - یوگی تیرا ہی دھیان کرتے ہین - تو وہ ہے جسکا نہ کوئی نام ہے اور نہ شکل اور پھر تیرے ہزارون نام ہین اور ہزارون شکلین ہین تیری کوئی صفت نہین ہے بجز اسکے کہ تو ہی ایک حقیقت ہے جو ہے" اسقدر ستایش کرنے کے بعد پرہلاد خدا کے دھیان مین ڈوب کر یہ سوچنے لگے "وہ خداوند عالم جسکی مین بار بار ستایش کرتا ہون وہی ہر شے مین ہے چونکہ وہ سب مین سایر و دایر ہے اسلئے

وہ مجھ مین بھی ہے - نہین نہین وہ مین ہی ہون - مجھ ہی سے سب چیزین ہین مین ہی وہ ازلی و ابدی و غیر متغیر شے ہون جسکا نام آتما ہے مین ہی وہ ہون جسکو برہم یا پُرش وغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہین"۔

جب پرہلاد کی حالت استغراق اس درجہ کو پہونچ گئی تو اُنھون نے یہ جانا کہ مین ہی خدا ہون اور کوئی دوسرا خیال وہان نرہا - جب وہ اس عالم مدہوشی سے جاگ کر ہوش مین آئے تو دیکھنے کیا ہین کہ جو پتھرون اور پہاڑون کے انبار اُنپر پڑے ہوئے تھے وہ سب اُنپر سے ہٹ کر الگ پڑے ہین اور اُنکے جسم کو ذرا بھی صدمہ نہین پہونچا ہے - وہ یہ حالت دیکھکر پھر خداوند حقیقی کو اپنے سے جُدا سمجھکر اُسکی توصیف اسطرح کرنے لگے "مین سجدہ کرتا ہون تجھکو اے خداوند عالم جو تمام اشیاء کا کیا کثیف اور کیا لطیف اور کیا پدید اور کیا ناپدید کا جوہر ہے اور جو تمام عالم کی روح ہے اور جو اس تمام موجودات کی علت ہو کر بھی پھر علت نہین ہے"۔

اوپر جو حالت بیان ہوئی یہ وہ حالت ہے جہان عارف و عاشق یعنی گیانی اور بھگت دونون مل جاتے ہین - گیانی تو حقیقت مین اپنے کو عین خدا ہی سمجھتے ہین اور بھگت عالم مدہوشی مین - ایسی حالت مین خدا کو ڈھونڈنے کے لئے ہمین کہین جانے کی ضرورت نہین - یہ خیال اُن لوگون کے نزدیک بہت ہولناک ہے جو خدا کو پردہ کے پیچھے یا کسی خاص مقام پر دیکھنے کی تمنا رکھتے ہین اور جو ڈھکا ہوا ہے اور کہین نظر نہین آتا ہے - واضح ہو کہ سوائے اگیان یعنی لاعلمی کے اور کوئی پردہ نہین ہے - پردہ ہے تو اسی لاعلمی کا جو ہمکو خدا سے جدا کئے ہوئے ہے - جسوقت عارف یا عاشق کو اپنے اور خدا کے ایک ہونے کا علم ہوا تو وہ اس دُنیا کو قید خانہ نہین خیال کرتا ہے - یہ دُنیا اُسکے لئے کھیل کی جگہہ ہو جاتی ہے - ایسی حالت مین وہی دُنیا اُسکے نزدیک بہشت ہے جو پہلے دوزخ سے بدتر تھی -

ہندوؤن مین عشق و معرفت یعنی بھگتی اور گیان کا مناظرہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے - کوئی معرفت کا معتقد ہے اور کوئی عشق کا - اسکے متعلق ہمارے سوامی جی نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے -

"جن لوگون نے طریقۂ عشق ہی کو معرفت پر ترجیح دیکر اختیار کیا ہے اُنہین ایسے طریقہ اختیار کرنے دو کیونکہ آپ لوگون کو ہمیشہ یہ جاننا چاہئے کہ یہ جوش بھرے آدمی سچائی کیلئے آپ کی تعریف کی پروا نہین کرتے - اُنکی نگاہ مین خدا کوئی ایسی چیز ہے جسکو وہ چھو سکتے ہین دیکھ سکتے ہین سنتے ہین اور پیار کرتے ہین - وہ اُسکی تنقیح کرنا نہین چاہتے - آپ کا فلاسفر جو سب باتون کی تنقیح کرنا چاہتا ہے مثل اُس احمق کے ہے جو کسی خوبصورت تصویر یعنی مورت کو دیکھکر اُسکے ٹکڑے اسلئے کرنا چاہتا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ وہ مورت کس چیز سے بنی ہوئی ہے اگرچہ ہم جانتے ہین کہ فلاسفی یہ کہتی ہے کہ حقیقت مین ایک ہی ذات مطلق ہے جو تمام صفات و قیود و جسم کے خیال سے مبرا ہے تاہم ہمارے طبائع کا میلان کچھ کچھ مادی باتون کیطرف ہے - ایسی کسی چیز کیطرف جسکو ہم اپنے حیطۂ خیال مین لاسکین اور جسکے قدمون پر ہم اپنے جوش کا دریا بہا سکین اور اسکے لئے ایک شخصی خدا چاہئے - ایک عارف کے نزدیک خدا گیان اور آنند سروپ ہے یعنی وہ سراپا علم و سراپا سرور ہے لیکن ایک عاشق کے نزدیک وہ پریم سروپ یعنی عشق مجسم ہے جو سچے عُشاق ہین اُنکو شخصی خدا کی نسبت ایسے کسی خیال کی پروا نہین ہوتی کہ وہ قادر مطلق ہے - رحیم مطلق ہے وغیرہ وغیرہ اُنکو جس بات کی پروا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ مجسم عشق ہے - یہ ایک بڑا استدلال اُن لوگون کا ہے کہ وہ عشق کے لئے عشق کرنا چاہتے ہین - وہ عشق مین کسی بنج بیوپار کو دخل نہین دیتے

یعنی یہ کہ وہ اپنی محبت کے بدلے مین کوئی معاوضہ نہین چاہتے دولت نہین چاہتے اولاد نہین چاہتے اُنکے نزدیک عشق ہی سب سے بڑا معاوضہ عشق کا ہے"

عشق حقیقی کو پہونچنے کے لئے دو راستے ہین ایک ویراگ یعنی ترک خواہشات اور دوسرا انوراگ یعنی طلب خواہشات - ویراگ یعنی ترک خواہشات کیا ہے حواس خمسہ کو خواہشات نفسانی سے ہٹا کر دل کو خدا کی محبّت مین ڈبو دینا - اسکے یہ معنی ہین کہ جو نفس ہے وہ طرح طرح کی خواہشات مین لپٹا رہتا ہے اور ان خواہشات کے ساتھہ اُسکو گہرا تعلق رہتا ہے - ان تمام محبتون سے دل کو ہٹا کر اُس سب سے بڑی اور اعلیٰ محبّت مین جو صرف خدا کیلئے ہوتی ہے اپنے من کو پھنسانا چاہیے - یہ ویراگ یعنی ترک دل سے ہونا چاہیے اور نہ کہ محض عمل سے - یہ طریقہ گوسائین تلسی داس کا تھا -

دوسرا طریقہ جو انوراگ کا ہے اُسمین یہ ہدایت ہے کہ تم اپنی بیوی سے محبت کرو - بچّون سے محبّت کرو - دوستون سے محبّت کرو - تمام عالم سے محبت کرو - کیونکہ محبّت ہی بڑی چیز ہے اور ان سب سے محبّت کرنے مین خدا ہی کی محبت کا اظہار ہے اسلئے کہ تمہارے پیارے ہری کی جوت ان سب مین ہے اسطرح تم مین خود بخود وہ محبّت پیدا ہو جائیگی جو خدا کے ساتھہ ہونی چاہیے - ایسی حالت مین عاشق کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ باقی دوسری محبتین خود بخود مبدّل بہ محبّت خدا ہو جاتی ہین - نہ اسطرح کہ دوسرون کے ساتھہ نفرت ہو جاے بلکہ اسطرح کہ محبّت ابنائے جنس اور محبّت خدا کے درمیان کوئی تمیز باقی نہین رہتی ہے - یہ طریقہ مہاتما سُورداس کا تھا جنکا ایک شعر ہمنے اس مضمون کے عنوان پر درج کیا ہے - یہ طریقہ آسان تر ہے - اور زیادہ مقبول ہے -

پربھولال

رہنمایانِ ہند

رہنمایانِ ہند کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھکو وہ ازمنۂ قدیم یاد آتے ہین جنکی یادگارین تاریخ نے نہین قائم کین - اور روایتین سلف کے تاریک پردہ سے واقعات کو باہر لانیکی کوشش کرتی ہین - اور کامیاب نہین ہوتین - ایسے بزرگون کی تعداد ہمارے ملک مین بیشمار ہے - کیونکہ مدتہاے دراز سے ہمارے دیس کی خاک پاک سے اہل کمال پیدا ہوتے چلے آئے ہین اسلئے آج مین اُنہین سے چند ایسے ممتاز مہاتماؤن کے حالات بیان کرونگا جنہون نے وقت کے صفحہ پر اپنی مہرین ثبت کر دی ہین - سب سے پہلے مجھے اپنی قدیم کتابون کے متعلق چند باتین کہنا ہین - ہماری کتابون مین صداقت کے دو معیار پائے جاتے ہین - اوّل وہ جسے ازلی کہتے ہین اور جو زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے - اور دوسرا اگرچہ ایسا اہم نہین ہے - مگر خاص خاص حالتون - مکانون اور زمانون مین ویسا ہی حکم رکھتا ہے - قسم اوّل کی صداقتین جو روح اور پرماتما کی ماہیت - اور آتما اور پرماتما کے درمیان تعلقات سے بحث کرتی ہین وہ شُرتیون مین درج ہین جنہین وید کہتے ہین - قسم دویم کو سمرتی کہتے ہین - جسکی تفصیل منو - یاگ بلک اور دوسرے رشیون کی تصانیف مین پائی جاتی ہے - حیاتِ انسانی کے مقاصد و انجام کے بنیادی اصول ویدون مین بیان کر دئے گئے ہین -

اور اُنکی تشریح و تفصیل سمرتیون اور پُرانون کے لیے چھوڑ دی گئی ہے ۔ زندگی کے لئے عام اصول شُرتیون مین کافی طور پر موجود ہین ۔ روحانیت کے متعلق نہ اُس سے زیادہ کوئی کہہ سکتا ہو اور نہ جان سکتا ہے ۔ وہ تمام ہدایتین جو روح کو عرفان تک پہونچانے کے لیے لازم ہین شُرتیون مین تکمیل کو پہونچا دی گئی ہین صرف تفصیلین باقی رہ گئی تھین ۔ اور یہ کمی وقتاً فوقتاً سمرتیون کے ذات سے پوری ہوتی رہتی ہے ۔ دوسری خصوصیت شُرتیون کی یہ ہے کہ جن ارباب کمال نے اُسے جامہ وجود پہنایا یا اُنکا اُسمین کہین ذکر نہین آتا ۔ انمین سے بیشتر مرد اور بعض عورتین بھی ہین ۔ مگر اُنکی ذاتیات ۔ اُنکی پیدایش اور سوانح پردۂ خفا مین مستور ہین لیکن اُنکے بہترین گوہر خیالات ۔ اُنکی بہترین تحقیقاتین سب ہمارے مقدس ویدون مین محفوظ ہین ۔ اسکے برعکس سمرتیون مین شخصیتین زیادہ نمایان ہین ۔ بڑے بڑے اہل کمال جو اپنی طاقت سے دُنیا کو ہلا سکتے تھے ۔ اور قوانین فطرت کو بھی پلٹ دیتے تھے ۔ وہ پہلی بار ہماری نگاہون کے سامنے آتے ہین ۔ اُنکے ذاتی فضائل بعض اوقات اُنکی تلقینات پر بھی غالب آجاتے ہین ۔

ہمارے مذہب مین نرگن پرماتما اور سگن پرماتما کی یکسان تعلیم دی گئی ہے ۔ لیکن شُرتیان جو ہمارے مذہب کی دیوارین ہین شخصیت سے پاک ہین یعنی وہ نرگن پرماتما کی تعلیم دیتی ہین ۔ دیوتا ۔ اور اوتار اور رشی ہمکو سمرتیون اور پُرانون ہی مین نظر آتے ہین ۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ سوا ہمارے مذہب کے دُنیا کے کُل دیگر مذاہب اپنے بانی یا بانیون کی ذات اور شخصیت پر قائم ہین ۔۔۔

....

.... اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان مذاہب مین اُنکے بانیون کے ذاتیات اور سوانحات کے متعلق تاریخی شہادتون پر خوب بحثین ہوتی ہین ۔ اگر کسی وقت یہ تاریخی شہادتین کمزور پڑ جائین تو ان مذاہب کی ساری عمارت معرض خطر مین آجائیگی ۔ ہم ان خطرون سے آزاد ہین ۔ ہمارا راستہ ان خندقون اور غارون سے پاک ہے ۔ کیونکہ ہمارا مذہب شخصون پر نہین بلکہ اصولون پر قائم ہے ۔ ہم اپنے مذہب کی پیروی اسلئے نہین کرتے کہ اسکا بانی کوئی رشی یا کوئی اوتار ہے ۔ سری کرشن ویدون کی سند نہین ہین ۔ بلکہ وید ہی اُنکی سند ہین ۔ اُنکی عظمت صرف اسلئے ہے کہ وہ وید کی تعلیم دینے والے تمام رشیون مین سب سے زیادہ مقتدر اور ممتاز ہین ۔ دوسرے اوتارون اور رشیون کا بھی یہی حال ہے ۔ ہمارا پہلا اصول یہ ہے کہ انسان کی تکمیل اور تزئین ۔ اور حصول نجات کے لئے جن ہدایات کی ضرورت ہے وہ سب ویدون مین موجود ہین ۔ اُن پر ایزاد یا اضافہ کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے ۔ مذہبی تعلیم اسیوقت درجۂ انتہا کو پہونچ گئی جب ویدون نے مسئلہ "تت توم اسی" پر روشنی ڈالی ۔ اب صرف انسان کو وقتاً فوقتاً زمان و مکان حالات اور اتفاقات کے مطابق رہنمائی کرنے کی ضرورت باقی رہ گئی ۔ یہ بڑے بڑے صاحب کمال رشی اسی لئے مبعوث ہوئے کہ انسان کو قدیم راستہ سے منحرف نہونے دین ۔ اور بھولے بھٹکون کو سیدھے راستے پر لگائین ۔ اسی نکتہ کو سری کرشن بھگوان نے بھگوت گیتا مین بڑی صفائی سے بیان فرمایا ہے ۔

"جب نیکی کا زوال ہوتا ہے ۔ اور بدی غالب آجاتی ہے تو مین
نیکی کی محافظت کے لئے اوتار لیتا ہون"

پس ایک طرف تو یہ ازلی اصول ہین جنکی بنیادین پہاڑون سے زیادہ مستحکم ہین ۔ اور جنہین کسی رشی کی خواہ وہ کیسا ہی کامل ہو ۔ یا کسی اوتار کی خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ۔ سہارے کی مطلق ضرورت نہین ۔ حتیٰ کہ وہ دلیل اور مباحث کے قیود سے

یعنی آزاد ہین - اسی بنیاد پر ہم دعویٰ کرتے ہین کہ صرف ویدانت ہی دُنیا کا عام مذہب ہو سکتا ہے - بلکہ اسوقت بھی اُسے یہ شرف حاصل ہے - کیونکہ وہ اصولون کی تعلیم دیتا ہے - نہ کہ شخصون کی - کوئی مذہب جسکی جڑ شخصیت پر قائم ہو کُل اقوام دنیا مین مقبول نہین ہو سکتا - تجربہ شاہد ہے کہ ایک ہی شہر کے باشندے وہان کے سربرآوردگان مین مختلف اشخاص سے عقیدت رکھتے ہین پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی شخص یا ایک ہی پیمبر کے ساتھ ساری دُنیا کو عقیدت ہو جاے - یہی نہین بلکہ اخلاق اور روحانیت اور معاشرت پر اُسی ایک شخص کا قول سند سمجھا جاوے - ہمارے ویدانت مت کے لئے ایسے شخصی شہادت کی مطلق ضرورت نہین - اسکی سند انسان کی فطرت ہے - اور اُسکے اخلاقی اصول انسان کی روحانی حقیقت پر مبنی ہین -

مگر اسکے ساتھ ہی زمانۂ قدیم سے ہمارے رشیون پر یہ امر روشن تھا کہ بنی نوع انسان کے ایک معتد بہ حصہ کے لئے شخصیت کی ضرورت ہے - اُنکے لئے کسی نہ کسی صورت مین سگن پرماتما کا ہونا ضروری ہے - خود بُدھ بھگوان کو جنہون نے سگن پرماتما کے وجود سے انکار کر دیا تھا اُنکے عقیدتمندون نے اُنکی وفات کے پچاس ہی برس بعد سگن ایشور مان لیا - اس سے واضح ہوا کہ دنیا مین سگن پرماتما کے بغیر کام نہین چل سکتا - مگر ایسے پرماتما کا خیالی معیار قائم کرنا انسان کے دائرہ تخیل سے بہت ارفع ہے - ہان کبھی کبھی اسی دُنیا مین ایسی پاک روحین پیدا ہو جاتی ہین جنکی عظمت کو پہونچنا ہمارے خیالی معیارون کے لئے غیر ممکن ہے - یہ لوگ بمقابلہ کسی فرضی یا خیالی پرماتما کے جسے ہمارے تخیل نے بنایا ہو بدرجہا قابل پرستش ہوتے ہین - سری کرشن بھگوان پرماتما کے اُس خیالی معیار سے کہین زیادہ بزرگ اور برتر ہین جو ہم یا آپ قائم کر سکتے ہین - بُدھ بھگوان اُن بلندیون سے بدرجہا عالی اور برتر ہین جہان تک ہمارا طائر فکر پہونچ سکتا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ ان بزرگون کے روبرو ساری دُنیا سر عقیدت خم کرتی ہے - ہمارے رشیون کو یہ خاصۂ انسانی معلوم تھا - اور اسی لئے اُنہون نے بھگوان پاک روحون کی پرستش کرنے کی پوری آزادی دیدی - کرشن بھگوان خود فرماتے ہین -

"جب کبھی کسی آدمی مین غیر معمولی روحانی طاقت کا جلوہ دیکھو تو یقین کرو کہ مین وہان موجود ہون - وہ طاقت میرے ہی وجود کا مظہر ہے"

اس لحاظ سے ہندو دُنیا کے سب اوتارونکی پرستش کرنے کے لئے آزاد ہین - ہندو دنیا کے ہر ایک نبی اور ہر ایک پیغمبر کی پرستش کر سکتا ہے - ہمارا مذہب عام ہے - وہ اسقدر جامع اور وسیع ہے کہ اُسمین عظمت کے سبھی معیار شامل ہین - ویدانت کے سینۂ بے پایان مین دنیا کے تمام موجودہ مذاہب کے لئے جگہ موجود ہے - اور آیندہ بھی جو مذاہب وجود پذیر ہونگے اُنہین بھی اپنا جزو بنانے کے لئے ویدانت تیار رہیگا -

دُنیا کی ارواح عالیہ - یا پرماتما کے اوتارون کے متعلق میرے یہی خیال ہین - ان اوتارون کے علاوہ درجۂ دوم کے بزرگ بھی ہوتے آئے ہین - انہین رشی کہتے ہین - ہکو ویدون مین لفظ "رشی" بار بار ملتا ہے - اور آجکل یہ بہت ہی عام لفظ ہو گیا ہے - رشی کے معنی ہین خیالات کا جاننے والا - روشن ضمیر - عالم اسباب ہکو روح اور پرماتما کے وجود - حیات ابدی مقصد زندگی اور ایسے ہی دیگر مسائل کے متعلق کچھ نہین بتلا سکتا - وہ ہمیشہ حالت تغیر مین رہتا ہے - وہ محدود - اور اجزا مین منتشر ہے - پس وہ غیر فانی - ازلی پرماتما سے کیونکر بحث کر سکتا ہے یہ امر ناممکن

ہے - ایسی حالت مین وہ ست گیان جس سے وید لبریز ہو رہے ہین کیونکر پیدا ہوا - جواب یہ ہے کہ رشیون کی برکت اور وسیلے سے - یہ گیان حواس ظاہر مین مضمر نہین ہے - بلکہ وجود انسانی کی علت غائی ہے - حواس ظاہر ہرگز انسان کا جوہر نہین - ہماری ہی زندگی مین جب ہماری آنکھون کے سامنے ہمارا کوئی عزیز اس جہان سے اُٹھ جاتا ہے - یا جب ہمارے دل پر اور کوئی آفت نازل ہوتی ہے - تو ہمارے دلون پر ایک عالم سکون طاری ہو جاتا ہے - ایسے ہی اور بھی موقع آتے ہین جبکہ ہمارا دل ایک لمحہ کے لئے اپنی حقیقت محسوس کرتا ہے - اور اُسے نور تجلّی کی ایک جھلک سی نظر آجاتی ہے - رشی کا درجہ حاصل کرنے کے لئے انہین محسوسات کے تزکیہ اور تکمیل کی ضرورت ہے - ہندوؤن کو زمانۂ قدیم سے معلوم تھا کہ روح حواس ظاہر یا ادراک کے احاطہ مین محدود نہین ادراک ہمارے وجود کے سلسلۂ بے پایان کی ایک کڑی ہے - ادراک ہماری ہستی کا ایک جزو ضعیف ہے - ارباب کمال میدان ادراک سے آگے بڑھنے کے لئے کمر ہمت باندھتے ہین - ادراک تو حواس ظاہر کے حلقہ مین گھرا ہوا ہے - انسان کو حقائق معرفت کا گیان حاصل کرنے کے لئے اس عالم ادراک - اس احاطۂ حواس سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے - اور ہند مین آج بھی ایسے لوگ موجود ہین جو حواس کے گھیرے سے باہر نکلنے مین کامیاب ہو جاتے ہین - انہین کو رشی کہتے ہین - کیونکہ وہ روحانی حقائق کو نگاہ باطن سے دیکھتے ہین -

ہندوستان کی خاک سے بڑے بڑے رشی اور مہاتما کے اوتار اُٹھ چکے ہین - جنہین بالخصوص دو اوتارون کی گھر گھر پرستش کی جاتی ہے - رام اور کرشن - رام جو صداقت اور اخلاق مجسم تھے - جو بیٹے - شوہر - باپ - اور فرمانرواے قوم کے اعلیٰ نمونہ اور بہترین مثال تھے - اُنکے گُن رشی والمیک نے گائے ہین - اُس سے زیادہ پاکیزہ اور روشن - فصیح اور سلیس کوئی انداز بیان نہین ہو سکتا جو اس فخر شعراے روزگار نے سری رام کے بعینہٖ کیا ہے - اور مہارانی سیتا کا کن الفاظ مین ذکر کیا جاے - ساری دُنیا کی داستان ہاے پارینہ کا مطالعہ کر جاؤ - مگر تمہین دوسری سیتا ہرگز نہ ملیگی - اور مین تمہین یقین دلاتا ہون کہ آنیوالے زمانہ مین بھی شعرا کے دماغ اور قلم تمہارے سامنے کوئی ایسی مثال ہرگز نہ پیش کر سکینگے - سیتا یگانۂ روزگار ہے - رام شاید کئی ہو گذرے ہین - مگر سیتا واحد ہے - اُسکا کوئی جواب نہین - ایک کامل ہندوستانی عورت مین جو اوصاف ہونے چاہئین وہ سب سیتا کی ذات مین مجتمع ہو گئے ہین - اور سارے بھارت ورش مین آج ہزارون برسون سے اس دیوی کی ہر فرد و زن اور بچہ پرستش کرتا چلا آتا ہے - یہ شاندار سیتا - یہ پاکیزگی سے بھی زیادہ پاک سیتا - یہ صبر اور حلم کی مورت ہمیشہ ہماری دیوی بنی رہیگی - وہ جسنے زندگی کی کڑی مصیبتین جھیلین - اور چہرہ پر میل نہ آنے دیا - وہ عفت اور عصمت کی تصویر - وہ خلق اللہ کی دیوی - وہ دیوتاؤن کی ماتا - اسے ہم ابد تک اپنی قومی دیوی مانتے رہینگے - اُنکے کمالات سے ہم سب واقف ہین - اور اُنکے اعادہ کی بیان ضرورت نہین ہے - ہماری تمام پُرانی کتابین مٹ جائین - ہماری وید صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائین - اور سنسکرت زبان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے - لیکن جبتک دنیا مین پانچ ذی روح بھی ہندوؤن کے نام لیوا باقی رہینگے اسوقت تک مہارانی سیتا کا نام برقرار رہیگا -

اب ہم اُس مہاتما کا ذکر کرتے ہین جسکی اُپاسنا مختلف صورتون مین کیجاتی ہے - جو ہر مرد و زن اور برنا و پیر کا پیارا دیوتا ہے

میرا مطلب اُس بزرگ سے ہے جسکی نسبت سری بیاس جی فرماتے ہین ”دوسرے اوتارون مین پرماتما کے کچھ انش پائے جاتے ہین - مگر مہاراج سری کرشن شاکشات ایشور تھے“ اُنکے کمالات کی وسعت ہماری عقل کو حیرت مین ڈالدیتی ہے - وہ اعلیٰ درجہ کئے سنیاسی - اور اسی کے ساتھ اپنے فرائض کے پابند گرہست بھی تھے - انکی ذات مین بے انتہا مادی قوت کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز ترک اور استغنا کا اتصال ہوگیا تھا - اُنکے حالات کی حقیقت ہماری سمجھ مین نہین آسکتی تاوقتیکہ ہم بھگوت گیتا کے رموز و نکات کو بخوبی نہ سمجھ جائین - کیونکہ وہ اپنی ہی تلقینات کی شکل مجسم تھے - اُنہین اپنی ہدایات کا زندہ مثال کہہ سکتے ہین - ترک کی اس سے اعلیٰ مثال نہین ملسکتی - کیسا غنی دل ہے - دوسرون کو تخت اور تاج بانٹتا پھرتا ہے - مگر خود اسکی مطلق ہوس نہین - وہ جسکے ابرو کے اشارے سے سلطنتین بنتی اور بگڑتی تھین خود وہی آزاد - بے لوث اور غریب کرشن ہین جو گوپیون سے پیار کیا کرتے تھے - غور کیجیے - اُنکی زندگی کا کیسا حیرت انگیز پہلو ہے - جہان ہم ضعیف انسانون کی سمجھ نہین پہونچ سکتی - اور جسے سمجھنے کی کوشش کرنا ہمارے لئے بالکل بیکار ہے جبتک کہ ہم کامل طور پر پاک اور صاف نہو جائین - وہ محیط کل محبت کی کتھا - اور وسیع پریم کی کہانی - وہ بندرابن کی گلیون اور لب جمنا کے کنجون اور سایہ دار درختون کے جھگھٹے ہماری سمجھ مین نہین آسکتے جبتک کہ ہم شراب محبت سے متوالے نہو جائین - کون گوپیون کے ہجر و مفارقت کے صدمہ کا اندازہ کرسکتا ہے - محبت اُنکی جان و ایمان تھی - وہ محبت جو کسی چیز کی محتاج نہین - وہ محبت جو بہشت کی بھی پروا نہین کرتی - وہ محبت جو کونین کی نعمتون سے مستغنی ہے - اُنہین اسکی مطلق پروا نہین کہ کرشن خالق کونین ہین - وہ صرف اتنا جانتی ہین کہ اُنکی ذات محبت بے پایان ہے - وہ کرشن کو بندرابن کے کھلاڑی کرشن کے سوا اور کچھ نہین سمجھتین - وہ کرشن جو راجون کے مہاراجہ - اور فوجون کے سردار تھے - وہ گوپیون کی نگاہ مین سدا گوالے ہی بنے رہے - یہ محبت کا اعلیٰ معیار - محبت صرف محبت کی غرض سے - کام صرف کام کی غرض سے - فرض صرف فرض کی غرض سے - پہلی بار ایشور کے سب سے بڑے اوتار مہاراج کرشن کی زبان سے سرزمین ہند مین پیدا ہوا - اور اُسے دُنیا کی تاریخ مذاہب مین ایک قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہیے - اس معیار نے خوف اور دھمکیون کے مذہب کا خاتمہ کردیا - کیسی عالمگیر - کیسی محیط کل محبت ہے! مین ابھی کہہ چکا ہون کہ گوپیون کی محبت کی تہ تک پہونچنا بہت مشکل ہے - اور ہم مین ایسے بیخبرون کی کمی نہین ہے جو اس حیرت انگیز داستان الفت کے معنی اور اسرار سمجھنے سے قاصر ہین - بلکہ ہم مین کچھ ایسی پلید روحین بھی ہین جو اسمین کچھ اور ہی معنی پہنا کر اپنی روحانی غلاظت کا ثبوت دیتی ہین - ان لوگون سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ پہلے اپنے نفس کو پاک کرو - اور یاد رکھو کہ جسنے یہ پریم کہانی لکھی ہے وہ بیاس رشی کا فرزند سکھ دیو ہے - جسکی ذات دنیا کی تحریصات سے پاک تھی - اور جسکے دل پر گناہ کا کبھی اثر نہین ہوا - جبتک کہ تمہارے دل مین غرض کی بو موجود ہے تم پرماتما سے لو نہین لگا سکتے - غرضمندانہ عبادت تو لین دین ہے - جبتک ہمارے دل مین غرضمندانہ خیالات بھرے ہون کیونکر ممکن ہے کہ ہم گوپیون کی دیوانگی اور مدہوشی کے معنی سمجھ سکین - پیارو! پہلے مال و زر - نام و نمود اور دنیا کا خیال دل سے نکال ڈالو - تب گوپیون کا عشق تمہارے سمجھ مین آئیگا - وہ عشق اسقدر لطیف تھا کہ تم بغیر دُنیا سے دل ہٹائے اُسکا لطف نہین اُٹھا سکتے

اور ایسا پاکیزہ کہ جبتک آئینہ دل پاک نہو جاوے خیال مین بھی نہین آسکتا ... ہے کہ وہ لوگ جنکے دل حرص اور ہوس کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہین گوپیون کے پریم کو سمجھنے اور اُسمین معنی پنہانے کی کوشش کرتے ہین۔ یہی پریم کرشن کے اوتار کا زیور اور سنگار ہے۔ اس مدہوشی کے مقابلہ مین گیتا کی تلقینات بھی نہین ٹھہرتین۔ گیتا مین جگیا سو کو منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ بتلایا گیا ہے۔ لیکن وہ مدہوشی۔ وہ محبت کی دیوانگی۔ جہان گرد اور شش۔ عالم اور علم سب ایک ہو جاتے ہین۔ بجائے خود منزل مقصود ہے۔ جہان عذاب و ثواب۔ نیک و بد کسی کا وجود نہین باقی رہتا ہے حِس و خیال مٹ جاتا ہے اور صرف بیخبری باقی رہجاتی ہے۔ جب عاشق پر یہ مستی۔ اور خود فراموشی کی کیفیت آجاتی ہے تب اُسے ہر چہار طرف کرشن ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اُسکی صورت کرشن سے مل جاتی ہے۔ اور اُسکی آتما کرشن کے رنگ مین رنگ جاتی ہے۔ یہ مہاتما کرشن کی عظمت ہے۔ ذرا ذرا سی باتون پر تضیع اوقات مت کرو۔ بلکہ زندگی کے اصول اور اُسکے جوہر باطنی پر نگاہ رکھو۔

ممکن ہے کہ کرشن کے حالات مین ہمکو بہت سی باتین قرین قیاس نہ معلوم ہون۔ اور شاید تاریخی شبہات بھی کہین کہین پیدا ہون۔ مگر مذہب اور زندگی کے اس نئے معیار کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوگی۔ کسی دوسرے پیغمبر یا نبی کی زندگی کا مطالعہ کیجیے۔ وہ اپنے زمانہ کے خیالات و تمدن کا مظہر نظر آتا ہے۔ اور اُنہین خیالات کی اشاعت کرتا ہے جو اسکے ملک مین اُسوقت عوام کے دلون مین پیدا ہونے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اس نبی یا پیغمبر کے وجود پر بھی شک کرنیوالے لوگ نکل آتے ہین۔ لیکن کون ایسا شخص ہے جو انکار کرسکے کہ زندگی اور مذہب کا یہ رفیع معیار یعنی کام کام کی غرض سے۔ محبت محبت کی غرض سے۔ فرض فرض کی غرض سے۔ کرشن کی ذات پاک سے وجود مین نہین آئے۔ اُنکا موجد ضرور کوئی نہ کوئی ہوگا۔ کرشن کے زمانۂ طفولیت تک یہ معیار زندگی صفحۂ دنیا پر معدوم تھا۔ مہاراج کرشن نے پہلی بار انکی تلقین کی۔ اور اُنکے شاگرد بیاس رشی نے ان خیالات کو دنیا پر روشن کردیا۔ بندرابن کے گوال بنس والے کرشن گوپیون کے ساتھ بجرینوالے کرشن اس اوتار کی روح ہین جب وہ بیخبری ہمپر طاری ہو جائیگی۔ جب ہم مبارک گوپیون کے راز الفت سمجھ جائینگے۔ تب محبت کی حقیقت ہم پر روشن ہوگی۔ جب تمہاری نظرون مین ساری دنیا مٹ جائیگی۔ جب تمہارا باطن صاف اور بے غرض ہو جائیگا۔ حتیٰ کہ تمکو تلاش حقیقت کی بھی خبر نرہیگی تب اور تب ہی تمپر اس محبت کی دیوانگی کا غلبہ ہوگا۔

اب اس سے کمتر درجہ کے گیتا والے کرشن کو لیجیے۔ ہم مین سے اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کرشن کا گوپیون کے عشق مین سرشار ہونا کسیقدر معیوب سا معلوم ہوتا ہے۔ اور علمائے یورپ اسے پسندیدہ نگاہون سے نہین دیکھتے۔ ڈاکٹر فلان اور فلان نے اسپر اعتراض کیا ہے۔ اسلئے گوپیون کا ذکر نہ کیجیے۔ بغیر یوروپین علما کی سند کے ہم اس واقعہ کو کیونکر صحیح تسلیم کرسکتے ہین۔ مہابھارت مین بجز دو ایک موقعون کے گوپیون کا ذکر کہین نہین آیا۔ اور وہ بھی واضح طور پر نہین۔ دروپدی کی پرارتھنا مین چند الفاظ مین بندرابن کا ذکر آگیا ہے۔ اور سسپال کی تقریر مین بھی ایک جگہہ بندرابن کا نام ملتا ہے۔ مگر یقیناً یہ سب حریفون کی کارستانیان ہین۔ جو فضلاء یوروپ نہین مانتے۔ اُسکی قطع و بُرید کردینا چاہیے۔ حیف ہے کہ ایسے لوگ جو ہیوپار مین ڈوبے ہوئے ہین۔ جنکا معیار مذہب بھی

تجارت کے اثر سے محفوظ نہین ہے - جو اس دنیا مین نیک کام کرکے بہشت ہین جانیکی آرزو رکھتے ہین وہ گویا ہیون کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے ہین -

اس محبتِ کُل کرشن سے قطع نظر کرکے ہم گیتا کے مصنف کرشن کیطرف متوجہ ہوتے ہین - اس حیثیت مین بھی وہ ذات عالی انتہاے کمال پر پہونچی ہوئی ہے - گیتا سے بہتر اسرار حقیقت کی تصنیف نہین کی گئی - اور نہ کیجا سکتی ہے - سُرتیون اور اُپنشدون کے مفسّر اس کثرت سے گذرے ہین کہ پردۂ ابر مین ماہتاب تک نگاہ کا پہونچنا غیر ممکن سا ہوگیا ہے - ہر مفسّر اپنے ہی خیالات کے موافق تفسیر کرتا ہے - ایسی حالت مین وہ ذات برحق جس سے سُرتیون کا وجود ہوا خود گیتا کے معلّم کی حیثیت سے دنیا مین جنم لیتا ہے - اور اصلی معنی ہمپر روشن کرتا ہے - تعجب ہے کہ زمانۂ مابعد کے مفسّر بھی گیتا کی تشریح کرینمین اکثر اُسکے مفہوم اور موضوع تک نہین پہونچ سکتے - گیتا مین کچھ اور لکھا ہے - اور یہ زمانۂ حال کے ٹیکا کار کچھ اور کہتے ہین - ایک ”ادویت“ مت کا پیرو کسی اُپنشد کی تشریح کرنے بیٹھتا ہے - اور اُسے جتنے اشلوک ”دویت“ خیال کے ملتے ہین - ان سبھون کو توڑ مروڑ کر اپنے ہی خیال کے موافق معنی لگا لیتا ہے - علیٰ ہذا ”دویت“ عقیدہ کا عالم ادویت خیال کے اشلوکونکو مسخ کرکے اپنے رنگ مین ڈھال لیتا ہے - مگر گیتا مین سارے نکتے آئینے کی طرح روشن کردئے گئے ہین - اور اُسکا لُب لباب چند الفاظ مین یہ ہے کہ روح انسانی بتدریج قدم بہ قدم کثیف سے لطیف - اور لطیف سے لطیف تر مدارج پر پہونچتی ہوئی بالآخر ذات مطلق مین وصل ہوجاتی ہے - کرم[۱] کانڈ سے بھی بحث کی گئی ہے - اور ثابت کیا گیا ہے کہ بلا خلوص قلب کے وہ ذریعۂ نجات نہین ہوسکتا - مورتی پوجن - اور مراسم دینی جائز تسلیم کئے گئے ہین صرف صفائی قلب درکار ہے - عبادت اُسی حالت مین وسیلۂ نجات ہوسکتی ہے جبکہ باطن صداقت سے معمور - اور دل کثافت سے دُور ہو - عبادت کے مختلف طریقے - مختلف اُپاسنائین سبھی ضروری ہین ورنہ اُنکا وجود ہی نہوتا - ہماری نئی روشنی کے اکثر نوجوان خیال کرتے ہین کہ یہ مختلف فرقے اور مذاہب غرضمندون اور مکّارون نے دُنیا کمانے کے لئے بنا رکھے ہین - اُنکا یہ خیال بادی النظر مین کیسا ہی صحیح نظر آتا ہو مگر واقعیت کے برعکس ہے - فرقے اور مذاہب کی ابتدا یون نہین ہوئی - وہ سب روح انسانی کے رجحانات کے نتیجے ہین - وہ سب دنیا کے مختلف طبائع کی تسکین و تشفی کرنیوالے ہین - اور تمہین ان مین عیب ڈھونڈھنے کی ہرگز کوشش نہ کرنی چاہیے - جس دن اُنکی ضرورت باقی نہ رہیگی وہ خود بخود صفحۂ ہستی سے مٹ جائینگے - مگر جبتک اُنکی ضرورت رہیگی وہ ضرور قائم رہینگے - خواہ تم اُنکی کتنی ہی مخالفت کرو - اور کتنے ہی عیوب نکالو - توپین اور بندوقین مُنہ سے آگ برسائین - تلوارون سے خون کی ندیان بہین - مگر جبتک ان مورتیون اور فرقون کی ضرورت موجود رہیگی - انہین کوئی مٹا نہین سکتا - اور بھگوان سری کرشن نے صاف صاف فرمایا ہے کہ انکا قائم رہنا برحق اور لازم ہے -

اب تاریخ ہند کا ایک افسوسناک زمانہ آتا ہے - فرقون کے عناد و فساد اور شور و شر کی آوازین گیتا ہی مین آنے لگی تھین - مہاراج کرشن کی وفات سے پہلے ہی عنصر فاسد نے پھر زور پکڑ لیا تھا - اور انکی مُلک پر جو طوفان آیا وہ مذہب کی بنیاد پر نہ تھا - بلکہ ذات پانت کی تفریق پر - برہمن اور چھتری

[۱] - ریاضت -

جو ہندو سماج کے دو رکن اعظم ہیں اپنے اپنے احاطہ سے قدم باہر نکالنے لگے ۔ اور نتیجہ وہی ہوا جو ایسی حالتوں میں اکثر ہوا کرتا ہے ۔ تقریباً ایک ہزار برس کے طوفان اور سیلاب کے بعد ایک اور بڑے مہاتما کا جنم ہوتا ہے ۔ اور یہ گوتم شاکیہ مُنی ہیں ۔ آپلوگ اُنکی تعلیم اور تلقین سے واقف ہیں ۔ ہم اُنکو ایشور کا اوتار مانتے ہیں ۔ حُسنِ اخلاق اور رحم کا جیسا اعلی معیار اُنھوں نے قائم کیا وہ پردۂ دنیا پر اور کہیں نظر نہیں آ سکتا ۔ وہ زبردست کرم یوگی تھے ۔ گویا خود مہاراج سری کرشن اپنے اصولوں پر عمل کرنے کے لئے اپنے ہی شاگرد بنکر دنیا میں آئے ۔ ایک بار پھر وہی پُر زور ۔ الوہیت سے لبریز آواز سُنائی دی جسنے گیتا میں کہا تھا "عورتیں ۔ اور ویش اور شودر سب اپنے اپنے کرموں کے مطابق نجات حاصل کرتے ہیں" گویا گیتا کی تلقینات کی زندہ مثال پیش کرنے کے لئے ۔ گویا اُسے عملی صورت میں لانے کے لئے ۔ گرو نے نیا سروپ دھارن کیا ۔ اور یہ شاکیہ مُنی تھے ۔ جنکا مقصد پامال قوموں کو سُدھارنا تھا ۔ جنھوں نے دیوتاؤں کی زبان کو خیر باد کہدیا ۔ تاکہ عوام کی زبان میں تعلیم دیکر اُنکے دلوں تک پہونچ سکیں ۔ جنھوں نے درویشوں اور بینواؤں کے لئے شاہی تخت اور تاج کو ترک کر دیا ۔ اور جو سری رامچندر کیطرح شودروں کو بھی چھاتی سے لگاتے تھے ۔ آپ لوگ اُنکے مہتم بالشان کام اور اُنکے اوصاف بالغہ سے بخوبی واقف ہیں ۔ لیکن اُنکے مشن میں ایک نقص تھا ۔ جسکا خمیازہ ہم ابتک اُٹھا رہے ہیں ۔ وہ ذات بابرکات اس نقص کے لئے جوابدہ نہیں کہی جاسکتی ۔ مگر بدقسمتی سے وہ غیر مہذب اور نیم وحشی قومیں جو آریوں کے حلقۂ اثر میں آ گئی تھیں مذہب کے ایسے اعلی معیار پر عمل نہ کرسکیں ۔ یہ قومیں جنکے توہمات اور عبادت کے طریقے جُدا جُدا تھے آریوں کے حلقہ میں آ کر ملگئیں ۔ اور کچھ دنوں تک ایسا معلوم ہوا کہ اُنکی خو بو تبدیل ہوگئی ہے ۔ مگر ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ اُنھوں نے وہ بھوت اور پریت اور سانپ بچھو اور لکڑی پتھر پوجنے شروع کئے جو اُنکے بزرگ پوجتے چلے آتے تھے ۔ اور اسطرح سارا ہندوستان توہمات اور بطلان کے ایک سیلاب میں غرق ہوگیا ۔ ابتداءً بودھوں نے جیو رکشا کے جوش میں ہوموں کی بھی ممانعت کردی تھی ۔ اُسوقت تک گھر گھر بخورات جلائے جاتے تھے ۔ اگن کُنڈ میں آگ جلتی رہتی تھی ۔ اور اسکے سوا پرستش کے اور لوازمات رائج نہ تھے ۔ مگر بودھوں نے یہ رواج مٹا کر اُنکی جگہہ عالیشان منادر ۔ اور نمایشی طریق عبادت ۔ اور زاہدانہ طمطراق ۔ اور عالی شان خانقاہوں کا رسم پھیلایا ۔ جنکے بچے کھچے اثرات اب بھی موجود ہیں ۔ جب میں آجکل کے مصنفین کو جنہیں زیادہ تحقیق سے کام لینا چاہئے تھا یہ لکھتے ہوئے پاتا ہوں کہ بودھ نے برہمنوں کی بُت پرستی کا خاتمہ کردیا تو مجھے ہنسی سی آتی ہے ۔ اُنہیں اسکی مطلق خبر نہیں کہ بودھ مت ہی نے ہندوستان میں بُت پرستی کی بنیاد ڈالی جگن ناتھ کا مندر بودھوں کا ایک پُرانا مندر ہے ۔ جینوں نے اسپر اور اسکے ساتھ اور بھی کتنے ہی مندروں پر دوبارہ ہندوؤں کی قلعی کی ۔ خیر ۔ باوجود اہنسا کی تعلیم کے ۔ باوجود رفیع اخلاقی معیار کے ۔ باوجود اُن موشگافیوں کے جو پرماتما کے "آدی" یا "اناد" ہونے کے متعلق ہوتی رہتی تھی ۔ بودھ مت کی عالیشان عمارت منہدم ہوگئی ۔ اور اُسکے در و دیوار شکستہ کی جیسی مٹی پلید ہوئی اُسکا ذکر فضول ہے ۔ انتہا درجہ کا کراہیت آمیز طریق پرستش ۔ انتہا درجہ کی فحش کتابیں ۔ اور مذہب کے پردے میں انتہا درجہ کی غلیظ حرکتیں ۔ یہ سب بودھ مت کے زوال کے تبرکات ہیں ۔

لیکن بھارت ورش کو دُنیا مین ابتک قائم رہنا تھا- اور ایشور نے پھر اوتار لیا- وہ جسنے فرمایا تھا کہ "جب کبھی نیکی کو زوال ہوتا ہے تو مین دُنیا مین آتا ہون"- پھر آیا اور اب کی بار یہ شرف جنوبی ہند کو حاصل ہوا- وہ نوجوان برہمن جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ سولھوین ہی سال مین اُسکی تمام اعجاز نما تصنیفین مکمل ہوگئی تھین جنوبی اُفق سے آفتاب درخشان بنکر نکلا- یہ تصنیفات آجتک عجائب روزگار ہین- سری شنکر اچارج کا معیار یہ تھا کہ ہندوستان کو اس اخلاقی رتبہ پر پہونچائین جہان وہ ابتدائے آفرینش مین تھا- خیال کیجیے کیسی نظر وسیع اور ہمت بلند تھی- مین نے اُسوقت کی حالت کا چند لفظون مین ذکر کیا ہے- یہ تمام نقائص تمدن اور معاشرت جنہین آج ہم اور آپ دائرۂ اصلاح مین لانا چاہتے ہین اُسی اخلاقی ادبار کے زمانہ کے آثار ہین- بلوچی- تاتاری اور دُنیا کی دوسری قومین ہندوستان مین آئین اور بودھ مذہب مین داخل ہوکر ہمارے ساتھ رہنے سہنے لگین- اُنکے مراسم اور معاشرت کا اثر ہمارے طرز تمدن پر اس حد تک پڑا کہ ہماری قومی زندگی مکروہ ترین حرکات وخیالات کا ایک صفحۂ عظیم بنگئی- قوم کی یہ حالت گویا نوجوان شنکر کو بدھون سے ترکہ مین ملی- اور ویدانت آج تک اُسی زمانہ کے بوئے ہوئے کانٹے کاٹ رہا ہے- شنکر نے اپنے زبردست فلسفہ کے زور سے ثابت کر دکھایا کہ ویدانت اور بودھ مت کی حقیقتون مین بہت زیادہ اختلاف نہین ہے- لیکن شاگردون نے اُستاد کا مطلب نہ سمجھا- اور آتما و پرماتما کے وجود سے منکر ہوگئے یہ تھا سری شنکر کی تعلیم کا ماحصل- اور بودھ لوگ اپنے پُرانے مت مین پھر آنے لگے-

تب سری رامانج نے جنم لیا- شاید سری شنکر باوجود حیرت انگیز ذہنی قوتون کے ایسی وسیع نگاہ نہ رکھتے تھے- رامانج کا دل زیادہ فراخ تھا- نیچ ذاتون کے درد سے اُنکا سینہ لبریز تھا- اُنھون نے طریق عبادت کے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا- اور حشو وزوائد کو خارج کرکے اُنکے بجائے نئے نئے مراسم جاری کئے- کیونکہ قوم کا جزو اعظم بلاظاہری مراسم کے نہ رہ سکتا تھا- اسکے ساتھ ہی اُنھون نے روحانی عبادت کا دروازہ برہمن اور نیچ ذاتون کے لئے یکسان طور پر کھولدیا- یہ تھا سری رامانج کا مشن- اور اس مشن کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے شمال تک جا پہونچا- وہان کے چند بزرگون نے اُسکی اعانت کی- اور رامانج کے زمانہ سے روحانیت کے معبد کو مرجع خاص وعام بنانے کی مسلسل کوششین ہوتی آئی ہین- جتنے اولیا اور رشی سری رامانج کے بعد آئے اُن سبھون نے یہی رویہ اختیار کیا- میری سمجھ مین نہین آتا کہ شنکر پر کیون نیچ ذاتون کو علیحدہ رکھنے کا الزام لگایا جاتا ہے- مجھے اُنکی تمام تصانیف مین اس الزام کی تائید نہین ملتی- غالباً اسکا سبب یہ ہے کہ بدھ بھگوان کے پیروؤن کی طرح سری شنکر کے عقیدتمندون نے بھی اُنکا مطلب نہ سمجھا-

اب مین شمالی ہندوستان کے اُس تقدس مآب رشی چیتنیہ کا تذکرہ کرکے تقریر کا خاتمہ کرتا ہون جو سری رامانج کے پُرزور حامی تھے- وہ خود ذات کے برہمن تھے- علما کے گھرانے مین پیدا ہوئے- اور منطقی مباحث مین اپنا وقت صرف کرنے لگے- یہی اُنکی زندگی کا شعار تھا- مگر یکایک کسی رشی کی دعا نے اُنکی زندگی کی رفتار پلٹ دی- اُنھون نے لفظی مباحث سے کنارہ کیا- اور بھگتی کے اعلیٰ درجہ کے گرو بنگئے- اُنہین لوگ دیوانہ چیتن کہا کرتے تھے- وہ گوپیون کی دیوانگی کے عاشق تھے- اُنکی بھگتی کی لہر بنگال مین شرق سے غرب تک پھیل گئی- اُن کا جذبۂ محبت وسیع تھا- اُسکی کوئی انتہا نہ تھی- نیک اور بد- ہندو و

مسلمان - اونچ اور نیچ سبھی اُنکی محبت اور ہمدردی مین شریک تھے - اور آج بھی اگرچہ اُنکا مت دُنیا کی ہر شے کیطرح ابتری کیحالت مین آگیا ہے - تاہم ابھی تک کتنے ہی بے ذات ہندو قوم کے مظلوم آدمی اُنکے نام لیوا باقی ہین -

سری شنکراچارج کا دماغ وسیع تھا اور سری رامانج کا دل - مگراب ایک ایسے رشی کے جنم لینا کا وقت آگیا جسکا دل و دماغ دونون وسیع ہو - جو ایک ہی قالب مین شنکر کا دماغ اور چیتن کا غیر محدود دل رکھتا ہو - جو ہر ایک فرقہ مین ایک ہی پرماتما کی قدرت کا جلوہ دیکھے - جسکی آنکھین غربا اور مساکین مظلوم اور خستہ حال آدمیون کی حالت پر آنسو بہائین - جسے ہر فرد بشر خواہ ہندوستانی ہو یا غیر ہندوستانی یکسان ہمدردی ہو - اور جسکی طبع عالی ایسے بلند خیالات کا منبع ہو جو تمام متضاد فرقون اور ذاتون کو صلح اور محبت کے رشتہ مین منسلک کرے - اور ایک ایسا مذہب وجود مین لائے جو دل و دماغ دونون کیلئے باعث تقویت ہو - وہ نفس عالی ہندوستان کی خاک پاک سے اُٹھا - اور مجھے اُسکی صحبت سے فیض اُٹھانیکا عرصہ تک شرف حاصل رہا - اُسکی زندگی کا کام ایک ایسی سرزمین مین شروع ہوا جو مغربی روش پر فریفتہ ہو رہی تھی - جہان کا ہر شخص مغربی خیالات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا تھا - جنپر ہندوستان کے دوسرے شہرون کے مقابلہ مین یوروپ کا جادو زیادہ اثر کرگیا تھا - یہ مرد کامل اُمّیِ محض تھا - اُسے اپنا نام لکھنے کی بھی قابلیت نہ تھی مگر یونیورسٹی کے بڑے بڑے علما اور پروفیسر اُسکی وسعت معلومات پر متحیر ہوجاتے تھے - وہ عجیب و غریب آدمی تھے - اُنکے سوانح زندگی بہت طول ہین - اور مجھے آج اتنی فرصت نہین کہ اُنکا ذکر کرون - سری رام کرشن کا نام آج آفتاب کیطرح چمک رہا ہے - اور غور کیجئے کہ کتنی زبردست روحانی طاقت اُنکے ذریعہ سے اپنا کرشمہ دکھارہی ہے - ایک مفلس پوجاری کا لڑکا جو ایک آبادی سے دُور کے گانون مین پیدا ہوا آج یوروپ اور امریکہ مین ہزارون آدمیون کا معبود بنا ہوا ہے - اور کل لاکھون اُسکے نام پر عقیدت سے سر جھکائینگے - اگر وقت آیا اور موقع ملا تو مین اپنے مرشد کا تذکرہ آپ لوگون سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کرونگا - اسوقت صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اگر میری زبان سے ایک لفظ بھی صداقت کا نکلا ہے تو اُسی ذات پاک کی فیضانِ صحبت کا اثر ہے -

(ترجمہ از سوامی ویویکانند) **نواب رائے**

امنِ ہند - یہ چھوٹی تقطیع کے دو سو صفحات کی کتاب ہے جو ایک ضروری مقصد پر مبنی ہے - ملک مین جاہلانہ بےچینی اور مجرمانہ حرکات کی ترقی دیکھکر ماسٹر شنکرداس صاحب تحصیلدار ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اور پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی رام نگر ضلع گوجرانوالہ نے ابنائے ملک کو مفید مشورے دئے ہین اور حکومت وقت کے احسانات اور دیگر امور ضروری کے تشریح کے بعد ملکی نوجوانون کو وفاداری حکومت کے فوائد سے آگاہ کیا ہے - ایسی کتابون کی اشاعت کی سخت ضرورت ہے - زبان اگرچہ بہت صاف نہین ہے اور لہجہ بھی کسی قدر سخت ہے تاہم ماسٹر صاحب کی کوشش قابل شکرگذاری ہے - قیمت فی جلد ۵؍

علامۂ جلال مغفور

پیدائش ۱۲۴۸ھ — وفات ۱۳۲۷ھ

حکیم سید ضامن علیصاحب جلال کی ذات بابرکات اُس دورِ کُہن کی آخری یادگار تھی جو اُنیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوکر بیسوین صدی کی ابتدا مین ختم ہوگیا۔ شاہ زمن غازی الدین حیدر لکھنؤ کے پہلے بادشاہ تھے جو ۱۸۱۴ء مین مسند آبائی پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ انہین کے عہد معدلت مہد مین لکھنؤ کی اُس شاعری کی ابتدا ہوئی جو دہلی کی شاعری سے بالکل جداگانہ تھی اور جسے یہین کا ایجاد کہنا چاہئے۔ اسی زمانے مین شیخ ناسخ مرحوم نے کوس لمن الملکی بجایا اور مروجہ زبان اور مذاق شاعری کی کایا پلٹ کردی۔

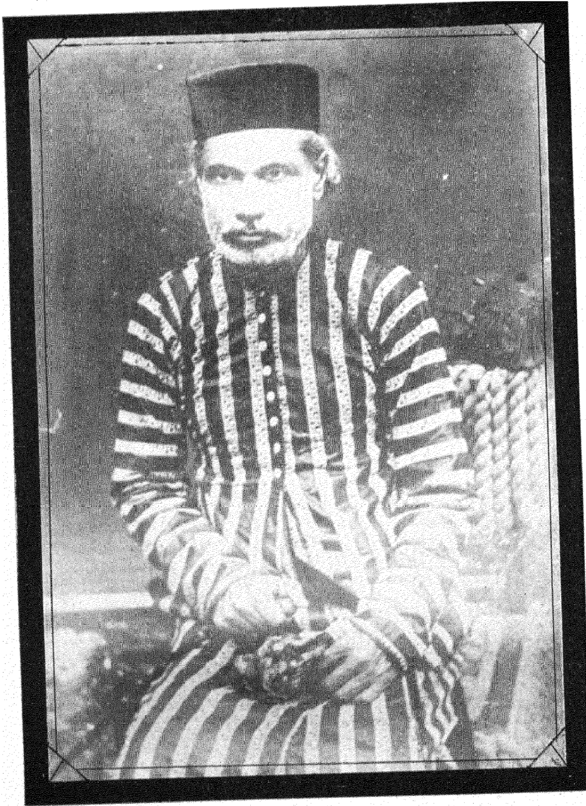
حضرت جلال اسی خاندان کے نام لیوا اور اُردو شاعری کے آخری ارکان ثلاثہ کے تیسرے رکن تھے۔ ان سے پہلے امیر و داغ کی وفات پر ہماری شاعری ماتم کرچکی ہے اور ابھی یہ دونون زخم تازہ تھے کہ اُسے تیسرا اور آخری زخم بھی اُٹھانا پڑا جو نہایت حسرتناک ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ ہی اُس طرز قدیم اور آداب فن کا بھی خاتمہ ہوگیا جنکی آیندہ نسلین آرزو کرینگی۔

جلال مغفور کی پیدائش کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب ناسخ و آتش کی اُستادی کے ڈنکے بج رہے تھے اور رند و صبا، وزیر، خلیل، رشک و برق ایسے جادو بیانون کی شہرت سے تمام لکھنؤ گونج رہا تھا۔ ہوش سنبھالا تو ہرطرف شاعر ہی شاعر نظر آئے اور جدھر کان لگاکر سُنا شاعری ہی کے دلکش ترانے سُنائی دئے۔ یہی لکھنؤ کی شاعرانہ زندگی کی معراج تھی اور یہی وہ خواب تھا جو خیالی دُنیا مین ابتک دیکھا جارہا ہے۔

بہرکیف حضرت جلال کی ابتدا شاعرانہ دھوم دھام کے زمانے سے ہوئی اور جس آب وہوا مین اُنہون نے پرورش پائی وہ اس فن کے لئے نہایت موافق تھی۔ جسطرح آج تھیئٹر اور بال کے جلسے تہذیب کے اعلیٰ ارکان مین داخل ہین اُسیطرح اُس زمانے مین شعر و شاعری کی صحبتین تہذیب کا جزو اعظم خیال کیجاتی تھین۔ اس سے بحث نہین کہ وہ حماقت پر مبنی تھین یا عقلمندی پر۔ کیونکہ ہر زمانے کی حماقت وعقلمندی ایک خاص حیثیت رکھتی ہے جسپر آیندہ نسلون کو نکتہ چینی کا کوئی حق نہین۔

جلال نے ہوش سنبھالا تو یہی میدان سامنے تھا۔ جوانی کے جوش اور زمانے کی ہوا نے اُنہین بھی اُسیطرف بڑھادیا۔ مگر یہ بالکل ٹٹ پونجئے شاعر نہ تھے بلکہ علوم متعارفہ کی دولت سے مالامال تھے۔ فارسی و عربی کی کافی استعداد کے علاوہ فن حکمت مین بھی دستگاہ رکھتے تھے اور یہ اُنکا آبائی پیشہ تھا۔ اُنکے والد حکیم سید اصغر علیصاحب ایک مشہور طبیب تھے اور اپنی شہرت کی بدولت روسار لکھنؤ کے علاوہ ریاست رامپور سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ جلال اپنے والد کی حیات مین ضروریات زندگی سے مستغنی تھے اسلئے اُنہین مشق شعر کیلئے کافی وقت اور عمدہ زمانہ ملا۔

لیکن یہ بیفکری زیادہ عرصے تک قائم نہین رہی ۱۸۵۷ء کا غدر وہ سیلاب تھا جو شمالی ہندوستان کے اکثر شہرون کے ساتھ لکھنؤ کی ساری کائنات بہالے گیا۔ لوگ بھاگڑ کے بعد



حضرت جلال مرحوم

جب شہر مین واپس آئے تو اُس فردوس مین خاک اُڑ رہی تھی جو حضرت آدم کے باغ ارم سے زیادہ پُر فضا اور مینو سواد تھا۔ مکانات کی جگہہ کھنڈرا اور محلّون کی جگہہ کفِ دست میدان تھے۔ جو نقد وجنس ساتھ تھی وہ راستے مین لُٹ گئی اور جو گھر مین دفن کر گئے تھے۔ اور جیبر بھاری بھاری تیغے لگا گئے تھے وہ بدمعاشون کی نذر ہوئی۔ بہتر کیف اچھے اچھے امیرون کے یہان بھی خاک پاک کی تسبیح اور بوریئے کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس تنگ وقت مین حضرت جلال نے اپنا موروثی پیشہ اختیار کیا اور اپنا مطلب شہر کے اُس مغربی حصّے مین کھولا جو شرفا اور عمائد شہر کی سب سے بڑی بستی تھی اور مدت سے علم وکمال کا گھوارہ بنا ہوا تھا۔ اس مغربی حصّے سے میری مراد اُس مقام سے ہے جو میان الماس کے عالیشان امام باڑے کی پشت پر واقع ہے۔ کبھی یہ مقام سارے شہر کا خلاصہ تھا لیکن آج خاک اُڑ رہی ہے اور انسان کیا جانور بھی اس منحوس زمین پر پانون رکھنا پسند نہین کرتے۔

اسی مقام پر ایک رئیس رہتے تھے جنکا نام بخشی نوندھ رائے تھا۔ حضرت جلال کے والد اور ان رئیس مین مراسم قدیم تھے۔ اسی تقریب سے جلال نے اپنا مطب اُنکے دیوان خانے مین کھولا تھا۔ بخشی نوندھ رائے شعر وسخن سے ذوق رکھتے تھے اور شاعرون کے قدر دان تھے۔ میر دوست علی خلیل انکے اُستاد تھے بخشی جی گو اعلیٰ درجے کے شاعر نہ تھے لیکن پختہ کلام تھے اور "وقار" تخلص کرتے تھے۔ انکے ایک اور عزیز کا نام بخشی پیتمبر داس تھا جنکے یہان منشی امیر اللہ صاحب تسلیم کی نشوونما ہوئی۔ منشی صاحب ابتک ان مرحوم کو چچا کے لفظ سے یاد کرتے ہین۔ لیکن چونکہ اب ہندو مسلمانون مین اگلی یگانگت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے لہذا اسکی زیادہ تفصیل تحصیل حاصل ہے۔

کہان اب وہ مسلمان اور ہندو
نہ تھی جنمین کہ غیریت سرِ مو

خلاصہ یہ کہ بجائے تشخیص مرض اور نبّاضی مین نام ونمود حاصل کرنے کے حضرت جلال کو یہان بھی شعر وسخن ہی کی زیادہ مذاولت رہی۔ حالانکہ فن حکمت مین وہ عمدہ دستگاہ رکھتے تھے لیکن طبیعت کا اصلی رُجحان شاعری ہی کیطرف رہا، اور یہی اچھا ہوا۔ کوئی شک نہین کہ اگر وہ طبابت مین جی لگاتے تو اپنے زمانے کے نہایت نامور حکیم ہوتے اور آج بڑی بڑی عمارتین اور کافی دولت چھوڑ جاتے۔ لیکن بہ نسبت اُس عارضی دولت وثروت کے جسے فنا ہوتے دیر نہین لگتی اُنکی وہ ادبی تصانیف بدرجہا بہتر ہین جو ایک لازوال دولت ہین اور جنھین بقاء دوام حاصل ہے۔

فن شعر مین اولاً وہ جناب ہلال کے شاگرد ہوئے جو میر علی اوسط رشک کے تلامذہ مین ممتاز تھے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد خود رشک مغفور کے زمرۂ تلامذہ مین داخل ہو گئے۔ رشک مرحوم زباندانی اور تحقیق فن مین درجۂ اجتہاد رکھتے تھے۔ ناسخ مرحوم کے بعد اُنکے تمام شاگردون نے اُنھین کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی بھی اُنکی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ رشک مرحوم نے اُردو شاعری کو اپنے فیض کمال سے بہت کچھ سیراب کیا تھا۔ اُردو زبان کا پہلا لُغت اسی یگانۂ آفاق محقق کے قلم سے نکلا تھا جو نہایت مدلل، مبسوط، اور مکمل تھا۔ لیکن اُس زمانے مین پریس کی یہ ارزانی نہ تھی جو آجکل نظر آتی ہے اور اسیوجہ سے اب اُس قلمی لُغت کا کہین پتہ نہین ملتا۔

جلال مغفور کی زندگی کا تابناک زمانہ دربار رامپور سے شروع ہوتا ہے جہان ہنگامۂ غدر کے بعد اہل کمال کا سب سے بڑا مجمع تھا۔ بحر۔ قلق۔ اسیر۔ منیر۔ غالب۔ امیر۔ داغ۔ جلال وغیرہ اُس دَور کے تمام نامور اور کامل الفن شاعر اسی دربار کے وظیفہ خوار تھے اور مجمع اہل کمال سے رامپور اصفہان و شیراز پر چشمک زنی کرتا تھا۔ قدردان اور سخن رس رئیس نے ہندوستان کے ہر گوشے سے صاحبانِ کمال کو کھینچا تھا جسمین علما، شعرا، قاری، حافظ، ناشر، خطاط اور جملہ علوم و فنون کے ماہر شامل تھے۔

جلال کو تحقیقِ فن کا شوق اپنے اُستاد رشک مرحوم سے بطور ورثہ ملا تھا جو اُنکی آخر زندگی تک قائم رہا۔ فارسی و عربی مین اعلیٰ استعداد رکھتے تھے اور اُردو اُنکی مادری زبان تھی۔ ان وجوہ سے اُنہین تحقیقِ زبان مین زبردست انہماک تھا۔ چنانچہ رامپور کے مجمع شعرا مین اکثر وہ معاصرین کے کلام پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ اور اسی کے بدولت اُنکے معاصرین اُن سے خوش نہین رہے۔

نکتہ چینی کی عادت رفتہ رفتہ اسقدر ترقی کر گئی کہ رامپور مین اُنکی شہرت کا یہی باعث ہوئی۔ معاصرین سے اکثر شاعرانہ معرکے ہوئے ہین لیکن اُنکے بالتفصیل حالات باوجود کوشش بھی دستیاب نہین ہو سکے۔ مرزا غالب مرحوم سے لفظ "عفی" پر عرصے تک بحث جاری رہی مگر نتیجہ کیا ہوا؟ اسکا جواب کوئی نہین دے سکتا۔ مولوی غیاث الدین مؤلف غیاث اللغات کو "مُلّائے مکتبی" کا خطاب جلال ہی کے شاعرانہ دربار سے ملا تھا جسپر نواب صاحب کا عتاب نازل ہوا تھا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد جلال پھر رامپور بلائے گئے اور وہین اُنکا مایۂ ناز لغت "سرمایۂ زبان اُردو" لکھا گیا تھا جو اُردو محاورات کا سب سے پہلا اور مستند لغت ہے۔ اس دور کے شعرا مین جلال کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُنہون نے زبان کے اصول و قواعد سب سے زیادہ مدوّن کئے۔ چنانچہ متذکرہ بالا لغت کے علاوہ اُنہون نے تذکیر و تانیث کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھا جو اس فن مین سب سے پہلا رسالہ ہے۔ اسیطرح زبان کے بعض قواعد بھی ایک کتاب کی حیثیت مین مدوّن کئے جسکا نام "منتخب القواعد" ہے۔ آخر مین فن عروض پر ایک رسالہ لکھا تھا جسکا مسودہ راقم کی نظر سے گذرا تھا۔ فن تاریخگوئی پر بھی اُنہون نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسطرح زباندانی کا ایک عمدہ مسالہ اُنکے قلم نے جمع کر دیا جسپر عالیشان عمارتین اُٹھ رہی ہین۔

شاعری مین بھی اُنہون نے چار دیوان کہے ہین اور سب چھپ چکے ہین۔ حالانکہ اُنکے ابتدائی دونون دیوان اسوقت عنقا ہین لیکن اُنکا اصلی زورِ طبیعت اُنہین دواوین سے ظاہر ہے۔ اُنکا رنگ سخن بہ نسبت جدّت طرازی کے زیادہ تر پختگی لئے ہوئے تھا اور اگرچہ اُنکے کلام مین رنگین اشعار بکثرت موجود ہین مگر زیادہ تر صفائی اور روزمرّہ ہی پر زور دیتے تھے اور یہی اُنکے کلام کی خصوصیات ہین۔ جلال کی شاعری پر ایک نکتہ شناس کا ریمارک ہے کہ "اُنہون نے اپنے لئے وہ پختہ سڑک تیار کی تھی جسپر لغزش کا خوف نہین"۔

مضمون آفرینی کے میدان مین بھی وہ اپنے معاصرین سے کم نہین رہے لیکن اُنکے اشعار مین پیچیدگی کو دخل نہین۔ سیدھے سادے خیالات، بندھے ٹکے محاورے، مستند الفاظ، چُست بندش، اور اُستادانہ ترکیبین اُنکی شاعری کی جان ہین۔ اپنے اسکول کے خلاف وہ تصنع اور آورد کے رنگ سے ہمیشہ گریز کرتے رہے اور یہ صفت اُنکے کلام مین ابتدا سے انتہا تک

صاف نظر آتی ہے - اُنکی شاعری میں ایک اور مابہ الامتیاز بھی ہے اور وہ اُنکا مذاق صحیح ہے - عاشقانہ رنگ میں وہ اُس حد تک نہیں جاتے تھے کہ فحش ہوجائے - بلکہ اُس مذاق کو بھی جو اُسوقت کی سوسائٹی میں نہایت مقبول تھا جلال نے ایک لطیف پیرائے میں نظم کیا ہے - مثلاً :-

کنگھی چوٹی، مسّی کاجل، زیب و زینت، نازکی
کس نے کس نے اُنکو روکا میرے گھر آتے ہوئے
ناز سے چلئے ذرا اپنی کمر پر رکھکے ہاتھ
ہم بھی دیکھیں نازکی کو پاؤں پھیلاتے ہوئے

یہ اُردو شاعری کا پُرانا رنگ ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اسمیں رشک و برق اور رند و صبا وغیرہ کے مذاق کی جھلک موجود ہے - اُنکا عام مذاق ذیل کے اشعار سے واضح ہے اور یہی اُنکا خاص رنگ تھا جو اُنکے پہلے اور دوسرے دیوان میں موجود ہے :-

شغل اگر ڈھونڈتے ہو جی کے بہلنے کیلئے
دل میں آبیٹھو کلیجہ مرا ملنے کیلئے
شکوہ ہے برق تجلی سے کیا وہ نا انصاف
ہم ہوں منہ دیکھنے کو طور ہو جلنے کیلئے
مے کہاں روز ہے پی لیتے ہیں گاہے ماہے
وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کیلئے
دل مرا آنکھ تری دونوں ہیں بیمار مگر
ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے
عجیب طرح کا سرمہ ہے وصل یار کی شام
سفید آنکھ ہو تو صبح کو سیاہ سے ملے

ان چند اشعار سے اُنکی عام شاعری پر روشنی نہیں پڑ سکتی مگر اختصاراً اسیقدر کافی ہیں - خصوصاً ادیب کے صفحات پر اُنکی عاشقانہ شاعری کی زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں - لاجرم اُنکے حالات زندگی جس حد تک معلوم ہیں مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں -

رامپور میں جلال بیس بائیس برس تک رہے اور وہاں سے ترک تعلق ہونے پر ہندوستان کی ایک دور دراز ریاست منگرول میں جو کاٹھیاوار میں واقع ہے ملازم ہوئے - وہاں کے قدردان رئیس نے اُنکی قدردانی میں دریادلی سے کام لیا - لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور وہ اپنے وطن مالوفہ میں اطمینان کے ساتھ رہنے لگے - اس عرصے میں اُنکے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تھا - ہندوستان کے ہر گوشے میں اُنکا ایک نہ ایک شاگرد موجود تھا اور اصلاح کلام کا کام اسقدر بڑھ گیا تھا کہ اکثر شبانہ روز مصروفیت رہتی تھی - اسکے علاوہ ذاتی تصنیف و تالیف کا کام بھی کچھ کم نہ تھا -

اُردو رسالوں کی ابتدا شاعرانہ گلدستوں سے ہوئی تھی جنمیں ہمطرح غزلیات شائع ہوتی تھیں - تھوڑے ہی عرصے میں ان گلدستوں کی وہ کثرت ہوگئی کہ بعض اخبارات نے انہیں "حشرات الارض" کا خطاب دیدیا - بہرنوع ان جدید عہد گلدستوں میں جلال کی غزلیں عموماً ہوتی تھیں - اور یہ محض اسوجہ سے کہ وہ شاعرانہ فرمایشوں کو کبھی نہیں ٹالتے تھے - غزلوں کے علاوہ قطعات تاریخ کی فرمایشات کی بھی کثرت رہتی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُنہیں دوسروں کے لئے غزلیات و قصائد بھی کہنا پڑتے تھے - مگر اُنکی مشق سخن اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ روزانہ دس بیس غزلوں کی اصلاح، دو ایک غزلوں کی

تصنیف اور اکثر اوقات ایک آدھ قصیدہ بھی کہہ ڈالتے تھے۔

یہ سب کام وہ خود ہی کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے کمرے مین اکیلے بیٹھے رہتے تھے۔ عام اُستادون کیطرح اُنکے گرد شاگردونکا مجمع کبھی نہین دیکھا گیا۔ بعض شاگردون کو عروض وغیرہ کا درس بھی دیتے تھے اور اکثر شاگرد اپنی غزلین بنوانے آتے تھے۔ لیکن یہ سب کام بہت جلد ہوجاتا تھا اور کسیکو دربارداری کی ضرورت نہین لاحق ہوتی تھی۔ وہ زیادہ تر تنہائی پسند تھے اور ایک شاعر کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اُنکے شاگردون مین میرزا ذاکرحسین صاحب یاس مرحوم - محمد احسان علیخانصاحب احسان شاہجہانپوری اور سردار ادھم سنگھ صاحب امرتسری زیادہ نامور ہین۔ انکے علاوہ اُنکے تلامذہ کی تعداد اسقدر زیادہ ہے کہ پوری تفصیل نہین ہوسکتی۔ اُنکے صاحبزادون مین حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال ایک نامور شاعر ہین جو اپنے کامل الفن والد کی جانشینی کی پوری قابلیت رکھتے ہین۔ رسالہ دستور الفصحا انہین کے قلم سے نکلا تھا جسمین متروک اور غلط الفاظ کی تشریح کیگئی تھی اور جسپر عرصے تک معرکہ آرائیان ہوتی رہین۔ اس رسالے مین بعض ایسے الفاظ بھی تھے جو حضرت جلال کے قدیم کلام مین موجود تھے۔ اسلئے لوگون کو اسکی تردید کے لئے ایک زبردست دلیل ملگئی تھی۔ لیکن جلال نے سب کو یہ کہکے خاموش کردیا کہ جن الفاظ کو ہم ابتدا مین صحیح سمجھتے تھے اب اُنہین ازروے تحقیق غلط سمجھکر ترک کرتے ہین۔ درحقیقت کوئی شخص ابتدا ہی سے ہمہ دان نہین ہوسکتا۔ پس ایسے دلائل فضول ہین۔

عام طور پر جلال ایک مغرور شاعر کہے جاتے ہین اور یہ بالکل غلط بھی نہین۔ شہر کے مشاعرون مین وہ عام طور پر نہین شریک ہوتے تھے اور کسیکے شعر کی داد دینا اُنکی خلقت ہی مین نہین داخل تھا۔ راقم کی یاد مین وہ ایک مشاعرے مین شریک ہوئے تھے جو نواب امیر بہادر مرحوم کے مکان پر منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے مین شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو میر۔ مولوی علی میان صاحب کامل۔ نواب بنے صاحب مشتاق اور تمام اساتذہ شہر شامل تھے۔ حضرت جلال کی شرکتِ مشاعرہ کے لئے سخت کوششین کیگئی تھین اور بعد انتظار بسیار وہ اپنے صاحبزادہ جناب کمال کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ شرکاے مشاعرہ مین حضرتِ شاد سب سے زیادہ کُہنہ مشق اور پُرانے بزرگ تھے۔ انکی ایک غزل بہت مشہور تھی جسکا مطلع حسب ذیل ہے:-

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤن یہ مرضی مرے جلاّد کی ہے

یہی مشاعرے کی طرح تھی اور اسی زمین مین سب نے غزلین کہی تھین۔ مشاعرہ شروع ہوا اور شاد و کامل و مشتاق سب پڑھ چکے مگر جلال کا قفل سکوت نہ ٹوٹا۔ حتیٰ کہ ابھی نصف سے زائد شاعر پڑھنے کو باقی تھے کہ جلال اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے صاحبزادے کیطرف یہ اشارہ کرکے کہ "انہین سنیئے" فوراً روانہ ہوگئے۔

اسیطرح وہ اپنی شاعرانہ آن بان کو ہرجگہ لئے رہے اور اسیوجہ سے بعض لوگ بےسبب بھی اُنکے مخالف ہوگئے چنانچہ جناب شوق نیموی نے "اصلاح" و "ایضاح" نام دو کتابین شائع کرکے جلال پر اعتراضات کی بھرمار کردی۔ لیکن چونکہ وہ وہ ایک مخالفانہ جوش تھا لہذا دیرپا نہ ثابت ہوا اور زمانے نے اُس مخالفت کو بہت جلد فنا کردیا۔

سب سے آخر مین جلال ایک اور مشاعرے مین شریک ہوے جو سید بادشاہ نواب صاحب رضوی رئیس پٹنہ

نے کلکتہ مین منعقد کیا تھا - اس مشاعرے مین اُنہون نے اپنی معرکۃ الآرا غزل سے لکھنؤ کی عزت رکھ لی اور نہایت وقار حاصل کیا - اسمین شک نہین کہ اس پیرانہ سالی اور کثرتِ اصلاح کی حالت مین بھی جب وہ طبیعت پر زور دیتے تھے تو ایسے لاجواب شعر نکال لیتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے لیکن عام طور پر اُنکا آخری کلام نہایت پھیکا ہے -

یہ مسلم ہے کہ وہ اپنے کلام کے سامنے کسی دوسرے شاعر کے کلام کی ہستی نہین سمجھتے تھے - تاہم نظام رامپوری کے اکثر اشعار نہایت ذوق سے پڑھا کرتے تھے اور اُنکی پوری داد دیتے تھے - اُنکے مزاج مین ایک حد تک خشونت موجود تھی اور شاعرانہ معاملات پر وہ اکثر اُلجھ بیٹھتے تھے - لیکن جن لوگون کو اپنا سچا دوست سمجھتے تھے اُنسے اُس لطف سے پیش آتے تھے جو بیان نہین ہوسکتا -

ضیق النفس اُنکا قدیم مرض تھا جسمین وہ مدت سے مبتلا تھے - اور اکثر اسکا دورہ بہت سخت ہوتا تھا - تاہم اُنکے روزمرہ کے مشاغل مین مشکل سے کمی واقع ہوتی تھی - اصلاحِ کلام اور تصنیف و تالیف کے علاوہ اُنھین کتب بینی کا شوق اسقدر زائد تھا کہ آنکھون مین ناسور پڑگئے تھے اور بائین آنکھ کے زخم سے مواد جاری رہتا تھا - تاہم روز علی الصباح نہایت باریک خط کے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور عینک کی کبھی احتیاج نہین ہوتی تھی -

مرض الموت صرف معمولی بخار تھا جسنے دو چار روز مین کام تمام کردیا - انا للہ وانا علیہ راجعون - اُنکے لوح مزار پر جو قطعۂ تاریخ کندہ ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے -

۲۷ شوال کی تاریخ چوتھی ... وہ ذی ہ کا روز تھا آفت کا سامان
وہ شاعر اُٹھ گیا بزمِ جہان سے ... کمالِ شاعری جسپر تھا نازان
کہا آنکھون سے پنہان ہین جلال آج
چھپا ہے شاعری کا مہرِ تابان
۱۳۲۷ھ

نقاد لکھنوی

بوستانِ آصفیہ - مشہور علم دوست اور وسیع النظر مصنف راے مانک راو وٹھل راو صاحب نے سلطنت آصفیہ کے مکمل حالات تاریخی تجسس و تلاش کے بعد ایک ضخیم کتاب مین قلمبند فرمائے ہین جسکا نام زیب عنوان ہے اس سے پہلے ہم مصنف کتاب ہذا کی ایک اخلاقی تالیف دیدۂ بینا بھی دیکھ چکے ہین جو نہایت ہی قابل قدر ہے - اس کتاب مین سلطنت آصفیہ کے تمام جزئی و کلی حالات جس شرح و بسط سے تحریر کئے گئے ہین اور اُنکی تدوین مین جس محنت ادماغ سوزی اور قابلیت سے کام لیا گیا ہے اُسکی تفصیل ان چند سطور مین ناممکن ہے - کتاب کا حجم آٹھ سو صفحون سے زائد ہے جسمین ملک دکن کا جغرافیہ فرمانروا خاندانون کے تفصیلی حالات شجرے اور انتظامی معاملات کی کماحقہٗ تفصیل موجود ہے مصنف موصوف نے اپنے دیباچے مین اُن مشکلات کا ذکر کیا ہے جو تاریخ کی تدوین مین پیش آئی ہین اور جن پر اُنہون نے اپنی علمی دلچسپی اور طبعی استقلال کی بدولت نمایان فتح حاصل کی ہے - اردو زبان کی بے بضاعتی پر نظر کرتے ہوے ہم اس تالیف کو جو بجاے خود ایک تصنیف کا حکم رکھتی ہے نہایت گران مایہ کتاب خیال کرتے ہین سلطنت آصفیہ کی بعض اور تاریخین بھی نہایت محنت سے لکھی گئی ہین لیکن یہ سب سے زیادہ مکمل ہے جسمین ابتدا سے ابتک کے تمام شرح حالات درج ہین اعلیحضرت حضور نظام فرمانرواے حال کی شبیہ اور مصنف کی عکسی تصویر بھی شامل ہے - اگر گذشتہ فرمانروا ون اور وزرا و عمائد سلطنت کی تصویرین بھی دیجاتین تو کتاب بالکل مکمل ہوجاتی -

---

قیمت قسم اوّل فی جلد دس روپیہ - قسم دوم سات روپیہ - ملنے کا پتہ " مطبع انوار الاسلام روبرو عدالت دیوانی بلدہ - حیدرآباد دکن -

تاریخِ فوٹوگرافی[لہ]

فرانس کے مشہور مصنف ڈاکٹر جوزف لے بارڈی نے اٹھارویں صدی کے وسط مین علوم و فنون کی تاریخ لکھنے مین خاص نام پایا ہے۔ اُنہون نے اپنے ایک لیکچر مین لکھا ہے: "یہ جو آئے دن کوئی نہ کوئی ایجاد دُنیا والون پر ظاہر ہوکر کسی نئے لفظ کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور کتابون کا حجم بڑھاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو اُنکے مجموعی خواص صحیفۂ کائنات کے باب حقائق الاشیاء مین پہلے ہی سے موجود ہین جنکا نام حکمائے یونان کی اصطلاح مین عالم صغیر ہے اور عوام الناس اسکو انسان کہتے ہین" ڈاکٹر صاحب موصوف نے تو یہ بات ایک خاص طور پر فرمائی تھی۔ مگر جب اسکے مفہوم کو فوٹوگرافی کی ایجاد کے ساتھ منطبق کرکے دیکھا جائے تو انگلستان کے ایک دوسرے فلاسفر کا قول پایۂ صداقت کو پہونچتا ہے کہ "سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہین"!

کیمرہ آبسکیورا (Camera obscura) کی ایجاد کا فخر اگرچہ اٹلی کے ایک مشہور شخص بپٹسٹا پورٹا کو حاصل ہے۔ لیکن خالقِ حقیقی نے جو فوٹوگرافی کا کیمرہ ہر ایک چشم بینا کے ساتھ ابتدائے آفرینش سے رکھدیا ہے ہزارون فوٹوگرافون کی ایجادون اور اختراعون سے ہر حیثیت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کیمرہ مین نہ فوکس کی ضرورت ہے نہ اکسپوزر کی۔ یہ لیول اور بیلوز کے قیود سے آزاد کیمرہ ہر ایک قسم کی شکل و شباہت اُسکے اصلی رنگ اور قامت مین ہمارے مرقعِ خیال مین اُتار دیتا ہے۔ یہ کوئی معما نہین۔ پہیلی نہین۔ صاف بات ہے۔ فرمایئے! آپ نے اپنی آنکھ کا کبھی کچھ خیال کیا؟ اللہ اللہ صانع قدرت نے آنکھ کے بنانے مین جس قسم کی صنعت کو استعمال کیا ہے کسکا دماغ اُسکا اظہار نہین کرسکتا۔ ظاہری ساخت اور اندرونی بناوٹ مین اس قسم کے محدب و مجوف شیشون کو جوڑا ہے جسکے ساتھ ایک ایسا صاف و شفاف پردہ لگایا ہے جسکے پیچھے وہ قدرتی شیشہ ملحق ہے جسمین سے روشنی کی کرنین گزر کر فوکس قائم کرتی ہین۔ ڈھیلے کے اندرونی حلقے کے عقب مین یعنی سیاہ پردہ کے اُوپر رے ٹی نا ہے۔ جسکے بیچ مین سے ہوکر بینائی کی وہ خاص رگ گذرتی ہے جسکے ذریعہ سے آنکھ کے بلوری پردہ پر ہر ایک سامنے سے گذرنے والی تصویر معاً دکھائی دیتی ہے۔

عام اصطلاح مین شیشہ کا وہ ٹکڑا جسمین سے بڑی چیز چھوٹی اور چھوٹی چیز بڑی دکھائی دیتی ہو یا جسمین کوئی چیز منعکس ہوسکے لینس (Lens) کہلاتا ہے۔ لینس کی شکل عام طور پر ایسی ہوتی ہے کہ اُسکا ایک یا دونون پہلو مجوف ہونگے۔ یا ایک مجوف اور ایک مسطح تاکہ ایک دُوربین یا خوردبین وغیرہ کے اقسام کے شیشے افرادی یا اجتماعی صورت مین روشنی کی کرنون کے تغیر و تبدل کا بخوبی اظہار کرسکین۔ قدرتی لینس یا وہ لینس جو ہماری آنکھوں مین موجود ہے۔ کچھ اس قسم کا ہے کہ جون ہی اُسکے سامنے

[لہ] لفظ فوٹوگرافی دو یونانی الفاظ Fotus اور Grafein سے مرکب ہے جنکے معنی علی الترتیب روشنی اور نقش و نگار ہین۔ اس لفظ کا موضوع لہ وہ فن ہے جسکے وسیلے سے موجودات کی ہر ایک شے کا خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ نقش و نگار۔ صورت و شکل۔ شبیہ و تصویر روشنی کے قدرتی فعل و قوت کے ذریعہ سے حاصل کیجاتی ہے۔ یا یون لکھو کہ فوٹوگرافی وہ فن ہے جسکے ذریعہ سے اجسام و اشکال و مرئیات کی تصویر روشنی کے وسیلے سے ہو بہو بنائی جاسکتی ہے۔

کوئی چیز آئی - اُسکا فوٹو ظاہر کرنے کے بعد پھر نئے مشاہدہ - تجربہ اور تصویر کے لئے تیار ہو گئی - لیکن جو لینس فوٹوگرافی مین استعمال کیا جاتا ہے وہ اس سے ذرا مختلف ہے - اصول تو دونون کا ایک ہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ موخر الذکر پر منعکس تصویر کی کیفیت ہے کہ جب چاہو اُسے ایک مسالہ کے کاغذ پر منعکس کر کے نئی تصویر اُتار لو اور اپنا جی خوش کر لو -

فوٹوگرافی کی ایجاد کا فخر اگرچہ اہل یورپ کو حاصل ہے مگر اسکا ایک اعلیٰ اصول اسلام کے فلاسفر ابو علی الحسن نے اسطرح ایجاد کیا تھا کہ اُسنے یونانی کتابون کو ترجمہ کرتے وقت اس غلطی کو بدلائل ظاہر کیا تھا کہ "آنکھون سے قوت بینائی نہین نکلتی بلکہ محسوسات چیزون کی تصویر آنکھون مین بنجاتی ہین" یہی وہ اصول تھا جسپر غور و فکر کرنے کے بعد رنگون کے انعکاس کی کیفیت ظاہر ہو چکی تھی اور جسکو گویا فوٹوگرافی کی ایجاد کا سنگِ بنیاد سمجھنا چاہیے -

سولھوین اور سترھوین صدی تک اس واقفیت سے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا گیا - نہ تو اسکے اسباب دریافت کئے گئے اور نہ اس واقفیت کا کسی خاص حد تک تجربہ کیا گیا - البتہ اٹھارھوین صدی کے اوائل مین مسٹر ٹامس وج وڈ نے رسالہ "جرنل آف دی رائل انسٹی ٹیوشن" مین ایک مضمون کے دوران مین بیان کیا کہ کیونکر اُنہین ایک تصویر کا عکس لینے مین کامیابی ہوئی ہے - اس مضمون مین اُنہون نے اُس طریقہ کا بھی ذکر کیا تھا جسسے "نائٹرٹ آف سلور" کو شیشے پر ڈالنے سے تصویر نمایان ہو سکتی ہے - مسٹر وج وڈ نے بہت سے تجربات بھی لوگون کو دکھائے مگر یہ صرف ایک ابتدائی خاکہ تھا جسنے کوئی خاص صورت اختیار نہین کی تھی - اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک مشہور کیمسٹ ہمفری ڈیوی نے مسٹر وج وڈ کی مدد کی اور جب دونون نے ملکر تجربات کئے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ "نائٹرٹ آف سلور" کے بجاے "کلورائڈ آف سلور" زیادہ کارآمد ہے - مگر ایک اور دقت لاحق ہوئی کہ جس روشنی سے تصاویر اور نقشے تیار ہوتے تھے اُسی سے بگڑ بھی جاتے تھے - جہان دو چار مرتبہ تصویر کو دیکھا سطح کاغذ بالکل سیاہ ہو گئی - ڈیوی صاحب نے تصویرون کو پایدار کرنے کی ہزار کوشش کی - کئی کئی دفعہ پانی مین ڈبویا وارنش کی - مگر یہ سب کوششین بالکل بے سود ثابت ہوئین - ان دونون صاحبون نے اپنے تجربات کی مختصر کیفیت ایک کتاب مین درج کی ہے جو ۱۸۰۲ء مین شائع ہوئی تھی

جس شخص نے سب سے پہلے (۱۸۱۴ء) آفتاب کی کرنون سے مکمل تصویر تیار کی وہ نائیس فورنیپسی تھا - اُسنے "اسفالٹ" کو مٹی کے تیل مین حل کر کے شیشون پر چڑھایا اور جس شے کا نقشہ اُسے اُتارنا منظور ہوتا تھا اُسکو شیشے پر رکھکر روشنی دکھاتا تھا - روشنی کے اثر سے اسفالٹ مٹی کے تیل مین محلل ہو جاتا تھا - اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب پلیٹ مٹی کے تیل مین دھویا گیا تو جن حصص پر روشنی کا اثر نہ ہوا تھا وہان کا سب مسالہ تیل مین حل ہو گیا اور جس جگہہ روشنی کا اثر ہوا تھا وہان اسفالٹ قائم رہا - اس طریق کا نام اُسنے "ہیلیوگرافی" رکھا اور ۱۸۱۶ء سے ۱۸۳۳ء تک اسی پر عمل کرتا رہا - مگر اسمین بڑا نقص یہ تھا کہ تصویر کی تیاری مین منٹون کے بجاے گھنٹے صرف ہوتے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ نیپسی نے اپنے تجربات کو کسی پر ظاہر نہین کیا -

۱۸۲۹ء مین نیپسی نے اپنے ساتھ جرمن کے ایک ڈاکٹر مسٹر ڈاگور کو شریک کیا اور جب نیپسی فوت ہو گیا تو مسٹر ڈاگور کا عمل بھی اسی طریق پر رہا اور جب کامیابی کی شکل نظر آنے لگی تو اُسنے اپنے تجربات کی اشاعت کی اور اسکے صلے مین فرانسیسی

گورنمنٹ سے بیش قیمت انعامات عطا ہوئے - اس پُرانے طریق مین اُسنے چند خاص تبدیلیاں بھی کین تھین اور اسکی بنا پر اسکا نام "ڈاگوریوٹائپ" رکھا - فوٹوگرافی کے اس طریقہ مین پلیٹ پر "آیوڈائیڈ آف سلور" چڑھایا جاتا تھا - اور کیمرے مین چند منٹ تک عکس لینے کے بعد پلیٹ کو گرم پارہ مین ڈبو دیا جاتا تھا - پارے کی بھاپ اُن مقامات پر جم جاتی تھی جہان روشنی نے اپنا اثر کیا تھا - عوام الناس نے اس طریق کو بہت پسند کیا اور ۱۸۳۹ء سے ۱۸۵۰ء تک کثرت کے ساتھ اسکا رواج رہا - ابتک ڈاگور اپنے طریق پر تیار کردہ تصاویر کو معمولی نمک یا "پوٹاشیم برومائیڈ" سے پائدار کرتا تھا - مگر انہین دنون جبکہ مسٹر ہرشل نے "ہیپوسلفائٹ آف سوڈا" کے فوائد دریافت کئے تو وہ بھی اسی کو استعمال کرنے لگا -

جب مسٹر ڈاگور (۱۸۳۹ء) فرانس مین تجربات کر رہا تھا اُسی زمانے مین انگلستان مین ڈاکٹر ہمفری فاکس ٹالباٹ بھی اصول فوٹوگرافی کی چھان بین مین مصروف تھا - ہر دو اصحاب نے قریب قریب ایک ہی وقت مین تصاویر اُتارین - ڈاکٹر ٹالباٹ نے بھی شروع مین "کلورائڈ آف سلور" سے کام لیا مگر ۱۸۴۱ء مین "آیوڈائڈ آف سلور" سے کام لینے لگا - ڈاکٹر ٹالباٹ نے اپنے طریقہ تصویر کشی کا نام کولوٹائپ رکھا - اس طریق مین تصویر بذریعہ "گیلک ایسڈ" اور "نائٹریٹ آف سلور" کے ڈیولپ (نمودار) کیجاتی تھی - ۱۸۴۳ء سے ۱۸۵۵ء تک انگلستان مین یہ طریقہ بہت رائج رہا -

۱۸۳۹ء مین ڈاکٹر ہرشل نے شیشے پر "برومائڈ آف سلور" چڑھانا ایجاد کیا - مگر اسکے لئے ایک ایسی چیز درکار تھی جو اُسے شیشے پر جما دینے مین ممد ثابت ہو - اس وقت کو ایک فرانسیسی مسٹر ٹاپسی ڈی سنٹ وکٹر نے ۱۸۴۷ء مین انڈے کی سفیدی استعمال کرکے رفع کیا - لیکن ۱۸۵۱ء مین مسٹر اسکاٹ آرچر نے "کلوڈین" کو اس سے زیادہ مفید پایا - اور ڈیولپر کے لئے "پیروگیلک ایسڈ" کو تجویز کیا - اس طریق مین اول شیشے پر ایک ہلکی تہ "کلوڈین" کی اور اُسکے اوپر ایک تہ "پوٹاشیم برومائیڈ" یا "پوٹاشیم آیوڈائیڈ" کی جمائی جاتی تھی - بعدازان اُسے "نائٹریٹ آف سلور" کے پانی مین غوطہ دیا جاتا تھا اور اسی تر حالت مین کیمرے مین رکھکر عکس لے لیا جاتا تھا - اور عموماً "پوٹاشیم آف سائینائڈ" سے تصویر کو پائدار کیا جاتا تھا - شروع کے جملہ طریقون سے یہ طریقہ زیادہ کارآمد ثابت ہوا اور ۱۸۵۱ء سے ۱۸۸۰ء تک اسی کا رواج رہا -

یہ طریقہ اسٹڈیو مین استعمال کئے جانے کے حق مین تو واقعی مفید تھا - لیکن اسکے ذریعہ باہر جاکر تصویر اُتارنا آسان نہ تھا - اس نقص کو دُور کرنے کے لئے ۱۸۵۵ء ڈاکٹر ہل نارس نے کلوڈین ڈرائی پلیٹ ایجاد کئے - یہ سب سے پہلے ڈرائی پلیٹ تھے اور کوئی دس برس تک انکی خوب شہرت رہی - ان پلیٹون کو چاندی چڑھانے کے بعد پانی مین اچھی طرح دھویا جاتا تھا اور تب ٹینن - گیلک ایسڈ اور شراب لگاکر بہت جلد خشک کرلیا جاتا تھا - اولاً ان پلیٹون پر تصویر زیادہ دیر تک عکس لینے پر آتی تھی - مگر میجر رسل میزس گارڈن اور کپتان ابنی صاحبان نے اس طریق عمل مین بہت سی نئی ایجادون سے اسکو اور بھی زیادہ آسان کردیا -

۱۸۵۳ء مین پیرس کے ایک فوٹوگرافر مسٹر گوڈن نے ایک ایسا عرق دریافت کیا جسپر روشنی کا عکس ہوسکتا تھا اور میسرز سیل و بولٹن نے اسکا تجربہ کرکے "کلوڈیو برومائیڈ املشن پلیٹ"

ایجاد کئے۔ مسافرت مین رہنے والے فوٹوگرافرون نے ان پلیٹون کو بہت پسند کیا۔ تاہم ان مین بھی کچھ زیادہ سہولت نہ تھی۔ ان مین عکس بہت دیر تک لینا پڑتا تھا۔

۱۸۷۱ء مین ڈاکٹر میڈاکس نے ایک اور قسم کی "ڈرائی پلیٹ" ایجاد کئے۔ جنمین "جیلے ٹین" مع "برومائیڈ آف سلور" چڑھائی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ میسرز برجس۔ کینٹ اور بینٹ وغیرہ صاحبان نے اصولِ فوٹوگرافی مین بہت ہی چھان بنان کی اور اس فن کو درجۂ کمال تک پہونچایا۔ اگرچہ ۱۸۷۹ء ہی مین کلوڈین پلیٹ متروک الاستعمال ہوگئے تھے مگر ۱۸۹۱ء مین انکا نام و نشان تک نہین رہا۔

مندرجہ ذیل نقشے سے یہ امر واضح ہوگا کہ رفتہ رفتہ کسقدر تبدیلیان اصولِ فوٹوگرافی مین ہوئین اور کہانتک ماہران کیمسٹری نے اسمین ترقی کی :۔

نمبر	نام موجد	طریقہ	سن ایجاد	اکسپوز یعنی وقفۂ عکس
۱	نائیسنور نیپسی	ہیلیوگرافی	۱۸۲۷ء	۶۔ گھنٹے
۲	ڈاگور	ڈاگوریوٹائپ	۱۸۲۹ء	۳۰ منٹ
۳	ہنری فاکس ٹالباٹ	کولوٹائپ	۱۸۴۱ء	۳ منٹ
۴	اسکاٹ آرچر	کلوڈین (تر)	۱۸۵۱ء	۱۰۔ سکنڈ
۵	سیسل و بولٹن	کلوڈین املشن پلیٹ	۱۸۶۴ء	۵۔ سکنڈ
۶	ڈاکٹر میڈاکس	جیلے ٹین املشن پلیٹ	۱۸۷۸ء	۱۔ سکنڈ

اسقدر ترقیون اور آسانیون کے بعد بھی ماہرین فوٹوگرافی اسکو مختلف پہلوؤن سے ترقی کا محتاج بتاتے ہین اور خدا معلوم اس فن کے مکمل ہونے مین ابھی اور کتنا زمانہ لگیگا۔ پلیٹون اور مسالون مین آئے دن ایک نہ ایک تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ جہانتک ممکن ہو اس فن کو زیادہ سہل بنایا جائے۔

فوٹوگرافی کا دار و مدار زیادہ تر لینس پر ہے۔ اگر لینس اچھا ہے تو تصویر ضرور ہی اچھی ہوگی اور اگر لینس ناقص ہے تو تصویر ناقص تر ہوگی۔ جسطرح پلیٹ کے مسالون مین رفتہ رفتہ تبدیلیان ہوا کی ہین اسیطرح لینس مین بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔

ساخت کے لحاظ سے لینس کی بہت سی قسمین ہین مگر اینمین مشہور یہ ہین :۔

(۱) ایک پہلو صاف اور دوسرا قوسی یا مجوف یعنی (Plano-Concave)

(۲) محدّب باقبہ دار یعنی (Plano-Convex)

(۳) ڈبل یا دوہری مجوف یعنی (Double-Concave)

(۴) دوہری محدّب یعنی (Double-Convex)

(۵) ایک طرف ہلالی اور دوسری طرف مقعر یعنی (Maniscus)

(۶) جوفی محدّب یعنی[لہ] (Concave-Convex)

انکے علاوہ بلوری کثیر المناطق یعنی پولی زونکل (Polyzonical) وغیرہ قسمین بھی لینس کی مشہور ہین۔ لینس کی ہر ایک قسم مین مندرجہ ذیل خواص کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) فوکل لنگتھ (یعنی فاصلۂ عکس)۔

(۲) ڈیپتھ آف ڈی فی نیشن (یعنی جب کسی چیز کو مختلف بُعد یا فاصلون سے دیکھا جائے تو ایک سی صورت معلوم ہو)۔

(۳) اینگل آف ویو (یعنی زاویہ نظری)۔

(۴) رے پڈ ڈے ٹی (یعنی منعکس شدہ روشنی کی کیفیت) کیونکہ بعض لینسون مین تصویر کے پاس سیدھی کرنین ترچھی دکھائی دیتی ہین

(۵) ڈس ٹورشن (یعنی بعض متوازی یا عمودی خطوط کا تصویر پر اصلی صورت مین منعکس نہونا)۔

لہ کہا جاتا ہے کہ اسکے ایک طرف کا قطر دوسری طرف سے چھ گنا ہوتا ہے۔

انہین مندرجۂ بالا اصولون کی بنا پر سب سے پہلے ۱۸۶۶ء مین لینس تیار کیا گیا۔ مگر ان لینسون مین چونکہ کوئی اس قسم کی طاقت یا قوت نہ تھی یا ایسا کوئی مسالہ نہ تھا جس سے شعاع پورے طور پر منعکس ہوسکے۔ بدینوجہ تصویر پر عموماً داغ اور دھبّے نمایان ہوتے تھے۔ اس سقم کا دفعیہ جے نا (Jena) کے مشہور کارخانۂ شیشہ گری نے کیا۔ اسکے بعد ڈاکٹر ینتھد نے یکے بعد دیگرے دو قسم کے لینس ایجاد کئے۔ جنمین ایک کا زاویہ ۶۵ درجہ کا اور دوسرے کا پچاس درجہ کا تھا۔ یہ ایجادین ۱۸۸۶ء و ۱۸۹۰ء مین ہوئین۔

میسرز شرووڈ رو اسٹوارٹ کمپنی نے ۱۸۸۹ء مین ڈاکٹر ملتیھ کے بعد ایک نئی قسم کے لینس ایجاد کئے اور ۱۸۹۲ء مین فوٹوگرافرون کے عام طور پر استعمال کے لئے اعلان کیا۔ ان لینسون مین یہ صنعت رکھی گئی تھی کہ سامنے اور نیچے کے سطحون کا نصف قطر ایک ہی مرکز سے گذرتا تھا اسلئے انکا نام نیم مرکزی لینس (Concentric Lens) رکھا۔ انکے ذریعہ بہت ہی صاف تصویر اُترنے لگی۔

اسی اصول پر کام کے بسرعت انجام پانے اور زیادہ وضاحت سے عمل مین آنے کے لئے ۱۸۹۲ء مین ڈاکٹر رو ڈلف نے ایک قسم کے لینس ایجاد کئے جنکے ذریعہ سے ۳، ۶ سے لیکے ۱۸ تک کے فاصلۂ فوکس (عکس) کا اظہار ہوسکتا ہے۔ ۱۸۹۳ء مین ڈاکٹر گویرز نے ایک اور جدّت دکھائی یعنی دو پازے لڑ مین ایک نگیٹو اور ایک پازے ٹو کو دو نگیٹو مین رکھکے اس قسم سے انعکاسِ شعاع کا طریقہ ایجاد کیا کہ جس سے وقت کی اور بھی بچت ہوگئی۔

امریکہ کے میسرز ٹرنر اینڈ ریچ کو یہ فخر حاصل ہے کہ بے اندازہ دوہرے لینس کے شیشے اُنہین کے یہان سے پہلے نکلے۔ انین درمیانی لینس ایک پہلو پر ہلالی اور دوسرے پہلو پر مقعّر یعنے مے نس کس ہے اور باہر کا نگیٹو اور اُس سے اوپر کا پوزے ٹو نے تن کس ہے۔ مسٹر ڈبلو۔ رے نے (Platystigment) لینس ۱۸۹۴ء مین ایجاد کئے جس سے $\frac{F\ 16}{\text{فاصلۂ فوکس}}$ پر نصف پلیٹ اور $\frac{F\ 32}{\text{فاصلۂ فوکس}}$ پر پورا پلیٹ ظاہر ہوتا ہے کھلے میدانون مین یہ لینس نہایت ہی مفید ثابت ہوئے ہین۔ مگر جو لینس حال مین ایجاد ہوئے ہین اُنکی خاصیت کچھ اور ہے۔ انمین زیادہ تر طولانی فاصلہ۔ ہمواری میدان اور صحت کا خاص خیال ملحوظ ہے۔

بعض ماہرینِ فن لینس کے بجاے پن ہول (سوئی کے سوراخ) کو ترجیح دیتے ہین۔ اُنکا خیال ہے کہ سب کی سب کرنین اُسی مین سے ہوکر گذرتی ہین اور تصویر بآسانی اُتر آتی ہے۔ مگر کارنوال کے مشہور ڈاکٹر جے۔ بیاپ اسکے خلاف ہین۔ وہ کہتے ہین کہ جو تصویر سوئی کے چھید مین ہوکر آئیگی اُسکا انعکاس محدود ہوگا۔ حالانکہ جو تصویر لینس پر مختلف کرنون کے ذریعہ سے دوسرے رُخ پر آتی ہے وہ کرنون کے مجموعی اثر کا نتیجہ ہے۔

شاکر

صنائع لکھنؤ

(۱)

کچھ عرصے سے ملک مین صنعتی ترقی کی شعاعین پھر بلند ہونے لگی ہین اور ہماری تمدنی بیداری کے آثار پھر نمایان ہو چلے ہین - تعلیمی ترقی کی ساتھہ ساتھہ حکومت وقت رعایا کی صنعتی ترقی کی طرف بھی مائل ہے اور ملک کے اکثر حصون مین نمایش گاہین کھولی جارہی ہین تاکہ عوام الناس مین صنعت و حرفت کی ترقی کا رجحان پیدا ہو - چنانچہ ہمارے صوبے کے اکثر مقامات پر ضلعی نمایشین ہو رہی ہین اور آیندہ دسمبر مین خاص اس شہر مین ایک عظیم الشان نمایش منعقد ہونیوالی ہے جسکی تیاریان نامحدود ہین -

اس موقع پر مجھے لکھنؤ کا قدرتاً خیال آگیا جو کسی زمانے مین صنعت و حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جسکی تصدیق نہ صرف زبانی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی ہوتی ہے - تاریخ اودھ کے انگریز مورخ اور وہ غیر ملکی سیاح جو لکھنؤ کے زمانہ عروج مین یہان آئے تھے - اپنی اپنی تاریخون اور سفرنامون مین اسے اُس عہد کا سب سے بڑا تجارتی اور تمدنی شہر تسلیم کرتے ہین - چنانچہ ۱۸۱۸ء کا ایک انگریز مصنف لکھتا ہے -

"لکھنؤ مین ہر قسم کے بہترین صناع اور دستکار پائے جاتے ہین جو عقل و دانش مین انگلستان کے بہترین کاریگر اور اہل حرفہ سے شاید ہی کم درجہ ہون"

اسیطرح متعدد ثبوت موجود ہین - لیکن ۱۸۵۷ء کے ہولناک غدر کے بعد کچھ ایسے اسباب واقع ہوئے کہ یہان کے ذہین، طباع اور عالی دماغ لوگون کی تمدنی ترقی کی رفتار یکقلم منقطع ہوگئی اور اُن نامورون کی نسلین قعر مذلت مین گر گئین جنھون نے علم و ہنر کے ہر صیغے مین انسانی حیطۂ امکان تک ترقی کی تھی اور وہ شہرت حاصل کی تھی جسکا خفیف اثر ابتک باقی ہے -

تاہم اس زمانے مین وہ صناع اور اُنکی صناعیان بعد اُ غالب تباہ، برباد، اور مفقود ہوگئی ہین - اور جو باقی ہین اُنکی حالت زوال پذیر اور قابل رحم ہے - غدر کے بعد عام مفلسی، تباہی اور خانہ ویرانی کے سیلاب نے اُن باکمالون کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اپنی تمدنی ترقی کی رفتار قائم رکھتے بلکہ وہ پُرانے صنعتی ذخیرے بھی جو آج یورپ کے عجائب خانون کی زینت کا باعث ہین مفلسانہ مجبوری کے عالم مین اُنکے قبضے سے نکل گئے -

اس انقلاب عظیم نے جو باشندگان شہر کی زندگی مین دفعتہً واقع ہوا تھا مدت تک لوگون کو محو حیرت رکھا اور ایک معتدبہ زمانہ صرف اپنی گذشتہ حالت پر افسوس کرنے مین گذر گیا - تقریباً بتیس سال تک لوگ یہ سوچتے رہے کہ ہمین اب کیا کرنا چاہئے اور اگرچہ نئی حکومت نے ترقی تعلیم کیلئے جد و جہد کوشش کی تاہم شرفاء شہر اور زمانۂ شاہی کے رئیس اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم دلانے سے بدرجۂ اتم محترز رہے - اسطرح اُنکی آیندہ نسلین اُس مفلسی کا شکار ہوگئین جو اسوقت تمام شہر پر چھائی ہوئی ہے اور جسکی بدولت اُنکی شرافت، نجابت اور تمدنی شہرت سب برباد ہوگئی - خالی پیٹ اور کمزور دماغ کسی آدمی کو اس قابل نہین رکھتا کہ وہ علم و ہنر کے کسی صیغے مین ترقی کی معراج حاصل کرسکے -

یہ کہدینا آسان ہے کہ ہماری فطری عیش پسندی نے ہمین موجودہ ترقی کی دوڑ مین سب سے پیچھے ڈالدیا ہے اور

زمانۂ شاہی کے حیرت انگیز خواب ہماری آنکھون کو ابتک فراموش نہین ہوئے ہین۔ ہمارے کان اُنہین دلچسپ افسانون سے بھرے ہوئے ہین اور ہمارے دماغون مین وہی دل خوش کُن خیالات ابتک گونج رہے ہین۔ لیکن جب اسباب و وجوہ پر غور کیا جاتاہے اور فلسفیانہ نتائج اخذ کرنیکی کوشش کیجاتی ہے تو یہ الزام زیادہ وقیع اور درست نہین ٹھہرتا۔ یہ صحیح ہے کہ ہم اپنی گذشتہ حالت کے مقابلے مین اپنی نئی حالت کی قدر و قیمت سمجھنے مین عرصے تک قاصر رہے۔ ہمارے بزرگون نے انگریزی تعلیم اور جدید تمدن کی برکتون سے اسلئے فائدہ نہین اُٹھایا کہ اُنہین بیکن کے فلسفہ سے مستفید ہونے کا موقع نہین ملاتھا۔ کیونکہ اودھ کو انگریزی حکومت کی برکتین اور مغربی تہذیب سے بہرہ ور ہونیکا موقع سب کے بعد نصیب ہوا۔

نئی اور پُرانی تہذیب مین کشمکش ایک قدرتی بات تھی جو لکھنؤ مین عرصے تک جاری رہی اور باشندگان شہر کی تمدنی قسمت کا فیصلہ اُس آسانی سے نہین ہوسکا جو بنگال، مدراس، بمبئی اور پنجاب مین دفعتہً ہوگیا تھا۔ چنانچہ رسل صاحب نے اپنی کتاب موسومہ "پرنس آف ویلس کا دورۂ ہندوستان" مین جو ہمارے موجودہ شہنشاہ کی تشریف آوریِ ہند کے متعلق لکھی گئی تھی اس مسئلے پر حسب ذیل روشنی ڈالی ہے :۔

"یہان ابتک پُرانے کاریگرون کی ایک قلیل تعداد موجود ہے جنکی زمانۂ شاہی مین کثرت تھی جبکہ لکھنؤ پیرس کی ہمسری کرتا تھا۔ یہ سونے چاندی کی اشیاء۔ نفیس و نادر قسم کے زیورات۔ جلدسازی۔ پنچہ بندی۔ بیتائی (زیور مین پھول بوٹے کھودنا) اور بدرسازی مین ید طولیٰ رکھتے ہین۔ انہین اپنی قدیم صنّاعی پر ناز ہے اور گذشتہ زمانے کے مدّاح ہین نیز یہ جدید قسم کی صناعیون کو بے حقیقت سمجھتے ہین"۔

یہ ایک سرسری راے ہے جو بادی النظر مین قائم کی گئی ہے اور جسمین زیادہ تحقیق کی تکلیف نہین گوارا کی گئی۔ ورنہ لکھنؤ کی قدیم صنعت و حرفت ایسا وسیع مضمون ہے جسپر ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ پکٹوریل لکھنؤ (Pictorial Lucknow) کے واقفکار مصنّف نے اس مسئلے پر کسیقدر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اُسکی تحریر سے چند اقتباسات ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔

"نقادانہ نظر ڈالنے سے لکھنؤ کی صنّاعیان نہایت نفیس و نادر ہین۔ جب کسی سادے اور مختصر کام کا نمونہ نظر سے گذرتا ہے تو وہ اپنی ساخت اور کاریگری مین اسقدر مکمل ہوتا ہے کہ اُسپر کوئی اضافہ ناممکن ہے یا اُسمین کسی اصلاح کی ضرورت نہین باقی رہتی۔ لیکن جب کوئی وسیع اور پیچیدہ کام کا نمونہ پیش نظر ہوتا ہے تو اُسمین صنّاعیون کا اسقدر ہجوم ہوتاہے جو سادگی پسند نظرون کو گران گذرتا ہے"۔

مندرجۂ بالا تحریر سے صاف ثابت ہے کہ لکھنؤ کے کاریگر سادی اور پرتکلف دونون قسم کی صنّاعیون پر قدرت رکھتے تھے۔ اس موقع پر سادگی و تصنّع کی بحث فضول ہے جو مصنّف کے آخری فقرے سے ظاہر ہے اور زیادہ تر اختلاف مذاق پر مبنی ہے۔ آگے چلکر یہی مصنّف پھر لکھتا ہے:۔

"گذشتہ دو نمایش گاہون مین یہانکی صنّاعیون کے نمونے اگرچہ نفیس ترین یا مفید ترین یا کلیتہً نہین دکھائے گئے تھے تاہم دیسی کاریگری کے نمونون مین وہ سب سے زیادہ ممتاز تھے اور مختلف صوبون کے ناظرین پر لکھنؤ کی اعلیٰ صناعیون کا زبردست اثر پڑا تھا۔ اگر اس قسم کی نمایش یہان ہر سال

ہوتی رہے تو مقامی صنعت وحرفت کی بربادی کے بعض اسباب (تجربہ اور قدر دانی کی کمی) رفتہ رفتہ کافور ہو جائینگے۔ لیکن اس صورت مین یہ خوف ہے کہ غیر ملکی مذاق کے اثر سے مغلوب ہوکر مقامی کاریگر بھی زمانۂ حال کے نوخیز فیشن کی تقلید کرنے لگین گے اور صنائع لکھنؤ کی اصلی خصوصیات بے پروائی اور فراموشی کی نذر ہو کر بکلم زائل ہو جائینگی۔"

ان سطور مین جو خوف ظاہر کیا گیا ہے وہ چہارم صدی سے بھی کم عرصے مین ایک حد تک عملی صورت مین آچکا ہے۔ روسا شہر اور اہل دول کی ناقدردانی نے پرانی دستکاریون کو اس حد تک مٹادیا ہے کہ اب وہ برائے نام باقی ہین اور روز بروز بد سے بدتر حالت مین ہوتی جاتی ہین۔ فیشن ایبل رئیس اپنے کمرونکی زیبائش، اپنی سواریون کے سازوسامان اور لباس وغیرہ کے علاوہ روز مرہ کی ضروریات مین بھی مغربی فیشن کے دلدادہ ہوگئے ہین۔ اُنہین دیسی چیزون سے اسقدر نفرت ہے کہ شکستہ حال کاریگر اُنکے دروازون پر جاتے ہوئے خوف کھاتے ہین۔

مجھے قدیم تعلقات کیوجہ سے اکثر جلیل القدر روسا شہر سے شرف نیاز حاصل رہا ہے اور مَین اُنکے تغیر مذاق کو ازتقائی حیثیت سے دیکھتا رہا ہون۔ اُنکے طبائع کا جدید میلان اُنکے قدیم اصول زندگی پر رفتہ رفتہ حاوی ہوا ہے اور اس مذاقی جنگ مین فتح و شکست کے بہت سے پُرلطف منظر نظر سے گذرے ہین۔ خصوصاً انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب سے بے بہرہ ہونے پر انکی جنٹلمینی جسقدر مضحک تھی اُسکی تصریح ناممکن ہے۔

بہرنوع یہی جنٹلمینی یا تغیر مذاق دیسی کاریگرون کی حوصلہ فرسائی کا باعث ہوا۔ اُنکی صناعیون کی سرد بازاری، اُنکی عام بیقدری اور تحقیر نے اُنہین کنج عزلت مین بیٹھ رہنے پر مجبور کیا اور عسرت کے عالم مین راہی ملک عدم ہوگئے۔ انمین بہت سے ایسے لوگ تھے جنکی صناعیان اُنھین کے ساتھ فنا ہوگئین اور اب اُنکا نام ونشان بھی باقی نہین ہے۔ تاہم جسقدر باقی رہگئی ہین اُنمین بہت سی قابل قدر اور کارآمد ہین اور جنکو ترقی دینے سے شہر مین آسودگی اور خوشحالی کا دوردورہ ہوسکتا ہے۔

صنعتی زوال کے اسباب مین عام مفلسی اور مقامی بیقدری کے علاوہ تجارتی ضعف کو بھی بہت کچھ دخل ہے اور وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اسکے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہین کہ ہنگامہ غدر سے پہلے شمالی ہند مین لکھنؤ دیسی تجارت کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ عام مورخ مرفوع القلم لکھتے ہین کہ لکھنؤ کا مال ملک کے دور دراز حصون تک جاتا تھا اور ہر جگہ بہ قدر کے ساتھ بکتا تھا۔ حالانکہ اُس زمانے مین سوداگرون کو باربرداری۔ حفاظت مال، اور وہ آسانیان ناممکن تھین جو آجکل ریلون کے ذریعے سے میسر ہین خصوصاً ان اضلاع مین لکھنؤ سب سے بڑا جنکشن ہے جہان شبانہ روز چارون طرف کی ریلین آتی رہتی ہین اور نہایت آسانی سے ہندوستان کے ہر حصے مین مال روانہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جب مال ہی نہو تو کیا روانہ کیا جاے۔ اُن بیحد عمدہ دستکاریون مین جنکی صراحت کسی دوسرے مضمون مین کیجائیگی اب صرف چکن۔ رضائی۔ لحاف۔ پلنگ پوش کی فردین۔ زردوزی کام اور مٹی کے مصنوعات ایک محدود حالت مین باقی رہگئے ہین اور انکے کارخانے اسقدر کم اور بے بضاعت ہین کہ اُنسے کسی بڑی تجارت کی امید ناممکن ہے جو شہر کی آسودگی اور خوشحالی کا باعث ہو۔ البتہ شہر مین وسیع قطعات آراضی موجود ہین جو ملک کے دولتمند لوگون کو نہایت ارزان قیمت مین ملسکتے ہین اور جنمین

مقامی صنعت وحرفت کے نہایت عظیم اور وسیع کارخانے قائم ہوسکتے ہین جو ذاتی منفعت کے علاوہ غربائے شہر کی کفاف کا باعث بھی ہوسکتے ہین۔

ان غربا اور شکستہ حال لوگون مین ان ذہین - طبّاع - اور اہل کمال کی نسلین ابتک باقی ہین جو صنعت وحرفت کے میدان مین انسان کے حیطۂ امکان تک ترقی کرسکتی ہین اور جنکی حوصلہ افزائی اخلاقاً واجب بلکہ فرض عین ہے انمین پُرانی ہی دستکاریون کو قبول کرنیکا مادہ نہین ہے بلکہ جدید صناعیون اور مغربی ایجادات کی نقل اُتارنے مین بھی کافی قابلیت رکھتے ہین - انمین بہت سے ایسے ہین جنھون نے اپنے بچپن کے زمانے مین ریل اور تار کی نقلین اُتاری تھین اور گلی گلی تماشا کرتے پھرتے تھے - لیمپ - چھتری - میز - کرسی - اور زمانۂ حال کی تمام ضروریات کو جس ہوشیاری - نفاست اور تیزدستی سے یہ بناسکتے ہین ہندوستان کے دوسرے حصّون مین ناممکن ہے - صرف - سرمایہ اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو ملک کے لیے دولتمند رفع کرسکتے ہین جنہین سرمایہ لگانے کے لئے موقع نہین ملتے بنفامی رؤسا سے ایسی امید اسلئے نہین کیجاسکتی کہ اُنمین تجارتی ترقی کا مادہ فطرةً مفقود ہے اور ضروریات زمانہ سے کلیتاً بے خبر ہین -

ایڈیٹر

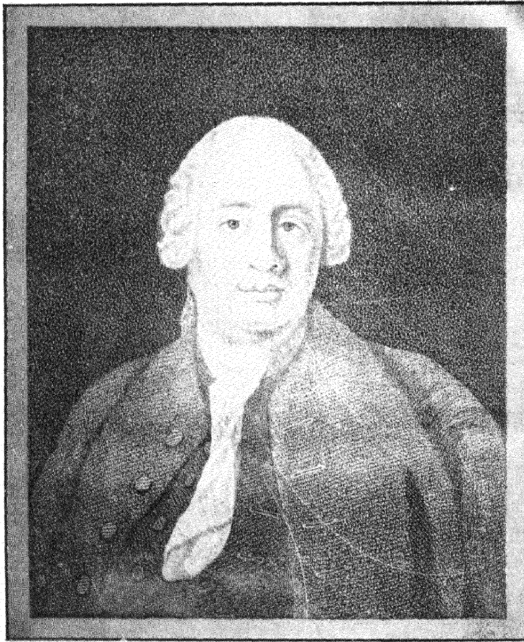


ڈیوڈ ہیوم کے علمی کارنامے

منجملہ ان مشاہیر کے جو خاک اسکاٹلینڈ سے پیدا ہوکر آسمان فضل وکمال پر آفتاب نصف النہار بنکر چمکے اور اپنے علم وہنر کی نورانی شعاعون سے تمام عالم کو روشن کیا - ڈیوڈ ہیوم کا نام نامی خاص طور پر عزّت اور وقعت سے لیا جاتا ہے اور جبتک دنیا مین اُسکے علمی کارنامون کے قدردان موجود ہین اُسکے اعزاز واحترام مین فرق نہین آسکتا اور اُسکے خرمن فیض کے خوشہ چین اُسکا نام نیازمندانہ عقیدت سے لیتے رہینگے

ڈیوڈ ہیوم کا شمار اُدبائے انگلستان کے صفِ اولین مین ہے - وہ پہلا مورّخ ہے جسکی مساعی جمیلہ سے تاریخ انگلینڈ مکمل حیثیت سے معرض وجود مین آئی - اُس سے پیشتر صرف دو شخصون نے اس دشوار گذار مرحلے کے طے کرنیکی جرأت کی تھی - لارڈ کلیرنڈن (۱۶۰۸ - ۱۶۷۴) کی کوششین محض ہسٹری آف ربلین (تاریخ بغاوت) تک محدود رہین - سر والٹر ریلے (۱۵۵۲ - ۱۶۱۸) نے تاریخ عالم لکھی لیکن وسعت مضمون کے اعتبار سے اُسمین جسقدر حصہ واقعات انگلستان سے متعلق ہے وہ اصابت رائے - صحیح تحقیقات اور آزادانہ رائے زنی کے لحاظ سے چندان قابل وقعت نہین اور اسی وجہ سے ہیوم کی ہسٹری آف انگلینڈ سب سے پہلی تاریخ خیال کیگئی ہے جسمین انگلستان کے سیاسی اور معاشرتی معاملات پر نہایت تشریح اور تفصیل کے ساتھ بحث کیگئی ہے -

ہیوم کے علمی کارنامے صرف تاریخ انگلینڈ ہی تک محدود نہین رہے بلکہ اُسکے حالات زندگی پر کافی عبور کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکی ساری عمر اُسکا قلم یکسان اپنے کام مین مصروف رہا ہے - ہمارے یہان ہندوستان



ڈیوڈ ھیوم

مین جو اہل قلم اپنے مشاغل معاش کے سبب ادبیات پر متوجہ ہونیکا عذر پیش کرتے ہین انہیں ہیوم کے واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ ہیوم کو بھی بسا اوقات اُن مشکلات کا سامنا رہا جو انسان کے لئے اس دنیا مین لابدی ہین لیکن اُسکی جوانمردانہ طبیعت پست نہین ہوتی اور اُسکے حوصلے اور ہمت مین ذرا فرق نہین آیا۔ علمی شغل کی مصروفیت کے باوجود اُسنے بعض نہایت اہم ذمہ داریون کی خدمات انجام دین۔ ساتھ ہی اُسنے جسطرح اپنی عنان توجہ پھیری اُس کام کو غایت انہماک اور مستعدی سے پورا کیا۔ اس مختصر مضمون مین تفصیلی بحث کی گنجایش نہین لیکن ہم اختصار کے ساتھ اُسکے بعض ضروری سوانحی حالات اور اُسکے علمی خدمات کا ذکر کرینگے جنکی بدولت انگریزی لٹریچر اوج کمال پر پہونچا ہے۔ ہیوم اپنے ملکی علم ادب کے اولین محسنون مین ہے اور اُسکی بعض معتبر تصانیف اور تقریرات علیہ اسوقت تک انگریزی خزانۂ ادب کے گرانمایہ جواہر شمار کئے جاتے ہین۔

ڈیوڈ ہیوم ۲۶ - اپریل ۱۷۱۱ء کو بمقام اڈنبرا عالم وجود مین آیا۔ باپ کا نام جوزف ہیوم اور ماں کا نام کیتھرائن تھا۔ خوش قسمتی سے اُسے ایک معزز اور خوشحال خاندان ملا جسکا سلسلہ ارل آف ہوس سے جاکر ملا تھا۔ اُسکی ماں سر ڈیوڈ فالکنر پریسیڈنٹ کالج آف جسٹس کی لڑکی تھی۔ اُسکے بزرگ ایک جاگیر پر پشتہا پُشت سے قابض چلے آتے تھے۔ اس اضافی اعزاز و وقعت سے قطع نظر کرنیکے بعد ہیوم کا ذاتی سرمایہ بہت کم تھا۔ یہ اپنے بھائیون مین سب سے چھوٹا تھا اسلئے حسب رواج اسکو ترکہ مورث مین بہت کم حصہ ملا اور سب سے بڑی مصیبت عالم طفولیت ہی مین اُسکے سر پہ آپڑی کہ اُسکے والد کا انتقال ہوگیا۔ سایۂ پدری سے محروم ہونا سخت بدنصیبی ہے لیکن اگر ماں اپنی ذمہ داریون کو محسوس کرے تو یہ مشکل کسیقدر آسان ہوسکتی ہے۔ ڈیوڈ ہیوم اس اعتبار سے بہت خوش قسمت تھا۔ ایک جگہ اپنے حالات مین لکھتا ہے کہ "میرا ایک بڑا بھائی تھا اور ایک بہن۔ میری ماں جو اپنی ذاتی خوبیون کے لحاظ سے بے نظیر تھی ان سب کی نگران اور خبرگیران تھی۔ گو اُسکا حُسن اور اُسکی عمر اس قابل تھی کہ وہ دوسری شادی کرلے لیکن اُسنے اپنی بقیہ زندگی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی نذر کردینا مناسب تصور کیا۔"

ماں کی غور و پرداخت کا یہ اثر ہوا کہ ہیوم کی ابتدائی تعلیم باقاعدہ طور پر ہوگئی اور شروع ہی سے ادبیات کی طرف اُسے رجحان پیدا ہوگیا۔ ہیوم کا قول ہے کہ یہ رجحان اُسکا تمام عمر باقی رہا۔

بعض مبصرین کی راے ہے کہ لڑکے کی تعلیم مین اُسکی طبیعت کا اندازہ ضرور کرنا چاہئے۔ یعنی جس فن کی طرف اُسکا طبعی لگاؤ ہو اُسکی تعلیم دلانا چاہئے۔ اس قاعدۂ کلیہ سے انحراف کرنا سخت غلطی ہے۔ ہندوستان مین تو اسکا مطلق خیال نہین کیا جاتا اور یہ اسیکا نتیجہ ہے کہ ہملوگون کی ذہنی اور دماغی قابلیت نہایت کمزور ہوتی ہے اور جدت ہمارے یہان سے مفقود ہوگئی ہے۔ انگلستان مین تربیتی قانون اسوقت اگرچہ مکمل خیال کیا جاتا ہے لیکن اُسوقت وہان بھی ہندوستان کی سی حالت تھی۔ چنانچہ ڈیوڈ ہیوم کے فطرتی رجحان کے برخلاف اُسکے اہل خاندان نے اُسے قانونی تعلیم دلانیکی خواہش ظاہر کی۔ مگر فلسفہ اور علم ادب کی دلچسپیان ہیوم کے دل پر قبضہ کرچکی تھین۔ عزیزون کی کوشش کارگر نہوئی۔ براے نام

وہ قانون کا مطالعہ کرتا لیکن زیادہ تر سسرو اور ورجل کی تصانیف اُسکا وقت لے لیتین اور پوشیدہ طور پر وہ لٹریچر کا دلدادہ بنا رہا۔ لٹریری مشاغل مین منہمک ہونے اور ذرایع آمدنی مسدود ہونے سے اُسکی مالی حالت بہت ابتر ہوگئی اور کثرت مطالعہ کا اثر اُسکی صحت جسمانی پر بھی پڑا۔ تنگدستی نے اُسے تلاش معاش پر آمادہ کیا اور وہ اسی غرض سے ۱۷۳۴ء مین برسٹل پہونچا لیکن جو جگہہ وہان ملی وہ ہیوم کو ناپسند تھی۔ اُسے ترک کرکے وہ عازم فرانس ہوا۔ لیکن ملازمت کا تھوڑا بہت تجربہ جو اُسے برسٹل مین حاصل ہوا ہیوم کی آیندہ طرز عمل قائم کئے جانیکا موجب ثابت ہوا۔ فرانس مین اُسنے حتمی عہد کیا کہ ادبیات کے سوا کسی دوسری طرف طبیعت کو متوجہ نہ کرونگا اور اعلیٰ درجہ کی کفایت شعاری سے اپنی آمدنی بڑھاؤنگا۔ اسی قیام فرانس کے اثنار مین اُسکی سب سے پہلی تصنیف "رسالہ تحقیق طبیعت انسانی" کے نام سے تکمیل کے درجہ کو پہونچی۔

۱۷۳۷ء مین وہ لندن واپس آیا۔ فرانس کی سکونت مین اُسکا شوق علم ادب کے ساتھہ اور بڑھ گیا تھا۔ اُسکے فطرتی میلان کے ساتھہ فرانس کی علمی سوسائٹی اور فرنچ ادیبون کی پُرلطف صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لندن مین پہونچکر دوسرے سال اُسنے اپنا رسالہ شائع کیا۔

رسالہ مذکور کی ایک ہزار کاپیان چھاپنے کے عوض جان نون نے پچاس پونڈ اور ۱۲ نسخے دینے منظور کئے۔ کتاب پریس سے نکلی لیکن خلاف قیاس ملک مین اُسکے ساتھہ سرد مہری برتی گئی۔ پبلشر نے جن امیدون سے اُسکی اشاعت ضروری سمجھی اور گرانقدر اخراجات برداشت کئے اُن سب پر پانی پھر گیا۔ کسی نامور ماہواری رسالے مین اُسپر تنقیدی مضمون شائع ہوا جسمین کتاب پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کیگئی اور بیچارے ہیوم پر بھی درشت الفاظ مین حملہ کیا گیا۔ اس مخالفت سے غریب نوجوان مصنف کی غایت درجہ دلشکنی ہوئی۔ لیکن اُسکے ہمت و استقلال مین کوئی کمی نہین ہوئی۔ وہ فطرتاً بشاش اور خوش مزاج تھا اور مصائب اور تکالیف کا اثر اُسپر زیادہ نہوتا۔ اسوقت بھی اُسکی یہ قابل تعریف صفت اُسکی حوصلہ افزائی کے لئے کارآمد ثابت ہوئی اور اپنے مشاغل علمیہ مین وہ بدستور مصروف رہا۔ ہندوستان مین اگر کوئی شخص معمولی سی کتاب بھی لکھ لیتا ہے تو اُسکی تمنا ہوتی ہے کہ ملک اُسکی قدردانی کرے۔ اگر اُسکی یہ آرزو پوری نہو تو پھر اُسکی ہمت آگے بڑھنے کی نہین پڑتی۔ ہمین ڈیوڈ ہیوم کی مستقل مزاجی کا اسجگہہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ باوجود پہلی کوشش مین شکست کھانے کے وہ کامیابی سے مایوس نہوا اور علمی کوششون کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۷۴۲ء مین اُسکے مضامین کا پہلا حصہ شائع ہوا اور اہل ملک نے جائز قدردانی کے ساتھہ اُسکا استقبال کیا جس سے ہیوم کی گذشتہ ناکامیابی کی تلافی ایک حد تک ہوگئی۔ یہ مضامین اخلاقی اور ملکی مبحث پر تھے جو ماہواری رسالون اور پرچون مین شائع کرنے کی غرض سے قلمبند ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ٹیلر نے انکی بہت تعریف کی ہے اور فی الحقیقت یہ مضامین ادبی اور لٹریری پہلو سے اب بھی بہت کچھ قدر کے مستحق ہین۔ جسقدر کاپیان ان مضامین کے پہلے ایڈیشن مین نکلین وہ ایک تھوڑے عرصہ مین ہاتھون ہاتھہ بک گئین۔

"رسالہ تحقیق طبیعت انسانی" کی ناکامیابی کے اسباب پر

وہ اکثر غور کرتا رہتا - ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ میرا یہ خیال ہمیشہ رہا کہ رسالہ مذکور کی اشاعت مین جو کامیابی نہوئی تو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ کتاب ناقص ہے بلکہ یہ تھی کہ اُسکی اشاعت وقت سے پہلے کیگئی - اُسنے اپنے ایک خط مین بھی جو اواخر عمر مین غالباً کسی دوست کے نام لکھا گیا تھا رسالہ کے متعلق تقریباً یہی خیال ان الفاظ مین ظاہر کیا ہے کہ پچیس برس کی عمر مین اسقدر بار اُٹھانیکی مین نے ناحق کوشش کی - ہیوم کے عزم بالجزم کا کیا کہنا - رسالہ مذکور کی آؤ بھگت ملک مین پہلی دفعہ اگر نہو ئی تو اس سے وہ برداشتہ خاطر نہ ہوا - اہل ملک پر ناقدردانی کا الزام عاید کرنیکی جگہہ اُسنے اپنی ناکامی کا سبب خود اپنی ناتجربہ کاری اور بے بضاعتی کو ٹھہرایا - لیکن اسکے ساتھہ ہی وہ کتاب کی مفید مطلب خوبیون کا مقر تھا اور اسیوجہ سے اُسنے اپنی اس پہلی تصنیف کو جو خود اُسی کے الفاظ مین گویا پریس سے مردہ پیدا ہوئی تھی از سرِ نو نظر ثانی کرنے کے بعد دوسرے نام سے شائع کرنیکی ضرورت محسوس کی - لیکن باوجود تبدیل ہیئت کے بدنصیب کتاب کی قسمت نہ بدلی - اس درمیان مین اُسکے بعض دوسرے مضامین کا نیا ایڈیشن بھی پریس سے نکلا لیکن اسکی پرسش بھی پبلک مین مطلق نہوئی - اتنی ناکامیون اور شکستون کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہیوم قلمی مساعی سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہو جاتا لیکن ایسا نہین ہوا وہ اپنی ہر شکست کو آیندہ فتح کا پیش خیمہ سمجھکر برابر اپنی دھن مین لگا رہا -

ہیوم کی تصانیف مین پولیٹیکل ڈسکورس (مباحث ملکی) خصوصیت سے قابل ذکر ہے - یہ کتاب اُسکے مضامین کے دوسرے حصہ کی حیثیت سے شائع ہوئی اور اسکے ساتھہ اہل ملک نے بے اعتنائی سے کام نہین لیا - پریس سے نکلتے ہی مانگ شروع ہوگئی اور اُسکی شہرت فرانس تک جا پہونچی - اس کتاب سے اہل فرانس مین بہت ہردلعزیزی حاصل کی اور فرنچ زبان مین اسکے دو ترجمے ہوئے - پہلا ترجمہ ۱۷۵۳ء مین ہوا - دوسرا ترجمہ ایبے لی بلینک نے ۱۷۵۴ء مین کیا - ان ترجمون کی اشاعت سے فرنچ پبلک کو ہیوم کی قابلیت اور اُسکے آزادانہ خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کا عمدہ موقع ملگیا اور اُسکا نام وہان مستند مضمون نگار کی حیثیت سے مشہور ہوگیا -

ہیوم کی شہرت کا حلقہ اب وسیع ہو چلا تھا اور اُسکے مضامین ملک مین خاص طور پر دلچسپی سے دیکھے جانے لگے تھے - اُسکی آزادانہ رائے زنی اور انصاف پسندی نے اُسکے بہت سے مخالف بھی پیدا کردئے تھے - مذہبی عقائد عوام الناس سے اُسکے بہت مختلف تھے - اُسکا خیال تھا کہ آدمی کسی بات کا تعین نہین کرسکتا - رسالت و نبوت - نزول وحی - وقوع معجزات اسکے نزدیک مشکوک و مبہم تھے - اس قسم کے خیالات نے پادریون مین ہل چل مچادی اور اُنکی طرف سے کئی جوابات شائع ہوئے - لیکن ہیوم کی راے مین جواب الجواب کی ضرورت نہ تھی -

ہیوم کی تمام تصانیف مین تاریخ انگلستان کا نمبر اول ہے ۱۷۵۲ء مین ایڈنبرا کے انجمن وکلا نے ہیوم کو اپنا لائبریرین مقرر کیا - یہ کتب خانہ اسکاٹلینڈ مین اول درجہ کا تھا تیس ہزار کتابین اسمین تھین - باوجودیکہ اسکا تعلق ایک قانونی مجلس سے تھا لیکن کتب تواریخ کا اسمین نادر ذخیرہ تھا - جس سے متمتع ہونیکا ہیوم کو کافی موقع حاصل ہوگیا - یہین اُسکو تاریخ انگلستان مدون کرنے کا خیال پیدا ہوا - انگلستان کی ابتدائی تاریخ لکھنا - مسلسل واقعات جمع کرنا اور اُنپر بالتفصیل گہری نگاہ ڈالکر نتائج

اخذ کرنا معمولی باتین نہ تھین۔ آسانی کے خیال سے اُسنے خاندان اسٹوارٹس سے اپنی مہتم بالشان کتاب کا آغاز کیا۔ پہلی جلد کے شائع ہوتے ہی اُسے معلوم ہوگیا کہ لوگ اُسکی آزادانہ روش پر پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے تیار نہین ہین۔ اُسکا یہ خیال تھا کہ عوام کے توہمات اور موجودہ گورنمنٹ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے سے اگر بہت سے لوگ مخالفت کرینگے تو اکثر موافق بھی ہونگے لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ اور چار طرف سے اُسپر لعنت وملامت کی بوچھار ہونے لگی۔ اصل یہ ہے کہ چارلس اوّل کی بدنصیبی پر آنسو بہانا بجائے خود انگریزی پبلک کو مشتعل کرنا تھا اور اسی بدنصیب بادشاہ کی حمایت وطرفداری نے ہیوم کو بھی انگریزون کی نظر سے گرایا اور اُسے عام مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسکے باوجود بھی وہ اپنے کام مین لگا رہا۔ پہلی جلد سال بھر کی محنت شاقہ کے بعد ختم ہوکر شائع ہوئی تھی۔ اُسکے اوّل اشاعت کے لئے کتب فروش نے ۴۰۰ پونڈ دئے۔ اسمین جیمس اوّل اور چارلس اوّل کا بیان ہے۔ دوسری جلد کے لئے ۷۰۰ پونڈ ملے۔ اُسکے علاوہ پہلی دو جلدون کی حفاظت حقوق کے عوض آٹھ سو گنیان ملین۔ دوسری اور تیسری جلد مین خاندان ٹیوڈر کے حالات درج ہین۔ چوتھی اور پانچوین جلدین جو سنہ ۱۷۶۱ء مین اختتام کو پہونچین جُولیس سیزر سے لیکر ہنری ہفتم کے عہد تک کے واقعات لکھے گئے ہین۔ آخری دو نون جلدون کیلئے نامر پبلیشر نے ۱۴۰۰ پونڈ کا معاوضہ پیش کیا۔

ہیوم کی تاریخ انگلستان ہر پہلو سے قابل وقعت ہے۔ زبان سلیس اور بامحاورہ۔ واقعات مسلسل۔ طرز بیان پسندیدہ ان تمام خوبیون پر اُسکی بے لاگ آرا نے سونے پر سُہاگے کا کام کیا ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جو ہیوم کی سالہاسال کی کوششون سے عالم وجود مین آئی اور جسمین انگلستان کے ہر عہد کے حالات نہایت شرح وبسط سے قلمبند کئے گئے ہین۔ یہ تاریخ اپنی ظاہری و باطنی خوبیون کیوجہ سے ابتک مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب نے جہان ہیوم کی شہرت وعظمت مین چار چاند لگا دئے وہین اُسکی مالی حالت بھی درست کردی۔ ہیوم کا ذاتی بیان ہے کہ "حق تصنیف کی مدمین کتب فروشون سے مجھے جسقدر ملا اُسکی نظیر زمانہ گذشتہ مین کہین نہین ملتی۔ اسکی وجہ سے مین خاصہ دولتمند ہوگیا"۔

اس عظیم الشان مہم کے سر کرنیکے بعد اُسے لارڈ ہرٹفورڈ کے ہمراہ پیرس جانے کی ضرورت پیش آئی۔ وہان کے خوشحال اور علم دوست باشندون نے اُسکی آؤبھگت مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ سنہ ۱۷۶۳ء مین اُسے یہ سفر پیش آیا۔ لارڈ ہیننگ کا قول ہے کہ پیرس مین کسی زندہ مصنف کی کبھی اتنی عزت نہین کیگئی جسقدر ہیوم کی۔

اس اثنا رمین اُسکی مالی حالت بھی بہت کچھ درست ہوگئی اب اُسکی آمدنی ایک ہزار پونڈ سالانہ کی تھی۔ اُسنے مصمم قصد کرلیا تھا کہ اب دنیاوی جھگڑون سے علیحدہ ہوکر بقیہ عمر مطالعۂ فلسفہ مین گذار دیگا۔ لیکن سنہ ۱۷۷۵ء مین اُسکی صحت خراب ہوگئی اور اس درجہ اُسکی حالت مین فرق آگیا کہ اُسے اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ معدہ کی خرابی سے اُسکی مان کا انتقال ہوا تھا۔ یہی عارضہ اُسے بھی لاحق ہوگیا۔ لیکن باوجود کمزوری وناطاقتی کے اُسکا علمی شوق آخر وقت تک قائم رہا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مجھسے کوئی پوچھے کہ کون حصہ میری زندگی کا ایسا تھا جسے مین پھر حاصل کرنے کی تمنا کرسکتا ہون تو مین اس اخیر زمانہ کو بتاؤنگا۔ بالآخر ہیوم کا وہ وقت آگیا

جس سے کسی ذی روح کو مفر نہین۔ موت سے کوئی بچ نہین سکتا اور کوئی انسانی طاقت اُسکی دست درازی کو روک نہین سکتی۔ ۲۵- اگست ۱۷۷۶ء کو اُسنے اس سرائے فانی کو خیرباد کہا اور بمقام اڈنبرا اپنے سارے عزیز و اقارب کو متاسف و اشکبار چھوڑ کر دوسری دنیا کی راہ لی۔ اُسکی ہڈیان اب بھی مشہور قبرستان کیلٹن ہل مین مرجع خاص و عام ہین۔

کسی اہل الرائے کا قول ہے کہ مشاہیر مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہین- اس قول کی صداقت مین شک و شبہ کی گنجایش نہین- ہیوم مرگیا ہے اور اُسکو مرے ہوئے سیکڑون برس گذر گئے ہین لیکن اُسکے علمی کارنامے اور اُسکی اولوالعزمی اور قومی خدمات کی داستانین ابتک زندہ ہین اور رہینگی۔

ڈیوڈ ہیوم کے سوانحی حالات نہایت دلچسپ ہین اور جس طریقے پر اُسنے باوجود معاش کی تنگی کے ملکی علم ادب کی خدمت کی وہ دوسرون کے لئے سبق آموز ہے مختلف مضامین اور تصانیف سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو تاریخ انگلستان کی تکمیل و تدوین ہی اُسکی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لئے کافی ہے۔

علمی مشاغل مین مسلسل مصروف رہنے کے ماسوا اُسنے اور بھی بہت سی ملکی خدمات انجام دین۔ پوکر کلب ایڈنبرا کا وہ دوامی ممبر رہا اور ۱۷۵۲ء مین اُسکے سکریٹری شپ کی ذمہ داریان بھی اُسکے سر پڑین۔ سلیکٹ سوسائٹی جسکا مقصد خالص انگریزی زبان کی ترقی تھی اُسکا بھی یہ ایک سرگرم رکن تھا۔ فلاسفیکل سوسائٹی سے بھی اسکا تعلق عرصہ تک رہا۔

ہیوم نے ان علمی اور تفریحی کامون کے علاوہ سرکاری امور مین بھی بقدر وافی حصہ لیا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ اسقدر ذمہ داریون مین پھنسے رہنے کے باوصف اتنی اہم تصنیفات کی تکمیل اُس سے کیونکر ہوئی ۱۷۴۷ء مین اُسے ایک سفارت کے ہمراہ دربار وائنا اور ٹیورن تک جانیکی ضرورت ہوئی- اس سے پیشتر اُسے مارکویس انڈیل کی حفاظت و نگرانی کے لئے انگلستان مین قیام کرنا پڑا تھا- ۱۷۵۲ء مین وہ انجمن وکلاے اڈنبرا کا داروغہ ہوگیا ۱۷۶۳ء مین سفارت کا سکریٹری بنکر وہ دارالحکومت فرانس مین پہونچا- یہان اُسنے لارڈ ہرٹفورڈ کے ساتھ کارنمایان کئے اور لارڈ موصوف کے آئرلینڈ چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک سفارت کا کل کام اسی نے انجام دیا ۱۷۶۷ء مین مسٹر کانوے نے جو لارڈ مذکور الصدر کے بھائی تھے اُسے طلب کر کے انڈر سکریٹری کا عہدہ تفویض کیا۔

ہیوم اپنے گرد و پیش کے آدمیون مین بہت ہر دلعزیز تھا- اپنے ذاتی خصائل و عادات کی نسبت وہ خود لکھتا ہے کہ مین بہت خوش مزاج اور نرم دل تھا- دوستون سے محبت کرتا تھا اور عداوت و دشمنی کا خیال تک دل مین نہ لاتا تھا اپنے جذبات و خیالات مین اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا- باوجود متعدد ناکامیون کے مین اپنی طبیعت پر قابو رکھتا۔ میرے دوستون کو کوئی موقع میری شکایت کا نہ ملتا تھا۔

بیشک ہیوم کے کارنامے اور اُسکے اوصاف اُسے اب بھی ممدوح خلائق بنانیکے لئے کافی ہین۔ مبارک ہے وہ ملک جسکے افراد ہیوم کیطرح علم وفن مین یگانۂ روزگار ہون اور خوش نصیب ہے وہ زبان جسکے محسنون مین ہیوم کے سے شہرۂ آفاق لوگ شریک ہون - بجاوگ۔

اگر چاہیں تو ان حالات سے سبق لیکر اپنی ملکی زبان کو محمود معاصر بنا سکتے ہیں۔" اے خدا تو ہمکو اپنے ملک اور قوم - اپنی زبان - اپنے علم ادب کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔"

سید محمد فاروق

فرہنگ آصفیہ

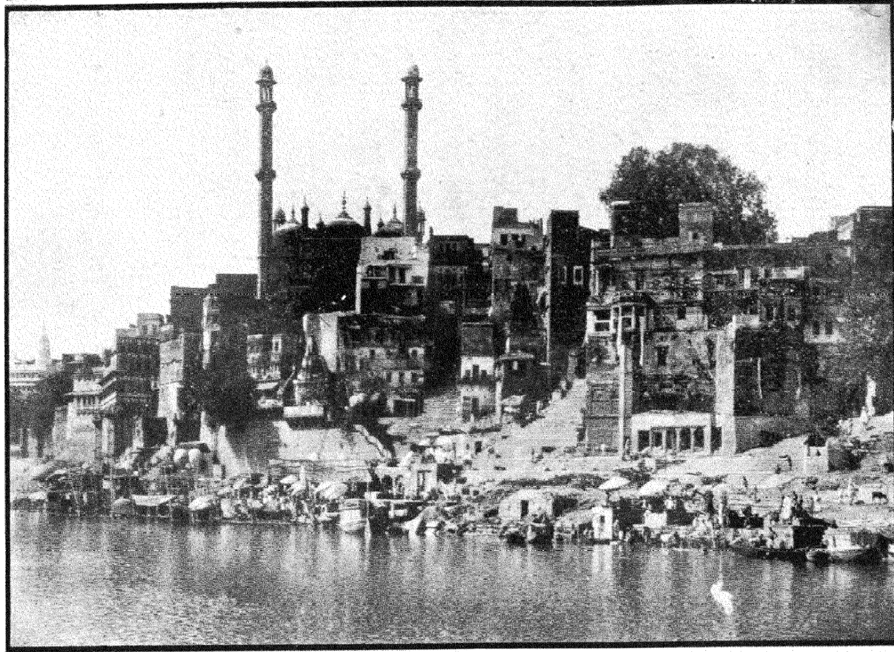
(ریویو)

مولوی سید احمد صاحب نے فرہنگ آصفیہ لکھکر جیسا کچھ احسان اُردو پر کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں اور اس بیش بہا لٹریری خدمت کے لئے مولوی صاحب ممدوح کی جتنی قدر و منزلت کیجائے کم ہے - واقعی باوجود عمدہ اور نادر تصانیف کے ہر علمی زبان ڈکشنری اور گرامر کے بغیر ادھوری معلوم ہوتی ہے - منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے بھی ڈکشنری کے بارہ میں قابل تحسین کوشش فرمائی لیکن اُنکی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ کوشش ناتمام رہگئی - منجملہ اور بہت سی علمی قدردانیوں کے فرہنگ آصفیہ کی اشاعت کا سہرا بھی ریاست حیدرآباد ہی کے سر پر بندھا ہے اور اس امر کا اعتراف مصنف نے شکر گذاری کے ساتھ اپنے دیباچہ میں کیا ہے ہم نے فرہنگ مذکور کے دیباچہ کو بڑے شوق کے ساتھ پڑھا اور اسکی چار جلدوں کی بہت کچھ ورق گردانی بھی کی - ہمکو اسکے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اُردو کے طالبا اور محققین دونوں کے واسطے یہ کتاب نہایت کارآمد ہے -

+ + + + + + + + +

دیباچہ میں مصنف کے ذاتی حالات سے قطع نظر کرکے اُردو زبان کی ایک دلچسپ مختصر تاریخ اور انسان کی ابتدائی درمیانی اور آخری زبان پر مصنف کا ایک پُر مغز لکچر ہے جو قابل قدر ہیں -

فرہنگ آصفیہ میں معمولی ڈکشنریوں کیطرح محض معنی نہیں درج کردیے گئے ہیں بلکہ وبسٹر کے طرز پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر لفظ کی ماہیت اور اُسکے متعلق مختلف محاوروں کے معنی و مطالب سے بھی پڑھنے والا آگاہ ہوجائے بقول مصنف " تذکیر و تانیث کی تمیز اہل دہلی اور لکھنؤ کے مطابق اسمیں موجود ہے - زبانوں کا فرق اور انکی اصلیت کا پتا اس سے لگتا ہے - عام محاورے اسمیں درج ہیں خاص محاورے اسمیں داخل ہیں - فقیروں کی صدائیں اس میں سُن لو - سودے والوں کی آوازیں اسمیں دیکھ لو ...... اس کتاب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سابق کے فصحا نے کن کن محاوروں کو پسند کیا تھا اور اب کے فصحا کون سے محاورے پسند کرتے اور کون سے چھوڑتے جاتے ہیں - عوام الناس کون سے محاوروں کا استعمال کرتے ہیں اور خاص آدمی کون کون سے لفظوں سے بچتے اور کون کون لفظوں کو شامل روزمرہ کرتے جاتے ہیں - پنڈت جی مہاراج کن شبدوں کو سنکر آنند ہوتے ہیں - مولوی صاحب قبلہ کن عربی الفاظ پر فخر کرتے ہیں ...... ہندی لغتوں کے مادہ کی تحقیق اکثر سنسکرت - پالی - پراکرت زبان سے لیکر فارسی تک جہاں



پنچ گنگا گھاٹ بنارس

انڈین پریس الٰہ آباد

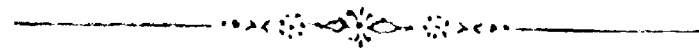
سے ان دونوں کا ایک ہونا ثابت ہے کی ہے اور اگر ہندوستانی قدیم زبان کا کوئی لفظ آیا ہے تو اُسے بھی جتا دیا ہے کہ یہ سنسکرت کے رواج سے پہلے کی نشانی ہے... ہر ایک محاورے کی سند حتی الوسع کلام شعرا۔ ضرب الامثال روزمرہ گفتگو۔ گیت۔ کبت۔ دوہے۔ پہیلی۔ مکری۔ بھجن وغیرہ سے دی ہے۔ اگر مثال کا موقع آگیا ہے تو پھبتیوں اور ذومعنیوں سے بھی قلم کو نہیں روکا ہے۔ نہ بچوں کے کھیل چھوڑے ہیں نہ عورتوں کے کوسنے اور دعائیں۔ جو محاورے کسی اور زبان سے ترجمہ ہوکر اُردو میں رواج پا گئے ہیں اُنکو بھی جتا دیا ہے۔

اُردو کے کسی شائق کا کتب خانہ اس بیش بہا کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے اور اسکولوں اور مدرسوں میں اسکا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ اور پبلک دونوں کی طرف سے مولوی سید احمد صاحب کو ان کی محنت کی پوری داد ملے گی۔

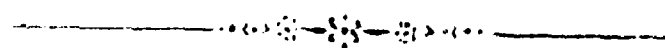
\+ \+ \+ \+ \+ \+

ڈکشنری کا انتظام تو مولوی سید احمد صاحب کا خدا بھلا کرے یوں ہوگیا لیکن گرامر کا لکھا جانا ابھی باقی ہے۔ یوں تو ولایت کے تازہ وارد صاحب لوگوں کے لئے رومن انگریزی میں بعض کتابیں اُردو گرامر کے نام سے موجود ہیں لیکن وہ اہل زبان کے واسطے زیادہ کار آمد نہیں ہیں۔ ایک وقت یہ ہے کہ اُردو فارسی کی طرح آرین زبان ہے لیکن بعض اصحاب اسکی گرامر لکھنے کا اگر کبھی خیال کرتے ہیں تو اسکو عربی کے قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں اُردو کی گرامر ہندی پراکرت اور سنسکرت کی گرامر جانے بغیر نہیں لکھی جا سکتی اور اسکو زبردستی عربی کا جبّہ و دستار پہنانا ایک تحصیل حاصل ہے۔

(ایڈیٹر)



منیج گنگا گھاٹ۔ بنارس کے مشہور مقامات میں منیج گنگا گھاٹ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسمیں ابتدا سے اب تک جو تغیرات ہوئے وہ بجائے خود ایک دلچسپ تاریخ ہیں۔ اسکی ابتدا کو اسقدر عرصہ ہوا کہ اُسکی بنیاد کی صحیح صحیح تاریخ کہیں نہیں ملتی۔ بنارس کے عروج و زوال کے ساتھ ساتھ اسکی قسمت کے ورق بھی اُلٹتے رہے۔ گیارھویں صدی میں بنارس کی قسمت قنوج کی راجدھانی سے وابستہ تھی۔ اسی صدی کے وسط میں اسلامی حملوں کے واقعات کے ضمن میں بنارس کا بھی ذکر آتا ہے مگر اُسوقت کوئی مستقل اثر نہیں قائم ہوسکا۔ بارھویں صدی کے اختتام پر شہاب الدین غوری کی فوج نے یورش کی اور تقریباً ایک ہزار مندر مسمار کردئے گئے۔ اسوقت سے سولھویں صدی تک بنارس فاتح قوم کے زیر اثر رہا اور اُسکی حالت بتدریج گرتی گئی — سولھویں صدی میں آزاد خیال اکبر کی حکمت عملی کیوجہ سے اسے پھر ترقی نصیب ہوئی۔ لیکن اکبر کے بعد ہی اسکی حالت پھر خراب ہونے لگی اور ۱۶۶۹ء میں اورنگ زیب نے شہر پر حملہ کرکے گیان باپی سے ملی ہوئی ایک مسجد تعمیر کرائی جو نہایت قدیم مندر شونا تھ کو مسمار کرکے بنائی گئی تھی اور جسکے عالیشان مینار ابتک اپنی گذشتہ عظمت و جبروت کی زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں۔



سال نو

اور

ادیب کا خیر مقدم

رباعیات

تصویر جمالِ عالم آرا بنکر   زیبا صنم و نگارِ یکتا بنکر
نور وز آیا ہے لے کے پیغام نشاط   چوتھی کی دُلہن - عروسِ رعنا بنکر

او بیخبر! او مستِ مے جامِ نشاط   اُٹھ سو کے کہ ہین مغتنم ایامِ نشاط
ہے مژدۂ نوروز سے کیا رنگِ چمن   ہر پھول ہے شاہدِ گُل اندامِ نشاط

کافور ہے دلجلوں کو تنویرِ سحر   ٹھنڈک ہے کلیجوں کی طبا شیرِ سحر
جی اُٹھّین دلون مین آرزوئین مرکر   کیا روح فزا ہے واہ! تاثیرِ سحر

پھر عیشِ دوام لے کے آیا نوروز   پھر بزم مین جام لے کے آیا نوروز
"لایا ہون مین سال نو کی خوشیان ہمراہ"   یارون کو پیام لے کے آیا نوروز

اے! محوِ نشاط ہونے والو! اُٹھو   سرمایۂ عمر کھونے والو! اُٹھو
آتی ہے وہ قافلہ سے آوازِ جرس   نکلا خورشید سونے والو! اُٹھو

پھر لالہ و گُل ہین زیبِ دامانِ چمن   پھر جھوم رہے ہین سرو و ریحانِ چمن
ہین صحنِ چمن مین تہنیت سنجِ بہار   یعنی ہین ترانہ ریز مرغانِ چمن

نکلا ہے ادیب بنکے نیرنگِ نظر   آنکھون سے کہو - کہ دیکھ لین رنگِ نظر
سُن تو - یہ کدھر سے آج اے گوشِ خیال   آتی ہے صدائے نغمۂ چنگِ نظر

ہین اوجِ کمال کے نمونے اسمین   نیرنگِ خیال کے نمونے اسمین
وہ پیکرِ حُسن ہے - کہ آتے ہین نظر   دلکش خط و خال کے نمونے اسمین

وہ گُل ہے یہ - بوئے آرزو ہے اسمین   ہر گُل کی بہارِ رنگ و بو ہے اسمین
وہ آئینہ ادب نما ہے یہ سرور   تصویرِ کمال ہو بہو ہے اسمین

دنیا مین رہے ادب کا زیور ہوکر   چمکے تاجِ سخن مین گوہر ہوکر
اقلیمِ سخنوری مین شہرت اسکی   اُڑتی رہے نکہتِ گُلِ تر ہوکر

گُلدستۂ گُلہائے معانی ہے ادیب   گنجینۂ اسرارِ نہانی ہے ادیب
نیرنگ فسون تازہ ہے ہر مضمون   مجموعۂ اعجاز بیانی ہے ادیب

شیشون مین جھلکتی ہے مئے نابِ نظر   ہون آکے شریکِ بزم احبابِ نظر
ہے نور نگاہِ دیدۂ شوق - ادیب   آنکھون سے لگائین کیون نہ اربابِ نظر

اربابِ سخن بزمِ سخن مین آئین   مرغانِ غزل سرا چمن مین آئین
یعنی ہے صلائے عام یارون کیلئے   احبابِ نظر کی انجمن مین آئین

اُتری ہے فصاحت کی پری شیشون مین   با نطق کی ہے جلوہ گری شیشون مین
اوراقِ ادیب مین ہین اشعارِ سرور   یا ہے مئے لالہ گون بھری شیشون مین

سرور جہان آبادی

کلامِ اکبر

الایا ایہا الساقی بدہ وو ٹے بہ محفلہا　　کہ سیٹ آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

—— ... ——

چھڑا ہے راگ بھونرے کا ہوا کی ہے نئی دُھن بھی
قیامت پر قیامت ہے، جوانی بھی ہے پھاگُن بھی
جمالِ عارضِ گُل نغمۂ مستانۂ بُلبُل
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ، دیکھ بھی سُن بھی

—— ... ——

دَورِ گردون مین کسی نے میری غمخواری نہ کی　　دشمنون نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی
کوے جانان کا پتہ دیکر مین پہونچا خلد مین　　مجھسے رضوان نے بھی بحث ناجی وناری کی

—— ... ——

کشتِ دل کو نفع پہونچے، اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریان پہ واٹر ٹیکس کی تجویز ہے

—— ... ——

آرزو دنیا مین کب نکلی اولوا الابصار کی　　چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہگئی دیدار کی
عشق مین تیرے اڈیٹر ہوگئے ہین ناتوان　　ضعف سے خالی نہین ہوتی خبر اخبار کی
ناقۂ لیلیٰ پہ اب وہ محملِ لیلیٰ کہان　　روٹیان لدتی ہین اسپرکیپ کے بازار کی
لے لیا شیرین نے کسرٹ مین ٹھیکہ دودھ کا　　ریل بنوانے لگے فرہاد اب کُہسار کی
شعرِ تر اکبر کے سُن اے سامعِ عالی دماغ　　قدر کر اے آسمان اس ابرِ گوہر بار کی

—— ... ——

خلاف پردے کے خود ہوگئی ہین مستورات　　ہوئی ہین سرد آب اس مدمین گرمیان میری
حجابِ چشم ہوا دُور آپریشن سے　　رہین نہ آنکھ کے پردے مین پُتلیان میری

—— ... ——

موسمِ سرما

یہ سُہانا سبزہ زار اور ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا　　موسمِ سرما کی بھی کس درجہ دلکش ہے فضا
یہ وہ موسم ہے کہ جسمین ہے عجب لطفِ بہار　　پھول پانی مین شگفتہ ہین کنول کے جابجا
ٹہنی ٹہنی جھک گئی ہے سجدۂ شکرانہ مین　　کچھ عجب دلکش ہے بیلون کے درختون کی ادا
گونجتے پھرتے ہین بھونرے اُن سے جوشِ نشاط　　اور ہین سرگرمِ ترنم طائرانِ خوشنوا
اُجلی اُجلی کانس نکلی دشت مین ریشِ سفید　　دیتی ہے برسات کی پیرانہ سالی کا پتا
جب سے بدلی ہے بساطِ دہر نے اپنی روش ۱　آسمان پر جب سے نکلا ہے سُہیلِ خوشنما
راستون کا ہوگیا ہے خشک پانی اسطرح ۲ ق　جیسے استغنا بتائے حرصِ دنیا کو ہوا
اب نہ کیچڑ کا نشان ہے اور نہ ہے گرد و غبار ۱　پیاری رُت ہے اور سُہانی ہے زمین یون واہ وا
جسطرح دلکش کسی کا دورۂ انصاف ہو ۲ ق　عدل گستر ہو رعیت پر کوئی فرمان روا
صاف سُتھرا یون ہے تالابون کا پانی جسطرح　　قلب صافی ہو کدورت سے کوئی ناآشنا
بادلونکے اب وہ ٹکڑے ہین نہ وہ ابرِ سیاہ　　اب نہ وہ ساون کے جھالے ہین نہ وہ کالی گھٹا
اب ہے مطلع آسمان کا صاف یون جسطرح ہو　　پاک دنیا کی ہوس سے قلبِ مردِ باخُدا
ہو چلا پانی جو چھوٹے چھوٹے چشمون مین ہے کم ۱　مچھلیون کا اضطرابِ دردِ دل بھی بڑھ چلا
جیسے ہو کم مائگی سے آہ! کوئی خانہ دار ۲ ق　فکرِ روزی مین غریقِ لجۂ بیم و رجا
اب بھی پڑجاتے ہین یون دو چار چھینٹے گاہ گاہ　　جیسے ہو صرفِ کرم کوئی تلون آشنا
مچھلیان یون گہرے پانی مین مگن ہین جسطرح　　عابدون کے دلکو اطمینانِ کامل ہو عطا
جوشِ غم سے مضطرب تالاب کا جوڑا ہے یون ۱　گو ہے نظارہ سوادِ دشت کا تسکین فزا
دیکھکر غیرون کی دولت کو وفورِ رشک سے ۲ ق　جسطرح آزردہ ہو کوئی حسودِ ناسزا
پیاس کے مارے پپیہا یون ہے سرگرمِ خروش　　نالہ کش ہو جیسے کوئی منکرِ ذاتِ خُدا
ٹھنڈا ٹھنڈا چاند گرمی کی حرارت کے لئے ۱　کر رہا ہے اسطرح جاڑے کی راتون کو جُدا
دُور کردے دل سے اوہامِ پریشان یکقلم ۲ ق　فیضِ صحبت سے کوئی جسطرح پیرِ رہنما

چاندنی نکھری ہوئی ہے اور چکوروں کا گروہ ا ٹکٹکی باندھے ہوئے یون چاند کو ہے تک رہا
جیسے ہون خلوت مین محوِ جلوۂ دیدار حق ۲ق عابدانِ باخدا و زاہدانِ بے ریا

واہ! جاڑے کا بھی موسم کیا نشاط انگیز ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی روح پرور ہے عجب بادِ صبا

(ترجمہ از رامائن تلسی داس)

شاکر (میرٹھی)

ذوق عرفان

(اشعارِ تشبیب قصیدہ)

نصاب مکتب پیرِ مغان ہے درسِ عرفانی   رہیگا تا بکے سرمست حکمتہاے یونانی
خمار بادۂ اشراق مین انگڑائیان کب تک   کہانتک اب یہ افلاطون کے خم کی گرانی
کہانتک اب یہ پابندی معقولات لایعقل   کہانتک مجلس سقراط کی اب حلقہ جنبانی
کہانتک اب یہ تحقیقات اجرام سماویہ   کہانتک ہوگی سیارونکی ثابت گرم جولانی
سخاوت ذہن کی کب تک بیاد علم سوفسطا   کہانتک سیمیائے وہم کی پیہم زر افشانی
ریاضت تابکے خلع بدن مین عامل کامل   یونہین نابود ہوجائے نہ اکدن ہستئ فانی
کہانتک مغز سر خالی کریگا فکر بیجا سے   بنا دے اے حریف حکمتِ قابوس جرجانی
کہیگا آسمان کو دیکھکر حدِ نظر کب تک   بدیہیات سے انکار کب تک وائے نادانی
زمین کرتی ہے دورہ رات دن تیری نگاہون مین   پھرا ہے سر ترا شاید ہوئی ہے عقل دیوانی
ہوا کیا زنگ مرخ فکر عرض مین دیکھ آئینہ   نظر کرتی ہے تجکو دیدۂ جوہر سے حیرانی
ہوا ناقص عصا وہ تیرے اصطرلاب ایمان کا   یہان تک کی ہے ایجاد ارسطو کی ثنا خوانی
نکرتا عقل آرائی اگر تو مبد و فطرت مین   نہ سوئے عقل کل محتاج ہوتا جوہر ثانی
ترے تحقیق کے صدقے محقق واہ کیا   ہوا ہے رفتہ رفتہ منکرِ توحید ربانی
تدبر مین بسیط محض کو بھی ہاتھ سے کھویا   رہا دنیا مین تو اور مادہ باقی ہین سب فانی
الہیات کے پڑھنے سے اے جاہل نتیجہ کیا   نہین ہے دل ترا جب جادہ گاہِ نور عرفانی
کتاب النفس افلاطون اگر پڑھ لی تو کیا حاصل   حقیقت نفس امارہ کی اپنے جب نہ پہچانی
موحد ہوکے کر کسب معارف نفس سے اپنے   جو ذوق فلسفہ ہے سیکھ حکمتہاے ایمانی
فضائے مسجد تجرید مین ہو معتکف جاکر   نہین اس تنگنائے دہر مین غافل تن آسانی
کیا پیدا خدا نے تجکو مخلوقات سے اشرف   طبیعت کو تری مرغوب ہے کیون خوئے حیوانی
صفائے نفس پیدا کر کہ روشن چشم حق بین ہو   چراغِ راہ بنجا ہے جو دل مین نور عرفانی
سبق لے اپنے دلمین کشف اسرارِ حقیقت کا   یہ ہے وہ مدرسہ کہتے ہین جسکو عرش رحمانی
دم لغزش ید بیضاے دل سے لے مدد سالک   نہین ہے سہل اس وادی کا طے ہونا بآسانی
ردائے صدق سے کر صاف گرد آئینہ دل کی   وہی دیکھیگا تو جسکے لئے خاک اسقدر چھانی
ہر اک آنسو مین پیدا ہو تلاطم بحر قدرت کا   رہے گر آبجوے چشم محو قطرہ افشانی
ارے او جاگنے والے شب تاریک الفت مین   چراغِ عمر گل کر نیند آجائے بآسانی
خدا ہی چین دیگا خوابگاہ عشق مین تجکو   کہ ہین سب تار بستر خارِ بستر تمہارے تنہائی
متاع ظاہری سے ہو سبکدوش ایسی منزل مین   کہ سدِ راہ ہے ہر اک قدم پر بار جسمانی
سمجھ لے عاشقی کی موت کو پیغام وصل اے دل   یہ کھنچنا بھی رگون کا نزع مین ہے جذب روحانی
فنا فی العشق ہونے پر یہ تجھپر منکشف ہوگا   ترا ما فی الضمیر نفس ہے وہ راز پنہانی
جو ذوقِ عاشقی ہے دل مین ایسا درد پیدا کر   چمک مین جسکی اک جلوہ نظر آتا ہو نورانی

مرزا محمد ہادی عزیز

کلامِ چکبست

رباعیات

بیکار تعلی سے ہے نفرت مجھکو   لون دادِ سخن نہین یہ عادت مجھکو
کسواسطے جستجو کرون شہرت کی   اک دن خود ڈھونڈھ لیگی شہرت مجھکو

آبادی ہے اصل مین نہ ویرانہ ہے   شادی کا یہ گھر ہے نہ عزا خانہ ہے
واللہ نہ مبتدا ہے اسکی نہ خبر   دنیا اک ناتمام افسانہ ہے

ہرچند کہ خونین نفسی رہتی ہے — پنہان مری یاس و بیکسی رہتی ہے
گو زخم کے مانند جگر ہے صد چاک — ہر وقت مگر لب پہ ہنسی رہتی ہے

بو گل کے لئے ہے گل ہے شبنم کے لئے — اک ربط ہے انتظام عالم کے لئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کے لئے — غم میرے لئے ہے اور میں غم کے لئے

غزل

فنا کا ہوش آنا زندگی کا درد سر جانا — اجل کیا ہے خمار بادۂ ہستی اتر جانا
عزیزانِ وطن کو غنچہ و برگ و ثمر جانا — خدا کو باغباں اور قوم کو ہم نے شجر جانا
کرشمہ یہ بھی ہے اے بیخبر افلاس قومی کا — تلاشِ رزق میں اہلِ ہنر کا در بدر جانا
مصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں — مبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا
اجل کی نیند میں بھی خواب ہستی گر نظر آیا — تو پھر بیکار ہے تنگ آ کے اس دنیا سے مر جانا
وہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے — نہیں تو ہے بہت آسان اس جینے سے مر جانا
بہت سودا رہا زاہد تجھے نار جہنم کا — مزہ سوز محبت کا بھی کچھ اے بیخبر جانا
چمن زار محبت میں اسی نے باغبانی کی — کہ جس نے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا
وہ طبع یاس پرور نے مجھے چشم عقیدت دی — کہ شام غم کی تاریکی کو بھی نور سحر جانا
سدھاری منزل ہستی سے کس بے اعتنائی سے — تن خاکی کو شاید روح نے گرد سفر جانا

چکبست

قطعہ

ملک میں جنگ مذاہب ہے نہایت پُرخطر — سم قاتل سے نہیں کم ہند میں اسکا اثر
ہر طرف بحث مباحث سے ہے ہنگامہ بپا — شور محشر کے برابر ہے یہ لفظی شور و شر

نظر

قطعات تاریخ

(انتقال جناب جلال لکھنوی)

(۱)

آہ! شیرازۂ سخن بشکست — شعبدہ باز چرخ بازی برد
میر گویند جملہ اہل سخن — ہائے ضامن علی جلال بمرد
۱۳۲۷ھ

(۲)

جلال لکھنوی فخر زمانہ — خرد آموز استادان اشعار
بداعی اجل لبیک گویان — سفر سوئے جنان بنمود یکبار
باقلیم سخن شد شور و شیون — بچشم ماست دنیا تیرہ و تار
۱۳۲۷ھ

(۳)

ضامن علی جلال چو رحلت از جہان کشید — از چار سو بپا شدہ غم - ہم - الم - محن
دیدند میر بے سر و پا در فراق او — رکن و دقیقہ - نکتہ و شعر و غزل - سخن
۱۳۲۷ھ

(۴)

میر ضامن علی جلال حکیم — زبدۂ خاندان فخر رسل
رفت از تیرہ خاکدان جہان — عاشق نام صاحب دُلدُل
ندا آہے کشیدہ گفتم میر — شمع کاشانۂ تمنا گل
۱۳۲۷ھ

(۵)

دریغا - حسرتا - ہیہات ہیہات — رئیس شاعران بنمود رحلت
شنیدم از لب برزخ نشینان — جلال لکھنوی رفتہ بجنت
۱۳۲۷ھ

(۶)

اے دریغا - ابوالکمال جلال — شد ز دنیا بجنت الماوے
میر گفت از سر دعا پے سال — مضجعش باد سایۂ طوبے
۱۳۲۷ھ

(۷)

ہائے فرمانروائے ملک سخن — عاشق سبط صاحب لولاک

وہ محقق دقیقہ سنج جلال ۔۔۔ جسکی دنیا مین بندھ رہی تھی دھاک
چھوڑکر سب علایقِ دنیا ۔۔۔ چلدیے جب بسوے ایزدِ پاک
حرف منقوط کہہ رہے ہین میر ۔۔۔ آسمانِ سخن ہے زیرِ خاک
۱۳۲۷ھ

(۸)

باز شد عشرت سراے لکھنو عسرت کدہ ۔۔۔ باز شد ہندوستان - درکسوت عبایسان
باز از دست قضا تقطیع شد بیت سخن ۔۔۔ باز آثار محرم - در مہ حج - شد عیان
باز از پا اوفتادہ جملہ ارکانِ بدیع ۔۔۔ باز در ماتم - بجلنہ آمدہ - پیر و جوان
آہ! آن مہر سپہر شعر - ملکوتی صفات ۔۔۔ یکبیک کردہ سفر از این جہان - در آن جہان
آہ! آن سر آمدِ نازکخیالانِ زمن ۔۔۔ کوس رحلت جانبِ ملک بقا زد ناگہان
حیف ! آن استاد استادانِ نقادِ سخن ۔۔۔ رفت از باغِ جہان - دامن کشان سوے جنان
ناخن دست اجل - ناسور کہنہ تازہ کرد ۔۔۔ در گلستان بوستان آمد و گر - بادِ خزان
از غم مامن علیصاحب جلالِ لکھنوی ۔۔۔ تازہ شد رنجِ امیر و داغِ داغ اندر جہان
باغبان عقل - میر - از سال رحلت زد رقم ۔۔۔ انتقال بلبلِ شیرین بیان شیرین زبان
۱۹۰۹ء

دمن اور ہنس

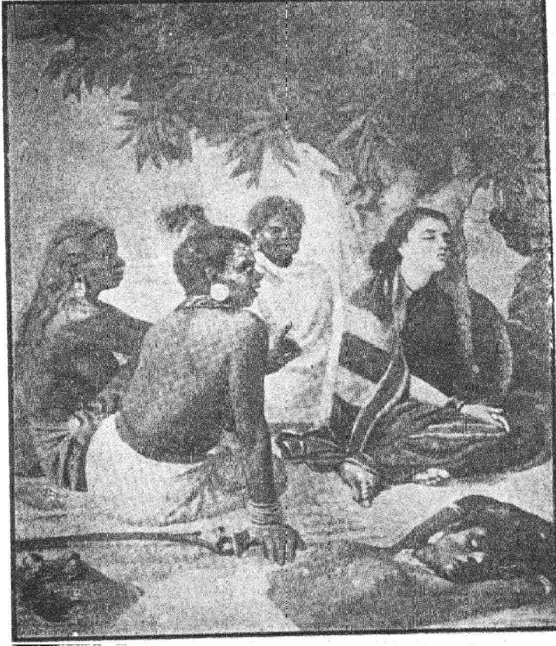
اے ہنس آہ! تیری یہ دلربا ادائین ۔۔۔ یہ نغمہاے دلکش، یہ جانفزا صدائین
افسون ہے عاشقی کا تیرے سرود خوانی ۔۔۔ کچھ دل کی داستان ہے کچھ شوق کی کہانی
نغمون مین آہ تیرے ہے سوز عاشقانہ ۔۔۔ دلکش تری صدا ہے، دلکش ترا ترانہ
آنکھین ہین آہ! تیری سرمست جام الفت ۔۔۔ آیا ہے لیکے شاید نل کا پیام الفت
تیری صدا دمن کو بیخود بنا رہی ہے ۔۔۔ تیری ادا سے دلکش دلکو لبھا رہی ہے
نطقِ بشر کا جادو تیری زبان مین ہے ۔۔۔ نیرنگ سحر و افسون تیرے بیان مین ہے
ہین میٹھی میٹھی تیری باتین عجب سُریلی ۔۔۔ بولی ہے پیاری پیاری، آواز ہے رسیلی
امرت کی ہین برستی جھڑیان تری زبان سے ۔۔۔ اور شہد ہے ٹپکتا لعلِ شکر فشان سے

او مرغ خوشنوا! او محوِ فسانہ خوانی ۔۔۔ پوچھے دمن کے دل سے کوئی تری کہانی
ہے گوش شوق تیری آواز پر لگائے ۔۔۔ ذکر جمیل جانان سنتی ہے سر جھکائے
عالم ہے بیخودی کا آنکھون مین آہ طاری ۔۔۔ اور اشک کر رہے ہین چہرے پہ غازہ کاری
لیتا ہے آہ چٹکی شوق وصال دل مین ۔۔۔ کیا جانے! آ رہے ہین کیا کیا خیال دل مین

او نقش دلفریبی، او نازشِ زمانہ ۔۔۔ یہ تیری جامہ زیبی، یہ وضع شاہدانہ
ہان! او نگارِ خوشخو! او لعبتِ پریرو ۔۔۔ عفت کی تو ہے مورت، دیوی ہے حسن کی تو
نل کا گذر رہا ہے جیسے فراق تجھکو ۔۔۔ صدمہ مفارقت کا ہے دل پہ شاق تجھکو
یونہین نہین گوارا اُسکو تری جدائی ۔۔۔ اک آگ عشق نے ہے دونون طرف لگائی
دو دل چھدے ہوئے ہین اک ناوکِ الم مین ۔۔۔ دو صید ہین تڑپتے اک دام رنج و غم مین
سینے فگار ہین دو اک تیغ خون نشان سے ۔۔۔ بسمل ہین دو کلیجے اک تیر جان ستان سے

از بسکہ آہ! نل کو ہے اشتیاق تیرا ۔۔۔ حد سے گذر گیا ہے دردِ فراق تیرا
آنکھون مین پھر رہی ہے تصویر آہ! تیری ۔۔۔ دل مین کھٹک رہی ہے نوکِ نگاہ تیری
دن بھر ترا تصور، شب بھر خیال تیرا ۔۔۔ بیچین کر رہا ہے شوق وصال تیرا
شام و سحر زبان پر تیری ہی گفتگو ہے ۔۔۔ حسرت ہے دید کی، اور ملنے کی آرزو ہے
آنکھون مین بس رہی ہے چھب تیری پیاری پیاری ۔۔۔ کچھ انتظار ہے، اور کچھ ہے امیدواری

آنسو بہانہ روکر، اے شمع انجمن تو ۔۔۔ کب تک رہیگی وقفِ سوز غم و محن تو
دردِ فراق کا ہے، پایان کار، آخر ۔۔۔ ہے ختم ہونے والا یہ انتظار آخر
تھ نل کا او حسینہ! ہے تیری رہگذر مین ۔۔۔ آنکھون مین ہے ترا نقشہ، صورت تری نظر مین
چہرے سے ہے نمایان رعبِ جلال شاہی ۔۔۔ اور حسن کا ہے شہرہ، از ماہ تا بہ ماہی
مکھڑا ہے چاندسا، اور ماتھا ہے گورا گورا ۔۔۔ بازو ہین لمبے لمبے، سینہ ہے چوڑا چوڑا
نورِ نگاہِ عالم ہین انکھڑیون کے تارے ۔۔۔ روشن ہون آسمان پہ جسطرح دو ستارے



سیتاجی اور باغ راون

انڈین پریس الہ آباد

او نقش نازِ خوبی ، او عفتِ مجسّم　　　جسطرح حُسن مین ہے تو انتخاب عالم
نکل آہ! زور بازو مین ہے یونہین یگانہ　　　طاقت مین فرد، ہمت مین نازشِ زمانہ
شاہان دہر سے ہے یون دبدبہ مین بڑھکر　　　تارون مین ماہِ کامل ہو جیسے جلوہ گستر

دریا رواں ہو کوئی جسطرح سوے قلزم　　　او بحر بیکران مین اپنا نشان کرے گم
کھویا گیا ہے یونہین دل تیری آرزو مین　　　پھرتا کشان کشان ہے تیری ہی جستجو مین
الفت ہے تیری دل مین سودا ہے تیرا سر مین　　　اک آگ شوق کی ہے بھڑکی ہوئی جگر مین
بیگانہ ہو رہا ہے تیرے لئے جہان سے　　　مرتا ہے تیرا شیدا تجھپر ہزار جان سے
ہر چند غم کا پُتلا رنج و ملال سے ہے　　　غافل نہین مگر وہ تیرے خیال سے ہے

سرور جہان آبادی

سیتا جی

جب گلشنِ جہان مین کچھ تازگی سی آئی　　　غنچون کے بھی لبون پر کچھ کچھ ہنسی سی آئی
شاخون مین نخل گُل کی اک نازکی سی آئی　　　کا واک انجمن مین دلبستگی سی آئی

تب ساقیِ ازل نے دیدیکے جامِ صافی
ہم وحشیون کو بھیجا اپنا پیامِ صافی؎

پایا سبق جنھون نے اخلاق بے ریا کا　　　تہذیب اور تمدن مذہب کا اور وفا کا
تھا موجزن سمندر اک صدق اور صفا کا　　　پُتلا بنا ہوا تھا ہر آدمی حیا کا

تھا نازشِ دو عالم طرزِ عمل ہمارا
تاریکیون مین رہبر نورِ ازل ہمارا

وہ دن کہان گئے اب اے آسمانِ دیرین　　　سُنتے کبھی نہین ہم وہ نغمہ ہاے شیرین
وہ نرمی و حلاوت وہ لطف ہاے پیشین　　　وہ زیست کے کہان اب سادے اصول و آئین

دُنیا بھری ہوئی ہے آلائشون سے یکسر
پُر ہے تکلفون سے ، زیبائشون سے یکسر

آتے نہین یہان اب وہ ہادیِ طریقت　　　طرزِ عمل تھا جنکا خود مشعلِ ہدایت
کوہِ الم اُٹھا کر سہ سکے رنج و کلفت　　　دیتے بشر کو ہر دم اک دائمی بشارت

دُنیا کو پاک کرتے ظالم کی بدعتون سے
ہر وقت کام اُنکو انسان کی راحتون سے

تھین دیویان ہماری عفت مآب یکسر　　　پڑھتین نماز حورین دامن پہ جنکے آکر
جنت تھی جنکو ہر دم زیرِ قدوم شوہر　　　وہ ہو فقیر کوئی یا شاہِ ہفت کشور

یہ جانتین اُسیکو ، یہ مانتین اُسیکو
اپنا خدائے عالم گردانتین اُسیکو

ان دیویون مین سیتا سرمایہ وفا تھین　　　جو رامچندر جی کی بانوئے خوش ادا تھین
شمعِ حریم دل تھین ، خورشید پُر ضیا تھین　　　باطن مین ایک تھین وہ ظاہر مین گو جدا تھین

کاشانۂ جہان مین تھے رام شعلۂ نور
نورِ ازل کی خاطر سیتا تھین شمعِ کافور

دونون کی ذات سے تھی دونون جہان کی رونق　　　یہ تھین زمین کی رونق ، وہ آسمان کی رونق
دونون کے دم سے دونی کون و مکان کی رونق　　　جسطرح بُلبل و گل ہین بوستان کی رونق

دونون ہی الغرض تھے چشم و چراغِ عالم
فیض قدم سے جنکے جنت تھا باغِ عالم

سیتا کے عیش مین جب رخنہ فلک نے ڈالا　　　اور رام کو محل سے بن باس کر نکالا
رخصت ہوا نظر سے گھر کا وہ سب اُجالا　　　دیدیکے اُنکو تسکین سب نے بہت سنبھالا

سائے کیطرح لیکن دنبال رام تھین وہ
شامِ شبِ الم مین ماہِ تمام تھین وہ

چھالون کی خونفشانی کو سون وہ دشت پیما　　　زخمی تھے پاے نازک چلنا تھا سخت دشوار
شوہر کے ساتھ لیکن وہ دشت بھی تھا گلزار　　　راحت سے اُنکی مطلب خدمت سے تھا سروکار

؎ مراد از وید مقدس ۱۲

چہرہ تھا زرد، لیکن دل مین شگفتگی تھی
ہر دم تھین پیشِ شوہر اسکی بڑی خوشی تھی

صحرا مین رام و لچھمن پھرتے تھے بادلِ شاد   سیتا تھین ساتھ خوش خوش، آتی نہ گھر کی تھی یاد
بستی سے موڑ کر مُنہ جنگل کیا تھا آباد   بن باس کی غرض تھی چودہ برس کی میعاد
نیکی سے اُنکے ممنون جن بھی تھے اور بشر بھی
مانوس ہوگئے تھے جنگل کے جانور بھی

راوَن نے دیکھ دھوکا جب رام سے چھُڑایا   صحرا مین چار جانب سیتا کا رنج چھایا
جنگل کو چھان ڈالا لیکن پتہ نہ پایا   پائی نہ گرد اُنکی، دیکھا نہ اُنکا سایا
لچھمن اُنہین اکیلا کیون چھوڑ کر گئے تھے
بھائی کی جوشِ خون سے لینے خبر گئے تھے

اے ساکنانِ صحرا سیتا کدھر گئی ہین   اے کوہ و دشت و دریا سیتا کدھر گئی ہین
اے آہوانِ رعنا سیتا کدھر گئی ہین   کچھ دو نشان خدارا سیتا کدھر گئی ہین
ہوتی ہے شام ابتک اُنکا پتا نہین ہے
منزل سے دُور جانا اسدم روا نہین ہے

کیا جانے کیا مصیبت گذری ہے اُس حسین پر   صدمہ بہت ہے اسدم میرے دلِ حزین پر
زیور پڑا ہوا ہے سیتا کا سب زمین پر   آنسو کے بھی نشان ہین ظاہر کہین کہین پر
دلکو نہین ہے دم بھر تابِ غمِ جدائی
ہر وقت کس سے ہوگا یہ ماتمِ جدائی

تیر و کمان تو لاؤ دیکھون کہان ہین سیتا   کس پردۂ خفا مین آخر نہان ہین سیتا
حالت ہے زار اُنکی یا شادمان ہین سیتا   دلکو مرے یقین ہے محوِ فغان ہین سیتا
اونچا ہے اس جہان سے اے آسمان بتادے
تیری نظر مین سب ہے سیتا کا کچھ پتا دے

کرتے ہوئے یہ زاری جاتے ہین رام بن مین   بلبل ہو جیسے نالان بھولے پھلے چمن مین
لچھمن انیسِ غربت، ہمدرد ہین محن مین   ہوتی ہے اُنسے تسکین اس رنج و شکن مین
بھائی ملے تو ایسا، ہمدم ملے تو ایسا
زخمِ جگر کی خاطر، مرہم ملے تو ایسا

یان دلکو رام کے تھی ایذا و بیقراری   سیتا پہ روتے روتے غش اُس طرف تھا طاری
تھی رہ نوردِ لنکا اُنکی ابھی سواری   راوَن کی بھی خوشی تھی اسوقت اعتباری
پہونچین میانِ لنکا جسدم وہ بے بسی سے
اک باغ مین اُتارا راوَن نے خامشی سے

پہرے پہ آکے بیٹھے دیوان کوہ پیکر   خدمت کو عورتین تھین صدہا کریہ منظر
لنکا کی جگمگاہٹ سونیکے بام اور در   وہ قلعہ ہاے زرّین وہ کاخہاے پُرزر
پھاٹک تھے آٹھ اُسکے آٹھون مگر مرصع
ایوانِ خسروی بھی تھا سر بسر مرصع

ناگاہ آنکھ کھولی سیتا نے غش سے اکبار   دیکھا کہ بن کے بدلے پیدا یہان ہے گلزار
جھلتی ہے مورچھل اک بدشکل اور مُردار   صدہا خواصین ایسی صورت سے جنکی خونخوار
تھین بیطرح یہ ظالم گھیرے ہوئے جو شب سے
ہوتے ہی صبح بیٹھین وہ دور جاکے سب سے

زیر درخت روئین جی کھولکر وہ کمبند   سیلابِ چشم اُمنڈا پلکون کا توڑ کر بند
اُس دل پہ بارِ غم ہے کل تک رہا جو خرسند   روتی تھین چپکے چپکے شمع سحر کے مانند
پابند شرم تھین وہ نفرت رہی فغان سے
گھُٹ گھُٹ کے جان کھوتین کہتین نہ کچھ زبان سے

تھا رام رام لب پر دلمین ہجوم غم تھا   فرقت مین آب و دانہ اُنکے لئے قسم تھا
تھین اک غزالِ رعنا غیرون سے اُنکو رم تھا   بیگانگون کا مجمع سب سے بڑا ستم تھا
دُوری سے رام کی تھے لاکھون ملال اُنکو
آتے تھے کیسے کیسے ہر دم خیال اُنکو

پڑتے جگر پہ نشترِ غم کے سحر سے تا شام   تھا شام سے سحر تک دلپر ہجوم آلام
شب کو نہ چین دم بھر، دن کو نہ صبر و آرام   آنکھون مین پھر رہی تھی ہر وقت صورتِ رام
ناکامیِ محبت عبرت فزاے دل تھی
سُنسان فرطِ غم سے عشرت سراے دل تھی

ہر دم نڈھال رہتی از بسکہ طبع محزون   آنکھوں سے بہ رہا تھا اشکوں کا ایک جیحون
ایذاے دردِ فرقت حدِّ بیان سے بیرون   رنج و غم جدائی ہر وقت تشنۂ خون

آمادۂ خلش تھے سینے مین خارِ حسرت

داغون سے جوش پر تھی دلمین بہارِ حسرت

راون تھا دیوِ سرکش لیکن فہیم و دانا   از بر تھے وید چارون، عالم وہ بے بدل تھا
آکر حضورِ سیتا اظہارِ شوق کرتا   لالچ ہر اک طرح کے دیتا تھا بے محابا

گستاخیون سے لیکن، مطلب نہ کچھ وہان تھا

رازِ نجات اُسکا اس رمز مین نہان تھا

انسان کوئی جہان مین اُسکا نہ تھا مقابل   تھی یوگ کی بدولت عمرِ دوام حاصل
اس زعم مین ہوا تھا ظلم و ستم پہ مائل   نالان تھی اُس سے خلقت، لرزان تھے خوف سے دل

قاتل کوئی نہ اُسکا اوتار کے سوا تھا

پر خاشِ رام سے بس اُسکا یہ مدعا تھا

سیتا کے پاس پہونچے اُس قید مین ہنومان   یہ رام کے تھے قاصد سب مشکلین تھین آسان
بولے کہ ساتھ چلیئے، آئے نہ دلمین کچھ دھیان   کہنے لگین یہ سیتا مجھکو ہے ایک ارمان

لنکا کو فتح کرکے لیجائین رام مجھکو

چلنے مین تھا نہ ورنہ کوئی کلام مجھکو

آخر کو بعد مدت جسدم خبر یہ پائی   فوراً ہی سوے لنکا کی رام نے چڑھائی
دل سے لگی ہوئی تھی سیتا کو دین رہائی   فوجین ہوئین اکٹھا بادل سی ایک چھائی

بپھرے ہوئے بہادر شیرِ ژیان کی صورت

لشکر ہوا روانہ ابرِ روان کی صورت

راون بھی لیکے نکلا دیوانِ کوہ پیکر   اُٹھ کر زمین سے پہونچی گردون پہ گردِ لشکر
ہیبت سے اُسکی کانپے دُنیا کے بحر اور بر   تیغین کھچی ہوئی تھین نکلے ہوئے تھے خنجر

لڑنے پہ راچھس سب بیڑھب تُلے ہوئے تھے

نقارے بج رہے تھے، پرچم کھلے ہوئے تھے

فوجین ہوئین مقابل آخر کو چھڑ گئی جنگ   میدانِ رزم مین تھا صحراے حشر کا رنگ
تھی عرصہ گاہِ دنیا فوجون کیواسطے تنگ   تھا وہ ہجومِ لشکر چشمِ فلک بھی تھی دنگ

کوشش جو صلح کی تھی سب رائگان گئی تھی

آوازِ بوق و قرنا تا آسمان گئی تھی

وہ رن پڑا کہ جس سے گردون بھی ہوگیا خم   روحین نکل کے بھاگین تن کے قفس سے پیہم
حیرت تھی قدسیو نکو سکتے مین ایک عالم   جمتی کبھی لڑائی، ہوتی کبھی وہ برہم

ہر وقت حالتِ جنگ اُمید و بیم مین تھی

فتح و ظفر کی دولت دستِ کریم مین تھی

آخر کو فوجِ راون میدان مین کام آئی   پھر بھی بہادری سے اُسنے شکست کھائی
مشکل تھی موت اُسکی لیکن امان نہ پائی   سیتا کو قیدِ غم سے فوراً ملی رہائی

زندان سے چھُٹ کے آئین جسدم وہ جانِ عصمت

لازم ہوا کہ پہلے دین امتحانِ عصمت

دیکھا جو سمتِ شوہر پایا کبیدہ خاطر   اگلی سی وہ محبت چہرے سے تھی نہ ظاہر
اِس مرا جب ان تھین اور راز دل سے ماہر   سمجھین کہ بدگمانی لائی ہے رنگ آخر

عورت کی زندگی کیا شوہر جو بدگمان ہو

کہنے لگین کہ فوراً اس شک کا امتحان ہو

داخل ہوئین چتا مین آزردہ بے محابا   شعلون سے آگ کے تھا آتشکدہ وہ صحرا
اسطرح آگ مین تھا روشن وہ روے زیبا   خورشید ہو افق مین جس طرح عالم آرا

گردون سے ہو رہی تھی دیوی پہ بارشِ گل

ہر لب پہ مدحِ سیتا ہر سمت تھا یہی غل

جب آگ سے ہوا کچھ اُنکا نہ بال بیکا   پہونچا ثبوت کامل جب پاکدامنی کا
تب رام نے بھی بڑھ کر اُنکو گلے لگایا   عظمت ہوئی مسلّم آنکھون پہ سب نے دی جا

لنکا کو فتح کرکے رام آئے جب وطن مین

آئی بہارِ رفتہ اُجڑے ہوئے چمن مین

فوجین بھی ہمعنان تھین منصور اور مظفر   مدت سے منتظر تھا تختِ شہی و افسر
آخر کو تاجپوشی کا دن ہوا مقرر   بجتے تھے شادیانے ہر طرح خوشی سے گھر گھر

تیاریان ہزارون دربارِ عام مین تھین

سیتا بھی جلوہ آرا پہلوے رام مین تھین

نظر

ایڈیٹوریل

ادیب کے پہلے نمبر کا خیر مقدم جس جوش و خروش اور فراخدلی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ ہمارے لئے نہایت حوصلا فزا ہے۔ ملک کے مقتدر اخبارات نے اس ادبی خدمت کو نہ صرف مفید بتایا ہے بلکہ اس رسالے کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے۔ اسیطرح پرائیویٹ طور پر بھی بہت سی رائیں موصول ہوئیں ہیں جنمیں ادیب پر اظہار پسندیدگی کے ساتھ ہمیں مفید مشورے بھی دئے گئے ہیں۔ یہ عام طور پر کہا گیا ہے کہ اسکی موجودہ حالت قائم رکھنے کی کوشش کیجائے اور یہ نہ ہو کہ صرف نمونہ ہی نمونہ ثابت ہو۔ اگرچہ ان باتونکو ہم عملی طور پر ثابت کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاہم عام بدگمانی رفع کرنے کیلئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ادیب کی نہ صرف موجودہ ہی حالت قائم رکھی جائیگی بلکہ حسب منشاء اعلان کے مطابق "قدردانونکی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہیگا"۔ جسطرح ادیب کی خصوصیات قائم رکھنے کا پریس ذمہ دار ہے اسیطرح اسکے کثیر اخراجات کی کفالت قدردانانِ علم ادب پر فرض ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی ذمہ واریوں کو محسوس کرتے رہینگے۔

اخبارات کے علاوہ ادیب کا پہلا نمبر بعض ایسے حضرات کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا جو ادبی معاملات میں خاص بصیرت اور تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ادبی تہذیب و شائستگی کے روح رواں جناب منشی رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس کانپور اپنے نوازشنامہ میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:-

"رسالہ ادیب کا پہلا نمبر پہونچا۔ نظر کی جدت نظر کو بہت ہی پسند آئی۔ ایسی تصاویر جنکا کیبنٹ سائز کے مختصر قطعہ پر چھاپنا دشوار ہو اس کراؤن سائز کے ایک صفحہ پر آسانی سے درست ہو جایا کرینگی۔ اسی ضرورت سے آپ نے غالباً یہ تقطیع مقرر فرمائی ہے جسکو میں بھی پسند کرتا ہوں۔ امید ہے کہ ملک اسکی باعتبار مضامین اور باعتبار نفاست کے قدردانی کرے گا"

محمد رحمت اللہ رعد

ادیب کی پالیسی کے متعلق بعض حضرات کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس سے علیحدگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسمیں مذہبی اور ملکی معاملات سے بحث نہیں کیجائیگی۔ بلکہ وہ مذہبی معرکہ آرائیاں جو ملکی ترقی کی رفتار میں سنگ راہ ہیں ادیب میں نہیں چھیڑی جائینگی اور حکومت وقت کے طرز عمل پر کسی قسم کی نکتہ چینی روا نرکھی جائیگی۔ ان امور سے قطع نظر کرکے تمام اُن مذہبی اور ملکی معاملات کے لئے جو دائرہ ادب کے اندر ہوں اور جنسے ابنائے ملک فائدہ اُٹھاسکیں ان صفحات میں کافی گنجایش ہے۔

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مصنف آبحیات و دربار اکبری وغیرہ کی وفات جو ۲۱ جنوری سنہ حال کو واقع ہوئی ہے اُردو علم ادب کیلئے ایک سخت ماتم ہے۔ آپ زبان اُردو کے سب سے پہلے محسن اور ہندوستان میں سب سے پہلے "شمس العلما" تھے۔ موجودہ علم ادب کی داغ بیل اسی فاضل اور یگانہ آفاق ادیب کے قلم نے ڈالی تھی اور اپنے زور علم اور بلندیِ خیال کی بدولت فضائے ادب کی اُس بلندی پر پہونچے جہاں جاتے ہوئے طائر خیال کے پر جلتے ہیں۔ وہ اپنی وفات سے پہلے ہی اُس بہشت میں پہونچ گئے تھے جہاں رنج و راحت اپنی ہدی، اور دُنیا کے شور و شر سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے، اور جہاں دائمی مسرت اور سرور ابدی کی موجیں اُٹھتی رہتی ہیں ہم حضرت مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔

اس نمبر کی تصاویر کے ساتھ مضامین اور ضروری نوٹ حسب موقع درج ہیں۔ حضرت جلال مغفور کی تصویر کے لئے ہم اپنے قدیم کرمفرما جناب سردار صاحب امرتسری کے ممنون ہیں جنہوں نے ادیب کے لئے معمول سے بڑا فوٹو بنواکر عنایت کیا ہے۔ رنگین تصویر انڈین پریس ہی کے ایک دوسرے مصور کی صناعی ہے اور سیتاجی کی تصویر مسٹر راوی ورما کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

ادیب کا خیر مقدم

ملک کے گرانمایہ اور نامور اخبارات نے ادیب کا خیر مقدم جن حوصلہ افزا الفاظ مین کیا ہے اُسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم اُنکے ریویو درج ذیل کرتے ہین ۔ ہمین یہ معلوم کرکے بیحد خوشی ہوئی کہ ملک کو ادیب کی ضرورت ہے اور معزز اہل الرائے ہماری اس علمی خدمت کو ملک کے لئے مفید سمجھتے ہین۔

۱   منیجر ادیب

لیڈر۔ الٰہ آباد:۔ "ہم اپنے نئے اُردو ہمعصر ادیب کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہین ۔ یہ ایک باتصویر ماہوار رسالہ ہے جسکے اڈیٹر منشی نوبت رائے نظر لکھنوی ہین اور انڈین پریس کی ملکیت اور اہتمام مین شائع ہوا ہے ۔ پہلے نمبر مین نثر مضامین کی ایک کثیر تعداد ہے جو نہایت قابلیت سے لکھے گئے ہیں ۔ اور مختلف سبجکٹ پر مبنی ہین ۔ انمین پنڈت بشن نرائن صاحب در کے متعلق جو مضمون پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی کے قلم سے نکلا ہے خاص طور پر قابل الذکر ہے ۔ نظمین بھی اعلیٰ درجے کی ہین اور ہم نہایت خوشی سے محسوس کرتے ہین کہ اڈیٹر کو پہلے ہی نمبر کے لئے ہمارے نامور ہموطن خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کے پُر زور اشعار حاصل کرنے مین کامیابی ہوئی ہے ۔ پانچ نہایت نفیس تصاویر بھی شامل ہین ۔ مشہور ہندی رسالہ سرستی کی تقطیع کے ۷۰ صفحات کے حجم، مرغوب تصاویر، اور نفیس لکھائی چھپائی کے ساتھ اسکی قیمت صرف چار روپیہ سالانہ ہے جو بالکل کم ہے ۔ اگرچہ اُردو مین بیشمار رسالے نکلتے ہین لیکن انمین نصف بھی ایسے نہین جو قابل اعتنا ہون اور کوئی شک نہین کہ اُردو مین اعلیٰ درجے کے ادبی رسالون کی ابتک کمی ہے ۔ ادیب کی اشاعت نہایت امید افزا ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ وہ اُردو رسالون مین اپنا وقار عرصے تک قائم رکھے گا۔"

ایڈوکیٹ۔ لکھنو:۔ "ہم اپنے نئے ہمعصر ادیب کا خیر مقدم کرتے ہین جو ہندوستانی رسالون مین ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ ایک باتصویر ماہوار رسالہ ہے جو انڈین پریس الٰہ آباد سے شائع ہوا ہے اور جسکے اڈیٹر ہمارے شہر کے مشہور اہل قلم منشی نوبت رائے نظر ہین ۔ اسکے مضامین نثر و نظم دونون بلند پایہ ہین جنمین رائے پربھو لال صاحب کا مضمون "چند الہامی کلمات" پنڈت برج نرائن صاحب چکبست کا مضمون "پنڈت بشن نرائن در" اور مسٹر رائے کا مضمون "نمائشگاہ لاہور" خاص طور پر قابل الذکر ہین ۔ لکھائی چھپائی اور تصویرین بھی اعلیٰ درجے کی ہین جو انڈین پریس کی عمدہ کارگزاری کا نمونہ ہین ۔ اس پرچے مین سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسمین غیر اخلاقی مضامین کی اشاعت سے سختی کے ساتھ احتراز کیا جاتا ہے ۔ لہٰذا یہ اُردو جاننے والی مستورات کے ہاتھ مین بلا تکلف دیا جا سکتا ہے ۔ ہم کارکنان ادیب کو اُنکی مساعی جمیلہ کیلئے مبارکباد دیتے ہین اور خواہشمند ہین کہ اُردو کا یہ ممتاز رسالہ ہر طرح ترقی کرے ۔

ہندوستانی لکھنو:۔ انڈین پریس الٰہ آباد سے ادیب نامے اُردو کا ایک باتصویر ماہوار رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے ۔ اسکے اڈیٹر منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی ہین جنوری کے پرچے کے مضامین اور نظمین اعلیٰ درجہ کی ہین اور انمین چند الہامی کلمات از رائے پربھو لال صاحب پنڈت بشن نرائن صاحب در ازلہ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست (یہ مضمون ہم آج کے پرچے مین درج کرتے ہین) ۔ نمائشگاہ لاہور از مسٹر رائے ۔ کلام اکبر ۔ از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہین ۔ رسالہ کی تقطیع انڈین پریس کے مشہور ہندی رسالہ سرستی کی تقطیع کے برابر ہے اور یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر ماہ ۸۰ صفحے مع ۵ تصویر دئے جنمین سے ایک رنگین اور چار عکسی ہونگی ہدیۂ ناظرین کیجاوینگی ۔ چنانچہ اس نمبر مین دھرتراشٹ اور درو پدی کی رنگین تصویر ۔ اور پنڈت بشن نرائن صاحب در اور خان بہادر اکبر حسین صاحب کے فوٹو کے علاوہ آدم و حوا اور راجہ گوپی چند کی تصویرین موجود ہین ۔ آدم اور حوا کی تصویر حکیم محمد خان صاحب لکھنوی کی بنائی ہوئی ہے جو کلکتہ کے آرٹس اسکول کے نامور طالبعلم اور مسٹر ابنیندرا ناتھ ٹاگور کے شاگرد رشید ہین باوجود ان تمام خصوصیتون کے قیمت صرف چار روپیہ سالانہ ہے ۔ نمونہ کا پرچہ چھ آنہ وصول ہونے پر روانہ کیا جاتا ہے ۔ یون تو اُردو مین اخبار اور رسالے بہتیرے نکلتے ہین لیکن شمالی ہندوستان مین ابھی تک ایک اول درجہ کے اُردو ماہوار رسالہ کی ضرورت ہے ۔ ہم امید کرتے ہین کہ منتظمان انڈین پریس اور منشی نوبت رائے صاحب نظر کی سعی سے ادیب جلد اس خاص ضرورت کو پورا کرے گا۔

نیر اعظم مراد آباد:۔ رسالہ ادیب الٰہ آباد ۔ ہمارے پاس رسالہ کی ایک کاپی بغرض ریویو آئی ہے یہ رسالہ انگریزی رسالون کی شان مین نکالا گیا ہے ۔ اور ہم مالک رسالہ کو مبارکباد دیتے ہین کہ انھون نے ایک ایسی شان کا رسالہ نکالا ہے جو اپنی مثال آپ ہی ہوگا ۔ بشرطیکہ اُسکی یہی آب و تاب قائم رہے کاغذ و لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اسکے علاوہ پانچ تصاویر بھی قبل سامنے کی جانب ثواب دی گئین ہین جنمین سے ایک رنگین تصویر

مین دو تصویرین بہت زیادہ دلچسپ ہین - ایک تو راجہ گوپی چند کی تصویر دوسرے ہمارے ملک کے قابل فخر فرد جناب مولوی اکبر حسین صاحب اکبر کی جنکا کلام ایسی عام مقبولیت حاصل کر رہا ہے -

مضامین مین بھی قریباً تمام مضامین اعلیٰ پایہ کے ہین اور نظمین بھی نہایت مناسب ہین جنمین کلام اکبر بھی شامل ہے - رسالہ کے مقاصد اُردو لٹریچر کی مدد اور تمدنی معاملات پر بحث کرنا ہے - پولیٹیکل معاملات سے رسالہ کو کوئی تعلق نہوگا - باوجود ان تمام خوبیون کے قیمت سالانہ صرف للعہ ہے جو در حقیقت بہت ہی کم ہے - ہمارے نزدیک اس شان کے رسالہ کی اس سے کم قیمت ہو ہی نہین سکتی - ہم امید کرتے ہین کہ یہ رسالہ بہت جلد مقبول ہوکر اعلیٰ طبقہ کے رسالون مین گنا جائیگا -

آریہ گزٹ لاہور :- الہ آباد سے ماہواری رسالہ ادیب کا پہلا پرچہ پہونچا ہے - اس مین چھ اعلیٰ درجہ کی تصویرین حجم ۵۶ صفحہ ہے چھپائی لکھائی کی نفاست کے لحاظ سے اُردو رسالون مین بےنظیر ہے - اور اعلیٰ درجہ کے انگریزی رسالون کے ہم پایہ - مضامین بھی اچھے ہین -



جلد ۱ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء نمبر ۳

ادیب

ادیب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

ایڈیٹر نوبت راے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ

فی پرچہ ۶ ؍

پنچکوڑی متر پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد مین چھاپکر شائع کیا

(قیمت سالانہ للعہ) — ادیب — (فی پرچہ ۶ر)

ادیب

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پرداز اسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کے لیے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۴۸ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے اکیسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصورون کی صناعیون کے نمونے مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ بہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کیساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۶ر وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف وخوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا۔

خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہو سکے گی۔ تمام خط وکتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہیے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد



شاہ جہاں کا محل

انڈین پریس الہ آباد

مارچ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۱ نمبر ۳

چند الہامی کلمات

(۳)

विजानीयात वात्मानमन्यां बाचं विमुञ्चत।

(ترجمہ)

"آتما کو جان یعنی اپنے کو پہچان اور دوسری باتون کو چھوڑ"

معرفتِ حق

اس سے پہلے عشق کا مضمون ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے جسمین اگرچہ عالم مستی و مدہوشی مین عاشق عین وصل کی حالت مین اپنے کو عین معشوق ہی سمجھکر یہ پکار اُٹھتا ہے کہ اے پریتم پیارے - من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی وغیرہ وغیرہ - لیکن پھر بھی ہوش مین آکر وہ اپنے معشوق کو اپنے سے جُدا سمجھکر اُسکی ستایش کرنے لگتا ہے اور اُس ستایش کے کرنے سے وہ کبھی سیر نہین ہوتا ہے اور اسطرح کی حالت کیا عشق مجازی اور کیا عشق حقیقی دونون مین طاری ہو جاتی ہے کسی شاعر کا ایک شعر ہے :-

چڑھا منصور سولی پر پکارا عشق بازون کو
یہ اُسکے بام کا زینہ ہے آئے جسکا جی چاہے

اس شعر سے ظاہر ہے کہ اگرچہ عاشق و معشوق دونون کا وصل کامل ہو گیا تھا اور عین حالت مدہوشی و بیخودی مین سچے عاشق خدا منصور حلاج نے کلمہ الحادانہ "انا الحق" کو اپنی زبان پر جاری کیا تھا تاہم جو ضمیر غائب "اُسکے عشق" کی اس شعر مین مستعمل ہوئی ہے اُس سے یہ صاف ٹپک رہا ہے کہ باوجود وصل کے

پھر بھی جدائی کا خیال رہا یعنی یہ کہ کسی ایسے معشوق کے بام کا یہ زینہ ہے جو اپنے سے الگ ہے اسیطرح مجذوبۂ کامل میران بائی کا یہ مشہور گیت ہے۔

گیت

کبھی مین تو دَرد دِوانی دَرد نہ جانے کوے ٹیک
گھائل کی گت گھائل جانے جو کوئی گھائل ہوے کبھی مین تو الخ
بھیتر گھاؤ لگیو ور دکو باہر جانے نہ کوے کبھی مین تو الخ
سُولی اوپر سیج ہماری کس بدھ پڑھنو ہوے کبھی مین تو الخ
میران کے پربھو گر دھر ناگر بیدیہ (वैद्य) سانوریا ہو کبھی مین تو الخ

اگرچہ گیت کا مضمون نہایت ہی مستانہ ہے اور حالتِ وجد پیدا کرتا ہے تاہم یہ پایا جاتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق سے جدا ہے وید یہ (वैद्य) سانوریا کوئی الگ ہے جس سے اس مرض عشق کی شفا کی امید کیجاتی ہے۔

سچ پوچھو تو یہ بھگتون کا طریقہ ہے جو عین وصل مین بھی جدائی کا خیال قائم رکھنا چاہتے ہین اور جو امتیاز عاشق و معشوق مین ہے اُسکو باقی رکھنا چاہتے ہین۔ ہمیشہ کے لئے وہ عاشق ہی رہنا چاہتے ہین کیونکہ جب عاشق و معشوق دونون ایک ہو گئے تو عشق درمیان سے جاتا رہا اور اُنکے نزدیک جب عشق ہی نہ رہا تو پھر کیا خاک رہا جس سے اُنکی تشفی ہو۔ اسلئے یہ اہل طریقت اسی کو ترجیح دیتے ہین کہ وہ ہمیشہ عاشق ہی بنے رہین اور معشوق کا جو مرتبہ ہے اُسکو قائم رکھین۔ اور جو حد اُنہون نے اسطرح قائم کر لی ہے اُس سے وہ تجاوز کرنا نہین چاہتے اور اُس سے تجاوز کرنے کے خیال کو وہ داخل الحاد سمجھتے ہین۔ یہ وہ حد ہے جو ہندوون مین شری رامانج آچارج کی قائم کی ہوئی ہے اس سے باہر قدم رکھنا اُنکے نزدیک الحاد ہے۔ لیکن شری سوامی شنکر آچارج فرماتے ہین کہ نہین سچے سالک کو اس حد سے بھی باہر قدم رکھنا چاہئے۔ اگر مستی و مدہوشی ہے تو وہ ایسی ہونی چاہئے کہ کپڑون وغیرہ کی بھی سُدھ بُدھ نہ رہے بلکہ کپڑون کو پھاڑ کر بالکل عریان ہی ہو جانا چاہئے۔ گویا یہ عریانی ہی عین حالت ہے۔ عین حقیقت ہے۔ بقول شخصے

تن کی عریانی سے بہتر نہین دُنیا مین لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہین سیدھا اُلٹا

یہان تن کی عریانی کی جگہہ باطن کی عریانی مراد لینا چاہئے نہین نہین سوامی شنکر اچارج کا یہ قول ہے کہ عین حالت ہوش ہی مین ہمکو یہ عریانی کی حالت پیدا کرنی چاہئے۔ عریانی سے مراد یہان یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ ایک ہی حقیقت ہے اور وہ حقیقت ہمارا ہی آتما ہے۔ ہمارا ہی آتما سب جگہہ ہے اور سوائے اُسکے اور کوئی دوسری حقیقی ہستی ہے ہی نہین۔ باقی جتنے لباس علائق دُنیا کے ہین وہ ہمنے سب اُتار ڈالے ہین کیونکہ فی الحقیقت یہ لباس ہمارے لباس نہین ہین۔ ہمنے جہل سے، لاعلمی سے، اگیان سے، انکو اپنا ملبوس سمجھ لیا ہے۔ ہماری اصلی حالت تو عین عریانی ہی ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس مین قدم رکھتے ڈر لگتا ہے ہر قدم پر الحاد کے فتوی کا خوف ہے زبان سے یہ کلمہ نکلا

(चिदानन्दरूपः शिवोहम् शिवोहम्)

"چدانند روپ شوو ہم شوو ہم" کہ ہماری زبان پکڑی گئی۔ منصور نے صرف عالم مدہوشی ہی مین کلمہ انا الحق اپنی زبان سے نکالا تھا اور وہ مستوجب سزائے دار ہوا تھا یہان تو اس طریقہ مین عین حقیقت یہی ہے۔ عالم مدہوشی و مستی کا کیا کہنا۔ یہان اگر کوئی جرات اس حقیقت کی تعریف کی گئی تو یہ کہکر فوراً زبان پکڑی گئی کہ "نیتی نیتی" (नेति नेति) یعنی یہ نہین یہ نہین جب

پوچھا گیا کہ آخر تم ہو کیا تو جواب ملا بقول شنکر اچاریج "نہ مین خاک ہون نہ آب نہ آتش نہ باد اور نہ آکاش نہ برہمن نہ چھتری نہ ویش نہ شودر وغیرہ وغیرہ بلکہ ست چت آنند روپ یعنی پرمیشور ہون - بقول مولانا شمس تبریز -

نہ از خاکم نہ از بادم نہ از آبم نہ از آتش
نہ ترسا و یہودی ام نہ گبرم نے مسلمانم
الا یا شمس تبریزی چرا مستی درین عالم
بجز مستی و مدہوشی نباشد ہیچ سامانم

غرض اسیطرح کے خیالات کے متعلق ہمارے سوامی جی کے آگے کے ارشادات ہین جو انکے الہامی کلمات مین بہت بڑا حصہ لئے ہوئے ہین - چنانچہ وہ فرماتے ہین -

"یہ برہم گیان یعنی عرفان حق اسطرح حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ نیک ہے یہ بد ہے، یہ سکھ ہے یہ دُکھ ہے، اس سے ہمین اپنے کو پرے رکھنا چاہئے - ہر راحت کے بعد تکلیف ہے گو انمین فقل زیادہ ہو یا کم - ہمکو ان دونون سے علیحدہ رہنا چاہئے - کیونکہ ان دونون کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی اصل حقیقت کو بھول جاتے ہین - ان دونون کے پرے آتما ہے جسپر راحت اور مصیبت کا کوئی اثر نہین پڑتا ہے - مصیبت و راحت یہ دو ایسی حالتین ہین جنمین دائمی انقلابات ہوتے رہتے ہین لیکن آتما انسے پرے ہے - کیونکہ وہ پرمانند سروپ ہے - اس پرمانند یعنی سرور دائمی کو حاصل کرنے کے لئے ہمین کہین جانے کی ضرورت نہین کیونکہ وہ سدا ہمارے پاس ہے اسکو صرف پرکرنا چاہئے کہ ہمارے آئینہ دل پر جو زنگ ہے اُسکو دھوئین جب ہمکو یہ گیان ہو جائیگا کہ آتما سب جگہہ ہے اور کوئی مقام نہین جو اُس سے خالی ہو تو پھر ہم دُنیا کے اُن آلام کو قطعاً خاموشی کے ساتھہ دیکھینگے - ہمکو اسکی بھی پرواہ ہوگی کہ ہم بہشت کو جاتے ہین یا دوزخ کو - کیونکہ ایسی صورت مین ہر مقام ہمارے ہی آتما کا مندر ہے - ہر مقام پاک ہے نہ سکھ ہے نہ دُکھ ہے نہ جینا ہے نہ مرنا - کیول پرمانند ہے جسکی کوئی انتہا نہین -

ہم ہی کائنات مین داخل ہوتے ہین اور پھر وہ کائنات ہمارے لئے زندہ ہو جاتی ہے - فی الحقیقت کل اشیا بیجان ہین - ہم ہی انکو جاندار بناتے ہیں اور پھر مثل احمقون کے ہم اُنسے ڈر کر بھاگتے ہین یا اُنسے حظ اُٹھانا چاہتے ہین[1] لیکن ہماری حالت اُن ماہی گیر عورتون کی سی ہونی چاہئے جنکو گھر کو واپس آتے وقت ایک طوفان نے گھیر لیا تھا جسکی وجہ سے وہ ایک گندھی یا پھولوالے کے مکان مین پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھین - یہان وہ کیا دیکھتی ہین کہ چارون طرف خوشبودار پھولون کے ڈھیر ہین جنسے سارا مکان مہک رہا ہے - ان بیچاریون نے بہت کوشش کی کہ نیند آئے مگر کیسے آتی اُنکے دماغ تو پھولون کی خوشبو سے پریشان ہو رہے تھے - آخر اُن مین سے ایک نے یہ حکمت کی کہ مچھلی کے ٹوکرون کو پانی سے بھگو کر ہر ایک کے سرہانے رکھدیا اور پھر وہ سب گہری نیند مین سوگئین - یہ دُنیا بھی ہمارے لئے مچھلی کے ٹوکرے کے مانند ہے اسلئے ہمین حظ اُٹھانے کے لئے اسپر صبر کرنا

[1] سوامی جی کا یہ ارشاد کسیقدر تشریح طلب ہے اس ارشاد سے اُنکی یہ مراد ہے کہ چونکہ کل کائنات کا وجود ذات حق پر قائم ہے اور وہ ذات حق ہماری ہی آتما ہے یا یون کہو کہ چونکہ نمود عالم بے بود نہین بلکہ اُسکی بود وہی ایک حقیقت ہے جو عین ہماری ہی آتما ہے اسلئے اس کائنات کی ہستی کے گویا ہم ہی باعث ہوئے یا یون کہو کہ ہم اپنے ہی اگیان سے اس کائنات کو پیدا کرتے ہین ورنہ فی الحقیقت اُسکی کوئی حقیقی ہستی نہین ہے -

چاہیئے ۔ دُنیا ہمارے لئے ہے نہ کہ ہم دُنیا کیلئے ہین ۔ ہمین ایسا کرنا چاہیئے کہ نیکی اور بدی پر قادر ہو جائین ۔ نہ کہ یہ اُلٹی ہمپر مسلّط ہونے پائین جیسے لڑکے کالج کے نگون (नगों) کو کھڑے ہین پاکر خوش ہو جاتے ہین ویسے ہی ہم دُنیا سے خوش ہوتے ہین نیکی و بدی پر بے تعلقی کے ساتھ نظر ڈالکر ہمین سُکھ دُکھ دونون کو ایک سمجھ لینا چاہیئے اور یہ جاننا کہ یہ دُنیا خدا کا ایک کھیل ہے ہمین دونون کو بھوگنا چاہیئے ۔

اہنکار مین انانیت کی آہنی دیوار ہی ہمارے بیچ مین سدِّراہ ہے ۔ کیونکہ ہمارا تو یہ وتیرہ ہو رہا ہے کہ جب ہمین کسی کام مین کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ کہتے ہین کہ یہ کام ہمنے کیا ۔ یہ ہماری تدبیر سے ہوا ہے ۔ اس اہنکار کو ہمین مٹانا چاہیئے ۔ اسلئے اُن لوگون کو دعا دو جو تمہین بُرا کہین ۔ کیونکہ وہ اسطرح تمہارا اہنکار مٹا کر تمہارے ساتھ بہت بڑا سلوک کرتے ہین ۔ ایسے لوگون سے ملو جو تمسے نفرت کرتے ہین تاکہ خودی کی بو تمہارے دل سے دُور ہو ۔ ہمارا تو ایسا حال ہو رہا ہے کہ مثل ایک بندریا کے ہم دُنیا کے اس بچّے کو اپنے پیٹ سے لگائے ہوئے ہین ۔ مبارک ہین وہ لوگ جو اس بچّے کو گرا کر اور اُسکو کچل کر خدا تک پہونچتے ہین ۔ ہم مین سے بعض دُنیا کو ایک دفعہ ہمت کر کے ترک تو کر دیتے ہین مگر پھر مایوسی اُن کو گھیر لیتی ہے ۔ نہین ایسا نہونے دو ۔ استقلال کے ساتھ ثابت قدم رہو ۔ یہ دُنیا مثل ایک سلطنت کے ہے جس پر اہنکار حکمران ہے ۔ اس اہنکار کو مٹاؤ اور استقلال کے ساتھ اگر کھڑے ہو جاؤ گے تو ضرور مقصد کو پہونچو گے یہ خیال کہ جو لذائذ ہمین حواس خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہین وہی ہین لذائذ ہین صحیح نہین ہے ۔ اُنمین ایک شمہ بھی حقیقی مسرت نہین ہے ۔ اُنمین اگر کوئی حظ ہے تو وہ اصلی سرور یعنی پرمانند کا محض ایک پرتو یا عکس ہے ۔

جو گیانی ہے وہ سب چیزون کے پرے جانا چاہتا ہے اس دُنیا کی چیزون سے اُسکی تشفّی نہین ہوتی ہے کتابون مین جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی اُس کی تشفّی نہین ہوتی ہے نہ سائینس سے اُسکا دل بھرتا ہے ۔ یہ کُل عالم اُسکی نگاہ مین دریائے ہستی کا ایک قطرہ ہے ۔ وہ ان تمام چیزون سے پرے جانا چاہتا ہے اور حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے دیکھنا چاہتا ہے ۔ ایسا فلاسفر ہے کہ جسکی نگاہ مین ایشور نہ صرف پتا ماتا ہے نہ صرف اسس پرپنچ (प्रपंच) کا کرتار ہے نہ صرف اسکا پالن ہارے بلکہ یہ تمام الفاظ اُسکے لئے بہت ہی کم ہین ۔ اُسکے نزدیک ایشور خود اُسی کی روح ہے خود اُسی کا آتما ہے اُسکے لئے اور کوئی چیز باقی نہین رہتی ۔ وہ دریائے ہستی مین اپنے آپ کو مٹا دینا چاہتا ہے ۔

جیو آتما کیا ہے اور پرماتما کیا ہے اسکا ایک درشٹانت (مثال) مین بیان کرتا ہون[1] ایک درخت پر دو پرندین ایک چوٹی پر ہے اور دوسرا نیچے ایک شاخ پر ۔ وہ جو چوٹی پر ہے چپ چاپ اپنے ہی شان مین ڈوبا ہوا ہے اور وہ جو نیچے کی شاخ پر ہے باری باری سے میٹھے اور کڑوے پھل کھاتا ہے کبھی میٹھے پھل کھا کر خوش ہوتا ہے اور کبھی کڑوے پھل کھا کر دُکھ پاتا ہے ۔ کچھ عرصے کے بعد نیچے کے پرندے نے ایک بہت ہی کڑوا پھل کھایا جس سے اُسکو تکلیف ہوئی اور اُسنے اوپر کیطرف نظر ڈالی اور وہان اُسکو وہ سُنہرے پر والا پرند دکھائی دیا ۔ وہ پکشی نہ میٹھے نہ کڑوے پھل کھاتا ہے اور

[1] یہ درشٹانت اپنشدون مین سے لیا گیا ہے ۔

نہ سُکھی ہے نہ دُکھی۔ وہ بالکل چپ چاپ اپنے ہی ویبھو (شان) مین ڈوبا ہوا بیٹھا ہے۔ لیکن نیچے کا پرند بھرم مین پھنسکر اُس درخت کے میٹھے اور کڑوے پھل کھانے لگتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُسنے ایک ایسا کڑوا پھل کھایا کہ اُسکو بڑا دکھ ہوا اور پھر نگاہ اوپر کو ڈالی اور اوپر کے پکشی کیطرف کو چڑھنے لگا۔ یہانتک کہ اُسکے اسقدر نزدیک پہونچ گیا کہ اوپر کے پکشی کے سُنہرے پرون کی روشنی اُسکے بدن پر پڑی۔ ہوتے ہوتے وہ اُسکے اسقدر نزدیک پہونچ گیا کہ جو اصل حقیقت تھی وہ اُسکو معلوم ہوگئی۔ اُسکو یہ معلوم ہوا کہ مین جو اپنے آپ کو ایک جُدا گانہ پرند نیچے بیٹھا ہوا سمجھتا تھا صرف پرتو یا عکس تھا اُس پرندے کا جو اوپر فی الحقیقت بیٹھا تھا وہی خود اوپر والا پکشی تھا۔ یہ نیچے کا پکشی یہ باری باری سے میٹھے اور کڑوے پھلوں کو کھانا، یہ باری باری سے خوش اور ناخوش ہونا، ایک خیال ہی خیال تھا۔ ایک خواب تھا۔ اصل پکشی تو اپنی شان مین ڈوبا ہوا پرماتما سروپ ہمیشہ ہی موجود ہے۔ جس سے مراد پرماتما لینا چاہئے۔ اور نیچے والے کو جیو آتما، جو اس دُنیا کے میٹھے اور کڑوے پھلوں کو باری باری سے کھاکر باری باری سُکھ اور دُکھ بھوگتا ہے۔ ایک مرتبہ اُسکو وہ صدمہ پہونچتا ہے جس سے وہ تھوڑی دیر کے لئے اوپر کیطرف کو دیکھتا ہے اور کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اُسکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دُنیا متھیا یعنی جھوٹی ہے۔ وہ کچھ اوپر کو چڑھتا ہے لیکن اندریان اُسکو پھر نیچے کی طرف ڈھکیل دیتی ہین اور پھر وہ دُنیا کے میٹھے اور کڑوے پھلوں کو کھانے لگتا ہے۔ پھر ایک بہت ہی بڑا صدمہ پہونچتا ہے جسکی وجہ سے اُسکی آنکھین کُھلتی ہین اور پھر وہ حقیقت پر غور کرتا ہے۔ اور اس مرتبہ ذرا گہرا غور کرتا ہے۔ یہانتک کہ اُسکو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہی پرماتما سروپ پرماتما ہے وہ جو اس دُنیا کے ذرہ ذرہ مین موجود ہے۔ وہ جو بڑے سے بڑے سورجون اور چاندون مین موجود ہے وہی میری زندگی کی بھی جڑ ہے۔ اور وہی میرا آتما ہے نہین نہین مین وہی ہون اہم برہما سمی (انا الحق)

آخر مین سوامی جی یہ فرماتے ہین:۔

جب تم یہ جان جاؤ گے کہ مین ہی عین حقیقت ہون تب یہ سب خیال دور ہوجائینگے۔ "مین آدمی ہون مین عورت ہون مین بیمار ہون مین تندرست ہون۔ مین طاقتور ہون مین کمزور ہون۔ مین پیار کرتا ہون۔ مین نفرت کرتا ہون۔ یہ سب بھرم ہے اور کچھ نہین۔ ان خیالات کو نکال ڈالو تم کس وجہ سے کمزور ہوتے ہو تم ہی تو عین حقیقت ہو۔ یہ سمجھو کہ ہر ایک خیال ہر ایک لفظ جس سے دُنیا مین کمزوری پیدا ہوتی ہے وہی بُرائی ہے جو اس دُنیا مین ہے۔ مگر یعنی نادان لوگ یہ کہتے ہین کہ تم پاپی ہو اسلئے آؤ ایک کونے مین بیٹھکر آہ و زاری کرکے استغفار کیلئے مناجات کرین۔ تمکو جو پاپی کہین وہ اگیانی ہین۔ تم تو عین حقیقت ہو۔ تم کیسے پاپی ہو سکتے ہو۔ ذات حق اور تم کوئی جُدا جُدا نہین ہو۔ اگر تم کسی غریب کی مدد کرتے ہو تو اسکا ذرا بھی فخر مت کرو۔ کیونکہ تم اپنی ہی مدد کرتے ہو۔ تم ہی سارے عالم کی روح یعنی آتما ہو۔ تو پھر تم کس سے نفرت اور کس سے محبت کروگے۔[۱]

سوامی جی کے مندرجہ صدر ارشادات کو پڑھکر شاید

---

[۱] سوامی جی کا یہ ارشاد صرف نگاہ حقیقت سے صحیح ہے کیونکہ جب ہم ذات مطلق ہی ہین اور وہ ذات پاک ہے تو پھر ہم پاپی کیسے ہوسکتے ہین البتہ نگاہ تعین سے ایسے بہت کم ہونگے جو پاپی نہین کہلائے جاسکتے کیونکہ ان تعینات کا باعث اگیان ہے جس سے یہ سب کمزوریان ہین اور جو سب سے بڑا پاپ ہے۔

پائی جاتی ہین اور جسقدر ہمارے اردگرد ایسے سامان حرفت اور صنعت کے موجود ہین اُن مین سے یا تو بہت سا حصہ نامکمل ہے یا جزوی رنگ مین تکمیل شدہ - اگر اس نامکمل اور کسی حد تک مکمل سامان کو ملک و قوم مین سے جُدا کر لیا جاسے تو اُسکا نیتجہ سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ملک بھر مین ایک اودھم مچ جاسے اور لوگ ادھر اُدھر بھٹکتے پھرین - اسکا یہ نیتجہ نکلا کہ جسقدر یادگارین اور ساختین اسوقت ہمارے ملک مین پائی جاتی ہین باوجود کس مپرسی اور عدم تکمیل کے ملک و قوم کو اُنکی ایک خاص حد تک ضرورت بھی ہے ایسی ضرورت کہ اُنکا عدم خود انسانی جماعتون کا عدم ہے -

ہم یادگارون سے صرف چونہ اور خشت یا لکڑی کی یادگارین ہی مراد نہین لیتے - بلکہ کُل ایسی چیزین جو ہمارے ملک اور ہماری ملکی قومون مین پائی جاتی ہین - خواہ خیالی ہون خواہ مادّیات وہ سب یادگارین ہین اور اُن سب پر ہم پسماندگان اپنے اپنے رنگ مین فخر کر سکتے ہین -

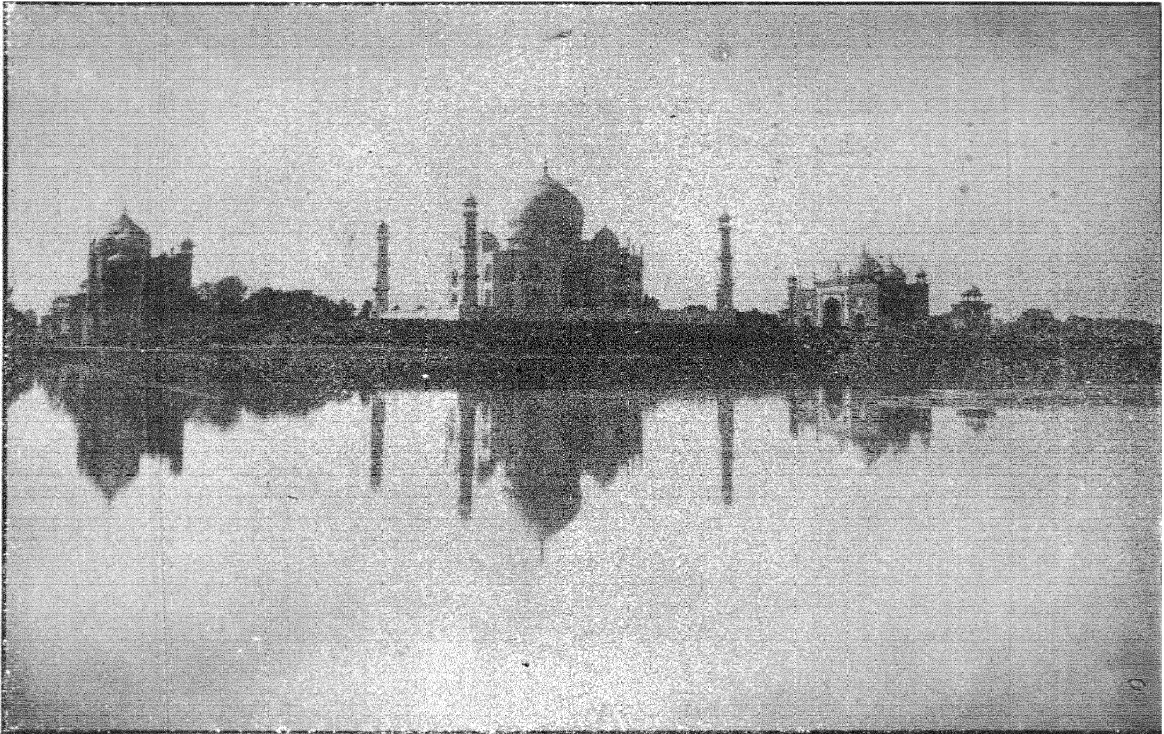
صرف تماشائی رنگ مین ہم یادرفتگان کی ڈیوٹی (فرض) پوری نہین کر سکتے جبتک کہ عملی رنگ بھی کچھ کر کے نہ دکھائین صرف متھرا بندابن - ہردوار - جگن ناتھ جی - آگرہ - دہلی - حیدرآباد - امرتسر - لاہور کی خشتی یادگارین ہی ہمارے اردگرد نہین ہین اور بھی ہزارون یادگارین خیالی اور مادّی رنگ مین ہمارے گرد و پیش مدتون سے پائی جاتی ہین اور اُنپر ہماری زیست کا بھی بہت کچھ دار و مدار ہے -

یہ ضرورت نہین کہ ہم گنگا جمنا عبور کرتے ہوے آگرہ اور متھرا مین جائین - بلکہ اپنے اردگرد کی یادگارین بھی دیکھین اور اُنکا نقش قدم بھی لین -

یون زبان حال سے کہتا ہے ہر نقش قدم
گو مٹا یا خاک نے پر ہون نشان اسلاف کا

جسطرح نقش قدم جانیوالون کی یاد دلاتا ہے اُسیطرح ہر چھوٹی بڑی یادگار اور ساخت بزرگون اور موجدون کی یاد دلاتی ہے - جب ہم ایک خشتی یادگار کی اسقدر آؤ بھگت کرتے ہین کہ ہماری اُسطرف پوری توجہ پائی جاتی ہے تو عام یادگارین اور عام ساختین بہ نظر تاسف ہمین دیکھتی ہین اور زبان حال سے یہ کہہ رہی ہین کہ ہم نے کیا گناہ کیا ہے اور کیون ہمین عالم فراموشی مین چھوڑ دیا گیا ہے - یہ درد بھلا ہمین کیا یاد دلاتا ہے - یہ کہ ہم ہر ایک چھوٹی بڑی یادگار اور ساخت کو زندہ رکھنے یا ترقی دینے کیواسطے از سرتاپا زور لگائین اور رفتگان عدم کی روحون کو اس توجہ سے مسرور کرین - قومی یادگارون اور قومی ساختون کے قائم رکھنے کیواسطے بھی ضروری نہیں کہ اُنہین عزّت کی نظرون سے دیکھا جاسے یا اُنہین محفوظ رکھا جاسے - بلکہ اُن مین اگر کوئی نقص ہو تو وہ رفع کیا جاسے - اگر نامکمل ہو تو اُسکی تکمیل کیجاسے اور اُسے اعلیٰ پیمانہ پر پہونچایا جاسے -

اسوقت ہمارے ملک یا ہماری سرزمین مین جسقدر چھوٹی بڑی یا اچھی بُری یادگارین اور ساختین پائی جاتی ہین خواہ وہ خیالی ہون اور خواہ مادّیات سے اُن سب کی حالت کس مپرسی مین ہے - زرعی ساختین زرعی یادگارین اور دیگر حرفتی یادگارین اور صنعتی ساختین سب کی سب دن بدن رو بہ تنزل ہین - اسکی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ ہمین اپنے بزرگون کی یادگارون کی ترقی اور تکمیل کیواسطے کوئی وقت نہین ملتا یا خود ہی ایسا وقت نکالا نہین جاتا -



نظارۂ تاج محل

انڈین پریس الہ آباد

لاہور کی نمایش اس بات کا کافی ثبوت تھی کہ ملک بھر مین حرفت وصنعت کا کہانتک شوق ہے اور موجودہ نسلین کہانتک اس ضرورت کیطرف توجہ کر رہی ہین یہ افسوس سے ظاہر کیا جائیگا کہ ابتک ملکی و قومی یادگارون اور صنعتون کی ایسی حالت نہین ہوئی کہ بہ ہیئت مجموعی اُنہین ترقی یافتہ کہا جائے۔

یہ نقص ابتک کیون باقی چلا آتا ہے؟ اسواسطے کہ قومی یا ملکی یادگارون کی ترقی روز افزون کیواسطے درحقیقت کوئی غور نہین کیا جاتا۔ جسطرف مدتون سے لوگ لگے ہوئے ہین اُسیطرف اندھا دُھند جا رہے ہین اور اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ ملک بھر مین ایسی کوئی انجمن اور کمیٹی نہین جو ایسے لوگون کی عزت کا باعث ہو یا اُنہین مدد دے سکے جو قومی یادگارون مین ترقی کرکے دکھائین۔

اب وقت آگیا ہے کہ لوگ ہندو اور مسلمان درمیانی خرخشون سے فرصت پاکر معاشرتی مذہب کے رنگ مین ایسی متحدانہ کمیٹیون کی بنیا د رکھین جنکے سہارے اور زور پر ملک و قوم کے افراد اسطرف متوجہ ہون۔ زرعی اور دیگر حرفتی کامون کیواسطے ایسی کمیٹیان انعامات شائع کرین اور پھر تجربہ اور کافی مشاہدہ کے بعد ایسی مفید ساختون کے رواج دینے مین کوشش کیجائے۔ یہ کہنا کہ ہندوستانی طبائع مین ایسا مادّہ نہین ہے محض غلط ہے۔ مادّہ موجود ہے اور ہندوستان کے لوگ عموماً ذکی الحس ہین۔ لیکن اُنکے احساس کس مپرسی ہی مین ضائع ہوکر رہ جاتے ہین۔

لوگ جسقدر پُرانے مینارون اور پُرانے ستونون یا رنگ بہ رنگ اینٹون کی نگہداشت کرتے ہین اُس سے اگر چوتھائی حصہ عملی رنگ مین بھی محافظت کرین اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے جائین تو بہت جلد ترقی کے آثار نمودار ہونگے۔

ہر صوبہ مین ایسی کمیٹیان متفقہ کوششون سے کھل جانی چاہئین جو لوگ یوروپین تعلیمات سے واقف ہوکر ایسی ہدایات اپنے ابنائے ملک اور ابنائے قوم کو دے سکتے ہین وہ شخص محنت سے آسان آسان عبارتون مین چھوٹے چھوٹے رسالے جاری کرین تاکہ معمولی تعلیم یافتہ بھی فائدہ اُٹھائین۔ بقول شخصے حرفتی کامون کی ترقی کیواسطے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی چندان ضرورت نہین ہے۔ صرف صاف دماغ اور محنت کی ضرورت ہے اور یہ کہ ایسا دل و دماغ ضروریات موجودہ کا احساس کرتا ہے۔ زمانۂ موجودہ کی آب و ہوا نے ضروریات کا احساس بوجہ احسن کرادیا ہے اور خود زمانہ ہی ایسے دل و دماغ کو رفتہ رفتہ تیار بھی کر رہا ہے۔

ان حالات مین متفقہ کوششون کی زیادہ ضرورت ہے لوگ ایک دوسرے کو حوصلہ دلائین تاکہ افراد کی طبائع مین جوش پیدا ہو اور اُنکے اذہان مین ترقی کے ذرّات ایک جا جمع ہوکر کچھ کام کرکے دکھائین۔

زندگان عدم کی روحین شوق سے دیکھ رہی ہین کہ ہماری ذُرّیات ہماری یادگارین کس کس رنگ مین بناتی اور قائم کرتی ہے۔ عام افلاس اور تنگدستی کو صرف ترقی حرفت ہی دُور کرسکتی ہے۔

سلطان احمد


شمس العلما مولوی محمد حسینؒ صاحب آزاد

یا کسی سوشل پلیٹ فارم سے نہین ہوئی جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ اُنکے نام کی شہرت اور اُنکے کلام کی مقبولیت محض اپنے اصلی معیار اور جوہر ذاتی کیوجہ سے ہوئی۔ نہ وہ کسی دربار کے مدح خوان تھے نہ کسی مدوّن جماعت کے ارکن۔ قلم اُنکی چوب تھی اور کاغذ اُنکا نقارہ اور انہین نے اُنکی شہرت کا آوازہ سارے ہندوستان مین پھیلا دیا۔

آزاد قدرت کے ظاہری محاسن مین بڑے حصہ دار نہ تھے۔ میانہ بلکہ چھوٹا قد۔ گندمی رنگ۔ چھریرے بدن کے آدمی تھے۔ مزاج کیطرح وضع اور لباس مین بھی سادگی تھی۔ اکثر جبہ پہنتے اور ہندوستانی فیشن کا عمامہ باندھا کرتے تھے۔ چہرے سے ذکاوت و فطانت ٹپکتی تھی۔ بشرہ سے کشادہ پیشانی۔ ہنس مکھ۔ نکتہ رس اور ہمدرد و رحمدل معلوم ہوتے تھے۔ تالیف قلوب کا یہ عالم تھا۔ زبان مین یہ جادو اور خیالات مین یہ اثر تھا کہ جو ایک گھنٹے پاس بیٹھ گیا اُنکا کلمہ پڑھنے لگا۔ بذلہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ مُنہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آج کل کے اسکول اور کالجون کے شاگرد اور اُستادون مین عقیدت اور یگانگت کا وہ رشتہ پیدا نہین ہوتا جو پہلے شاگرد اور اُستاد مین ہوتا تھا۔ مگر صدہا نوجوان جنکو گورنمنٹ کالج لاہور مین مولانا آزاد کے سامنے زانوے ادب تہ کرنیکی خوش نصیبی میسر آئی انکو اُسی نظر سے دیکھتے ہین جس نظر سے تفتہ مرزا غالب کو اور شیفتہ مومن خان کو دیکھتے تھے۔ اُنکی شفقت بزرگانہ بھی یہانتک تھی کہ اکثر شاگردون کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد حصول معیشت مین اُنہون نے بڑی امداد دی ہے۔

مولانا آزاد فارسی کے عالم متبحر اور عربی کے اچھے عالم تھے اور اُن تمام علوم پر عبور رکھتے تھے جو اِن زبانون مین متضمن ہین۔ بھاشا اور ہندی کے نکات اور خوبیون سے پورے آگاہ اور انگریزی علم ادب کی خصوصیات سے واقف تھے اگرچہ انگریزی نہین جانتے تھے صرف و نحو عروض اور صنایع بدایع تو گویا انہین سے پیدا ہوئے تھے۔ فارسی ایسی سلیس اور بامحاورہ بولتے تھے اور لب و لہجہ ایسا تھا کہ اُنمین اور اہل ایران مین تمیز کرنا غیر ممکن تھا۔ یہ کہنا ایک امر واقعی ہے کہ اُردو پر جو احسانات اُنکے ہین وہ آج تک کسی ایک شخص کا حصہ نہین ہوئے۔ نہ یہ کہ سارا صوبہ پنجاب خاص اُردو کی واقفیت کے لئے اُنکا مشکور ہے۔ بلکہ پنجاب کو اُردو سکھانے کے لئے جو تصنیفات و تالیفات اُنہون نے کین اُنکی اُسوقت اُردو زبان کو اشد ضرورت تھی۔ شاید کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ پُرانی اُردو کی پہلی۔ دوسری اور تیسری کتابین۔ اُردو کا قاعدہ قصص ہند کا دوسرا حصہ۔ جامع القواعد۔ اور نئے سلسلہ کی بھی کئی پہلے کی کتابین مولانا آزاد ہی کی تصنیف سے ہین۔ فارسی مین وہ کتابین لکھین جو باوجود خسرو اور فیضی۔ ابو الفضل اور نعمتخان عالی کی ذات بابرکات کے ہند مین ہونے کے اُسکو نصیب نہوئی تھین۔ یعنی اُنہون نے ہمکو زندہ فارسی سکھائی۔ ایران کے روزمرہ کی تعلیم دی۔ جو کچھ اُنہون نے لکھا جو محاورات اور روزمرہ اُنھون نے ہمکو سکھائے وہ قدما کی تصانیف کی مطالعہ کے بعد اُنکی حال کی زبان کی ذاتی تحقیق و تلاش کے نتیجے تھے۔ ایران اور تاتار وغیرہ ملکون مین جہان فارسی بولی جاتی ہے۔ اُنکی سیاحت موجودہ زبان کی تحصیل مین بہت معاون ہوئی۔ دوسری مرتبہ مولانا آزاد جب ایران کے سفر سے واپس آئے تو ایک پشتارہ نوٹون۔ مسودہ۔ یادداشت اور تحقیقات کا اپنے ساتھ لائے۔ سنہ ۶ء کے

قریب کا ذکر ہے کہ وہ کتب خانۂ آزاد کی عمارت تعمیر کرا رہے تھے ایک کمرہ بن چکا تھا اور فرط اشتیاق سے اُسمین چند الماریون کی ترتیب اور خانہ پُری مین مصروف تھے۔ راقم اُن دنون لاہور گیا ہوا تھا۔ اور آپ کی صحبت سے اکثر فیضیاب ہوا کرتا تھا۔ اتفاق سے محاورے کی صحت استعمال کا ذکر چھڑ گیا۔ فرمانے لگے کہ ایک غیر زبان کے محاورے کو صحیح اور باموقع استعمال کرنا بہت مشکل ہے۔ اور یہ دلچسپ روایت بیان کی کہ ایک دن مین ایران مین ایک گھر مین مہمان تھا کھانا پک رہا تھا۔ مان دس بارہ برس کی لڑکی کو چولھے کے پاس چھوڑ کر آپ اندر کے دالان مین کوئی کام کرنے گئی۔ اور لڑکی سے کہتی گئی کہ دیگچی کا خیال رکھے کہ کھانا جوش کھا کر باہر نہ گر پڑے۔ رفتہ رفتہ آنچ تیز ہوتی گئی۔ اب مین نے سوچا کہ چاول اُبلکر باہر نکل پڑینگے۔ دیکھون تو اس کیفیت کو یہ لڑکی کن الفاظ مین ظاہر کرتی ہے اور فرمایا کہ مین اپنی فارسی کی لغات اور زبان دانی کے دفترون کو اپنے ذہن مین دُہراتا تھا اور اس خیالی کیفیت کے مختلف اظہار گڑھتا تھا کہ شاید یہ کہیگی۔ یہ کہیگی۔ کہ وہ وقت آپہونچا اور میرے تمام خیالی دفتر خیالی پلاؤ ثابت ہوئے۔ جونہی دیگچی کے جوش کھانے سے اُسکا ڈھکنا ایک طرف سے ایک آدھ انچ اوپر کو اُٹھا کہ لڑکی چیخی۔

"امان امان دیگچہ سر کرد"

یہ لفظ گویا میرے کانون مین الہامی کلمہ کیطرح پڑے اور میری آنکھین کُھل گئین۔ جس شخص کو زباندانی کا یہانتک مذاق ہو جو شخص اسقدر نکتہ رس اور صاحب تلاش ہو جسنے غیر زبانون کی تحقیق مین اس درجہ کاوش اور کوشش کی ہو وہ خود اپنی زبان مین کیا کچھ نہ کر دکھاتا۔ اور حق الامر یہ ہے کہ اُردو مین آزاد نے وہ کچھ کر دکھایا جسکی اُن جیسے آدمی سے توقع کیجا سکتی تھی۔ آنکی تصانیف کے بغیر دہلی بغیر قلعہ کے اور لال قلعہ بغیر دیوان خاص اور شمن برج کے ہوتا۔ مگر زمانہ کو یہ منظور نہ تھا۔ اسلئے اُنکو موقعے ملے کہ اپنے سینے کے خزانے سفینون کے سپرد کرین۔ شاہد سخن کو حجلۂ خیال سے نکالکر جھروکہ درشن مین نظارہ افروز کرین۔

جسطرح شاہ عالم کے عہد کی نادر گردیون نے دہلی کے اہل کمال اور ماہران فن کو اس اُجڑے دیار سے نکالکر لکھنؤ کی گُل زمین کو رشک ارم بنانے کے لئے وہان پہونچایا۔ اُسیطرح غدر ۱۸۵۷ء کی گیرودار نے اُنکو ایک لُٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ پنجاب مین پناہ دی جو اُن کی چابکدست باغبانی اور شاہد سخن کی نفیس مشاطگی سے ہشت بہشت کا نمونہ بنگیا۔ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال۔ منشی درگا پرشاد نادر۔ مولوی سید احمد مؤلف فرہنگ آصفیہ۔ مولوی کریم الدین۔ پنڈت من پھول۔ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی۔ یہ سب یکے بعد دیگرے دہلی سے نکلکر لاہور مین جمع ہوئے۔ انمین رائے صاحب اور مولانا آزاد غالباً اولیت کا فخر رکھتے ہین۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ بازار علم مین دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی شاعری کی کسادبازاری ہو چکی تھی اور چونکہ کسب معاش علوم مغربی کی تحصیل پر موقوف تھا۔ اسلئے شاعری ایک عیب سمجھی جانے لگی تھی چنانچہ یہ کیفیت مولانا سے مغفور ایک جگہ اسطرح لکھتے ہین۔

"اس سے بڑھکر یہ ہے کہ بعض طبایع شعر سے متنفر پائی جاتی ہین اور دلیل اسکی یہ پیش کرتے ہین کہ اس سے کچھ حاصل نہین"

ان حالات کو دیکھکر اور اپنی اسوقت کی شاعری کی ستہد

کا دیگر زبانوں کی شاعری سے موازنہ کرکے اور طبیعت کی جدت سے متحرک ہو کر انہوں نے اردو شاعری کے نئے طریق یا نیچرل شاعری کی بنیاد ڈالی - پہلے خود کئی نظمیں لکھیں - کئی حکیمانہ مضامین اس ایجاد کی حمایت میں لکھے اور پھر ایک مشاعرہ کی بنیاد ڈالی - خواجہ الطاف حسین صاحب حالی اپنی کتاب مجموعۂ نظم حالی کے دیباچہ کے شروع میں اس واقعہ کا اسطرح ذکر کرتے ہیں :-

"۱۸۷۴ء میں جب راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جو ہر مہینے میں ایک بار انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا - اس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ در دبست عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہو گئی ہے اسکو جہانتک ممکن ہو وسعت دیجائے ۔"

اس مشاعرے میں غزلوں کے لئے عربی مصرعے تجویز نہوتے تھے بلکہ صرف مطالب تجویز کئے جاتے تھے جیسے برسات - حب وطن - تعصب - انصاف وغیرہ وغیرہ -

اس نئی شاعری کے لئے مولانا آزاد نے ملک کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا - انجمن کے اکثر جلسوں میں وہ اردو ادب اور نظم کی اکثر شقوں پر مبصرانہ اور نقادانہ لکچر دیا کرتے تھے - چنانچہ انجمن کے ایک جلسہ میں جو ماہ اگست ۱۸۶۷ء میں منعقد ہوا تھا آپ نے ایک لمبا مضمون "نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات" پر پڑھا جس میں سے بعض مطالب کا انتخاب خالی از لطف نہوگا -

"شاعر اگر چاہے تو امورات عادیہ کو بھی بالکل نیا کر دکھائے - نیچر کو گویا کر دے - دہقان یا درگل کو رواں کر دے - ماضی کو حال حال کو استقبال کر دے - دور کو نزدیک کر دے - زمین کو آسمان خاک کو طلا - اندھیرے کو اجالا کر دے ...... روشندلان اہل درد کے نزدیک طلوع و غروب آفتاب اور انقلاب صبح و شام ہزاروں باغ نو بہار قدرت الٰہی کے شگفتہ کرتا ہے اور تیرہ دلان بے تمیز کے نزدیک کارگاہ عالم ایک خراس یا دولاب ہے کہ دن رات چکر میں چلا جاتا ہے .... اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اکثر اشخاص علی العموم فن شعر کو گمراہی خیال کرتے ہیں اور فی الحقیقت حال ایسا ہی ہے .... اسیطرح شاعروں کی بدزبانی و بدخیالی نے شعر بھی تہمت کفر سے بدنام نہیں ہو سکتا - درحقیقت ایسے کلام کو شعر کہنا ہی نہیں چاہئے کیونکہ شعر سے وہ کلام مراد ہے جو جوش و خروش خیالات سنجیدہ سے پیدا ہوا ہے اور اسے قوت قدسیہ الٰہی سے ایک سلسلہ خاص ہے - خیالات پاک جوں جوں بلند ہوتے جاتے ہیں - مرتبۂ شاعری کو پہونچتے جاتے ہیں"

"...... ابتدا میں شعر گوئی حکما اور علمائے متبحر کے کمالات میں شمار ہوتی تھی اور اُن تصانیف میں اور حال کی تصانیف میں فرق بھی زمین و آسمان کا ہے۔"

مئی ۱۸۷۴ء میں آپ نے اس جدید طرز کے مشاعرے کا پہلا جلسہ منعقد کیا اور اپنی افتتاحی تقریر میں جو نہایت حکیمانہ اور ادیبانہ تھی اُردو شاعری کے متعلق نہایت پُر مغز خیالات ظاہر فرمائے - جنکا ثانی اُردو نظم و نثر میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا - اس اعلیٰ مضمون میں سے چند طویل اقتباسات کے لئے امید ہے کہ معاف فرمایا جائیگا جو حال اور آئندہ کی

اُردو نظم پر ایک نہایت غایر نظر ڈالتے ہین :-

"بیشک مبالغے کا زور - تشبیہ اور استعارے کا نمک زبان مین لطف اور ایک طرح کی تاثیر زیادہ کرتا ہے - لیکن نمک اتنا ہی چاہئے کہ جتنا نمک - نہ کہ تمام کھانا نمک ...... ہمین چاہئے کہ اپنی ضرورت کے بموجب استعارہ اور تشبیہ اور اضافتون کے اختصار فارسی سے لین - سادگی اور اظہار اصلیت کو بھاشا سے سیکھین - لیکن پھر بھی قناعت جائز نہین - کیونکہ اب رنگ زمانہ کا کچھ اور ہے - ذرا آنکھین کھولینگے تو دیکھین گے کہ فصاحت اور بلاغت کا عجائب خانہ کھلا ہے - جسمین یورپ کی زبانین اپنی اپنی تصانیف کے گلدستے - ہار - طرّے ہاتھون مین لئے حاضر ہین اور ہماری نظم خالی ہاتھ الگ کھڑی مُنہ دیکھ رہی ہے - لیکن اب وہ بھی منتظر ہے کہ کوئی صاحب ہمّت ہو جو میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھائے"۔

اور یہ صاحب ہمّت وہ خود تھے - اگرچہ اُنکی مراد اپنی ذات سے نہ تھی - آگے چلکر اسی مضمون مین فرماتے ہین جو سب سے زیادہ غور کے قابل ہے :-

"اے میرے اہل وطن! مجھے بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ عبارت کا زور - مضمون کا جوش و خروش اور لطایف و صنایع کے سامان - تمہارے بزرگ اس قدر دے گئے ہیں کہ تمہاری زبان کسی سے کم نہین - کمی فقط اتنی ہے کہ وہ چند بے موقع احاطون مین گھر کر محبوس ہو گئی ہے - وہ کیا؟ مضامین عاشقانہ ہین جسمین کچھ وصل کا لطف بہت سے حسرت و ارمان - اُس سے زیادہ ہجر کا رونا - شراب - ساقی - بہار - خزان - فلک کی شکایت اور اقبالمندون کی خوشامد ہے - یہ مطالب بھی بالکل خیالی ہوتے ہین اور بعض دفعہ ایسے دُور دُور کے استعارون مین ادا ہوتے ہین کہ عقل کام نہین کرتی - وہ اسے خیال بندی اور نازک خیالی کہتے ہین اور فخر کی موچھون پر تاو دیتے ہین - افسوس یہ ہے کہ ان محدود دائرون سے ذرا بھی نکلنا چاہین تو قدم نہین اُٹھا سکتے - یعنی اگر کوئی واقعی سرگذشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون نظم کرنا چاہین تو اُسکے بیان مین بدمزہ ہو جاتے ہین"۔

آگے چلکر فرمایا ہے اور کیا سچّی پیشینگوئی کی ہے :-

"اے میرے اہل وطن! ہمدردی کی آنکھین آنسو بہاتی ہین جب مجھے نظر آتا ہے کہ چند روز مین اس رائج الوقت نظم کا کہنے والا بھی کوئی نہ رہیگا - وجہ اسکی یہ ہے کہ بہ سبب بیقدری کے اور کہنے والے پیدا نہ ہونگے - کئی پُرانی موزتین باقی ہین - وہ چراغ سحری ہین - انجام یہ کہ زبان ہماری ایک دن نظم سے بالکل محروم ہو جائیگی اور اُردو مین نظم کا چراغ گل ہو جائیگا"۔

حضرت آزاد کی اس پیشینگوئی کے اوّل حصّہ کے صحیح ہونے مین کسکو کلام ہے - امیر و داغ - اور جلال کے انتقال کے بعد اب حضرت ظہیر کے سوا کون[عله] رہگیا ہے - انکے بعد پُرانی شاعری کی تمت ایک یقینی امر ہے - اور انکی پیشینگوئی کا دوسرا حصّہ بھی صحیح ہوتا اگر خود انکی کوششین کارگر اور بانتیجہ نہوتین - اس جدّت آفرینی پر طرّہ یہ کہ جن بزرگون کی طرز کو وہ خود چھوڑ بیٹھے ہین - اور جس طرز سے خلقت کو ہٹاتے ہین ہمیشہ اُنکے کمال فن کے کلمہ گو رہے - اُنکے شاہد سخن کے جمال کے شیدا رہے - ہمیشہ اُنکو عزّت سے یاد اور فاتحہ کے ساتھ اُنکا ذکر کیا - آب حیات اسکی زندہ مثال ہے - جسکے خاتمے سے ذیل کی سطور قابل انتخاب سمجھے جاتے ہین -

"اے با اقبال گداؤ! اے شاہ نشان خاکسارو! تمہاری

[عله] منشی امیر اللہ صاحب تسلیم - ایڈیٹر

نیک نیتی اچھے وقت نہین لائی۔ مگر افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے انہین اچھے سامان اور اچھے قدردان دئے۔ جنکی بدولت جوہر طبعی اور جوش اصلی کو اپنے اور اپنے شوق کے پورا کرنے کے سامان ملے۔ اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان ہونگے۔ نہ کوئی اس شاخ کو ہرا رکھ سکیگا۔ نہ تمسے بڑھکر اسمین پھل پھول لگا سکیگا۔ ہان تمہاری لکیر دان کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ انہین لفظون کو الٹین پلٹین گے۔ اور تمہارے چبائے ہوئے نوالون کو منہ مین پھراتے رہینگے۔"

سب سے زیادہ غور کے قابل یہ امر ہے کہ جہانتک رنگ شاعری کا تعلق ہے ابتک کوئی مقلد موجد کے رنگ بھگ بھی نہین پہونچا۔ بیان کی لطافت۔ زبان کی فصاحت۔ محاورے کی دلاویزی۔ روزمرہ کی چاشنی۔ خیالات کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شوکت۔ اسلوب کی دلفریبی۔ مضمون کی برجستگی۔ بندش کی چستی جو آزاد کی نظم اور نثر مین موجود ہے وہ کسی اور کے کلام مین نہین پائی جاتی۔ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے اور جذبات و محسوسات انسانی کا چربہ اُتارنے مین آپ کو وہ ید طولی حاصل ہے کہ شاید اب تک کسی کو نصیب نہین ہوا۔ نمونے کے لئے چند شعر نوطرز مرصع مین سے نقل کئے جاتے ہین جسمین شملہ کی سردیون کی کیفیت اسطرح بیان کی ہے۔

جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے
اور جو بہتے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے
دامان کوہسار مین سورج بھی لیٹ کر
دبکا لحاف برف مین منہ کو لپیٹ کر
دیکھو جو گھر تو سب در و دیوار تھے سفید
باہر چلو تو دامن کوہسار تھے سفید
سنسان جنگل اور یہ درختو کی سائین سائین
چارون طرف پہاڑ مین ہین دوڑتی بلائین
طوفان برف سر پہ کھڑا ہے تُلا ہوا
ہے یہ درہ کہ موت کا منہ ہے کھلا ہوا

موسم بھی معتدل ہے ہوا ہے لہک گئی
خوشبو کا ہے یہ حال کہ دنیا مہک گئی
پانی کی ہین پہاڑ سے آوازین آرہین
جو زیر و بم کے دور سے ہین سُر ملا رہین

ناگہ فلک پہ دامن شب چاک ہوگیا
لبریز نور سے طبق خاک ہوگیا
منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا
گلگونہ لے کے سامنے رنگ شفق ہوا
روئے سحر پہ شان تھی نور ظہور کی
چارون طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی
وہ گہری سبزیون مین گل تر کی لالیان
اور اوس سے بھری ہوئی پھولونکی پیالیان
وہ صبح کی ہوا سے درختون کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رخ گل کا چومنا
سبزی جو روئے خاک پہ مخمل بچھا گئی
شبنم تھی آکے رات کو موتی لٹا گئی
پانی وہ صاف صاف جو بل کھاکے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھاس پہ لہرا کے جاتے تھے

مثنوی صبح اُمید کی تمہید دیکھئے لاکھ قصیدون کی بہاریہ تشبیب اسپر نثار ہین - سبحان اللہ کیا شان سخن ہے کیا نزاکت خیال - ایک گنگا کا پرواہ ہے کہ روان ہے - مجال کیا کہ کہین جدّوجہد تصرّف یا آورد کا نام بھی ہو - آمد آپ پر ختم تھی - اور روانی آپ کے بیان کا حصّہ - قدرت کے مناظر کے بعد روزمرّہ زندگی کے نظّارے بھی آپ کی نظر کے سامنے تھے - الحمد للہ کہ جس کار عظیم کا بیڑا اُٹھایا تھا اُسے پورا کر دیا اور اس درجۂ کمال کو پہونچا دیا کہ متقدمین و متاخرین سب کی روحین تحسین کر رہی ہین - ایجاد یہ ہے اور نوآئینی اسے کہتے ہین جسمین انہدام کے ساتھ تعمیر بھی ہو - سادگی کے ساتھ رنگ آمیزی بھی ہو - پُرانے ملبہ مین ایک اینٹ بھی کام کی ہوئی تو اُٹھائی اور نئے چونے سے نئی عمارت مین چُن دی - ماضی کی عزّت - حال پر شفقت - مستقبل کی فکر - یہ طرز عمل اصلی مصلحون کا ہوتا ہے خواہ وہ سیاسیات کے ہون یا ادبیات کے - تمدّن کے ہون یا معاشرت کے - سچ پوچھو تو اُردو ادب مین یہ اختراع و اصلاح کر کے مولانا آزاد نے خیر خواہان ملک کے لئے ایک شاہراہ بنا دی - اگر اسی اصول پر زندگی کے اور شعبون مین بھی اصلاح کی گئی تو یقیناً حسب دلخواہ نیتجہ مرتب ہوگا -

غرضکہ مسلسل اور نیچرل نظم کے بانی اور موجد مولانا آزاد ہی ہین - اب رہی نثر - مین حیران ہون کہ اگر آزاد نہوتے یا وہ نثر نہ لکھتے تو اُردو کے نام کے آگے نثر کی ذیل مین ہم کیا لکھتے - میر امن دہلوی کی باغ و بہار اور آرائش محفل آجکل کی زبان مین نہین - سرور لکھنوی کے فسانہ عجائب کی طرز بھی اب مقبول و مروّج نہین ہو سکتی - خواجہ امان دہلوی نے صرف فسانے لکھے یا فارسی سے ترجمے کئے اور اصحاب نے ادھر اُدھر جو کچھ نثر مین لکھا تھا وہ سب ایک شق یعنی افسانہ یا طلسم یا قصہ کی صنف مین تھا - یا ترجمے تھے - نثر کی وقیع تصنیف جو بلاتخصیص ایسی ہو سکتی ہے آزاد کا نیرنگ خیال ہے - یہ کتاب فی الواقع اسم بامسمےٰ ہے - یہ نثر ہزار نظم کی کتابون پر فوقیت رکھتی ہے - رنگین بیانی کا ایک دلفریب مرقع ہے - اخلاقی اور تمدنی اصلاح کا ایک پختہ کار دستورالعمل ہے - پند و نصائح کا ایک دفتر ہے - استعارے اور تمثیل مین وہ وہ مطلب کی باتین بتا گئے ہین کہ پڑھنے والا شُستہ خیالات سے مالامال ہو جاتا ہے - اس کتاب نے اُردو نثر کی نئی طرز قائم کی اور تمام پہلے کی نثر کی کتابون کے آگے ایک خطّ جدائی کھینچ دیا -

اسکے بعد آبِ حیات کی باری آئی - جو ثنا و صفت سے مستغنی ہے - جب تک دُنیا مین عام زبان و ادب قائم ہین اُردو خواہ زندہ رہے یا مردہ زبانون مین شامل ہو جائے آب حیات ان علوم کے بحر ذخّار مین ہمیشہ موجزن رہیگی - یہ کتاب لکھکر نہ صرف مصنّف نے احیائے قدامت کیا ہے - نہ صرف اُردو نثر کو نظم کا ہمپایہ بنا دیا ہے - نہ صرف اُردو زبان کو تواریخی حیثیت بخشی ہے بلکہ تنقید کا ایک نیا راستہ کھولا ہے جسکے اب ہم سب پیرو ہین - پہلے شعرا یا نثار کے کلام پر یا تقریظین ہوتی تھین یا تعریفین - صحیح معنی مین تنقید مفقود تھی - اور پھر جس زبان مین اور جس اسلوب مین یہ کتاب لکھی ہے اُسکی تعریف کرنا امر محال ہے - اب تک زبان کے مالک شعرا تھے اور ہندی کی طرح اُردو مین بھی سب کا رجحان نظم کیجانب تھا - نثر معرض لاپروائی مین پڑی ہوئی



مالتی

انڈین پریس الہ آباد

تھی - اور اب تک کم و بیش یہی حال ہے -

اگر اُردوے معلّٰے کو ایک تصنیف نہ سمجھا جاے جو وہ ہرگز نہیں ہے تو یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت آزاد ہی ایسے شاعر تھے جنہوں نے اُردو نثر کے باغ میں نئے گُل بوٹے لگائے - نئی کیاریاں اور نئی روشیں نکالیں اور اسکے بوسیدہ جسم میں نئی روح پھونکی جسکی تقلید مقبول عام ہوئی - یہ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ شاعر ہی نثر کو کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہنے دیتے ہیں اور پھر شاعر ہی اسکو جلا دیتے اور اسمیں ایجاد و اختراع کرتے ہیں - چنانچہ انگریزی میں بھی ایسا ہی ہوا - کمبرلینڈ کی خوبصورت جھیلیں چند عظیم شعرائے انگریزی کی بدولت آج تسنیم و کوثر پر آنکھ مارتی ہیں - ورڈز ورتھ سوِدی - سر والٹر اسکاٹ - کولرج اور گولڈ اسمتھ - غرضکہ جنہیں لیک پوائٹس کہتے ہیں وہ اور ایڈیسن - جانسن اور میکالے انگریزی نثر کے آبا و اجداد اسکے موجد اور مدوّن مانے جاتے ہیں اور یہ سب شاعر ہی تھے - جبکہ بعض مشاہیر شعرائے انگریزی نے نثر کی ایک سطر نہیں لکھی اور اگر لکھی بھی ہوگی تو اسوقت موجود نہیں ہے -

میرا مطلب یہ ہے کہ شعرا ہی نثر کو کس مپرسی کی حالت میں رکھتے ہیں اور وہی اسے اس پستی سے اُٹھاکر نظم کا ہم پلّہ بناتے ہیں - ایڈیسن اور اسپکٹیٹر کے لکھنے والے سب شاعر تھے جنہوں نے وسیع مطالب پر مضامین متفرق لکھکر سنجیدہ نثر کی بنیاد ڈالی اور اس بنیاد پر اب تک میتھیو آرنلڈ نئی منزلیں اُٹھاتے رہے - انگریزی میں جو حیثیت طرز نوی کے ایجاد کے اعتبار سے انکی ہے وہی اردو میں مولانا آزاد کی ہے - اگر نیرنگ خیال - آب حیات اور فسانہ آزاد نہ لکھے گئے ہوتے تو یہ خیال کرتے دل ڈوبتا ہے کہ اب سے دُور آج اُردو کی نثر کا کیا حشر ہوتا - غرضکہ نظم کے ساتھ نثر میں بھی اختراع و ایجاد کا تاج آزاد ہی کے سر پر ہے -

آزاد نے علاوہ اپنی مشہور تصانیف کے اپنے دوست اور مربّی کرنل ہالرائیڈ کی فرمایشوں پر جو مدّت تک پنجاب کے سر رشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر رہے بہت کچھ لکھا جسکی عوام کو خبر تک نہیں ہے - مگر یہ کتابیں عام طور پر انکی عالی دماغی کا مولود مانی جاتی ہیں - آب حیات - نیرنگ خیال - سخندان فارس قند پارسی - نصیحت کا کرن پھول - دیوان ذوق - نظم آزاد - فارسی کی پہلی اور دوسری کتاب - جامع القواعد (فارسی) قواعد اُردو - دربار اکبری - قصص ہند حصہ دوم - اُردو کا قاعدہ اور نئے سلسلہ تعلیم المبتدی میں اُردو کی تیسری کتاب تک مجموعہ نظم آزاد اور دیوان ذوق کا نو ترتیب نسخہ - اخبار نویسی کی مشق میں بھی آپ کی خدمات گرانمایہ ہیں - اس تذکرہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑیگی کہ پہلے اُردو پریس کیسے قابل ہاتھوں میں تھا - اور اگر ایسا ہی رہتا تو آج نئے پریس ایکٹ کی ضرورت حکام کو لاحق نہوتی سنہ ۵۷ء کے پہلے سے گورنمنٹ ایک اخبار لاہور سے نکالتی تھی جو بہ سرپرستی ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم شایع ہوتا تھا - اسکا نام اتالیق پنجاب تھا - راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب اسکے ایڈیٹر تھے اور مولانا آزاد سب ایڈیٹر - بعد میں مولانا حالی نے بھی کچھ دنوں اس اخبار کی سب ایڈیٹری کا کام انجام دیا - اخبار انجمن پنجاب اسکا قائم مقام ہوا جسکے ایڈیٹر مولانا سیف الحق ادیب دہلوی جیسے لائق آدمی تھے - افسوس کہ اس اخبار کے پرچے دستیاب نہو سکے ورنہ انمیں سے مولانا آزاد کے مضامین کے حصے نذر ناظرین کئے جاتے -

آزاد اگرچہ دہلوی اور شیخ ابراہیم ذوق کے نہایت عقیدتمند تلمیذ تھے لیکن اُنہون نے آب حیات مین یا کہین اور دہلی و لکھنو کے تعصب و جنبہ داری کا جھنڈا کھڑا نہین کیا۔ اچھا شعر دہلی والے کا ہو یا لکھنؤ والے کا اُنکا ممدوح تھا۔ ہندو مسلمان اُنکی نظر مین یکسان تھے۔ آب حیات مین گلزار نسیم اور مثنوی میر حسن پر آپکا محاکمہ اسکی مصداق ہے۔ ہان جس شعر مین۔ مزا ہو۔ درد ہو۔ جسکی زبان صاف و صحیح ہو۔ جسکے مضمون مین برجستگی و بیساختگی ہو وہ انکی بیاض سے خارج تھا۔ غرضکہ وہ ہر قسم کے قومی۔ مذہبی یا مقامی تعصب سے مبرا تھے۔ جسطرح ایک بادشاہ ملک اپنی ہر مذہب و ملت کی رعایا کو یکسان نظر شفقت سے دیکھتا ہے۔ اور پڑوس کے بادشاہون سے محض پولیٹیکل صورتون کے لحاظ سے مسلوک ہوتا ہے اُسیطرح اس بادشاہ ملک سخن کا دستور و سلوک رہا۔ آجکل کے ادیبون اور لکھنے پڑھنے والون مین یہ وصف نایاب نہین تو کمیاب ضرور ہے۔ ہمین آزاد کی زندگی سے سبق لینا چاہئے۔

میدان سخن ایک سُہانی فضا ہے جسمین دیر و حرم گبر و مسلمان۔ شیخ و برہمن۔ سب برابر ہین۔ قصص ہند مین جا بجا اسکا ثبوت بہم پہونچتا ہے۔ جس معرفانہ گرمجوشی اور دلسوزی سے آپ نے قصص ہند مین رانی پدمنی کا باب لکھا ہے اُسکی مثال النادر کالمعدوم ہے۔ اس باب کو وہ اسطرح شروع کرتے ہین:۔

"رانی نے جوہر کر کے خاندان کی آن پر جان قربان کی"

اور ان الفاظ پر۔ اس شہادت نامہ کو ختم کرتے ہین:۔

"سب سے آگے رانا اور پیچھے تمام جان نثار۔ جنین سپاہی اور سردار سب برابر ہو رہے تھے قلعے سے باگین اُٹھائے نکلے۔ اور ان گنتی کی جانون کو گٹھری کر کے لشکر شاہی کے دریا مین دے مارا۔ اگرچہ دیکھنے والون کے نزدیک انکی وہ حالت ہوئی کہ کوئی ایک مُٹھی خاک کی طوفان نوح مین پھینک دے۔ مگر اہل نظر جانتے ہین کہ جبتک چاند سورج باقی ہین ان مردون کے نام آسمان مردانگی پر آفتاب و مہتاب ہو کر چمکینگے"

شاہجہان کے مہتابی جشن۔ پرتھی راج کا جلوس۔ دکن کی مہم پر عالمگیر کے لشکر کی چڑھائی اور کئی باب اس کتاب مین ایسے ہین جو اُردو نثر کے مجموعہ انتخاب مین کرسی صدارت پر جگہہ دینے کے مستحق ہین۔ مین پھر کہونگا کہ آزاد اصلی شاعر تھے۔ اُنہین اُس شعر سے محبت تھی جو واقعی شعر ہو نہ کہ محض بحر اور قافیہ رکھتا ہو اور وہ شاعر کے عاشق تھے خواہ وہ کسی زبان کا ہو۔ ایک مضمون کو وہ اسطرح ختم کرتے ہین:۔

"میرے اہل وطن! تمہاری جماعت دو فرقون سے مرکب ہے ایک ہندو۔ ایک مسلمان۔ تم جانتے ہو کہ ہندو کون ہین؟ ہندو وہ ہین کہ آج ہم جس بات کی آرزو کرتے ہین وہ اُنکی زبان کا اصلی جوہر ہے۔ اگر بھاشا ہے تو وہ اصلی حالتون کے ادا کرنے مین سب پر فایق ہے۔ سنسکرت کی قوت نظم خود حد بیان سے باہر ہے۔۔۔۔۔۔ اے خاک ہندوستان اگر تجھ مین امرالقیس اور لبید نہین تو کوئی کالیداس ہی نکال۔ اے ہندوستان کے صحرا و دشت! فردوسی اور سعدی نہین تو کوئی والمیک ہی پیدا کر دو۔۔۔۔"

مولانا آزاد گورنمنٹ ہند کی پولیٹیکل خدمات متعلق دیگر ممالک پر بھی کبھی کبھی مامور ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ مین وہ دو دفعہ افغانستان۔ تاتار اور ایران گئے۔ ان خدمات کے صلہ مین انکو کوئی علیحدہ پنشن یا انعام نہین ملا۔ جو پنشن انکو ملتی تھی سررشتہ تعلیم اور گورنمنٹ کالج کی خدمات کے عوض ملتی تھی۔

اُنکی صحت عرصہ سے فرسودہ ہو گئی تھی۔ اپنی صاحبزادی

کے انتقال کا صدمہ جسکو اُنہون نے ایسی اعلیٰ تعلیم دی تھی کہ وہ اُنکی تصانیف کی نظر ثانی کیا کرتی تھی اُنکے دل پر ایسا ہوا تھا کہ اُس سے اُنکی طبیعت کبھی بحال نہوئی۔ اسپر ایران کے دوسرے سفر کی تکالیف ایزاد ہوئین۔ ان سب واقعات نے دماغی مصروفیت کی انتہائی کثرت کے ساتھ ملکر اُن کی دماغی صحت کو پریشان کردیا اور اگست ۱۸۸۹ء سے جنون کے آثار پیدا ہوگئے۔ رفتہ رفتہ یہ مرض پختہ ہوگیا اور آخر دم تک اُنکا ساتھ نہ چھوڑا۔ عالم جنون مین اُنکا شغل الہیات تھا۔ اسی کا ذکر اذکار اُنکی زبان پر رہتا تھا۔ انہین ایام مین ایک مرتبہ آپ رائے بہادر پیارے لال صاحب سے ملنے آئے۔ دو تین گھنٹے کے قریب ملاقات رہی وہ فرماتے ہین کہ بار بار یہی الفاظ اُنکی زبان سے نکلتے تھے۔

"رائے صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجیے۔ اسکے معنی آپ جو چاہین سمجھ لین :۔

پردہ در کعبہ سے اُٹھا دینا ہے آسان
پر پردۂ رخسار صنم اُٹھ نہین سکتا

حالت جنون مین اگر کبھی اُنہون نے دو چار سطرین لکھدی ہین تو اُنمین کچھ اور ہی لطف ہے۔ دیوان ذوق کے چھپنے کے بعد جب ایک کاپی اُنکے سامنے رکھی گئی اور خاتمہ لکھنے کی درخواست کی گئی تو کئی دن تک انکار کرتے رہے۔ ایک دن خود ہی قلم دوات لیکر ایک صفحہ لکھدیا۔ جو دیوان ذوق کے خاتمہ پر درج ہے۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہین کہ اسمین اور حالت صحت کی تحریر مین کیا فرق ہے۔ لیکن اسمین بھی تصوف اور الہیات کی بو آتی ہے :۔

اس زمانہ کی تحریرون کو مولوی ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام لاہور نے چھپوا دیا ہے۔ اور اس رسالہ کا نام سپاک دنماک رکھا ہے۔ لالہ سری رام صاحب دہلوی مصنف خمخانۂ جاوید مین لکھتے ہین کہ "اس بگڑی ہوئی حالت مین بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب کھلجاتے تو عجیب عجیب گل افشانیان کرتے ہین۔ کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گلکاریان نہین دکھا سکتا" اُنکے حال پر اس شعر کا مضمون صادق آتا ہے۔

اگر مین ہوش مین ہوتا تو پھر کیا جانے کیا ہوتا
فروغ دیدۂ عالم ہین یہ مدہوشیان میری

۱۸۵۷ء سے پہلے کا کلام سب دہلی کے غدر کے طوفان مین ضائع ہوگیا۔ بعد کی نئی طرز کی نظمین ایک مجموعے مین آپ کے صاحبزادے نے اکٹھا کرکے چھپوادی ہین۔ ان دو مین شعر سے جو نیچے نقل کئے جاتے ہین۔ اسکا پتا لگ سکیگا کہ پہلے کا کلام کس پایہ کا ہوگا۔

سُنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہان میری
تمہارے عشق کی ہے داستان اور ہے زبان میری
سناؤن داستان عشق سب قلقل کے پردے مین
صراحی کے دہن مین کاٹ کر رکھدو زبان میری
تقاضا ہے گریبان کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیان میری

آخر اسی حالت بیخودی مین ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو حضرت آزاد اس قید ہستی سے آزاد ہوگئے۔ جسطرح وطن کو باتران کی آخری آرامگاہ ہونیکا فخر حاصل ہے اُسیطرح لاہور کو اُنکی جائے مزار ہونیکا اعزاز رہیگا۔ مولانا مرحوم کی کل تصانیف آزاد بک ڈپو۔ اکبری منڈی لاہور سے مل سکتی ہین۔

کیفی دہلوی

فلسفۂ سانکھیہ

مرحبا اے خاک پاکِ خطۂ ہندوستان — تیرے دم سے ہے جہان مین فلسفہ کی عزوشان
تو ہے گھر حکمت کا تو دنیا مین ہے دار العلوم — تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا علم کا نام و نشان

ہندوستان کی خاک پاک ابدالآباد سے مابعد الطبیعات اور فلسفہ کا گھر رہی ہے - دنیا کے اور ممالک قومی جوش و خروش - جنگ و جدال اور مادّی ترقی کے میدانون مین گوے سبقت لیجا ئین - ہمارا ملک ہمیشہ سے دھرم بھومی کہلاتا رہا ہے یہی اسکا باعث ناز ہے اور یہی باعث فخر - یہان ارباب دماغ کی عقل مادّی ترقی کے وسائل سوچنے مین اتنی کام مین نہین آئی جتنی روحانی ترقی کے راستے نکالنے مین - اہل علم اور رشی مُنی شہر اور آبادی کے تکلفات اور آرام کو چھوڑکر جنگلون اور بنون مین جاکر رہتے تھے - اور کنج عزلت مین بیٹھکر دقیق مسائل فلسفہ پر غور و تعمق کیا کرتے تھے پشتین کی پشتین اسطرح بسر ہوتی تھین اور نسلاً بعد نسلٍ یہی سلسلہ جاری رہتا تھا - اسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوتا تھا - کہ جیسے اس ملک مین مذاہب فلسفۂ کمال کو پہونچے اور کسی ملک مین انکی نظیر کا ملنا محال ہے - ہر طرح کا نظام فلسفہ یہان ملتا ہے اور ایسی کامل صورت مین کہ دیکھ دیکھکر حیرت ہوتی ہے - مادیت - دہریت - آئڈیلزم یا یگیان واد - تثلیث جواہر - دوئیت - ادوئیت یا وحدت وجود - غرض عقل انسانی کا رجوع جس جس طرف ممکن ہے - سب سے یہان نظر دوچار ہوتی ہے - اسپر تماشا یہ کہ ہمارے ہان فلسفہ اور مذہب قدم بقدم چلتے ہین ایک دوسرے کی ضد نہین بلکہ جو مذہب محک استدلال و تعقل پر پورا نہین اُترتا - اُسکی کوئی قدر نہین کرتا -

ایولیوشن یا مسئلۂ ارتقا کا آجکل مغربی ممالک مین بہت چرچا ہے - ہربرٹ اسپنسر بڑے شد و مد سے یہ دعوی کرتا ہے کہ اس مسئلے کا موجد مین ہون - ڈارون کے جانب دار اسکی ابتدا ڈارون سے بتاتے ہین - بعض جرمن فلاسفر یہ سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے ہین - لیکن سچ پوچھو تو مسئلۂ ارتقا یا پرنیام واد ہمارے یہان تین ہزار برس سے رائج ہے اور ایسی مکمل صورت مین کہ فرنگستانی ارتقا کو شاید ابھی پانسو برس تک بھی وہ بات نصیب نہو - یہ فلسفۂ سانکھیہ ہے - اور اسکے بانی مہرشی کپل دیو ہین - یہ حکیم کس زمانے مین ہندوستان مین ہوا کہان کہان رہا - اسکے عادات واطوار اور شکل و صورت کیسی تھی - کسطرح زندگی بسر کرتا تھا اور اسکی زندگی مین کیا کیا واقعات پیش آئے سب ایسی باتین ہین کہ نہ ہین اب معلوم ہین نہ شائد آیندہ معلوم ہوسکینگی - ہان کپل دیو کی قدامت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اُپنشدون مین اسکا ذکر آتا ہے - ساتھ ہی ایک شخص کا ایسا کامل العیار اور مدلل و مسلسل فلسفہ ایجاد کرنا بھی سمجھ مین نہین آتا کپل دیو سے پہلے فلسفۂ سانکھیہ کے خیالات کا ہندوستان مین کسی نہ کسی نامکمّل صورت مین موجود ہونا ایک لازمی اور لابدی امر ہے - اور اسمین سیطرح شک نہین ہے کہ یہ خیالات ہمارے معدن فلسفہ و علوم یعنی ویدون کی رچاؤن مین پائے جاتے ہین - مہرشی کپل دیو وہ شخص ہین - جنھون نے ان متفرق خیالات کو فراہم کیا ہے - انکو تسلسل دیا ہے - اور آخر ایک ایسی عظیم الشان عمارت بنا کر کھڑی

کردی ہے - کہ آج ہزارون برس بعد لوگ اسے دیکھتے ہین اور دیکھکر عش عش کرتے ہین -

فلسفۂ سانکھیہ ایک عقلی مذہب فلسفہ ہے جسمین کوئی بات عقیدۃً نہین مانی گئی ہے - بلکہ عقل کی جولانی کے واسطے پورا پورا میدان مہیا کیا گیا ہے - جن مسائل کو یہ فلسفہ لیتا ہے اُنکی عقلی دلیل برابر پیش کرتا ہے - آؤ دیکھنا شروع کرین کہ کن براہین و دلائل سے یہ فلسفہ خاص خاص نتائج پر پہونچتا ہے - اسمین شک نہین کہ طرز استدلال پیچیدگی سے خالی نہین - اور بحثین دقیق اور غور طلب ہین - ساتھہ ہی خاص اصطلاحات فلسفہ کا استعمال بھی لازمی ہے - لیکن کیا کیا جاے - فلسفہ کوئی آسان چیز نہین - یہان عقل کا کام ہے - غور و فکر کی ضرورت ہے - دماغ لڑانا پڑتا ہے - جب انسان کسی نتیجے پر پہونچتا ہے - یہ دقت سانکھیہ ہی سے مخصوص نہین - بلکہ ہر ایک نظام فلسفہ مین روبکار ہوتی ہے - قاعدۂ کلیہ ہے کہ جس علم سے بحث کیجاتی ہے اُسی کا طرز استدلال بھی استعمال کیا جاتا ہے - مثلاً اگر کوئی شخص علم مناظرہ یا حرکت و سکون پر کچھہ لکھیگا - یا علم الارض و کیمیا سے بحث کرے گا، یا علم معانی و بیان پر خیالات ظاہر کرے گا تو ہر صورت مین اُسے خاص طرز استدلال و اصطلاحات کا استعمال کرنا پڑے گا -

عالم اسباب مین سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مین کیا ہون اور یہ کائنات کیا ہے - کائنات مین جسطرف نظر ڈالکر دیکھیے علت و معلول کے سلسلے نظر سے گذرتے ہین - فلسفہ کا کام یہ ہے کہ ان سلسلون کی جماعت بندی کرے - اُن جماعتون کو اور اعلے جماعتون مین منقسم کرے اور اُنکو اور اعلیٰ تر جماعتون مین یہانتک کہ تمام کائنات منقسم ہوکر کم از کم جماعتون مین آجاے - جس فلسفے مین جتنی کم جماعتین آخر مین باقی رہجاتی ہین اُتنا ہی اُسکا درجہ بڑا ہے کیونکہ اُسیقدر اسکی تحلیل و تجزی اعلیٰ درجے کی ہے - اور اس تحلیل و تجزی ہی کا دوسرا نام فلسفہ ہے - اگر ہم کسی مادی شے مثلاً پانی کو لین تو ارباب کیمیا ہمکو بتائینگے - کہ پانی دو گیسون یعنے آکسیجن اور ہائیڈروجن سے کیمیائی ترکیب پاکر بنا ہے - قوت برقی سے ہم پانی کو تجزی ان گیسون مین کرسکتے ہین - اور یہی دو گیسین لیکر اور اُنھین قوت برقی داخل کرکے پانی بنا سکتے ہین اب پانی کوئی شے نہین رہا - اسنے دو گیسون سے ترکیب پائی ہے اور اس ترکیب مین حرارت بھی کام مین آئی ہے اسطرح تمام اشیاے کائنات کی تجزی کرتے کرتے محققین علم کیمیا اس نتیجے پر پہونچے ہین - کہ عناصر چونسٹھ کے قریب ہین اور انہین سے ترکیب پا پاکر تمام اشیاے کائنات بنی ہین - اور انکی بنانیوالی قوتین ان عناصر سے علیحدہ چیزین ہین

کیا یہ عناصر کائنات کی علل اولی ہین؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوے جدید طبیعیات فرنگستان جھجھکتا ہے اور اسکی وجہ صاف ظاہر ہے - مغربی طبیعیات کا علم باوجود عجیب و غریب ترقیون کے ابھی بہت ناقص اور غیر مکمل ہے - جس چیز کو آج ہم عنصر مان رہے ہین ممکن ہے کہ کل کوئی اسے مرکب چیز ثابت کردے - کچھہ زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ امونیا عنصر شمار ہوتا تھا - لیکن تحقیقات کیمیائی سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مرکب چیز ہے - آکسیجن کو آجکل عنصر مانا جاتا ہے لیکن اکثر ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ آکسیجن کسی روز مرکب شے ثابت ہو جائیگی اس حالت مین کوئی جدید طبیعیات ان چونسٹھ عناصر کو کائنات کی علت اولی کب مان سکتا ہے - بلکہ عرصہ دراز سے یہ خیال دلون مین جاگزین ہے

کہ عناصر کوئی چیز نہین ہین - اگر انسانی علم کافی ترقی کر جائے تو ایک عنصر دوسری کی صورت مین آسانی سے تبدیل ہو جایا کریگا - اکسیر گر جو پارے کو مار کر بیش بہا دھات کی صورت مین تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہین - انکی تمام سعی نارسا اسی اصول پر مبنی رہی ہے - گو وہ کوششون مین ناکام رہے اور لوگ ہمیشہ انکی خاک اُڑاتے رہے - لیکن موجودہ علم کیمیا کے حیرت انگیز کرشمے انہین شخصون کی تحقیق و تدقیق کا ماحصل ہین - وہ پارے کو مار کر چاندی اور تانبے کی تبدیل ہیئت کر کے سونا تو نہین بنا سکے لیکن ایسے علم کی بنیاد ڈال گئے - جو آج کائنات کے علل اولی کی تلاش مین بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے -

غرض موجودہ مغربی تحقیقات کائنات کی تجزی اور تحلیل کر کے چونسٹھ عناصر پر پہونچتی ہے - ہندو فلسفہ مین عناصر کا خیال اس سے بہت اعلی ہے - اشیاے خارجی کے علم کے وسائل ہمارے پاس ہمارے حواس خمسہ ہین - پس ہمین اپنے علم کی حد سے باہر قدم رکھنا توہمات مین پڑنا ہے - اشیاے کائنات کی تحلیل کیجاے تو آخر مین ہم مرکبات کی تجزی کرتے کرتے جن مفردات پر پہونچینگے وہ صرف یہی ہو سکتے ہین کہ بعض چیزین ایسی ہین جنکا علم ہمین ناک کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے - بعض کا کان سے بعض کا آنکھ سے بعض کا زبان سے بعض کا جلد سے - جس شے کا علم ہمین ناک کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اسے اصطلاح مین پرتھوی یا خاک کہتے ہین - جسکا زبان سے اُسے جل یا آب کہتے ہین - جسکا آنکھ سے اُسے اگنی یا آتش کہتے ہین - جسکا جلد سے اسکو وایو یا ہوا کہتے ہین - جسکا کان سے اسکو آکاش یا ایتھر کہتے ہین - اسطرح عناصر کی تعداد چونسٹھ کے بجاے صرف پانچ رہگئی - تمام اشیاے دنیاے خارجی انہین پانچ عناصر یعنی خاک - آب - آتش - باد اور آکاش سے ترکیب پا کر بنتی ہین -

کیا یہ پانچ عناصر کائنات کی علل اولی ہین ؟ مغربی محققین کیمیا کیطرح ہندوستان کے نیاے اور ویشیشک درشن اس سوال کا جواب اثبات مین دیتے ہین - بلکہ حکماے مغربی تو اثباتی جواب دیتے ہوئے جھجھکتے بھی ہین - گوتم اور کناڈ باواز بلند کہتے ہین - کہ خاک - آب - آتش - باد اور آکاش اشیاے خارجی کی تجزی کی انتہا ہین - انسے آگے اور تحلیل و تجزی ممکن نہین یہی اجزاے لایتجزی یا پرمانو ہین - اور وجہ ظاہر ہے - کسی مرکب یا مخلوط شے کی تجزی کیجاے تو ہم خاص اجزا پر پہونچینگے - انکی بھی تجزی کیجاے تو لطیف تر اجزا حاصل ہونگے - انکی اور تحلیل کرو تو ان سے بھی لطیف اجزا ملینگے - اسطرح تجزی کرتے کرتے آخر ہم ایسے اجزا پر پہونچینگے - کہ تجزی کی انتہا ہین اور انکو زیادہ چھوٹے حصص مین تقسیم کرنا محال ہے - پس جو پانچ عناصر اوپر بیان ہوے وہی اجزاے لایتجزی یا پرمانو یا ایٹم ہین - انکے اور حصے نہین ہو سکتے - بلکہ تمام اشیاے کائنات انہین پرمانوؤن کی مختلف ترتیب اور انتظام سے بنی ہین - یہ خود کسی سے نہین بنے - جتنک انکا نظام اور ترتیب قائم ہے اشیا ہست کہلاتی ہین - جب وہ نظام نہ رہا وہی نیست ہو جاتی ہین - یعنی پرمانوؤن کی ترتیب جداگانہ سے جو اشیا ہست ہوئی تھین وہ پھر پرمانوؤن کی شکل مین مبدل ہو جاتی ہین - پرلے کے وقت تمام اشیا کا نظام مٹ جاتا ہے اس وجہ سے تمام کائنات پرمانو روپ رہجاتی ہے -

پرمانوؤن کا فلسفہ دیکھنے مین خوبصورت اور سمجھنے مین آسان ہے - لیکن جب اسکو معیار عقل پر کسا جاتا ہے تو پورا نہین اُترتا فلسفہ کا ایک بدیہی اصول یا علم متعارفہ یہ ہے کہ علت مین جو شے موجود ہے معلول مین وہی شے موجود ہونی چاہئے -

اسمین بیشی یا کمی قیاس سے باہر ہے - مثلاً سونے کی جو چیز بنیگی وہ سونا ہی ہو گی - سونے کے علاوہ اسمین کسی چیز کا پیدا ہو جانا محض بعید القیاس ہے - سونے کے کڑے مین شکر تری یا شراب یا کسی اور چیز کا موجود ہو جانا ایسی بات ہے کہ کسی طرح عقل مین نہین آسکتی - پر مانوون کو اجزاے لایتجزی بتایا جاتا ہے - لیکن انہین پر مانوون سے جو چیزین بنتی ہین اُنکی تجزی ہو سکتی ہے - انکے حصے ہو سکتے ہین - سوال یہ ہے کہ علت مین جب اجزا موجود نہین ہین تو معلول مین کیونکر موجود ہو گئے - اگر لاکھون پر مانوون کو لیکر بھی کوئی شے بنے تو چونکہ یہ لاکھون پر مانو لایتجزی ہین - اسلئے جو شے بنے گی وہ خود بھی لایتجزی ہونی چاہئے - لیکن تماشا یہ ہے کہ معلولات مین حصص موجود ہین - آخر یہ حصص کہان سے آئے - نیاے اور ویشیشک دونون کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ پہلے نہ تھے اب ہو گئے یعنی نیست سے ہست ہو گئے - جو سراسر لغو ہے - نیستی سے ہستی ایک امر محال ہے اگر نیست سے ہست ہونیکا احتمال ممکن ہو تو گدھے کے سینگون مین سے جو ایک محض نیست چیز ہے آدمی اور جانور اور درخت سب پیدا ہو جانا چاہئین - اس بات کو معمولی سے معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ محض بے دلیل اور غیر معقول ہے -

اسطرح فلسفۂ سانکھیہ ثابت کرتا ہے - کہ پر مانوون مین نہ تو علل اولیہ ہونے کی قابلیت ہے - نہ انکی جداگانہ ترتیب و انتظام سے نئی نئی چیزین جو پہلے نیست تھین ہست ہو سکتی ہین - علت اولی کی تلاش مین ہمین اور بلندی پر چڑھنا اور نیست سے ہست ہونے کے غلط مسئلے کے بجاے کسی اور قرین قیاس مسئلے کو ڈھونڈھنا چاہئے - ان دونون سوالون کا جواب آسان سی آسان صورت مین سانکھیہ یہ دیتا ہے کہ مادے کی آخری صورت پر مانو نہین ہے بلکہ وہ لطیف ترین شے ہے جس سے خلا و ملا معمور ہے - اور اشیا کے نیست سے ہست ہونے کی بجاے تقاضاے عقل یہ ہے کہ یہی لطیف ترین شے خاص خاص اسباب کی موجودگی مین اسیطرح تبدیل ہیئت کرتی ہے - جیسے خاص اسباب کی موجودگی مین دودھ کا دہی بنجاتا ہے - دہی کوئی ایسی شے نہین ہے کہ پہلے نیست تھی اب ہست ہو گئی - بلکہ ایک ہست شے دودھ خاص اسباب کی موجودگی مین تبدیل ہیئت کرکے دہی ہو گیا ہے - یہ تبدیلی ہیئت اصطلاح مین پرنیام کہلاتی ہے - اسیکو عربی مین استحالہ یا ارتقا کہتے ہین اور انگریزی مین ایولیوشن جو آجکل یورپ اور امریکہ تمام اہل طبیعات کا مذہب ہے -

کپل دیو کی تجزی تحلیل کائنات ایک نہایت ہی قرین قیاس اصول پر مبنی ہے - وہ علت و معلول کے مسئلے لیتا ہے اور کہتا ہے - کہ بیشک کائنات مین جدھر نظر ڈالو علت و معلول ہر طرف نظر آتے ہین - اس صورت مین اگر اشیاے کائنات کی تحلیل کیجاے تو ہم مندرجہ ذیل تقسیم چہار گونہ پر پہونچتے ہین - اول وہ شے جو فقط علت ہے - دوم وہ جو خود معلول ہے مگر اور اشیا کی علت بھی ہے - سویم وہ جو محض معلول ہے - اور چہارم وہ جو نہ علت ہے نہ معلول - اگر ہم معلول سے جو علت ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے قطع نظر کرین - تو صرف دو چیزین باقی رہتی ہین یعنی ایک وہ جو اور چیزون کی علت واقع ہو گی اور دوسری وہ جو نہ علت ہو گی نہ معلول - یہی دونون سانکھیہ کے پرکرتی اور پرش ہین - اور اب ہم انکی توضیح کرتے ہین -

کائنات مین قدم قدم پر علت و معلول کے سلسلے ملتے ہین -

کسی شے کو لے لیجئے - اسکی علت دوسری چیز ملیگی - اس علت کی اور علت ملیگی - اسکی اور - اور اُسکی اور - اسطرح ایک لا متناہی سلسلہ پیدا ہوتا ہے - عقل چاہتی ہے کہ یہ سلسلہ نا متناہی جاری نہ رکھا جاے - بلکہ ہم ایک جگہہ ٹھہر جائین اور ایسکو ایسی علت مان لین کہ اُسکے پرے اور علت کی ضرورت نہ رہے - یہی علت اولی ہوگی - اگر یہ اعتراض کیا جاے کہ ہم کیون ٹھہر جائین - جس جگہہ ٹھہرینگے تمہارے قاعدے کے بموجب وہ بھی معلول ہوگی اُسکی بھی کوئی علت بنانی چاہئے اور اُسکی اور - علی ہذا القیاس - تو اسکا جواب صاف ہے - کہ معلول یعنی کائنات موجود ہے اسکی علت کا ہونا بھی ایک لازمی امر ہے - سلسلہ لا متناہی مین چونکہ کہین ٹھہراو ممکن نہین ہے اسلئے اگر اسکو تسلیم کرلیا گیا تو معلول یعنے کائنات بغیر علت کے رہجائیگی اور یہ ناممکن محض ہے - اسلئے ایک ایسی علت اولی کا مان لینا جسکے پرے اور علت کی ضرورت نہ رہے - زیادہ قرین عقل ہے بہ نسبت اسکے کہ سلسلہ لا متناہی کو جاری رکھکر ہم کہین بھی نہ پہونچ سکین - اور حیران تھے وہین رہین - اس دلیل سے عقل متقاضی ہے کہ ایک بنیادی علت یعنی علت اولی طوعاً و کرہاً تسلیم کیجاے بغیر اسکے کوئی چارہ نہین ہے اور چونکہ کائنات مادی ہے اس علت اولی یا بنیادی علت کا بھی مادی ہونا ایک امر لازمی ہے - معلول مادی کی علت بھی مادی ہونی ضروری ہے -

جس علت اولی پر کپل اسطرح پہونچتا ہے اُسکا نام وہ مول پرکرتی - پردھان یا اویکت رکھتا ہے - پرکرتی کے معنی ہین پیدا کرنے والی چیز - پس مول پرکرتی کے معنی بنیادی علت ہوئے - پردھان اعلیٰ کو کہتے ہین - چونکہ اسکے پرے کوئی اور علت نہین ہے اسلئے یہی سب سے اعلیٰ ہے - اویکت بے ظہور کو کہتے ہین - چونکہ ابتک اسمین معلولات کے ظہور شروع نہین ہوئے اور اپنی ذاتی ہیئت پر قائم ہے اسواسطے اسکا نام اویکت ہے یہ بنیادی علت اصل مادہ ہے - اسی مین سے تمام مادی ظہورات خاص خاص اسباب کے توسل سے تبدیل ہیئت کرکے مستخرج ہوتے ہین - یہ سب کی علت ہے - مگر اسکے پرے اور کوئی علت نہین ہے - اس سے خلا و ملا معمور ہے - یہ مادے کی لطیف سی لطیف تشکل ہے - جس سے زیادہ اور لطیف تشکل کا امکان احاطۂ امکان سے خارج ہے - تمام کائنات اسی کی پرشیائی صورت سے قائم ہے اور پرلے کے وقت پرتی لوم پرنیام یعنی ارتقاے معکوس سے تمام چیزین اسی مین غائب ہو جاتی ہین - جب پھر نظام کائنات کی تخلیق ہوتی ہے - تو اسی مین سے پھر ارتقا پاکر صورتین نکلتی ہین اور دُنیائین بنجاتی ہین - اور یہ سلسلہ ازل سے ابد تک جاری رہتا ہے - نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہا - نہ کبھی یہ شروع ہوا ہے نہ ختم ہوگا - بلکہ جسطرح دریا برابر بہا چلا جاتا ہے اور ایک قطرۂ آب کی جگہہ دوسرا قطرۂ آب تواتر و توالی آتا رہتا ہے - بعینہ یہی حال کائنات کا ہے -

غرض تمام مادی ظہورات کی اصل یہ بنیادی علت ہے - مادی ظہورات کو نظر تعمق سے دیکھا جاے تو انکی تین بڑی بڑی جماعتین ملتی ہین - اول تو یہی جمادات - نباتات اور اجسام حیوانات جسمین تمام کائنات شامل ہے - انہین کثیف صورتون کو تمام زمانہ مادہ مانتا ہے - اسلئے انپر زیادہ خامہ فرسائی کی حاجت نہین -

مادے کی دوسری صورت قواے مادی ہین - مثلاً حرارت - روشنی - برق - کشش وغیرہ وغیرہ - مغربی سائنس کے عالم ان قوتون مین بہت ٹکرین مار رہے ہین - لیکن ابتک کسی خاص نتیجے پر نہین پہونچے - بعض انکو مادے ہی کی صورتین



پرتھی راج کا دربار

انڈین پریس الہ آباد

بناتے ہین اور بعض انہین غیر مادّی چیزین مانتے ہین - ہان اس بارے مین سب متفق الراے ہین کہ قوت اصل مین ایک ہے۔ نہ اسمین بیشی ہوسکتی ہے نہ کمی۔ اور روشنی برق وغیرہ وغیرہ اُسی ایک قوت کے مختلف ظہورات ہین۔ نتیجہ آخرالذکر صحیح ہے۔ قوّت اصل مین ایک ہی ہے۔ جسے ہندو فلسفہ مین پران کہتے ہین۔ یہی پران مختلف صورتون مین ظہور پکڑتا ہے۔ آجکل کی طبیعی ایجادون سے یہ بات آسانی کے ساتھ ثابت ہوگئی ہے کہ ایک قسم کی قوّت یا پران کو ہم دوسری طرح کی شکل مین تبدیل کرسکتے ہین۔ رہا یہ سوال کہ قوتین مادّی ہین یا غیر مادّی جسمین یورپ کا سائینس ہنوز ٹکرین مار رہا ہے۔ ہمارے یہان تین ہزار برس پہلے طے ہوچکا ہے۔ جسے قوت کہتے ہین حقیقت مین وہ مادّے ہی کی لطیف صورت ہے۔ کیونکہ قوتین تبدیلی پذیر ہین اور جہان جہان تبدیلی ہے وہ سب مادّہ ہے۔

مادّے کی تیسری صورت کیفیات نفس یعنی من کی برتیان یا (Mental faculties) ہین۔ کیونکہ کیفیات نفس بھی دمبدم بدلتی رہتی ہین۔ ابھی ادراک کام کررہا ہے ابھی حافظہ۔ ابھی تصوّر۔ ابھی تعقّل۔ کبھی رنج و راحت کی کیفیات نفس مین ہین کبھی غصہ و ندامت کی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ کیفیات ہمیشہ بدلتی رہتی ہین۔ پس یہ تبدیلی پذیر چیزین بھی مادّی ہین کیونکہ تبدیلی مادّے ہی مین ممکن ہے۔ غیر مادّی شے تبدیل نہین ہوسکتی۔ حکماے فرنگ کیا متقدمین اور کیا متاخرین اس بارے مین سخت دھوکا کھاتے رہے ہین۔ یہ اصحاب کیفیات نفس کو غیر مادّی مانتے ہین اور اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہان روح اور مائنڈ کا فرق کوئی شاذ ہی سمجھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ذہن مین من کو آتما یا پرش سمجھے ہوئے ہین۔ حالانکہ آتما غیر مادّی شے ہے من اور مادّی چیزون کی طرح مادّی ہے۔ اسوجہ سے اسکی کیفیات مثلاً صور ادراک۔ تصوّر و تعقّل وغیرہ تمام مادّی ہین انکو غیر مادّی سمجھنا سخت غلطی ہے۔

دیکھئے کیسا حیرت کا مقام ہے کہ جو مسائل فلسفہ ہمارے یہان ہزارون برس سے اسطرح رائج ہین کہ آجکل بدیہی امور سمجھے جاتے ہین اور کسیکو اُنکے ثبوت پیش کرنے کا خیال تک بھی نہین آتا۔ مغربی فلسفہ آج تک انہین حیران اور سرگردان ہے۔ مگر ہم ہین کہ گھر کے لازوال علمی خزانون کو چھوڑ کر غیرون کی تقلید پر مٹے جاتے ہین۔ ہم نے دیو بانی کا پڑھنا نہین چھوڑا۔ ہم نے اپنے شاسترون کا مطالعہ نہین ترک کیا۔ بلکہ میراث آبائی چھوڑ بیٹھے ہین۔ اور اپاہج محتاجون کی طرح در در دریوزہ گری کرتے پھرتے ہین۔ کہان وہ پہلی تحصیل کمال اور علم و فضل کا شوق۔ کہان آجکل کی تقلید اور دریوزہ گری کی عادت۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ظہورات مادّی کائنات مین تین صورتون مین ملتے ہین۔ لطیف صورتون مین جنہین جڑ کہنا چاہئے۔ قوائے قدرت کی صورتون مین۔ اور کیفیات نفسانی کی صورتون مین۔ چونکہ مول پرکرتی پردھان یا اویکت مادّے کی اصل اصول ہے۔ اسمین ان تین وصفون کا ہونا ضروریات سے ہے۔ اگر علت اولےٰ مین یہ اوصاف نہ ہون تو معلولات آخری مین انکا امکان نہین ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کپل پردھان کو تین صفتون سے متصف مانتا ہے۔ جو ستوگن۔ رجوگن اور تموگن ہین۔ ستو کا خاصہ پرکاش اور آنند ہے یعنی یہ پرکرتی کا وہ گن ہے جس سے وہ کیفیات نفسانی کی صورت اختیار کرتی ہے۔ رج کا خاصہ حرکت اور کام

کرنا ہے۔ یہ پرکرتی کا وہ گن ہے۔ جس سے وہ قوائے قدرت اور حواس عملی کی صورت اختیار کرتی ہے تمّ کا خاصۂ غفلت اور خواب ہے۔ یہ پرکرتی کا وہ گن ہے۔ جس سے وہ صور اشیائے مادی یعنی کثیف صورتین اختیار کرتی ہے۔

پرکرتی کے یہ تینون اوصاف ہر وقت اور ہر حالت مین موجود رہتے ہین۔ ہان انہین سے بعض وقت ایک گن باقی دونون سے زیادہ ہوجاتا ہے اور بعض وقت دوسرا۔ پردھان مین یہ تینون گن موجود تو ہین لیکن کوئی ایک کسی دوسرے پر فوق نہین رکھتا۔ تینون تلے ہوئے حالت سکون مین رہتے ہین۔ اسے تینون کی سامیہ اوستھا کہتے ہین جبتک یہ سامیہ اوستھا قائم ہے۔ اُسوقت تک پرکرتی مین کوئی ظہور نہین ہونے پاتا۔ لیکن خاص اسباب سے جہان اس سکون مین فرق آیا یعنی ایک گن نے بڑھکر دو باقی گنون کو دبایا۔ اُسیوقت ظہورات طبعی اپنا جلوہ دکھانے لگتے ہین۔ پردھان مین یہ تینون گن موجود تو ہین لیکن بالقوائے۔ جسطرح پیپل کے چھوٹے سے بیج مین پیپل کے درخت کی جڑ۔ تنا۔ شاخین۔ پتے وغیرہ بالقوئے موجود رہتے ہین اور خاص اسباب کے جمع ہونے سے وقت پر اپنا ظہور دکھاتے ہین بعینہٖ یہی حال پردھان کا ہے۔ یا پردھان کو یون سمجھو کہ آدمی کے خواب غفلت کی حالت ہے۔ لیکن اسی حالت غفلت مین خواب اور بیداری کے تمام ظہورات موجود ہین اور اسباب کے فراہم ہونے پر وہ ظہورات صورت پذیر ہوجاتے ہین۔

یہان غور طلب امر یہ ہے کہ سانکھیہ کی علّت اولیٰ مین کام کرنے کی قابلیت بھی موجود ہے اور کیفیات نفس کی صورت اختیار کرنے کی بھی۔ اسوجہ سے اس فلسفہ مین نہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مغربی طبیعات کیطرح مادّے سے جُدا کسی قوت کی تلاش کرتے پھرین۔ نہ نیائے ویشیشک اور بہتیرے مغربی و مشرقی نظامہائے فلسفہ کیطرح اس بات کی کہ آغاز آفرینش اور قیام کائنات کے واسطے کسی ماورائے کائنات خدا یا ایشور کو مانین۔ یہ شاستر نرایشور ہے۔ یوگ شاستر جو سانکھیہ پر مبنی ہے۔ خدا کی ہستی تسلیم کرتا ہے۔ اور اسیواسطے سیشور یعنی فلسفۂ باخدا کہلاتا ہے لیکن یوگ مین ایشور کا کام صرف دھیان کے وسائل کی بحث مین پڑتا ہے۔ باقی تمام مراحل جون کے تون سانکھیہ سے لئے گئے ہین۔ اسوجہ سے بہت سے اہل الرائے اس بات پر متفق ہین کہ ماورائے کائنات خدا کا دخل یوگ درشن مین محض آورد ہے۔ جسکو فلسفۂ یوگ کی نزاکت برداشت نہین کرسکتی حقیقت یہ ہے کہ یوگ کا فلسفہ بالکل سانکھیہ سے مستعار لیا گیا ہے اور اُسکو عملی اور اخلاقی جامہ پہناکر ایک نیا نظام فلسفہ بنالیا گیا ہے۔ یوگ دراصل کوئی نیا فلسفہ نہین ہے۔ بالکل سانکھیہ ہی ہے۔

اب ناظرین کی سمجھ مین آگیا ہوگا۔ کہ فلسفہ سانکھیہ مین علّت اولیٰ کیا ہے اور جن تین صفات سے وہ متصف ہے اُنکی کیا ماہیت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس ترگناتمک پردھان سے کیا ظہورات ہوتے ہین۔ کس ترتیب سے ہوتے ہین کسطرح ہوتے ہین۔ ان بحثون کو مین دوسرے مضمون مین اُٹھاؤنگا یہان مجملاً پرش کا کچھ بیان لکھتا ہون۔

فلسفۂ سانکھیہ مین چونکہ پرکرتی مین کام کرنے کی طاقت مانی گئی ہے۔ اسلئے فاعل پرکرتی ہے۔ وہی کائناتین بناتی ہے۔ اسمین کائناتین قائم رہتی ہین اور آخر مین اسی مین غائب ہوجاتی ہین لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ پرکرتی مادّی چیز یعنی جڑ ہے

چیتن یعنی کانشنس یا صاحب علم شخصیت نہین ہے - اگرچہ کائنات محض پرکرتی کی بنائی ہوئی ہوتی تو اسمین انتظام وترتیب جو چپے چپے پر نظر آتی ہے ہرگز نہ دکھائی دیتی - اندھی قوتین چارسمت محشر بپا رکھتین - اندھا مادہ چار دانگ مین چھایا ہوتا - اندھی کیفیات ذہنی ادھر اُدھر ماری ماری پھرتین غرض جو نظام عالم اسوقت موجود ہے خواب وخیال مین بھی اُسکا امکان نہ ہوتا - اس نظام مین چیتن وستو کی ضرورت ہے بغیر اسکے چارہ نہین - یہ پرش یا ارواح ہین - جو چیتن - گیان سروپ - نوری یا کانشنس شخصیتیں ہین - انکی چیتن شکتی کی مدد سے پرکرتی خود چیتن کیطرح کام کرتی ہے -

پرش کا سروپ کیول گیان ہے - اسوجہ سے وہ محسوس کرنے والا بیشک ہے - لیکن کرتا یا فاعل نہین ہے - فاعلیت صرف پرکرتی مین ہے اور اس فاعلیت کو وہ پرش کے بھوگ اور موکش کے لئے کام مین لاتی ہے - پرش نہوتا - تو پرکرتی کچھ نہ کرسکتی - پرش کو یون سمجھو کہ لنگڑا آدمی ہے جو چل پھر کر کچھ نہین کرسکتا - پرکرتی کو یون سمجھو کہ ایک اندھا آدمی ہے - کہ چل پھر کر سکتا تو بہت کچھ ہے - لیکن کام کرنیکا راستہ اُسکو نہین سوجھتا - لنگڑے نے اندھے سے کہا کہ بھائی مجھے اپنے کندھے پر بٹھالے - مین راستہ بتاتا جاؤنگا - باغ مین درخت آم سے لدے کھڑے ہوئے ہین - چل تو بھی پیٹ بھر کر کھا مین بھی کھاؤن - چنانچہ ایسا کرنے پر دونون کا مطلب حاصل ہوگیا - تقریباً یہی حال پرش اور پرکرتی کا ہے - پرش صرف بھوگتا ہے کرتا نہین - ہان پرکرتی کرتا ہے اور جو کچھ کرتی ہے وہی کرتی ہے - لیکن جڑ ہونے کیوجہ سے اسکو پرش کی امداد درکار ہے بغیر اسکے کچھ نہین کرسکتی -

پرش چونکہ گیان سروپ ہے - اسوجہ سے ہمیشہ سبھاو سے مکت یعنی ناجی ہے - لیکن بندھن مین یون گرفتار ہے کہ پرکرتی کے بجائے اپنے تئین کرتا یعنی فاعل سمجھتا ہے - کرنے کرانے والی چیز ہمیشہ پرکرتی ہے - لیکن مغالطے یا بھرم سے پرش یہ سمجھ رہا ہے کہ مین کر رہا ہون مین نے گناہ صغیرہ وکبیرہ کئے ہین - انکی سزا مجھے ملیگی - مجھ سے جرائم ظہور مین آئے ہین - انکا کفارہ دینا مجھے لازم ہے - مجھے دُکھ سے بچنا چاہیے - سُکھ کے حصول کی تدابیر نکالنی چاہئین - وغیرہ وغیرہ - ان مغالطون مین پڑا ہوا پرش پرکرتی کے تماشے اپنی ذات مین آروپن کرتا ہے اور رنج وراحت محسوس کرتا ہے - پرکرتی اسکے سامنے طرح طرح کے روپ بھرتی ہے - یہ پرش کا بھوگ ہے جب سچے شاستر یعنی سانکھیہ کے پڑھنے سے پرش پر یہ سرخفی کھلتا ہے کہ روپ بھرنے والی دراصل پرکرتی ہے - مین محض تماشائی ہون اور ان تماشون مین میرا ہاتھ مطلق نہین ہے - بلکہ مین شدھ اور گیان سروپ ہون - وہ مکت ہو جاتا ہے - اسطرح بندھ اور موکش کا کارخانہ ہے - مکت پرش کیواسطے پرکرتی کا تماشا ختم ہوجاتا ہے اور وہ اپنے ذاتی سرور لامحصور مین قیام کرتا ہے - بہتیرے پرش مکت ہین بہتیرے بندھ مین گرفتار ہین - اسلئے پرش لاتعداد ہین -

یہان دو نتیجہ خیز سوال پیدا ہوتے ہین کیا حقیقت مین پرش یعنی ارواح لاتعداد ہین یا صرف ایک ذات واحد پرش ہے جسے ویدانت سچدانند برہمہ بتاتا ہے اور پرکرتی اور پرش کا علاقہ واقعی کچھ چیز ہے - یا پرکرتی محض دھوکے کی ٹٹی ہے جسے ویدانت مین مایا کہتے ہین دونون سوال نہایت دلچسپ ہین لیکن اس مضمون مین زیادہ گنجایش نہین ہے - ویدانت اور سانکھیہ کا جب مقابلہ کیا جائے گا - اُسوقت ان پر بحث کیجائیگی -

سورج نراین مہر

قدیم عربون کا فن تحریر

عربون مین سنہ عیسوی شروع ہونے سے صدیون قبل تحریر کا رواج تھا، لیکن یہ بتانا مشکل امر ہے کہ ان مین اسکی ابتدا کس زمانے سے ہوئی ہے۔

سنہ ۱۸۷۰ع مین فرانس اور انگلستان کے بعض سیاحون نے یمن کے پرانے بیت الحکومت مارب اور صنعا کے کھنڈرون مین چند کتبے دریافت کئے جو شروع مین عقدۃ لاینحل سمجھے گئے مگر مدت دراز کے بعد علما کی کثیر جماعت نے حبشی اسطرنجلی، فنیسیقی، عبرانی خطوط سے مقابلہ کرکے پڑھ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ تحریرین حمیر بن سبا کے وقت کی ہین[۵۱] جسکا زمانہ حضرت مسیح سے ۱۲۲۰ سال پہلے کا ہے[۵۲]۔

یہ تحریرین لوہے کی کیلون سے کھود دیگئی ہین اور انکی سطر بندی اور جملون کی ترتیب کا بھی لحاظ ہے جسکی بنا پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ عربون کو حضرت مسیح سے دو ہزار سال قبل خط و کتابت مین کمال حاصل تھا۔ اب ہر شخص اسکی قدامت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

عربون مین مختلف دور مین مختلف اقسام کے خطوط کا رواج رہا ہے۔ حمیری خط، نبطی خط، عبری خط، کوفی خط، عربی خط۔ ان مین حمیری خط سب سے قدیم ہے، اسکے حروف جنہین مسند کہتے ہین، لوہے کی کیلون سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور تحریر کیوقت علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے تھے، ولیسٹیڈ، کرٹین ڈین اور ہاکوے نے جو پرانے کتبے سرزمین یمن مین پائے ہین وہ اسی خط کے نمونے ہین[۵۳]۔

مسند حروف پہلے پہل یمن مین رائج ہوئے پھر عرب کے اکثر مقامات مین پھیل گئے۔ بنو حمیر سے حیرۃ والون نے حاصل کیا اور اہل حیرۃ سے قریش اور اہل طائف نے سیکھے[۵۴]۔

نبطی خط کو عربون نے ان نبطیون[۵۵] سے اخذ کیا تھا جو پہلی اور دوسری مسیحی صدیون مین رومیون کے ظلم و ستم سے

---

۵۱ - ان تحریرات کی نسبت مزید حالات کے لئے دیکھو سیاحت العارف مطبوعہ بیروت صفحہ (۱۰۵)

۵۲ سپٹواجنٹ Septuagint سے پایا جاتا ہے کہ تارح حضرت مسیح سے ۱۲۲۶ برس پیشتر گذرا ہے تارح اور حمیر بن سبا کا سلسلہ نسب چونکہ مساوی ہے۔ اسلئے طبعی تحقیقات کی رو سے دونون ہم زمانہ قرار پاتے ہین۔

سلسلہ نسب یہ ہے [illegible]

۵۳ Sedileots Histore Generale Des Arabes Vol. I, pp. 34.

۵۴ صناجۃ الطرب طبع بیروت صفحہ (۳۲۰)　۵۵ نبطی قوم حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے نبیط נבות سے نکلی ہے۔ یہ لوگ بلاد بطرا Petra مین رہتے تھے جو فلسطین اور سینا کے مابین ایک مشہور مقام ہے (اعمال ۱۲) پہلی صدی عیسوی مین رومیون نے انکے شہرون کو فتح کرلیا تو عربستان مین آکر آباد ہوگئے۔

دق ہوکر ملک عرب مین بھاگ آئے تھے[۵۱]۔

کوفی خط زمانۂ جاہلیت مین ایجاد ہوا ہے۔ اسکی نسبت گمان ہوتا ہے کہ وہ اسطرانجیلی خط سے نکلا ہے جسے عراق کے سریانی اور کلدانی اقوام اپنی تحریر مین استعمال کیا کرتے تھے[۵۲] اُس زمانے مین اسکا کوئی خاص نام نہین تھا یہ نام اسلامی عہد مین تجویز ہوا ہے کیونکہ کوفہ ان شہرون مین ایک مشہور شہر ہے جسکو مسلمانون نے آباد کیا[۵۳]۔ کوفی خط انبار مین ایجاد ہوا اور اہل انبار کے ذریعہ سے اہل حجاز تک پہونچا۔ دومۃ الجندل کے حکمران کیدر بن عبدالملک کا بھائی بشیر بن عبدالملک یہ خط جانتا تھا جب اُسنے مکہ مین جاکر صفیان بن امیہ کی بہن صہبا سے نکاح کیا تو اہل مکہ کو یہ خط سکھلایا[۵۴]۔

عربون نے عبرانی خط کو یہودیون سے اقتباس کیا ہے اسکے حروف بلا کسی تغیر و تبدل کے انمین رائج تھے۔ ایک قدیم روایت کے بموجب جس شخص نے عبرانی خط مین عربی عبارت کو لکھا وہ حضرت نبی اکرم کی بیوی حضرت خدیجہ کا ماموں زاد بھائی ورقہ بن نوفل تھا[۵۵]۔ عربی حروف کی نسبت طبری نے لکھا ہے کہ جنیح بن ارآم[۵۶] کی اولاد نے ایجاد کیا تھا مگر محققین نے اس روایت کو محض قصہ سمجھا ہے۔ عام خیال ہے کہ یہ حروف ظہور اسلام سے کچھ عرصہ قبل ایجاد ہوے ہین[۵۷]۔

اہل اسلام کی ابتدائی تحریرات مسند حروف مین ہوا کرتی تھین پھر اسکو انہون نے ترک کردیا اور کوفی و عربی خط مین لکھنے لگے[۵۸]۔ سنہ ۱۲ھ مین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے قرآن شریف کا جو نسخہ مرتب کیا گیا تھا وہ کوفی خط مین تھا۔ خلافت بنی امیہ (سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۱۳۲ھ) کے اخیر ایام مین کوفی خط متروک ہوگیا۔ اور صرف عربی خط استعمال ہونے لگا۔ ابتداے خلافت عباسیہ (سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۶۵۶ھ) مین عربی خط کے کثرت سے خوش نویس ہوئے اور ہر ایک نے اسکے لکھنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ مامون رشید (سنہ ۱۹۸ھ تا سنہ ۲۱۸ھ) کے عہد تک یہ طریقے ایک درجن سے بھی زیادہ ایجاد ہوگئے جنکے نام یہ ہین۔ قلم الجلیل۔ قلم الجلات۔ قلم الدیباج۔ قلم اسطور بالکبیر قلم الثلاثین۔ قلم الزنبور۔ قلم المفتح۔ قلم الحرم۔ قلم المدامراۃ۔ قلم العہود۔ قلم القصص۔ قلم الحرفاج۔ قلم المرصع۔ قلم النساخ۔ قلم الریاسی قلم الرقاع۔ قلم غبار الحلیہ[۵۹]۔

ابتدا مین عربی خط کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے تھے اور ان پر نقطے بھی نہین تھے کہ جس سے متشابہ حروف مثلاً ب ت ج ح خ ر ز س ش مین تمیز ہوسکے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان (سنہ ۶۵ھ تا سنہ ۸۶ھ) کے زمانہ مین حجاج بن یوسف ثقفی کی فرمایش سے نصر بن عاصم نے نقطے ایجاد کئے۔ کسی پر ایک نقطہ لگایا کسی پر دو کسی پر تین کسی کے اوپر کسی کے نیچے[۶۰]۔

خلیفہ مقتدر باللہ عباسی (سنہ ۲۹۵ھ تا سنہ ۳۲۰ھ) کے وزیر ابوعلی محمد بن حسین بن مقلہ نے جسکی وفات سنہ ۳۲۸ھ مین ہوئی تھی

۵۱۔ تاریخ التمدن الاسلامی طبع مصر جلد اوّل صفحہ ۲۵۹
۵۲۔ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۲۵۹
۵۳۔ کوفہ کو سنہ ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ کے حکم سے سعد وقاص نے آباد کیا معجم البلدان
۵۴۔ المزہر للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷
۵۵۔ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۲۵۹
۵۶۔ یہ قوم جوا قوام عرب العاربہ کی معاصر تھی قصبۂ طائف مین رہتی تھی۔ مدت ہوئی کہ تباہ و برباد ہوگئی۔
۵۷۔ التمدن الاسلامی جلد اوّل صفحہ ۲۵۹
۵۸۔ صناجۃ الطرب صفحہ ۳۲۱
۵۹۔ کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۴۶۴
۶۰۔ تاریخ ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۱۲۵

اس خط کو صورت حال مین بدلا یعنے حروف کو وصل کر کے لکھنے کا طرز ایجاد کیا اور اس جدید خط کے لئے خوشنویسی کے کئی اقسام وضع کئے جنمین سے چھ بہت مشہور ہین ثلث - تعلیق - توقیع - نسخ - ریحان - محقق[۵۱]

عربون مین قدیم زمانہ مین پتھر کی سلون اور مٹی کی تختیون پر لکھنے کا رواج تھا، قرون وسطی مین جو اشیا رائج تھین وہ یہ ہین -

عسب	کھجور کے پتے
لخاف	سفید رنگ کے پتھر کی تختیان
ادیم	چمڑا
اکتاف	شانہ کی ہڈیان
اضلاع	پہلو کی ہڈیان
اقتاب	پالان خرد
لوح	لکڑی کی تختی
قرطاس	یونانی لفظ خرتیس Chartes

کا معرب ہے - ایک قسم کا کاغذ جو اطالیہ اور یونان مین بنایا جاتا تھا

رق - پوست آہو - فیروزآبادی کے بیان کے موافق ہر قسم کا دباغت کردہ چمڑا جو تحریر کے کام آسکے -

مُہرق - زبان فارسی کے لفظ مہرہ کردہ کا معرب ہے اسکو کپڑے پر نشاستہ لگا کر بنایا کرتے تھے -

قباطی - ایک قسم کا سفید و باریک کپڑا جو مصر مین بنایا جاتا تھا -

بردی - قبطی زبان کا لفظ ہے اسکو یونانی مین پاپرس کہتے ہین - ایک درخت کی چھال سے بنایا جاتا تھا جو مصری زبان مین مسار اور فارسی مین لخ کہلاتا ہے - یہ درخت پانی مین اُگتا ہے اسکی پیدایش مشرقی افریقہ سے مخصوص ہے قدیم زمانے مین مصر مین بہت پیدا ہوتا تھا مگر اب وہان معدوم ہوگیا ہے - لیکن ایتھوپیا اور نوبہ مین آج بھی پایا جاتا ہے - حبشی اسکی شاخون سے بہت عمدہ بوریا بناتے ہین -

یہ تمام اشیا زمانہ جاہلیت اور نیز اوائل اسلام مین تحریر کے کام آتی تھین - اسلام سے پہلے سبعہ معلقہ قباطی پر لکھے گئے تھے[۵۲] حضرت نبی اکرم نے جو عہدنامہ یہود خیبر سے کیا تھا وہ چمڑے پر لکھا گیا تھا، زمانہ سعادت مین قرآن پاک کے آیات عسب - لخاف - ادیم - اکتاف - اضلاع وغیرہ پر لکھے جاتے تھے[۵۳] قرآن شریف کا جو نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مین بصورت مصحف مرتب ہوا تھا اُسکی کتابت قرطاس پر ہوئی تھی[۵۴]

خلافت بنی اُمیہ کے خاتمہ تک لوگ انہین چیزون پر لکھا کرتے تھے، قرطاس - قباطی - بردی - مصر مین تیار ہوتے اور یہین سے تمام دُنیا مین جایا کرتے تھے، قرطاس کی پیشانی پر باسم الاب والابن والروح القدس، لکھا ہوتا تھا - جو عیسائیون کا کلمہ تثلیث ہے - جب اس امر کی اطلاع عبدالملک بن مروان (۶۵ھ - ۸۶ھ) کو ہوئی تو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور اُسنے مصر کے عامل کو حکم دیا کہ آیندہ سے کلمہ تثلیث کے بجاے کلمہ توحید "شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو" لکھا جاے - اسی بنا پر قیصر روم اور عبدالملک کے درمیان ایک سخت لڑائی ہوئی[۵۵]

خلفاے عباسیہ کے عہد سے کاغذ کا استعمال شروع ہوا ہے مسلمانون نے سنہ ۸۷ھ مین جب شہر سمرقند کو فتح کیا تو وہان کے لوگون سے کاغذ بنانا سیکھا[۵۶] لیکن

---

۵۱ - کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۴۶۷

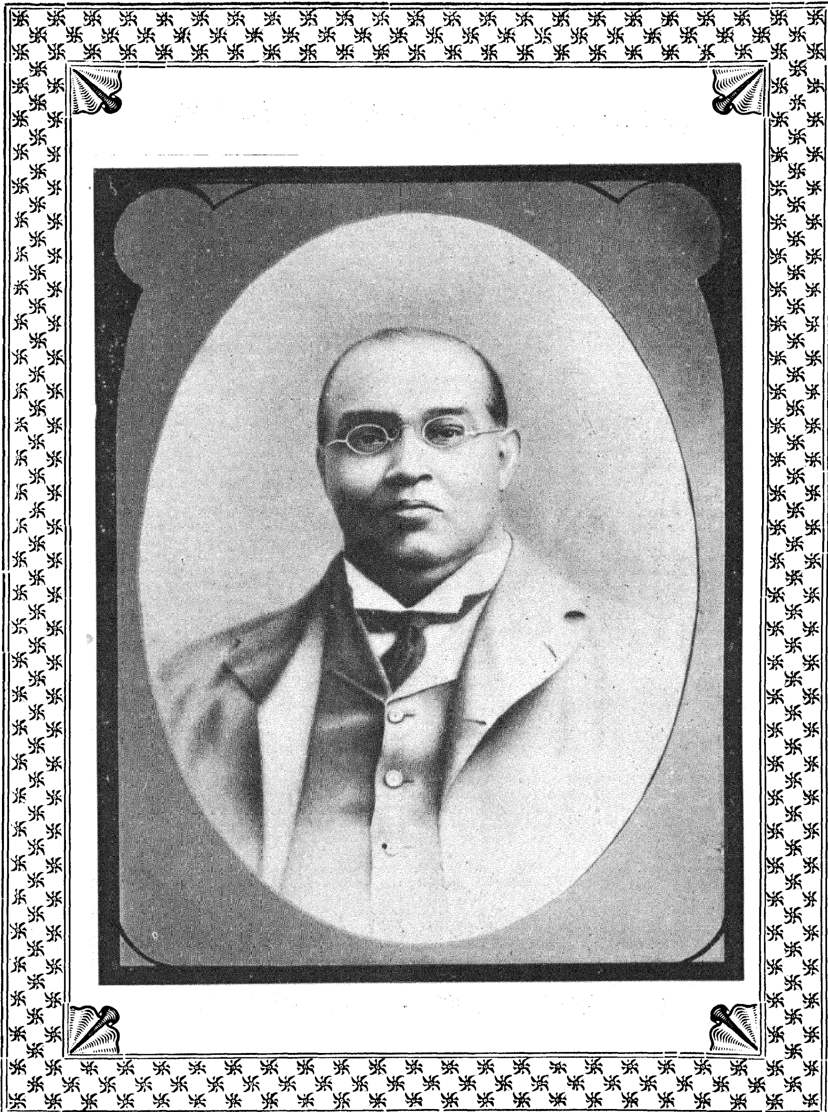
۵۲ - التمدن الاسلامی جلد اوّل صفحہ ۲۶۹

۵۳ - صحیح بخاری باب فضائل القرآن

۵۴ - کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۵۷

۵۵ - تاریخ ابن اثیر واقعات سنہ ۷۶ھ

۵۶ - کتاب الہند ابوریحان البیرونی



مسٹر رمیش چندر دت - سی - آئی ای

انڈین پریس الہ آباد

خلیفہ ہرون رشید (۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ) کے زمانہ مین فضل بن یحیی برمکی کے حکم سے تیار ہونے لگا - اور دوسری صدی ہجری تک تمام بلاد اسلام مین رائج ہوگیا اور چمڑے کپڑے وغیرہ پر لکھنا چھوڑ دیا گیا[لہ] لیکن بعض لوگ اُسوقت بھی کپڑے کو بہ نسبت کاغذ کے زیادہ پسند کرتے تھے - چنانچہ حکیم ابو نصر فارابی (۳۳۹ھ) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جسقدر کتابین پائی گئین وہ سب کپڑے پر تھین[لہ]

اسی زمانہ مین بڑے بڑے شہرون مین کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہوگئے ' ابن بطوطہ کے زمانہ مین دمشق مین بیس سے زیادہ کارخانے تھے - یہان کے لوگون نے اس صنعت مین یہانتک ترقی کی تھی کہ کاغذ کا نام بھی یورپ مین کئی صدیون تک کارٹا ڈماسکیز Charta Damadcese تھا -

عربون کی تحریرات جو کاغذ پر لکھی ہوئی اسوقت محفوظ ہین اُنمین سب سے قدیم کتاب غریب الحدیث کا نسخہ ہے جو ۲۵۲ھ کا لکھا ہوا ہے اور لیڈن کے مکتبہ جامعہ مین موجود ہے ایک اور کتاب دیوان الادب برطانیہ کے عجائب خانہ مین ہے جسکی نسبت گمان کیا جاتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز مین لکھی گئی ہے -

اہل یورپ نے اندلس کے عربون سے کاغذ بنانا سیکھا ہے - شاطبہ - بلنسیہ - طلیطلہ وغیرہ مقامات مین کاغذ سازی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے - جب ان شہرون پر افرنجیون کا قبضہ ہوگیا تو اُنہون نے ان کارخانون کو قائم رکھا اور یہان سے یہ صنعت رفتہ رفتہ تمام ممالک یورپ مین پھیل گئی -

حکیم سید شمس اللہ قادری

رمیش چندر دت

یادگار زمانہ ہین یہ لوگ
یاد رکھو فسانہ ہین یہ لوگ

لارڈ مکالے نے کہین لکھا ہے کہ " جو لوگ اپنے اسلاف کے کارنامون کو فخر کے ساتھ یاد نہین کرتے اور اُنکو اپنا مایہ ناز نہین سمجھتے وہ خود کبھی کوئی ایسا کام نہ کرینگے جو اُنکے بعد یاد رکھے جانے کے قابل ہو " دوسرے ممالک اور اور دوسری اقوام نے اس امر کے متعلق کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ ہندوستان کے باشندون پر چاہے وہ ہندو ہون یا مسلمان اپنے بزرگون کی احسان فراموشی کا الزام نہین لگایا جاسکتا - بلکہ برخلاف اسکے ہمارا طرز معاشرت اور ہمارا مذہب اس قسم کا ہے کہ اگر ہم ضرورت سے زیادہ اسلاف پرستی کے ملزم ٹھہرائے جائین تو شاید زیادہ صحیح ہوگا -

اُنیسوین صدی مین جیسا کچھ حیرت انگیز تغیر ہمارے ملک مین ہوا ہے وہ محتاج بیان نہین اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی مانا جاتا ہے کہ اس تغیر نے ہندوستانیون کی زندگی کے

لہ - فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۰

لہ - تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۰

ہر صیغہ مین ایک نئی روح پھونک دی ہے اور ایک حد تک ہمکو دنیا کی بڑھی چڑھی قومون کے قدم بقدم چلنے کے قابل بنادیا ہے۔ ملکی معاملات ہون یا مذہبی۔ سوشل اصلاح کا صیغہ ہو یا سیاست مدن کا۔ ہر طرف ہمکو نئی روشنی اور جدید کوششون کے آثار نظر آرہے ہین۔ اسمین شک نہین کہ اس تغیر کے پیدا کرنے مین بہت بڑا حصہ ان مجموعی قوتون کا ہے جنکو مشرقی حکما "زمانہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین اور جو اہل فرنگ کے یہان Spirit of the Age کہلاتی ہین۔ لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ زمانہ کو اُن مقتدر بزرگون سے بھی بہت بڑی مدد ملی جنکو زمانہ ہی نے پیدا کیا اور اپنی قوت اور سعی کے اظہار کا آلہ بنایا اور اسی وجہ سے بقول حضرت آبر

سُننے کے قابل آج بھی اُنکا فسانہ ہے

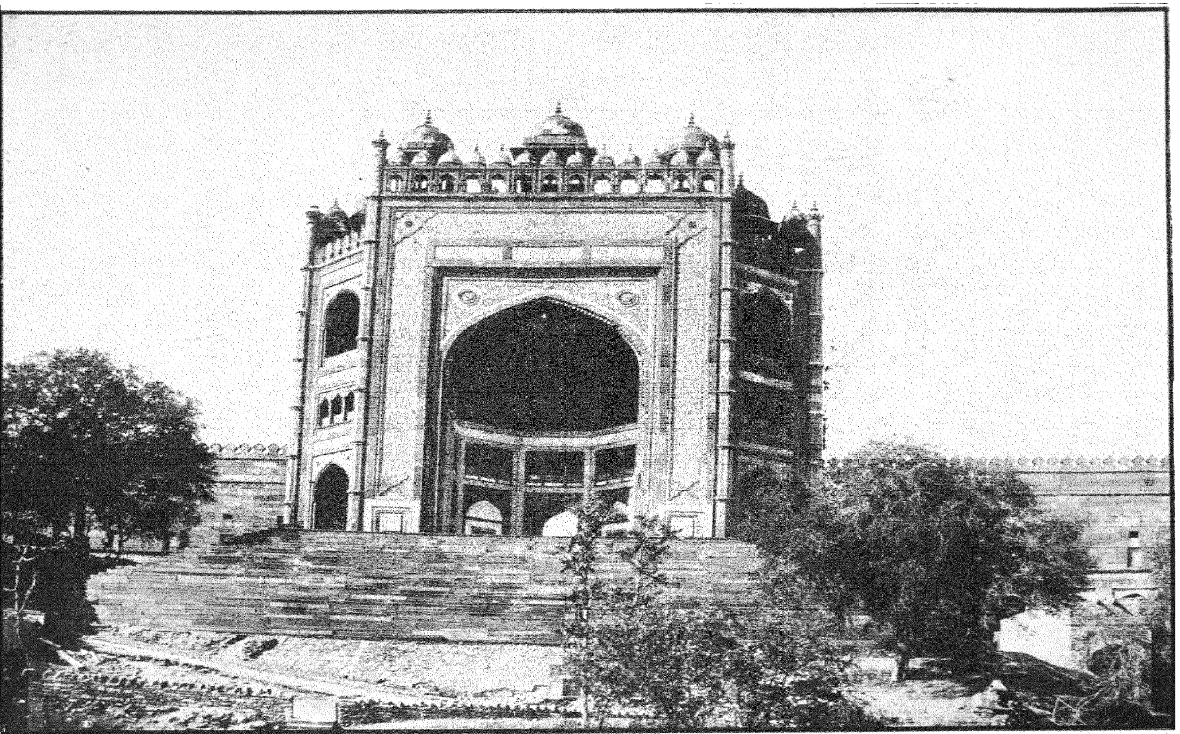
ہم ہندوستان کے انہین سعادتمند بیٹون مین سے ایک کے حالات آج ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

مسٹر رمیش چندر دت ۱۳۔ اگست ۱۸۴۸ء کو کلکتہ مین پیدا ہوئے۔ اُنکا خاندان بنگال کے نامور خاندانون مین شمار ہوتا تھا۔ اُنکے پردادا کلکتہ کے سربرآوردہ رؤسا مین سے تھے۔ انکے والد کے چچا رسمئے دت کلکتہ کے سنسکرت کالج کی پرنسپلی اور عدالت خفیفہ کی ججی کے اعلی عہدون پر ممتاز تھے۔ بنگال کی مشہور و معروف شاعرہ مس تورودت جنکے انگریزی کلام نے انگلستان کے اہل سخن کو حیرت مین ڈالدیا تھا اور جنکی تعریف مین مسٹر اڈمنڈ گاس کا سا نامور نقاد سخن رطب اللسان ہے آپکی چچیری بہن تھین اسکو اتفاق زمانہ کہیئے یا مشیت ایزدی کہ پیدا ہونے کے چند ہی سال بعد والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور رمیش دت ایسے دُرشاہوار کو بچپن ہی سے گردیتیمی مین مبتلا ہونا پڑا۔ اسکول اور کالج کی تعلیم چچا کے زیر نگرانی ہوئی اور گو انٹرنس اور ایف۔ اے۔ کے امتحان نہایت کامیابی کے ساتھ پاس کرلئے۔ لیکن بی۔ اے مین مایوسی کا تلخ مگر سبق آموز تجربہ اُٹھانا پڑا۔ تاہم ہم تو اس ناکامیابی کو کامرانی سے تعبیر کرتے ہین کیونکہ بی۔ اے مین فیل ہوتے ہی مسٹر دت نے انگلستان جانیکی ٹھان لی۔

۳۔ مارچ ۱۸۶۸ء کا دن ہندوستان جدید کی تاریخ مین یادگار ہے کیونکہ اس دن کلکتہ سے تین بنگالی لڑکے پہلے پہل انگلستان کیطرف تعلیم کی غرض سے روانہ ہوے اور انمین سے تینون نے اپنے اپنے صیغے مین ایسے ایسے کارنمایان کئے کہ جنکی داستان شاہراہ ترقی پر آیندہ نسلون کی رہنمائی کریگی۔ یہ تین لڑکے کون تھے اول مسٹر سرندر ناتھ بنرجی جنکے نام سے آج ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور جنکی آتش بیانی کا سکہ ہندوستان سے لیکر انگلستان تک بیٹھا ہوا ہے۔

اللہ رے صفائے بیان حدیث دوست
دم بند ہے فصاحت اہل فرنگ کا

دوسرے مسٹر بہاری لال گپتا جنھون نے بنگال کی سول سروس مین بورڈ آف ریوینیو کی ممبری کا مرتبہ حاصل کیا اور جنکو لفٹنٹ گورنری محض ہندوستانی ہونیکی وجہ سے نہین ملی۔ یہ شاید ادیب کے ناظرین مین سے کم کو معلوم ہوگا کہ البرٹ بل آپ ہی کی ذات سے وجود مین آیا تھا۔ آجکل آپ انڈیا کونسل کے ممبر ہین اور ان اصلاحات کی تجویز و تدوین مین جنکی کامیابی کے ساتھ ہندوستان کی پولٹیکل اُمیدین



بلند دروازہ — فتحپور سیکری

انڈین پریس الہ آباد

والبستہ ہین آپ کے راے اور آپ کے مشورہ کو بہت کچھ دخل رہا ہے
تیسرے مسٹر دت جنکی زندگی کے مفصّل حالات اس مضمون مین
بیان کئے جائینگے۔

اُس زمانہ مین ہندوستانی طلبار کے لیئے انگلستان کا
جانا ہفتخوان رستم کے طے کرنے سے کم نہ تھا اور آج ہم اُن دقتون
کا خیال بھی نہین کرسکتے جو چالیس برس اُدھر انگلستان جانیوالون
کی سدّراہ ہوتی تھین۔ سرندرو ناتھہ بنرجی کو تو اُنکے والد نے
ولایت جانے کی اجازت دیدی تھی لیکن مسٹر گپتا اور مسٹر دت
بلا اجازت والدین چپکے سے گھر سے نکل کھڑے ہوے تھے
اور سُنا ہے کہ اسیوجہ سے جہاز مین جو کمرے کرایہ پر لئے گئے
تھے اُنمین اُن دونون صاحبون کا نام ظاہر نہین کیا گیا تھا۔
بلکہ "سرندرو ناتھہ بنرجی اور اُنکے دو دوستون" کے نام
سے لئے تھے۔ انگلستان پہونچکر تینون صاحبون نے
سول سروس کے لئے پڑھنا شروع کیا اور ۱۸۶۹ء کے امتحان
مین شریک ہوکر کامیابی حاصل کی۔ اس امتحان مین ایکسو
کے قریب انگریز شریک تھے مگر باوجود اسکے مسٹر دت کا
نمبر کامیاب اُمیدوارون مین تیسرا تھا۔ سنسکرت مین آپ
اوّل تھے اور انگریزی لٹریچر کے مضمون مین دویم۔

۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۲ء تک مسٹر دت بنگال کے مختلف
اضلاع مین کام کرتے رہے۔ ۱۸۷۶ء مین بنگال کے جنوبی
اور شرقی حصّے مین بڑے غضب کا طوفان آیا۔ اندازہ کیا گیا
ہے کہ اس طوفان کیوجہ سے ایک لاکھہ جانین تلف ہوئین
اور ان اضلاع مین ہر طرف ایک تہلکہ مچ گیا۔ ان مقامات مین
سے جنکو طوفان نے تباہ کیا تھا ایک جزیرہ شہباز پور نامے
دریاے گنگ کے دہانہ پر ہے طوفان کے خاتمہ پر اسکی درستی
اور انصرام مسٹر دت کے سپرد ہوا۔ کہتے ہین کہ جزیرہ کی وہ حالت
تھی جو کسی بڑی گھمسان لڑائی کے بعد میدان جنگ کی ہوتی ہے
ہر طرف لاشین ہی لاشین نظر آتی تھین۔ ہر جانب بدامنی پھیلی
ہوئی تھی۔ جو لوگ مر گئے تھے اُنکا مال و اسباب بدمعاش
لوٹا کرتے تھے۔ طوفان کے بعد ہیضہ نے سمند ناز پر تازیانہ
کا کام کیا تھا۔ سمندر کی طغیانی نے فصل کا ستیاناس کردیا تھا
اور طوفان و ہیضہ کے علاوہ قحط کی مصیبت لوگون کو ستا رہی تھی۔
لیکن مسٹر دت نے ان تمام دقتون کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور
انکے حُسن انتظام سے شہباز پور والون کی مصیبتین بہت جلد
دور ہوگئین۔ گیارہ برس بعد مسٹر دت کلکٹری کے عہدے
پر متعین کئے گئے۔ اُسوقت تک کسی ہندوستانی کو یہ عہدہ
نہین ملا تھا اور انگریزی حکّام کا عموماً یہ خیال تھا کہ ہندوستانی
اس عہدے کی ذمہ داریون کا بار نہین اُٹھا سکتے۔ جب مسٹر دت
کا نمبر آیا تو اُمید و بیم کی حالت تھی۔ بعض کا خیال تھا کہ ہندوستانی
کو کلکٹری کبھی نہین ملیگی۔ بعض کہتے تھے کہ نہین کم ازکم ایک
ہندوستانی کو کلکٹر مقرر کرکے آزمانا تو چاہیے۔ آخر کار آخرالذکر
راے کو غلبہ رہا اور ہماری خوش قسمتی سے مسٹر دت امتحان مین
پورے اُترے۔

بنگال کے صوبہ مین برلیسال کا ضلع جسکو باقرگنج بھی
کہتے ہین اور جسکا نام آجکل کی شورش مین اکثر سُننے مین آتا
ہے سب سے زیادہ شریر اور سرکش سمجھا جاتا ہے مسٹر دت
۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۵ء تک اس ضلع کے کلکٹر رہے۔ یہ وہ
زمانہ تھا کہ جب بنگال مین البرٹ بل کا ہنگامہ برپا تھا لیکن
مسٹر دت نے اپنی لیاقت اور کوشش سے۔ نہ صرف اپنے تمام
انگریز ماتحتون کو راضی رکھا بلکہ اُنکے دوران حکومت مین اُن

جھگڑے بکھیڑون کی تعداد بھی بہت کم رہی جنکے واسطے باقرگنج بدنام ہے - چنانچہ جب لارڈ رپن جو اس زمانہ مین والیسرائے تھے ہندوستان سے چلنے لگے تو اُنہون نے مسٹر دت کو بُلوا کر اُنکی اس کامیابی پر مبارکباد دی اور کہا کہ تمہاری کارگذاری کا حال انگلستان والون کو معلوم ہونا چاہیئے تاکہ پھر کبھی کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہندوستانی اس مشکل کام کو سرانجام نہین کر سکتے - شکر ہے کہ ۱۸۸۵ء کے بعد سے معترضین کی زبانین بند ہوگئین اور پھر کسی نے کمزوری اور بدلیاقتی کا بہتان ہندوستانی سویلینون پر عائد نہین کیا -

یہ بالکل سچ ہے کہ غیرون کی مخالفت کرنیکے نسبت اپنون کی مخالفت کرنا زیادہ مشکل ہے پنشن لینے کے بعد جب مُہر خاموشی ٹوٹی تو مسٹر دت نے کانگرس مین شریک ہوکر اکثر سرکاری تجاویز کی مخالفت کی لیکن ساتھ ہی اسکے یہ امر قابل غور ہے کہ اُنہون نے جب کبھی اپنے ملک والون کو غلطی مین پڑا ہوا دیکھا تو اُنکی مخالفت کرنے سے بھی دریغ نہین کیا - چنانچہ بنگال کے اوائل زمانہ ملازمت مین اُنکی توجہ اس صوبہ کے کاشتکارون کی خراب حالت کی طرف منعطف ہوئی تھی - بنگال مین یون تو بندوبست استمراری جاری تھا اور ہے مگر اس سے فائدہ محض بڑے بڑے زمیندار اُٹھاتے تھے - جو کچھ وہ سرکار کو دیتے تھے اُسمین بیشی نہین ہوسکتی تھی لیکن اپنے یہان کاشتکارون پر وہ بلا روک ٹوک اضافہ کرسکتے تھے اور غریب کاشتکارون کے لئے اس زبردستی سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ تھی اور نہ کوئی قانون اُنکا محافظ تھا - مسٹر دت یہ کہتے تھے کہ جسطرح سے مالگذاری کو استقلال ہے سیطرح لگان کو بھی کچھ استقلال ہونا چاہیئے اور اسکی کمی بیشی محض زمیندار کی مرضی پر منحصر نہ ہونی چاہیئے - بلکہ اسکے لئے ضوابط مقرر ہونا چاہئین - مسٹر دت نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جسپر اسوقت تو کچھ زیادہ توجہ نہین ہوئی مگر آخرکار لارڈ ڈفرن کے زمانہ مین گورنمنٹ کو ۱۸۸۵ء کا قانون کاشتکاران بنگالہ (Bengal Tenancy Act) پاس کرنا پڑا - اس قانون کے پاس ہونے کے بعد ۱۸۸۶ء مین مسٹر رمیش چندر رخصت لیکر مع اپنی بیوی بچون کے ولایت تشریف لیگئے - رخصت سے واپسی پر اُنکی تعیناتی بردوان مین ہوئی بعد ازان وہ دیناج پور اور مدنا پور مین کلکٹری کرتے رہے اور ۱۸۹۲ء مین آپ کے حسن خدمات کے عوض مین سرکار کے طرف سے سی - آئی - ای - کا خطاب عطا ہوا - ۱۸۹۳ء مین اُنکی کمشنری کی باری آئی اور کلکٹری کے معاملہ مین جو اُمید و بیم کی حالت تھی اُسکا اب پھر اعادہ ہوا - مسٹر دت بائیس ۲۲ برس نہایت لیاقت اور نیک نامی کے ساتھ سول سروس مین ملازمت کرچکے تھے اور اُنکی عالی دماغی اور کارگذاری کی گورنمنٹ قدر کرتی تھی - تاہم چونکہ ابھی تک کوئی ہندوستانی اس جلیل القدر عہدے پر ممتاز نہین ہوا تھا اسوجہ سے لوگون کو خوف تھا کہ مسٹر دت کو کمشنری سے محروم رکھا جائیگا - سُنا جاتا ہے کہ یہ معاملہ لندن مین انڈیا کونسل کے سامنے پیش ہوا اور وہان سے یہ طے ہوا کہ جب مسٹر دت کی باری آئے تو وہ کمشنر مقرر کئے جائین - چنانچہ ۱۸۹۴ء مین مسٹر دت کو بردوان کی کمشنری عطا کیگئی اور وہ صوبہ بنگال کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی مقرر کئے گئے - بردوان سے اُنکا تبادلہ اڑیسہ کو ہوا اور ۱۸۹۷ء مین اڑیسہ کی کمشنری سے مسٹر دت نے پنشن لی -

مسٹر دت نے جس قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی

کو ادا کیا وہ محتاج بیان نہین - ظاہر ہے کہ بلا غیر معمولی لیاقت اور محنت کے اُسوقت کسی ہندوستانی کے لئے کمشنری کا جلیل القدر عہدہ حاصل کرنا غیر ممکن تھا - ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ لارڈ رپن نے مسٹر دت کو طلب کر کے باقرگنج کے حُسن انتظام کی اُنسے تعریف کی تھی - قانون کاشتکاران بنگال کا مسودہ تیار کرنے مین سر انٹنی میکڈانل کو جو اس زمانہ مین گورنمنٹ بنگال کے مشیر مال تھے اور جنکے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی مسٹر دت سے بڑی مدد ملی جسکا اعتراف اُنکی طرف سے گورنمنٹ گزٹ مین کیا گیا - لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے فرائض مسٹر دت نے جس لیاقت سے ادا کئے اُسکی ثنا و صفت بنگال کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس الیٹ نے کئی مرتبہ بہ کشادہ پیشانی کی - لیکن ان باتون کا مجھکو تعجب نہین کیونکہ وہ سویلین تھے اور ان فرائض کو ادا کرنا اُنکی روزانہ زندگی کا ایک حصہ تھا - ہان یہ امر البتہ قابل غور ہے کہ اسی زمانۂ ملازمت مین اُنھون نے مطالعہ اور تصنیف کا سلسلہ نہایت سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا کاشتکاران بنگال کے متعلق جو کتاب اُنھون نے اپنے اوائل زمانۂ ملازمت مین لکھی تھی اُسکا ذکر ہم کر چکے ہین -

اسی زمانے مین اُنھون نے یوروپ کا ایک سفرنامہ بھی لکھا تھا مگر یہ دونون کتابین انگریزی مین تھین - یہ وہ زمانہ تھا جب بنگالی علم ادب کے میدان مین بنکم چندر چٹرجی کا دور دورہ تھا اور یہ نامور مصنف اپنے جادو نگار قلم سے بنگالی زبان مین ایک تازہ روح پھونک رہا تھا - مسٹر دت سے انسے دوستی تھی - ایک روز کلکتہ مین ان دونون صاحبون سے ملاقات ہوئی - بنکم چندر نے اپنے نوجوان دوست سے کہا کہ تم بنگالی زبان مین کیون نہین لکھتے - مسٹر دت نے جواب دیا کہ بنگالی مین مین کیونکر لکھون مجھکو زبان پر عبور نہین ہے - بنکم چندر نے جواب دیا کہ زبان کی فکر نہ کرو تم ایسے تعلیم یافتہ شخص کے قلم سے جو نکلے گا وہی زبان ہے - مسٹر دت نے اس مشورہ پر عمل کیا اور سنہ ۱۸۷۴ء اور سنہ ۱۸۸۰ء کے درمیان مین چار تاریخی ناول لکھے جنکا شمار بنگالی علم ادب کے اعلی تصانیف مین ہے - ان مین سے ایک یعنے

(The Slave Girl of Agra)

کا ترجمہ حال مین انگریزی مین ہوا ہے اسکے علاوہ مسٹر دت کے ایک اور سوشل ناول (The Lake of Palms) کا بھی انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے اور جو لوگ بنگالی نہین جانتے ہین وہ بھی اُنکو پڑھکر لطف اُٹھا سکتے ہین -

لیکن مسٹر دت نے فسانہ نویسی ہی پر اکتفا نہین کی - بنگالی زبان مین شاید اُنکا سب سے اہم کام وید کا ترجمہ ہے - چودہ برس نوکری کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء مین اُنھون نے دو برس کی رخصت لیکر چند فاضل پنڈتون کی مدد سے رگ وید کے منترون کا ترجمہ شروع کیا - جب یہ خبر عام طور سے مشہور ہوئی تو مسٹر دت کی سخت مخالفت کیگئی کیونکہ بنگال کے تاریک خیال لوگ اس بات کو برداشت نہین کر سکتے تھے کہ وید ایسی مقدس کتاب کا ترجمہ عوام کی زبان مین ہو - اور وہ بھی ایک غیر برہمن کے ہاتھون - بنگالی اخبارون مین بیسیون مضمون اسکے متعلق چھپے اور جاننے والے کہتے ہین کہ مسٹر دت کی اس تجویز کی مخالفت دقیانوسی گروہ کیطرف سے اُسی زور شور سے کیگئی جیسی ایشور چندر ودیا ساگر کی مسئلہ ازدواج بیوگان پر کیگئی تھی - لیکن مسٹر دت باوجود اس طوفان بے تمیزی کے اپنا کام خاموشی اور استقلال سے

کرتے رہے اور ۱۸۸۶ء مین ولایت کی روانگی کے قبل اس کام کو ختم کردیا۔ چنانچہ اسوقت بنگالی زبان مین یہی ترجمہ مستند اور مکمل مانا جاتا ہے۔ رگ وید کا ترجمہ کرتے ہوئے مسٹر دت کو ہندوستان قدیم کی تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ رخصت سے واپس آکر جب وہ میمن سنگھ کی کلکٹری پر متعین کئے گئے تو اُنھون نے اس کام کو شروع کیا۔ میمن سنگھ کا ضلع کام کی زیادتی کے لئے مشہور ہے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مسٹر دت کو سرکاری کام سے ایک منٹ کی فرصت نہ ملتی تھی۔ تاہم اس تاریخ کی تصنیف کا اُنہین اسقدر شوق تھا کہ دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد آدھی رات تک اسمین منہمک رہتے تھے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا تھا کہ تاریخ کا کام کرتے کرتے ساری رات گذر جاتی تھی اور انکو اُسوقت خبر ہوتی تھی جب صبح صادق کی روشنی کمرے مین داخل ہوکر چراغ کی روشنی کو ماند کرنے لگتی تھی۔ جغرافیہ دان جانتے ہین کہ مشرقی بنگال مین دریاؤن کا جال پھیلا ہوا ہے اور اکثر دیہات مین جانے کے لئے دریائی سفر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب مسٹر دت برسات مین دورہ پر جاتے تھے تو اُنکی ساری کشتی قلمی نسخون، کتابون اور پروف کے اوراق سے پُر ہوتی تھی۔ آخر کئی برس کی سخت محنت کے بعد یہ کتاب تین جلدون مین تیار ہوئی اور اسکا نام تمدن ہندوستان قدیم

(Civilization in Ancient India)

رکھا گیا۔ مسٹر دت کی یہ تصنیف نہایت مقبول ہوئی جسکا ثبوت یہ ہے کہ انگلستان اور ہندوستان مین باربار چھپتی ہے اور بک جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسکے بعض آرا سے مستشرقین کو اتفاق نہین ہے اور اسمین زمانۂ حال کی تاریخی تحقیقات کے مسائل شامل نہین ہین۔ تاہم عوام کی دلچسپی کے لئے جو باتین ہونی چاہئین وہ سب اسمین موجود ہین۔ اور طلبا کے لئے یہ کتاب خصوصاً مفید ہے۔ مسٹر دت کی علمی خدمات مین دو اور کتابون کا ذکر کردینا ضروری ہے۔ پنشن لینے کے بعد مسٹر دت انگلستان جاکر کئی سال تک رہے اور قیام انگلستان کے زمانہ مین اُنھون نے مہابھارت اور راماین کا انگریزی نظم مین ترجمہ کیا۔ مسٹر دت کے مہابھارت کے ترجمہ کے ساتھ یوروپ کے نہایت مشہور مستشرق پروفیسر میکس مولر کا ایک چھوٹا سا دیباچہ شامل ہے۔ کسی غیر زبان کی نظم کی تصنیف کی دقتین اہل خرد سے مخفی نہین تاہم انگریزی کے سخن شناس جانتے ہین کہ مسٹر دت نے اس صنف مین بھی جو کچھ کیا اچھا کیا اور مغرب مین اُنکی ان تصانیف کی خاطر خواہ قدر دانی ہوئی اور اُنکی یہ غرض کہ یوروپ والون کے سامنے ہندوستان کی رزمیہ شاعری کے نمونے پیش کئے جائین بخوبی حاصل ہوگئی۔ اس موقع پر اس امر کا اظہار کردینا خالی از دلچسپی نہوگا کہ زمانۂ قیام انگلستان مین لندن یونیورسٹی نے مسٹر دت کو اپنے یہان تاریخ ہندوستان کا لکچرر مقرر کیا اور آپ کئی برس تک اُس یونیورسٹی کے طلبا اور انڈین سول سروس کے اُمیدوارون کو تاریخ ہند پڑھاتے رہے۔

مسٹر دت نے ۲۶ برس نوکری کرکے پچاس برس کی عمر مین پنشن لیلی۔ اگر وہ چاہتے تو اور کئی برس تک نوکری کرسکتے تھے۔ مگر انکو یہ دُھن تھی کہ سرکاری ملازمت کی قید سے آزاد ہوکر ملک کی علمی اور پولٹیکل خدمات کیجاے۔ چنانچہ ہم اُنکی علمی خدمات کا مفصل ذکر اوپر کرچکے ہین۔ ۱۸۹۷ء سے لیکر ۱۹۰۴ء تک مسٹر دت کا قیام زیادہ تر لندن مین رہا اس زمانہ مین علاوہ

رامائن اور مہابھارت کے انگریزی تراجم اور لندن یونیورسٹی کی
پروفیسری کے مسٹر دت - مسٹر دادابھائی نوروجی اور مسٹر ڈبلو سی بنرجی
کے ساتھ اُنکے کام مین شریک رہے اور اُس زمانے کی پولٹیکل
سعی و کوشش مین ان محبان وطن کا برابر ہاتھ بٹاتے رہے۔
مسٹر دت کی تقریرین ہندوستان اور انگلستان دونون جگہہ
شوق سے سُنی اور پڑھی جاتی تھین اور اُنکی قدر خاصکر اسوجہ
سے ہوتی تھی کہ بجاے محض فصاحت و بلاغت کے اُنمین
واقعات اور سرکاری ملازمت کے تجربہ کی مدد سے دلائل پیش
کئے جاتے تھے - سنہ ۱۸۹۹ء مین مسٹر دت لکھنؤ کانگرس کے
پریسیڈنٹ مقرر ہوئے اور جس خوبی سے اُنہون نے اس
مہتم بالشان منصب کے اہم فرائض کو ادا کیا اُسکو سب
کانگرس والے جانتے ہین - مسٹر دت کی اسپیچ کانگرس کی
اسپیچون مین یادگار ہے - اس اسپیچ مین مسٹر دت نے
مالگذاری کے مسئلہ پر نہایت قابلیت کے ساتھ بحث کی تھی
کانگرس کا اجلاس ختم ہونے کے بعد مسٹر دت کلکتہ تشریف
لے گئے اور لارڈ کرزن سے ملکر اپنے اغراض کو ویسراے
کے سامنے پیش کیا - پہلی غرض یہ تھی کہ مالگذاری کی ایک
واجبی حد مقرر کردیجاوے اور دوسری یہ کہ ملازمت سرکاری
مین ہندوستانیون کو زیادہ حصہ دیا جاوے - اس زمانہ
مین مسٹر دت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاست مدن
اور اقتصادی مسائل کے متعلق ہندوستان کی تاریخین قریب
قریب خاموش ہین اور جو لوگ ان مسائل پر معلومات حاصل
کرکے غور و خوض کرنا چاہتے ہین اُنکو مطالعہ کیلئے مناسب کتابین
نہین ملتین - چنانچہ اُنہون نے بہت کچھ مسالہ جمع کرکے دو جلدون مین
ہندوستان کی ایک اقتصادی تاریخ (Economic History)
انگریزی مین لکھی جسمین سنہ ۱۷۵۷ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۰ء تک کے حالات
بیان کئے گئے ہین اور ہندوستان کی حالت پر سیاست مدن
کے مختلف پہلوؤن سے بحث کیگئی ہے - مسٹر دت کی یہ تصنیف
تعلیم یافتہ طبقہ مین نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے
اور اصل یہ ہے کہ ہر لکھے پڑھے آدمی کے لئے جسکو ملکی معاملات
سے کچھ بھی دلچسپی ہو اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے -

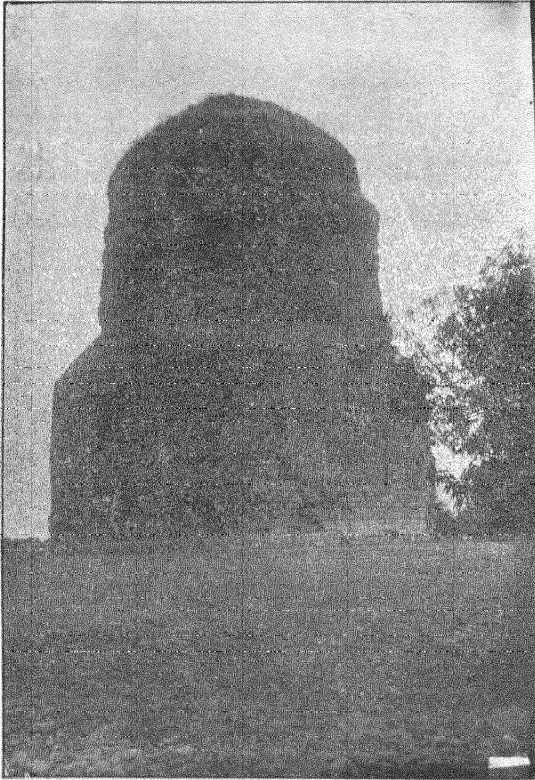
سنہ ۱۹۰۴ء مین مسٹر دت انگلستان سے ہندوستان
واپس آئے اور اُنکی واپسی کے چند ہی روز بعد مہاراجہ گیکواڑ
نے اُنکو ریاست بڑودہ کا قلمدان وزارت سپرد کیا - ظاہر
ہے کہ جس ریاست مین مہاراجہ سیاجی راؤ ایسا ہمدرد اور
عالیدماغ حکمران اور مسٹر رمیش چندر دت کا سا لائق اور
تجربہ کار دیوان ہوگا اُسکی ترقی کا کیا کہنا - اگر اسکا مفصل
حال پڑھنا ہو تو مسٹر دت کی واضح اور مدلل سالانہ رپورٹین
دیکھئے - یہان مجملاً اسقدر عرض کرسکتا ہون کہ (۱) مسٹر دت
کے دور وزارت مین قریب تیس لاکھ کے بقایا مالگذاری
معاف کردیگئی اور محصول موقوف کردئے گئے - پرمٹ اور چونگی
کے اکثر ٹیکس منسوخ کئے گئے اور اُنکے عوض خوشحال
لوگون پر انکم ٹیکس لگایا گیا (۲) وہ حکام جو عاملانہ
(Executive) فرایض ادا کرتے ہین عدالت کے
کام سے بالکل سبکدوش کردئے گئے اور اسوقت بڑودہ
مین جو حاکم دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کا تصفیہ کرتے
ہین اُنکو پولیس یا دیگر انتظامی سررشتون سے مطلق تعلق
نہین ہے - (۳) ہر گاؤن مین اُسکے انتظام کے لئے
پنچایت قائم کیگئی ہے - ہر تحصیل یا تعلقہ مین کئی کئی حلقے
قائم کئے گئے ہین اور ان حلقون مین جسقدر گاؤن ہین اُنکو

تحصیلی بورڈ مین ممبر انتخاب کرنیکا حق عطا کیا گیا ہے۔ تعلقہ یا تحصیل کے بورڈ کے ممبر ضلع کے بورڈ کے ممبرون کا انتخاب کرتے ہین۔ ان مختلف کمیٹیون کیلئے خاص خاص محاصل کی آمدنی وقف کر دیگئی ہے اور اس آمدنی کو خرچ کرنے کا انکو اختیار حاصل ہے۔ کل ریاست کا انتظام ایک انتظامی (Executive) کونسل کے سپرد ہے اور اسکے علاوہ قانون بنانے کے لئے لیجسلیٹو کونسل علیحدہ ہے۔

بڑودہ مین تین برس تک کام کرکے مسٹر دت کو رخصت لینا پڑی کیونکہ سکریٹری آف اسٹیٹ نے انکو ڈی سینٹرالی زیشن کمیشن (Decentralization Commission) کا ممبر مقرر کر دیا۔ اس کمیشن کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان بھر مین گھوم کر اس امر کی تحقیقات کرے کہ آیا یہ مناسب ہے کہ حکام ضلع اور مختلف سررشتون کے افسرون کے اختیارات اور وسیع کئے جائین اور میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈون کو مزید اختیارات عطا کئے جائین۔ مسٹر دت قریب دو برس تک اس کمیشن کی ممبری کا کام کرکے مارچ ۱۹۰۹ء مین بڑودہ واپس آئے اور وہان کی رعایا کو یہ پوری امید تھی کہ وہ اپنے حسن انتظام سے اسکو ابھی بہت کچھ نفع پہونچائینگے۔ لیکن مشیت ایزدی کی کسی کو خبر نہ تھی مسٹر دت کو بڑودہ واپس آئے صرف چند ہی روز ہوئے تھے کہ یکایک بیمار ہوئے اور صرف چند روز علیل رہکر ۳۰- نومبر ۱۹۰۹ء کو اس سرائے فانی سے رحلت کر گئے۔

یون تو مسٹر رمیش چندر دت کی اعلی قابلیت آزاد خیالی اور حب الوطنی ہر طرح قابل ستایش ہے اور انکی زندگی کے کارنامے ہر طرح ہمارے لئے شمع ہدایت کا کام دیتے ہین۔ لیکن ایک خاص امر جسکی طرف ہم ناظرین کو توجہ دلانا چاہتے ہین۔ وہ انکا علمی شوق ہے۔ جس روز سے وہ سول سروس مین داخل ہوئے اور جس دن تک وہ مرے مطالعہ اور تصنیف کا کام برابر جاری رہا۔ میرے دوستو! اس لحاظ سے اس عالی دماغ مدبر اور محب وطن کی زندگی غایت درجہ قابل رشک و تقلید ہے۔ ساری عمر ملازمت مین گذری اور ملازمت بھی کیسی بنگال کی سول سروس اور بڑودہ کی دیوانی۔ لیکن پڑھنے لکھنے کا شوق ہمیشہ قائم رہا۔ اور کلکٹری کمشنری اور وزرات کے تفکرات کے باوجود اور ان سخت ذمہ داری کے مناصب کے فرائض شاقہ کی انجام دہی کے بعد انگریزی اور بنگالی دونون زبانون مین اعلی درجہ کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ تاریخ - سیاست مدن - فسانہ نویسی - تراجم - پالٹیکس - ہر صنف مین کچھ نہ کچھ لکھا اور جو کچھ لکھا خوب لکھا۔ خداوند کریم ہملوگون کو بھی ایسی ہی توفیق عطا فرمائے۔

وامدیو شاستری



دھامک - واقع سرناتھہ متصل بنارس

انڈین پریس الہ آباد

کلامِ اکبر

گرے جاتے ہین ہم خود اپنی نظرون سے ستم یہ ہے   بدلجاتے تو کچھ رہتے مٹے جاتے ہین غم یہ ہے
طریق نو کو تو سمجھا ہے کیا منزل ترقی کی   نگاہِ پیش بین مین جادۂ راہِ عدم یہ ہے
تحمل نالہ و فریاد کا اُن سے کہان ممکن   نہونبہ ہم مری افسردگی پر متغنم یہ ہے
نہ ہمیری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غمِ فرقت   تعارف آپ سے کیون ہوگیا رنج و الم یہ ہے
نشان اپنے مٹے جاتے ہین افزونی ہے نامون مین   تماشا دیکھ اصلیت تو وہ ہے اور بھرم یہ ہے
کہا تنک رشک اکبر ساقی بزم حریفان پر   سنبھالو دلکو تم اپنے، تمہارا جام جم یہ ہے
غریب و ناتوان ہون کیون مدد کرنے لگا کوئی   مگر ہان مقتضائے ہمتِ اہل کرم یہ ہے

ہجوم کرمک شب تاب سے کیا نفع ہے ہمکو
کوئی کہدے کہ تمسے مدعا یہ ہے کہ خود چمکو

غزل

(از مولٰنیا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم - پروفیسر عربی نظام کالج)

بہان نکہتِ گل ساتھ ہم صبا کے چلے   ہے آشنا وہ جو کہنے یہ آشنا کے چلے
فضائے دیر مین ہم شل برق آکے چلے   تڑپ کے کاٹ دیا وقت مسکرا کے چلے
روا روی مین ہین ہم سن لو قافلے والو   کہ جسکو ساتھ ہو دینا قدم اُٹھا کے چلے
نمود عشرۂ پیری ہوا اجل آئی   چراغ صبح تھے گویا کہ جھلملا کے چلے
نثار ہوجیئے اُس دل پہ ہو جو صاحبِ درد   وہ پانون چومئے جادے پہ جو وفا کے چلے
سنا ہے برق کو اک لاگ ہے بلندی سے   بشر نہ حد سے زیادہ بھی سر اُٹھا کے چلے
خدا کیواسطے اے صبر و تاب و ہوش و خرد   کہان چلے کہ مجھے بیڑیان پنہا کے چلے
ہم اب تو میکدہ سے اُٹھ کے جا نہین سکتے   چلے جو چار قدم بھی تو لڑکھڑا کے چلے
جب اپنی آنکھ ہوئی بند سب کی آنکھ کھُلی   جو گہری نیند مین تھے اُنکو ہم جگا کے چلے

کلامِ رشید

"سلام"

قلزمِ رحمت سے دُرِّ مدعا ملجائے گا   ملگئے مجھکو علیؑ بس اب خدا ملجائے گا
سچ بتادے ہم بھی تجھ مین دفن ہونگے یا نہین   کوئی گوشہ ہمکو بھی اے کربلا ملجائے گا
مجھکو تکیہ ہے خدا پر مطمئن ہون مین فقیر   جانتا ہون دربدر پھرنے سے کیا ملجائے گا
ہوگی یہ پہچان اے اہلِ عزا روزِ جزا   تمکو اک اک ذرہ خاکِ شفا ملجائے گا
پار ہو دریائے عصیان سے ہلاؤ ہاتھ یارون   کوئی بحرِ مغفرت کا آشنا ملجائے گا
پست ہمت عبد ہین معبود کی ہمت بلند   ہم جو مانگین گے کہین اس سے سوا ملجائے گا
فائدہ کیا ہے تجھے مغرور سے پوچھے کوئی   یہ تو سمجھے کبر سے کیا کبریا ملجائے گا
مرثیہ پڑھتے ہوئے پہونچینگے باغ خلد مین   حشر کے مجمع مین ہمکو راستا ملجائے گا
تا حسینؑ ابن علیؑ پہونچین گے الفت ہے اگر   اپنے دل سے پوچھ لینگے ہم پتا ملجائے گا
جو گنہگار آئیگا محشر مین کہدینگے رسول   آگے جا یہ ابتو اسا دوسرا ملجائے گا
مانگتے ہین جب درِ رزاق پر کل کے لئے   صاف کانون مین صدا آتی ہے جا ملجائے گا
ہم بھلا تکلیف اُٹھائینگے عدم کی راہ مین   کربلا مین جو لٹا وہ قافلہ ملجائے گا
حُر نے جب روکا تو شہ چپ ہو رہے یہ سوچکر   آج اُدھر ہے ہمسے کل یہ باوفا ملجائے گا
جب کمان مین تیر جوڑا حرملہ نے بولے شاہؑ   قتل سے اس بیزبان بچے کے کیا ملجائے گا
ڈھونڈھتے تھے جابجا گر گر کے اکبر کو حسینؑ   جانتے تھے یون وہ پیری کا عصا ملجائے گا
سرفرازی کیلئے اتنا جھکو تمکا اے رشید   پانون سے میرے گریبانِ قضا ملجائے گا

رباعی مرزا دبیر مرحوم

ادنیٰ سے سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے   جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے
کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی دبیرؔ   سمجھے جو بُرا آپ کو اچھا وہ ہے

پریاگ کا سنگم

جب صانع ازل نے صورت تری بنائی   ہونٹون کو جان دیدی۔ آنکھونکو جانفزائی
خاکہ بناکے کھینچا یون نقش ناز تیرا   بول اُٹھی "چھین لونگی دل" شان دلربائی
بخشی تری زبان کو۔ لعلِ شکر فشان کو   کچھ شہد کی حلاوت۔ کچھ قند کی مٹھائی
نقشہ بناکے تیرا صنّاعِ دو جہان نے   تصویر تیری چومی۔ اور آنکھون سے لگائی
خلوت سے بنکے دلہن نکلی حیا جو تیری   آبِ روان کی چادر۔ ہلکی سی اک اُڑھائی
جلوے نے تیرے مجھکو بیخود کیا کچھ ایسا   حیرت تجھے دکھانے آئینہ لیکے آئی
حُسنِ ازل نے جسکو پایا نہ تیرے قابل   حصّے مین مہوشون کے آئی وہ خودنمائی
گنگا بڑھی اُدھر سے۔ جمنا بڑھی ادھر سے   اجزائے حُسن نے یون ترکیب مل کے پائی

والبستہ ہوگئے دو دامانِ دلفریبی
دونی نہ آہ! کیونکر ہو شانِ دلفریبی

آنکھونکو ہے یہ مسرت۔ اُف رے! تری ادائین   لوٹین تری بہارین۔ دیکھین تری فضائین
ساحل پہ آہ! تیرے مین محو بیخودی ہون   اور لے رہی ہون تیری موجین مری بلائین
گردون پہ روشنی ہو تارون کی ہلکی ہلکی   شمعین سحر کو جیسے محفل مین جھلملائین
کرنین گرا رہا ہو یون چاند اُجلی اُجلی   پانی مین جیسے شب کو پریان نہاتے آئین
لب پر تھو پپیہے کے شور "پی کہان" کا   مرغانِ خوشنوا کی خاموش ہون صدائین
عالم سکوتِ شب کا چھایا ہوا ہو ہر سو   اور چل رہی ہون بھینی بھینی خنک ہوائین
خُلدِ برین سے لیکر پھولون کا آہ! زیور   دُلہن تجھے بنانیکو آئین۔ اپسرائین
آواز ہو سُریلی۔ اور انکھڑیان نشیلی   دھیمے سرون مین تیری عظمت کے گیت گائین

ہین کاش! چاندنی مین دیکھون بہار تیری
دلکش عجب ادا ہے۔ اے رودبار تیری

دلکش عجیب سنگم ہے اتصال تیرا   سینے مین موجزن ہے شوقِ وصال تیرا
آنکھون مین پھر رہی ہے تصویر حسن تیری   بیچین کر رہا ہے دل کو خیال تیرا
صورت ہے آہ! تیری تمثالِ دلفریبی   اور نقش دلنشین ہے نقشِ جمال تیرا
تیری تجلّیان ہین آئینہ دارِ تمکین   جلوہ فروشِ حیرت غنج و دلال تیرا
اک اک ادائے دلکش ہے بےعدیل تیری   ایک ایک نازِ دلجو ہے بےمثال تیرا
الفت تری دلون مین سودا ترا سرون مین   ہے آہ! اک زمانہ شوریدہ حال تیرا
موجون مین آہ! تیری ہے شان کجکلاہی   بل بے! غرور تیرا۔ اُف رے! جلال تیرا
پانی مین آہ! تیرے ہے زیست کی حلاوت   شیرین ہے انگبین سے آبِ زلال تیرا

امرت برس رہا ہے یعنی تری زبان سے
موتی ٹپک رہے ہین لعلِ گہرفشان سے

ہے دلفریب سنگم تیرا عجیب منظر   دو بہنین رو رہی ہین رونا خوشی کا ملکر
جمنا کے ہین گلے مین گنگا کی آہ! باہین   گنگا سے رو رہی ہے جمنا لپٹ لپٹ کر
یہ ہمکنار اُس سے۔ وہ اِس سے ہم بغل ہے   دونون نثار کرتی ہین آنسوؤن کے گوہر
بچھڑی ہوئی تھین کب کی کیا جانے دونون بہنین   آنسو نہین جو تھمتے ہین جوشِ غم سے دم بھر
رہنے دے انکو یکجا۔ دونون ہین بہنین بہنین   انکو جدا نکرنا۔ اے چرخ تفرقہ گر
انکے ملاپ مین ہے اک اتحاد دلکش   اور اتحاد مین اک شانِ وفا ہے مُضمر
شانِ وفا مین ہے اک اندازِ دلفریبی   دامانِ حُسن ہین دو پھیلے ہوئے زمین پر
ہمدوش ہو رہے ہین جیسے یہ دونون دریا   یا رب ہو وصل تیرا یون ہی مجھے میسّر

پردا دوئی کا یعنی اُٹھ جائے درمیان سے
بیزار ہے نئے بتون مین بیگانہ اک جہان سے

سرور جہان آبادی

شاہدِ غیب

حجابِ شرم مین اخفا نہ ہے عین دانائی
وگرنہ تاب لاتی کسطرح چشمِ تماشائی

بشوقِ بے محل کچھ یاد ہے موسیٰ پہ کیا گذری
معاذ اللہ جمالِ حسن کی ہنگامہ آرائی

مآلِ جذبۂ بے پردگی کا مصر شاہد ہے
پیمبرزادے کو لایا سرِ بازار رسوائی

زلیخا کی وہ چابکدستیان بے پردہ و حائل
گئی چاکِ دامن کی صدا اللہ تک آئی

ذرا دیکھیں فدائی روشنیِ ملکِ مغرب کے
مسیحا نے حجابِ چرخِ چارم مین جگہ پائی

فلک پر مہر نے منہ پھیر کر نظارہ بازون سے
دکھایا عالمِ امکان کو حسنِ عالم آرائی

غمِ نظارہ سے خوننابِ نذرِ چشم کرتا ہے
نہان رہتا ہے سینے مین مگر قلبِ تماشائی

قضیۂ طے ہوا معراج کا پردے ہی پردے مین
وہ آنا پیک کا اور وہ سواد اللیل و تنہائی

وہ فصلِ دو کمان کا ہلکا سا طرفین مین پردہ
وہ دلکش لہجۂ مانوس کے پردے مین گویائی

حقیقت مین اگر پردہ خلافِ وضعِ فطرت تھا
میانِ پردۂ دل روح نے کیونکر جگہ پائی

دخیلِ پردہ ہائے چشم اگر ہو گرد بینا کی
طلسمِ حسن مین بیکار ہے اعجازِ بینائی

سرِ مکتب وہ شورش لیلی و مجنون کی بے پردہ
زمانے بھر کی بیچارے کو جسنے خاک چھنوائی

چھپانا شوق کے جذبات کو یہ کس مین قدرت تھی
اگر پیدا نہوتا پردۂ قلبِ تمنائی

جحیم و جنت الرضوان و عرش و چشمۂ کوثر
نہان نظرون سے ہین اے صاحبِ ادراک دانائی

قریب آتے نہ طوفانِ ہوا اے بالِ پروانہ
اسی سے شمعِ محفل پردۂ فانوس مین آئی

دعائے عاشقان بھی پردۂ شب مین نکلتی ہے
وہ عالم خوابِ راحت کا وہ سناٹا وہ تنہائی

ورم اظہارِ مطلب پردۂ خاموشیِ جانان
ہے اک طومارِ شرحِ دفترِ شوقِ تمنائی

میانِ پردۂ مینا چھپی ام الخبائث تک
مگر ہو جلوۂ دوشیزگان سے بزم آرائی

یہ سطحِ چرخ پردہ ہے نگارستانِ غیبی کا
جسے حدِ نظر سمجھے ہوئے ہے تیری بینائی

چھپائی جائے میت بھی میانِ پردۂ مدفن
مخالف زندون کے پردے سے ہم ہون یہ دانائی

تکلف پردۂ غفلت کا وقتِ خواب کیا کہئے
خدا معلوم دیکھا کی کسے چشمِ زلیخائی

کیا ادریس نے جبوقت پردہ اہلِ دنیا سے
میانِ باغِ جنت زندگی ہی مین جگہ پائی

پڑا تھا پردۂ شفقت خلیل اللہ کی آنکھون پر
کہ جب تھی ذبحِ اسمٰعیل کی ہنگامہ آرائی

بچے یونس اگر پردہ نہوتا بطنِ ماہی کا
قیامت کر چکا تھا آفتابِ داغِ رسوائی

نہوتا غرق مین بیٹا اگر امواجِ طوفان کا
غمِ فرزند چشمِ نوح سے لیجاتا بینائی

یہ بزمِ دید کیون یوسف کو بے پردہ بلایا تھا
زنانِ مصر نے اپنے کئے کی خود سزا پائی

کتاب اللہ ذرا دیکھیں یہ موجد بے حجابی کے
نہان ہین پردۂ معنی مین کیا کیا رمزِ دانائی

گہر بنتا ہے پردے مین صدف کے آبِ نیسانی
وہی نیسان زمین پر صورتِ ذراتِ صحرائی

اگر پردہ نہوتا پرورش کو بطنِ مادر کا
نہوتی مضغۂ بیجان مین تاثیرِ ہیولائی

نگارستانِ عالم پردۂ اسرارِ قدرت ہے
نہ رہ اس کارگہ مین ہے جو پردے کا تبرائی

نہ جانا پردۂ ملکِ عدم مین بعد مرنے کے
وگرنہ ہو گی اس دنیا کے ہمچشمون مین رسوائی

خدا کیون حشر مین چھپتا رسول اللہ کی بیٹی سے
جو ہوتی رسم پردے کی خلافِ عقل و دانائی

مبارک انکو چاکِ پردۂ عصمت ہو دنیا مین
معینِ رویتِ شکلِ خدا ہے جنکی بینائی

اٹھا دین وقتِ وجد و حال وہ غیرت کے پردے کو
بھری محفل مین جو وصلِ خدا کے ہین تمنائی

حریفِ بزم ہمکو شوق سے اعمیٰ ہی رہنے دین
اگر بے پردگی ہے باعثِ انوارِ بینائی

ہمارے اہل کو محبوسیِ زندان ہی بہتر ہے
مبارک ہو انہین آزادی و ہنگامہ آرائی

مبارک گلشنِ بے پردگی کی ہوا خوری
مبارک بزمِ آزادی مین دورِ بادہ پیمائی

مبارک انکو ہوا خرد پر گرمِ جولانی
مبارک خلعتِ یورپ مین ہو انکی زیبائی

جلو مین عام مجمع شاعرانِ پاک باطن کا
مبارک پیکرِ نازک کو ہو اظہارِ رعنائی

یہ مانا صورتِ اعمال بد ہے اسود المنظر
چھپاتا ہے خدا خود اسے زہے الطافِ یکتائی

ذرا کھول آنکھیں سیرِ خلوتِ لاہوت کر غافل
کہ پردے ہی مین پنہان ہے جمالِ شانِ یکتائی

جمال ایسا سوادِ عالمِ دل پوش ہے جس سے
جو صوفی کی نظر کو باعثِ شوخیِ بینائی

شمیمِ گل کا احوالِ زبون بھی وجہ عبرت ہے
ہوئی حاصل گلستان سے نکلکر دشت پیمائی

امورِ مصلحت مضمر اگر ہوتے نہ پردے مین
پسند آتا نہ الیاس و خضر کو کنجِ تنہائی

محشر

؎ اس نظم کو باعتبار خوبیِ نظم دیکھنا چاہیے نہ موجودہ مسئلہ پردہ کی نظر سے ۱۲ - ایڈیٹر

پروازِ وقت

اگلے وقتون کے کہان وہ لوگ ہین اے آسمان   جنکی قبرون کا بھی اب ملتا نہین نام و نشان
تھے ہماری طرح وہ بھی مبتلائے کاروبار   وہ بھی تھے دُنیا کے دھندون مین پریشان روزگار
رونقِ بزمِ زمانہ تھے جو ہم سے پیشتر   رہتے سہتے چل دیئے کوئی بتائے وہ کدھر
شورِ مطرب آہ! اُنکی انجمن مین اب نہین   تار بھی باقی کوئی اُنکے کفن مین اب نہین
غیرتِ خلدِ بریں تھی جنکے قدمون سے زمین   اب وہ دہقان آہ! ہین شہرِ خموشان مین مکین
جھونپڑون مین رہنے والے اب کہان ہین وہ غریب   سوگئے کیون گوشہ مرقد مین وہ حرمان نصیب

اب وہ واعظ خوابِ آسائش مین ہین زیرِ مزار
جو بتاتے ہستیِ فانی کو تھے ناپائیدار

کُنجِ تاریکِ لحد مین اب بسیرا اُنکا ہے   نقشِ عبرت خاک پر اب آہ! پُتلا اُنکا ہے
تھے کبھی جو صفحۂ ہستی پہ نقشِ دلنشین   اب وہ اقلیمِ فراموشی مین ہین عزلت گزین
کوئی اب کرتا نہین دُنیا مین اُنکو یاد بھی   اُنسے غافل آہ! اب اُنکی ہے خود اولاد بھی
اُنکی صنعت کے ہین وہ زندہ نمونے اب کہان   آہ! اب زیرِ زمین ہین زنگِ نسیان مین نہان

ہین اُنہین کے جانشین ہم جو ہوا ہے اُنکا حشر
ہونیوالا ہے یہی اک دن ہمارا حشر و نشر

موجِ سیلِ فانیِ عمرِ گذشتہ ہے گواہ   ایک قطرہ قلزمِ تاریخِ عالم مین ہے آہ!
یا کسی ٹوٹے ہوئے تارے کی یہ ہے روشنی   یا ہے یہ ڈھلتی ہوئی پچھلے پہر کی چاندنی
یہ وہ سایہ ہے جو ہے سرگرم پروازِ فنا   سازِ ہستی یہ وہ ہے جسمین ہے آوازِ فنا
یہ وہ گُل ہے چار دن رنگِ بقا جسکو نہین   سازگار اس باغِ عالم کی ہوا جسکو نہین
یہ وہ خوابِ مرگ کی حسرت بھری ہے داستان   جلد مٹ جاتا ہے جسکا حافظے سے بھی نشان

یہ ہے وہ روزِ سیہ اے گردشِ ایامِ غم
ہونے والا ہے مُسلّط جلد جسپر شامِ غم

ختم ہو جائینگے دن - ہفتے مہینے اور سال   زندگی کے آہ مٹ جائینگے سب عیش و ملال
خاک پر ہوگا ہمارا آہ! بستر ایک دن   ٹھوکرین کھاتا پھریگا کاسۂ سر ایک دن

سبزۂ تر اُگ رہا ہوگا ہماری قبر پر   سوتے ہونگے بالشِ سنگِ لحد پہ رکھکے سر
کچھ دنون تک تو رہینگے نوحہ گر غم مین عزیز   ہمکو رو لینگے ہماری بزمِ ماتم مین عزیز
رفتہ رفتہ پھر ہماری یاد ہو جائیگی محو   اور دلون سے شورشِ فریاد ہو جائیگی محو
آسیائے گور چھوڑیگی نہ باقی استخوان   صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا پھر نام و نشان

اور اُٹھ جائیگا دُنیا سے ہمارا تذکرہ
سوتے ہونگے کنجِ گمنامی مین کیسا تذکرہ

یہ خیالِ دلنشین بھی ہے مؤثر کس قدر   لمحہ لمحہ کرکے جائیگی صدی پوری گزر
اور رہیگی آہ! رونقِ بزمِ ہستی کی یہی   جلوہ آرائی رہیگی اوجِ پستی کی یہی
آج - کل ہی پر نہین موقوف کچھ اے بیخبر   لحظہ لحظہ کرکے جائینگے ہزارون دن گزر
موسمون مین آہ! کتنا ہوگا واقع انقلاب   آئیگی پیری - گزر جائینگے ایامِ شباب
سال کتنے آہ! کر جائینگے دُنیا سے سفر   اور دفعتہً اک صدی کا یون ہی جائیگا گزر
چھوٹے چھوٹے یہ جو حصے وقت کے ہین اے رفیق   انکے اجزا سے بھرا جائیگا وہ قعرِ عمیق

ہے عمق سے آہ! عاجز جسکے امعانِ نظر
شانِ پستی جسکی ہے بیرونِ امکانِ نظر

آنیوالا الغرض وہ وقت ہے اے ہمنشین   خاک مین جب ہو چکینگی کتنی شبتین جاگزین
آج رعنائی سے جو چلتے ہین ٹھوکر مارکر   سوتے ہونگے آہ! وہ کنجِ عدم مین خاک پر
اور مان کا دودھ جو پیتا ہے وہ طفلِ حسین   ہوگا آغوشِ لحد مین ایک دن زیرِ زمین
حافظے مین اپنے پوتون کے مگر اے غمگسار   چھوڑ جائے اپنی اک دھندلی سی شاید یادگار
چلتے پھرتے آج جو یہ لوگ آتے ہین نظر   اک صدی کا جب زمانہ اِن پہ جائیگا گزر
بعد مرنے کے نہ لیگا کوئی اُنکا نام تک   انکی قبرون کے نشان مٹ جائینگے زیرِ فلک

انکے تابوتون کے تختے بے نشان ہو جائینگے
گور کے مُنہ کا نِوالا استخوان ہو جائینگے

کیا یہی ہے ہستیِ فانی مین انجامِ بشر؟   قبر ہے کیا؟ ہے یہ منزل گاہِ آرامِ بشر؟

کیا یہی ہے اہلِ دنیا کا مآلِ زندگی؟ کیا فقط دھوکا ہے تصویرِ خیالِ زندگی؟
قبر کے اُس پار ہونگے کیا نہ وہ سامان ہم کر سکینگے دُور جو دل سے خیالِ دردِ غم؟
کیا ابد تک آہ! ہم سونے رہینگے خاک مین؟
کیا نہ آیگا تغیر گردشِ افلاک مین؟

شاکر

قطعہ

اجل کریگی نہ ہنگامِ نزع پاس ترا بقا نہین ہے تجھے۔ ہے غلط قیاس ترا
پہن کے جامۂ ہستی نہ دل مین تو اترا
کہ مستعار ہے یہ عارضی لباس ترا

شاکر

تلقینِ صبر

دُنیا مین ہر بشر ہدفِ تیرِ غم ہوا ہر شخص مبتلائے الم بیش و کم ہوا
کوئی تمام عمر شکارِ الم ہوا صدمہ کسی کو ایک گھڑی ایک دم ہوا
وہ کون ہے کہ رنج نہ پھٹکا ہو جسکے پاس
وہ کون ہے کہ جو نہوا ہو کبھی اُداس

تیغِ مفارقت کرے یعقوب کو ہلاک اور زکریا کا ارّہ غم سے ہو سینہ چاک
ایوبؑ کے ستانے مین کیڑے کرین نہ باک مچھلی کا ایک لقمہ ہو یونسؑ سا صاف و پاک
زہرِ الم سے حضرتِ شبرؑ کی جان جائے
امت ہی خود حسینؑ کو افسوس یون ستائے

ضحاک کے ستم سے ہو جمشید خستہ حال افراسیاب کو کرے کیخسرو پائمال
دارا کو خود امیر ہی اُسکے کرین حلال رستم کو وقتِ قتل نہ بیٹے کا ہو خیال
یہ سب کرامتین اسی دُنیائے دون کی ہین
یہ سب عنایتین اسی دُنیائے دون کی ہین

ٹوٹا نہین تجھی پہ ولا! آسمانِ غم پہونچا ہے سب کو تھوڑا بہت ارمغانِ غم
تسکین کچھ ہوئی تری سُنکر بیانِ غم بیفائدہ ہے گر تو کرے اب فغانِ غم
سچ پوچھیے تو صبر سے بہتر نہین علاج
یہ وہ دوا ہے جس سے کہ بڑھکر نہین علاج

کرتا ہے صبر اُسکے کرم مین زیادتی کفران کی ہو رہی ہے مگر ہم مین زیادتی
رونے سے اور ہوتی ہے غم مین زیادتی کرتے ہین اپنے آپ الم مین زیادتی
اتنا نہین سمجھتے کہ وہ ربِّ عالمین
ہے اسقدر شفیق کہ مان باپ بھی نہین

ممکن نہین کہ ہمکو وہ تکلیف دے ذرا ایذا اگرچہ ہمکو دکھائی دے ظاہرا
بیمار کو طبیب اگر تلخ دے دوا تو وہ مریض کے لئے ہے باعثِ شفا
تکلیف مین ضرور ہے مضمر بھلائی کچھ
ہم سے وگرنہ اُسکو نہین ہے بُرائی کچھ

اوّل تو کیا خبر مین ایذا ہے یا نہین تکلیف جسکو سمجھے ہوئے ہم ہین بالیقین
اسواسطے کہ فرض کرو اک زنِ حسین ہے بیوگی کے حال مین بے انتہا حزین
ظاہر مین گرچہ اُسکی مصیبت یہ کم نہین
پر اُسکے واسطے کوئی وجہِ الم نہین

خاوند اُسکا زندہ اگر رہتا کیا عجب ایسا مریض ہوتا پریشان رہتے سب
بیوی کو یا ستاتا بلاوجہ، بے سبب سوکن کو لاکے دیتا اُسے رنج اور تعب
ایسی بہت سی باتین ہین جنسے کہ بیوہ پر
شوہر کی موت سے بھی الم ہو زیادہ تر

ترجیح ہوگی کو وہ دیگی سُہاگ پر	راضی ضرور ہوگی اسی اپنے بھاگ پر
دیگی نہ جان اُسکے لگاؤ کی لاگ پر	رکھیگی اپنے جسم کو ہرگز نہ آگ پر
معلوم ہو اُسے اگر آگے کا حال کچھ
پھر ہوگی نہ اُسکے لئے ہو وبال کچھ

دراصل رنج بھی کوئی پہونچے ہیں تو کیا	دیتا نہیں شفیق پدر بیٹے کو سزا
تنبیہ کی غرض سے جو عادل ہے بادشا	تکلیف دے عزیز رعیت کو برملا
فریاد کرتا ہے نہ شکایت کوئی۔ مگر
اللہ دے الم تو گلہ کرتے ہیں بشر
مانا کہ ہمکو رنج پہونچتا ہے صبح و شام	مانا کہ ہم پہ حزن و الم کا ہے ازدحام
مانا کہ آب و خور بھی ہے مطلق ہیں حرام	مانا کہ اپنا کام بھی اب ہو گیا تمام
پر اُسنے جان لی تو شکایت کا حق ہے کیا
اُسنے ہی ہمکو جان بھی دی تھی بھلا ہوا!
کرتے ہیں محو دل سے پر انعام بے شمار	ہم جلد بھول جاتے ہیں احسان کردگار
اپنی تو زندگی کا ہے اس اصل پر مدار	انسان ناسپاس پہ لعنت ہزار بار
افسوس ہے کہ خالقِ مطلق کی ذات پر
الزام ظلم رکھتے ہیں ہم بات بات پر

خلقِ بشر خدا کو نہ منظور ہو اگر	کیا اپنے آپ آدمی ہو جائے جلوہ گر
با اختیار زندگی بھی کر سکے بسر؟	اور احتیاجمند کسی کا نہ ہو بشر؟
ایسا خیال کفر بھی ہے اور غلط صریح
ناممکن الوقوع بھی ہو سکتا ہے صحیح؟
حاکم ہو یا امیر ہو کوئی کہ ہو غریب	بیمار تندرست ہو یا کوئی ہو طبیب
کوئی رذیل آدمی ہو یا کوئی نجیب	اللہ کا خلیل ہو یا حق کا ہو حبیب
چاہیں اگر خلافِ مشیت تو کیا مجال
پتّے کا بھی ہلانا ہے سب کیلئے محال
نفع و ضرر خدا کی طرف سے ہے سب یہاں	انسان خود، ہے عاجز و مجبور و ناتوان
جب دستِ اختیار میں ہے اُسکے بیگمان	کیوں کھولتا ہے بہر شکایت یہ پھر زبان
افعال بد سے آتا ہے اللہ کا غضب
کہتا ہے میں پھنسا ہوں مصیبت میں بے سبب

حاصل ہیں فائدے بھی مصیبت سے بیشمار	پیدا یہ کرتی ہے صفتِ عجز و انکسار
آتے ہی اسکے کبر تو ہو جاتا ہے فرار	اور دل میں ایک رہتی ہے بس یاد کردگار
رحمت سے یہ نہیں ہے مصیبت کیطرح
کرتا ہے بندہ یاد خدا کو اسیطرح
پر اُسکی یاد سے یہ نہیں میرا مدعا	کھولو زبان شکوہ ہو اُس سے تم خفا
ہاں یہ مراد ہے کہ بس اللہ کی رضا	بہتر سمجھ کے تم، کردیوں شکریہ ادا
"جو کچھ ہوا ہے حکم سے تیرے بجا ہوا
ہونا بھی چاہئے یہی جو اے خدا ہوا
بے شبہ و شک یہ درجۂ صبر جمیل ہے	حاصل اسے ضرور کرے جو عقیل ہے
جسکی رسائی ہو گئی یا تک جلیل ہے	پر جسکا اعتقاد ضعیف و ذلیل ہے
اُسکے لئے یہ کام تو دشوار ہے ضرور
ہمت کرے ملیگا اُسے درجۂ صبور
کہنے کو یوں تو کہتے ہیں بالاتفاق سب	دُنیا خیال و خواب ہے لیکن یہ ہے عجب
جب زندگی بسر ہو کبھی با غم و تعب	جسوقت کوئی آکے مصیبت پڑے تو تب
کھلتا ہے ہم پہ حال حقیقت کو یہ زبان
دراصل اپنے دل کی نہیں سچا ترجمان
رہتے ہیں اس جہان میں پریشان سربسر	ہروقت یہ ہی فکر کرو جمع مال و زر
پڑتی ہے ہم پہ آکے مصیبت کوئی اگر	روتے ہیں اپنے حال پہ ہم دیکھو کسقدر
فانی خیال کرنے اگر اپنے آپ کو

کچھ ہوتا ہم سمجھتے "بلا سے جو ہو سو ہو"

ہوتی ہے منفعت جو مصیبت سے یان حصول کچھ غور گر کرے تو نہ انسان ہو ملول
سب جانتے ہین خوب جو ہین صاحبِ عقول نادان بھی کیا عجب ہے کرے گر اسے قبول

پڑتی ہے آدمی پہ مصیبت تو ہے یہ بات
آیندہ ہو گذشتہ سے بہتر وہ نیک ذات

یعنی اگر تھا سُست تو چالاک ہو گیا جُز رس ہوا ضرور جو مُسرف وہ پہلے تھا
خواہانِ عیش تھا تو جفاکش وہ بنگیا آوارہ تھا تو نیک چلن پھر وہی ہوا

جسپر پڑی نہین ہے مصیبت وہ آدمی
بے عقل و بے شعور و کج اخلاق ہے ابھی

واقع ہوا ہے آدمی کا کچھ عجب مزاج بتلائیے کہ اسکا کرے کوئی کیا علاج
یہ وہ زبین نہین کہ اُسکے ایک ہی اناج کل کو ضرور چاہے بدل جو ہے حال آج

اُکتائے ورنہ اسکی طبیعت بُری طرح
زندہ نہ رہنا چاہے وہ ہرگز کسی طرح

ظاہر ہے یہ کہ حضرت موسیٰؑ تھے جب نبی کھاتے تھے منّ و سلویٰ جو اُمّت کے آدمی
اُکتائے ایسے پھر کہ نہ خواہش ذرا رہی لہسن، پیاز پر لگے للچانے اُنکے جی

المختصر یہ حضرتِ انسان کا ہے مزاج
کل اور کچھ تھا چاہئے ہو جائے اور آج

گر کوئی مبتلائے مصیبت ہے واقعی تدبیر اُسکے واسطے بہتر ہے بس یہی
حالت بغور دیکھے ذرا دوسرون کی بھی مثلاً کسی کو دیتی ہے رنج اُسکی بیوگی

پائیگی وہ کہ اُس سے بھی بدتر ہزار ہین
یعنی کہ رنج اُنکے دلون پہ ہزار ہین

شوہر کو دیکھنے بھی نہ پائی کوئی دُلہن اور بیوہ ہو گئی تو یہ کچھ کم نہین محن
اک بیوہ ہے کہ ردّی کا بھی کچھ نہین چلن اک بیوہ ہے کہ اندھی اپاہج ہے مطلقاً

اک بیوہ ہے کہ گھر کہین اُسکا نہ در کہین
پھرتی ہے در بدر یہ ٹھکانا کہین نہین

ایذا کسیکو کھُجلی کی ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی ایسے آدمی کو کوڑھ مین پھنسا
اور جسکی آنکھ مین کوئی ہو جائے نا خنا دیکھیگا ایک کانا ہے اور اندھا دوسرا

دُنیا مین ایک ایک سے بدتر ہین آدمی
اور پھر بھی ایک ایک سے بہتر ہین آدمی

بہتر ہے گر کوئی تو کرے کس لئے غرور بدتر ہے گر کوئی تو نہو دل مین ناصبور
اُس سے ہزار بہتر و اعلیٰ ہین بالضرور اس سے ہزار بدتر و ادنیٰ و بے شعور

قدرت خدا کی یہ بھی ہے مرضی ہو آپکی گر
بدتر ہو خوب تر تو ہو بہتر قبیح تر

کیا خوب اک حکیم کا ہے قول واقعی کہتا ہے وہ جہان مین سب خوش ہین آدمی
اسواسطے کہ یہ نہین خواہش کسیکی بھی حالت کو اپنی دوسرے سے بدلے با خوشی

تسلیم کیا عجب نکرے کوئی ایسی بات
پر آزمائیے تو یہ ہے فی البدیہیات

چند آدمی کسی نے کئے ایسے منتخب جو اُس سے ظاہرا تھے بہت اچھے سب کے سب
پر ایک کو تو بیٹا نہونے کا تھا تعب اور دوسرے کو غم یہ کہ بیٹا تھا بے ادب

تھا زن مرید اور کوئی بیمار دائمی
خالی غرض نہ رنج سے پایا کسیکو بھی

یہ جانتا تھا اپنے سے بہتر اُنہین اگر نکلے وہ مبتلائے غم و رنج بیشتر
گو اُسکے پاس اس سے زیادہ تھا مال و زر پھر دل ہی دل مین کُڑھتے تھے وہ شام اور سحر

اسکو جو رنج تھا تو غریبی کا تھا فقط
ورنہ ہر اک الم سے وہ آزاد ہی سا تھا

دل مین کہا تب اُسنے کہ ہے شکر کی یہ جا مجھکو ان آفتون مین سے حصہ نہین ملا
ہر شخص اک نہ ایک بلا مین ہے مبتلا مین اپنے حال ہی مین بہت خوش ہون اے خدا

آیندہ اب کرونگا نہ حالت پر اپنی غم
مجھکو ملا ہے رنج بلا شبہ اسسے کم

بس مبتلاے رنج ہوا ہے کوئی اگر   ہمت سے کام لے وہ مصیبت کے وقت پر

تھوڑے ہی دن کے بعد رہیگا نہ کچھ اثر   سب بھول جائیگا وہ یہ صدمات زود تر
کیسا ہی رنج سخت ہو اور جانگداز ہو
زائل اثر ہو آپ جو عرصہ دراز ہو

محمد یحییٰ تنہا

کلامِ چکبست

دردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایمان ہونا   آدمیت ہے یہی اور یہی انسان ہونا
زندگی کیا ہے عناصر مین ظہورِ ترتیب   موت کیا ہے انہین اجزا کا پریشان ہونا
دل اسیری مین بھی آزاد ہے آزادون کا   ولولون کے لئے ممکن نہین زندان ہونا
دفترِ حسن پہ مہرِ یدِ قدرت سمجھو   پھول کا خاک کے تودہ سے نمایان ہونا
گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک   ہے اسے طرۂ دستارِ غریبان ہونا
ہے مرا ضبطِ جنون جوشِ جنون سے بڑھکر   ننگ ہے میرے لئے چاک گریبان ہونا
ہم اسیرون کی دعا ہے کہ چمن سے اک دن
دیکھتے خانۂ صیاد کا ویران ہونا

رنج و راحت کا سبب دُنیا مین کچھ پایا نہین   حشر مین ہم صاف کہدینگے خدا کے سامنے
گل نہین تو بوے گل ہی سے معطر ہو دماغ   کوئی رکھدیتا قفس میرا ہوا کے سامنے

آب و دانہ سے قفس کے کچھ ہمین الفت نہین
بے پروبالی سے اپنی عاشقِ صیاد ہین

ہمارے اور زاہدون کے مذہب مین فرق اگر ہے تو اسقدر ہے
کہینگے ہم جسکو پاسِ انسان وہ اسکو خوفِ خدا کہینگے

کلامِ جلیل

ہے کسید کا رد ے رنگین عکس افگن پھول مین   پھول گلشن مین کھلا ہے اور گلشن پھول مین
تو ہی تو آیا نظر اے رشکِ گلشن پھول مین   تیری رنگت تیری خوشبو تیرا جوبن پھول مین
رشک آتا ہے جو کہتی ہے چمن مین بوے گل   مین وہ بُلبُل ہون کہ ہے میرا نشیمن پھول مین
ساغرِ مے دے رہا ہے دستِ ساقی مین بہار   عکس چہرے کا ہے یا پھولا ہے گلشن پھول مین
آج کوئی پھول گلشن مین نظر آتا نہین   ہاے وہ دن جب نظر آتا تھا گلشن پھول مین
کیا معطر ہے پسینا اُس گلِ رخسار کا   عطر ایسا کھچ نہین سکتا کئی من پھول مین
باغ مین جبتک رہے چنتے رہے دامن مین پھول   میکدے مین آکے ہم رنگتے ہین دامن پھول مین
زندگی اُسکی ہے جسکو موت ہو ایسی نصیب   جانِ بُلبُل کی پڑی ہے وقتِ مردن پھول مین
گُلِ خون سے ملتے کھلنے کا نہین کچھ اعتبار   رنگ و بو کا دو گھڑی رہتا ہے مسکن پھول مین
کون کہتا ہے چمن رنگ جنون سے پاک ہے   پُرزے پُرزے ہین سبھی چلتے ہین دامن پھول مین
جب سے چمکی ہے چمن مین آپکی برقِ جمال   دیکھتا ہون جلوۂ وادیِ ایمن پھول مین
قہر ہے رخسارِ نازک سے لپٹنا زلف کا   دیکھو دیکھو گھر کئے لیتی ہے ناگن پھول مین
دل جلانیکا عوض لیتی ہے یون اے باغبان   آگ بُلبُل نے لگا دی کر کے شیون پھول مین
چھپ نہین سکتے چمن مین تم نگاہِ شوق سے   رل نہین سکتا تمہارا روے روشن پھول مین
باغ مین جب آگئے ہین لیکے وہ تیر و کمان   چھید کر بُلبُل کا دل ڈالے ہین روزن پھول مین
رنگِ وحدت چھا گیا سارے چمن مین اے جلیل
سونگھتے ہین ایک سی بو دوست دشمن پھول مین

ایڈیٹوریل

اس ماہ کے قابل الذکر واقعات مین ڈاکٹر نشی کانت رائے چٹوپادھیا کا انتقال نہایت افسوسناک ہے - مرحوم ایک نہایت نامور فاضل اور عالم متبحر تھے- آپ کئی مشرقی و مغربی زبانون مین اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور سرکار نظام کیطرف سے اکثر ترجمے کا کام آپ کے سپرد ہوتا رہتا تھا- تھوڑا عرصہ ہوا کہ آپ نے بحکم سرکار عالی "ابن رشد" کا ترجمہ فرنچ سے انگریزی مین کیا تھا اور اسکے دو مضمون الہ آباد کے مشہور انگریزی رسالہ ہندوستان ریویو مین شائع کرائے تھے - اسکے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم نے پروفیسر ڈوزی کی تاریخ "مسلمانان اسپین" کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا جسے مولوی محمد عبد الحق صاحب بی-اے سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن اردو کا لباس پہنا رہے ہین - غالباً مولوی صاحب ابن رشد کے اردو ترجمے کیطرف بھی توجہ فرمائینگے - مرحوم اردو زبان کے پرجوش حامی تھے اور گذشتہ ایام مین اردو پر ایک زبردست لکچر دیا تھا جو نہایت مدلّل اور مبسوط تھا- ہم مرحوم کیلیے دعاے مغفرت کرتے ہین-

---

بعض معزز معاصرین نے "ادیب" کے نام کی فرسودگی پر خاص توجہ فرمائی ہے جسکے ہم شکرگزار ہین لیکن اس رسالے کے مقاصد کی توضیح کے لیے اس سے بہتر نام ملنا مشکل تھا جسپر قبل از اشاعت کافی غور کیا گیا تھا اسلئے ہم یہ پامال علم اختیار کرنے کیلیے معافی خواہ ہین-

تصریح تصاویر

۱- اس نمبر کی رنگین تصویر ہندوستانی مصوری کی ایک نہایت قدیم یادگار ہے جسمین شاہان مغلیہ کے سب سے زیادہ فیاض اور اولو العزم بادشاہ ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان کی خانگی زندگی کا مرقع پیش کیا گیا ہے - یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ کس مصوّر کی صنّاعی کا نمونہ ہے کیونکہ مصوّر نے تصویر مین اپنا نام نہین لکھا ہے- تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عہد شاہجہانی ہی کی یادگار ہے جسے اڑھائی سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے - یہ قلمی تصویر خاص کوشش سے ادیب کیلیے دستیاب کیگئی ہے اور اس قسم کی کئی قلمی تصویرین اور بھی حاصل کی گئی ہین جو آیندہ نمبرون مین ناظرین ادیب کی خاص دلچسپی کا باعث ہونگی- اس تصویر مین مصور نے وہ منظر پیش کیا ہے جب بادشاہ اپنے محل مین جلوہ افروز ہے- سامنے اُسکی پیاری بیگم ارجمند بانو عرف ممتاز محل بیٹھی ہوئی ہے جو آصف خان کی بیٹی اور نور جہان کی بھتیجی تھی- بادشاہ کے پہلو مین شاہزادہ دارا شکوہ مودب طریقے سے بیٹھا ہوا ہے اور اوپر ایک جھروکے مین شاہزادی جہان آرا کھڑی ہوئی ہے- ساری تصویر پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی بادشاہون کی خانگی زندگی بھی شاہانہ تکلفات سے خالی نہوتی تھی اور جس محل مین بادشاہ روز روز آتا اور رہتا سہتا تھا وہان بھی اُسکی تشریف آوری ہمیشہ ایک غیر معمولی بات سمجھی جاتی تھی- جہان آرا کا اس سین کو حیرت خیز نگاہون سے دیکھنا اور خُدام محل کا غیر معمولی طریقے سے اپنے اپنے کام مین مصروف ہونا جو اس تصویر سے واضح ہے - اس خیال کی پوری تائید کرتا ہے -

۲- روضۂ تاج آگرہ دُنیا کی بینظیر عمارتون مین ممتاز ہے- ایسی خوشنما اور انسانی صنائع سے مملو عمارت کا ہندوستان کی سرزمین پر ہونا اس ملک کی تمدنی عظمت کی ایک زندہ مثال ہے - اسکی متعدد تصویرین دنیا کے ہر گوشے مین موجود ہین اور عام طور پر ملتی ہین لیکن ادیب کے ساتھ جو تصویر شائع کیجاتی ہے وہ خاص طور پر دستیاب کیگئی ہے - اس تصویر مین تاج محل کا وہ رُخ دکھلایا گیا ہے جو دریاے جمنا کیطرف واقع ہے اور ایک دلچسپ نظارہ پیش کرتا ہے-

۳- شمس العلما حضرت آزاد مرحوم کی تصویر اُنکے خلف اکبر آغا محمد ابراہیم صاحب منصف کا عطیہ ہے جو مغفور کی سب سے آخری شبیہ ہے - یہ تصویر آغا صاحب نے اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء مین خود ہی کھینچی تھی جنھین فوٹوگرافی مین ید طولیٰ حاصل ہے- ہماری درخواست پر آغا صاحب نے بجاے فوٹو کے تصویر کا بلاک ارسال فرما دیا جو اُنھون نے ولایت سے تیار کرایا تھا اور حضرت مغفور کے سوانحی حالات کی

تصدیق فرمادی ہے جو اس تصویر کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہیں۔ آغا صاحب اپنے نوازشنامے مین تحریر فرماتے ہین کہ "یہ فوٹو بڑی مشکل سے لیا گیا ہے۔ مرحوم کسیطرح راضی نہین ہوتے تھے" جنون اور خودفراموشی کے عالم مین بھی اسقدر انکسار باقی تھا جسپر مجھے اپنا ایک پرانا شعر یاد آگیا۔

اہل جنون مین واقفِ رمزِ جنون تھے ہم
سودائے عقل سوز چراغِ شعور تھا

آغا صاحب کی غائبانہ عنایات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم حضرت کیفی کے بھی خاص طور پر ممنون ہین جنھون نے نہایت عجلت مین ایسے زندۂ جاوید ادیب اور فلسفی زبان کے ادبی کارنامون کو واضح کرنے مین قابل تعریف زورِ قلم دکھایا ہے۔

۴- مالتی کی تصویر مسٹر راوی ورما کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ پدماوتی کے راجہ کے وزیر کی بیٹی تھی اور حسن وجمال مین اپنا نظیر نہین رکھتی تھی۔ ایک ساحر نے اسے کرالا دیوی پر قربانی کے لئے بزور سحر اُٹھا منگایا تھا۔ اور اُسوقت جبکہ ساحر اسے ذبح کرنا چاہتا تھا اسکا شوہر بھی دیوی کے سامنے فریاد کو گیا اور وہان اپنی بیوی کو مبتلائے عذاب دیکھکر ساحر کو قتل کر ڈالا۔ اسطرح مالتی کی جان بچی۔

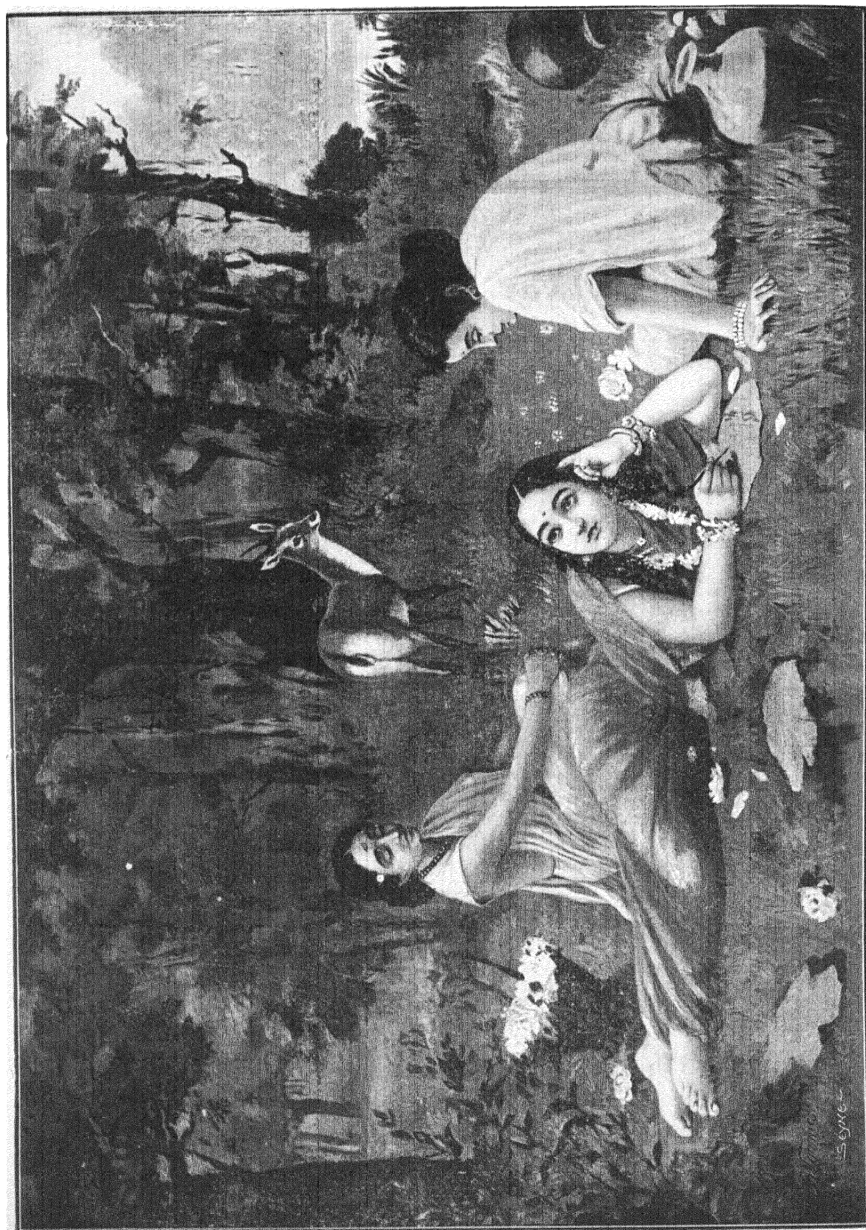
۵- پرتھی راج کا دربار ایک خیالی تصویر ہے جسمین سات سو برس پیشتر کے ہندوستانی دربارون کی شان دکھائی گئی ہے۔ خصوصاً جنگی سردارون کی صفین نہایت باعظمت ہین۔ ہندو شاہنشاہون کا یہ آخری دربار تھا۔

۶- مسٹر رمیش چندر دت۔ سی۔ آئی۔ ای۔ مرحوم کی تصویر اور حالات زندگی کی اشاعت مین کسیقدر دیر ہوگئی ہے لیکن جسقدر دیر ہوئی ہے اُسیقدر یہ حالات زیادہ مفصل۔ مبسوط اور مکمل ہین جو اس تعویق کا کافی نعم البدل خیال کئے جائینگے۔ بنگالی قوم کو اپنے جن فاضل اور گرانمایہ علمار پر ناز ہے اُنمین مسٹر دت مرحوم کا پایۂ عالی بہت ارفع ہے۔ ادیب کے فاضل مضمون نگار نے مرحوم کی زندگی کے ہر شعبے پر غائر نظر ڈالی ہے جس سے اُنکے علو مرتبت کا کافی اندازہ ہوتا ہے۔

۷- بلند دروازہ شہنشاہ اکبر کی یادگار ہے جو اُسکے جلوس کے چھیالیسوین سال تعمیر ہوا تھا۔ یہ فتحپور سیکری کا شمالی دروازہ ہے جو ایک سو تین فٹ بلند ہے اور اپنی ساخت مین بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔

۸- دھامک کی تصویر ہندوستان کی نہایت قدیم عمارتون کا نمونہ ہے۔ اس مقدس عمارت کا پانچوین صدی عیسوی سے پتہ لگتا ہے جب مشہور چینی سیاح فاہیان اسکی زیارت کو آیا تھا۔ اُسکے بیان سے ثابت ہے کہ یہ بودھ اعظم کا یادگاری مندر ہے جو اس مقام پر بنایا گیا تھا جہان گوتم بودھ نے پہلے پہل مذہب بودھ پر وعظ کیا تھا۔ لیکن صدیون کے بعد اسکا نام ونشان تک مٹ گیا تھا حتی کہ ۱۸۳۵ء مین میجر جنرل کننگھم نے اسکے کھنڈر کھود کر بودھ زمانے کی نہایت عمدہ اور نادر الوجود صناعیون کے نمونے دستیاب کئے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے عجائب خانہ مین بھیجدئے گئے۔

۹- سکنتلا کی تصویر مسٹر راوی ورما مرحوم کی مایۂ ناز صناعیون مین خیال کیجاتی ہے۔ حسن وجمال کی اس عدیم النظیر دیوی کی داستان مہابھارت کے ابتدائی واقعات سے تعلق رکھتی ہے جسے زندۂ جاوید کالیداس کی شاعری کی بدولت شہرت دوام حاصل ہے۔ مہابھارت کے بیان کے مطابق اسی حور وش نازنین کے بطن سے وہ شیر دل راجہ بھرت پیدا ہوا تھا جسکے نام پر ہندوستان آجتک "بھارت ورش" کہلاتا ہے۔ معجز نگار مصور نے اس تصویر مین وہ منظر پیش کیا ہے جب سکنتلا راجہ دشینت کے تغافل سے تنگ آکر اُسے شکایت نامہ لکھنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ کنول کا پتا جو اُسوقت کے بہترین لٹریچر کا حکم رکھتا تھا سامنے رکھا ہوا ہے اور وہ قلم کو پتے پر رکھے ہوئے خط کا مضمون سوچ رہی ہے۔ اُسکی ہمراز سہیلیان اُسے مشورہ دینے کے انداز سے اردگرد بیٹھی ہوئی ہین اور جنگل کا تمام نظارہ پیش نظر ہے۔ اس منظر کی اس سے بہتر تصویر خیال مین بھی نہین آسکتی۔



عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

گذشتہ نمبر مین "ادیب کا خیر مقدم" کے عنوان سے معزز معاصرین کے ریویو درج ہو چکے ہین۔ اُنکے بعد جن مقتدر معاصرین نے ادیب پر توجہ فرمائی ہے اُنکے ریویو کے اقتباسات دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہین جن معاصرین نے ابتک ادیب پر توجہ نہین فرمائی ہے اُنسے استدعا ہے کہ ہمارے تئین شکر گذاری کا موقع دین۔ منیجر۔

اودھ اخبار لکھنؤ ۔ادیب۔ یہ رسالہ انڈین پریس الہ آباد سے منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری مین نکلنا شروع ہوا ہے اوّل نمبر مین مختلف قسم کے مضامین مشہور انشا پردازون کے قلم سے لکھے گئے ہین نثر و نظم دونون دلکش۔ تصاویر ایسی اعلیٰ صنعت مصوری سے بنائی گئی ہین جنکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور کیون نہو کہ یہ یورپ مین جرمنی فوٹوگرافون کی صناعی کا نمونہ ہین کاغذ نہایت گندہ نفیس چھپائی بھی پاکیزہ باانیہمہ قیمت صرف چار روپیہ سالانہ امید ہے کہ یہ رسالہ ملک مین بہت قدر کی نگاہون سے دیکھا جائیگا۔

ہندوستان لاہور۔ ایک قابل دید رسالہ۔ اُردو زبان کے ماہوار رسالون مین رسالہ ادیب کے اجرا سے ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے جو الہ آباد سے لالہ نوبت رائے صاحب نظر کی زیر ایڈیٹری نکلنا شروع ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ ایسا اعلیٰ درجہ کا ہے کہ دیکھکر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ علاوہ اعلیٰ درجہ کے مضامین نثر و نظم کے۔ چھ نہایت نفیس تصویرین رسالہ کو زینت دے رہی ہین ....۔

انڈین کرسچین مسینجر لکھنؤ۔ایک ماہوار رسالہ اُردو مین الہ آباد سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جسکا نام ادیب ہے۔ اور کہ جسمین علمی۔ اخلاقی اور ادب کے متعلق مضامین، قابل علما کے قلم سے ہدیہ کئے جاتے مین رسالہ باتصویر یہ خوشنما اور عمدہ کاغذ پر ہے۔ قیمت للعمر ہے۔

پیسہ اخبار لاہور۔ ادیب۔ یہ اُردو علم ادب کا باتصویر ماہوار رسالہ زیر ایڈیٹری منشی نوبت رائے صاحب نظر الہ آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ پہلا نمبر جو ہمارے پیش نظر ہے ہر طرح سے قابل قدر اور ہر پہلو سے جدت رکھتا ہے۔ حجم علاوہ دبیز خاکی سرورق کے ۷۵ صفحہ تقطیع کلان۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ بہت اعلیٰ۔ مضامین نظم و نثر اچھے لکھنے والون کے ہین بالخصوص مضامین فلسفہ اور اسکی مراد معاشرتی تمدن اور تنقید بہت اچھے ہین۔ اس نمبر مین چھ ہاف ٹون تصاویر ہین جنمین سے ایک رنگین ہے۔ ان تمام خوبیون پر قیمت چار روپیہ سالانہ یا فی پرچہ ۸ بہت کم ہے۔ بلحاظ شکل و صورت تصاویر اور لکھائی چھپائی کے اُردو زبان مین یہ سب سے عمدہ رسالہ ہے امید ہے کہ رسالہ خاطر خواہ ترقی کریگا۔ ملک کو ایسے اچھے رسالون کی ضرورت ہے ....۔

محب عالم مرادآباد۔ ادیب۔ اس ہونہار رسالہ نے جنوری ۱۹۱۰ء سے جاری ہوکر سرمایۂ اُردو مین اور ایک قیمتی اضافہ کر دیا ہے گو ہندوستان مین اسوقت چند رسالہ قابل تعریف شائع ہو رہے ہین مگر یہ رسالہ اپنی طرز و نوعیت مین آپ اپنا نظیر ہے جو ۱۸×۲۲ کتابی ڈبل تقطیع اور ۴۸ صفحہ کی ضخامت پر شائع ہوتا ہے۔ لہذا ہر صفحہ مین دو کالم ہین جو معمولی تقطیع کے سو صفحے سے ہرگز کم نہین۔ اسمین تصاویر و مشہور مشہور عمارات کے نقشے قابل دید دئے جاتے ہین

اور بعض تصاویر کے ساتھ اسکے حالات بھی نہایت دلکش پیرایہ
مین لکھے جاتے ہین نوبت راے صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری
کے علاوہ اس رسالہ مین ہندوستان کے مشہور مشہور انشا پرداز
اپنا زور قلم دکھا رہے ہین۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ قسم کی۔ کاغذ
نہایت عمدہ و نفیس۔ غرض ہر طرح یہ رسالہ قابل دید
ہے ....۔

مخزن مسیحی الہ آباد۔ انڈین پریس الہ آباد سے ایک ماہوار اور باتصویر اردو رسالہ
"ادیب" کے نام سے جاری ہوا ہے۔ یہ پرچہ ہر طرح سے انگریزی
ڈھنگ کا ہے۔ جیسے اعلیٰ اسکے مضامین ہین، ویسی ہی
نفیس اسکی لکھائی چھپائی ہے۔ ابتک جو اردو میگزین
نکلتے رہے ہین، ادیب کو ان سب پر ترجیح حاصل ہے۔
قیمت سالانہ للعہ ہے جو اسکی خوبیون کے مقابلہ مین کم ہے

سول اینڈ ملیٹری گزٹ لودیانہ۔ ادیب۔ یہ اردو علم ادب کا ماہوار رسالہ بابو نوبت راے
صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری مین سنہ روان سے انڈین پریس
الہ آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسمین نظم و نثر کے اعلےٰ
درجہ کے مضامین مشہور اہل قلم کی جودتِ طبع کا نتیجہ
ہوتے ہین۔ اس رسالہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ
اسکے ہر نمبر مین پانچ چھہ تصاویر بھی ہوتی ہین جس سے
اس رسالہ کی دلچسپی المضاعف ہو گئی ہے۔ لکھائی چھپائی
بہت نفیس۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز باوجود ان سب
خوبیون کے قیمت سالانہ صرف للعہ ہے۔ اگر یہی حال
انتظام طبع کا رہا تو امید ہے کہ یہ رسالہ ہندوستان کے
چوٹی کے پرچون مین شمار ہونے لگیگا۔ رسالہ واقعی
قابل دید اور لائق خرید ہے۔

فسانہ گورکھپور۔ ادیب۔ منشی نوبت راے صاحب نظر لکھنوی کو سب جانتے
ہین جنکے اہتمام سے خدنگ نظر مدتون نکلتا رہا اب انہین
کی ایڈیٹری مین "ادیب" الہ آباد سے نکلا ہے۔ اسکا پہلا نمبر
جنوری کا ہمین ملا۔
جس آب و تاب اور رنگ و روغن اور دلکش مضامین
کو لیکر یہ نمبر نکلا ہے اس سے امید ہے کہ ہر نمبر بڑھکر ہوگا۔
جناب نظر کو اس فن مین بہت بڑی قابلیت حاصل ہے اس
نمبر مین نو مضامین نثر کے اور ایک حصہ نظم کا ہے۔
نظم و نثر کے لکھنے والے قابل اور تعلیم یافتہ اصحاب ہین۔
اس نمبر مین چھہ لاجواب تصویرین بھی دیگئی ہین۔
جو صناعی اور فن مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہین۔
کاغذ بہت بڑھیا لگایا گیا ہے۔
جن لوگون نے الہ آباد کے رسالہ سرسوتی کو دیکھا
ہے وہ بہت جلد سمجھ جائینگے کہ یہ نمبر کیسا ہوگا اسلئے کہ
اسی پریس مین خاص اہتمام سے یہ رسالہ چھاپا گیا ہے۔
.... دو چار مسلمانون کے سوا جتنے لکھنے والے
ہین سب تعلیم یافتہ اور قابل ہندو ہین .... ہم
بہت خوش ہین کہ ہمارے صوبے سے ایک عمدہ رسالہ
نکلا ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب سے یہ استدعا بے محل نہین
ہے کہ صوبے کی زبان کا پورا لحاظ رکھا جائیگا اسلئے کہ ہمارے
صوبے کے ہندو لکھنے والے کسیطرح مسلمان لکھنے والون
سے کم نہین ہین۔

جلد ۵ — اپریل ۱۹۱۱ء — نمبر ۴

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی متر اپرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپ کر شائع کیا

(قیمت سالانہ للعہ ر) (فی پرچہ ۶ر)

ادیب

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم۔ مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پردازاسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کے لئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۴ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے اکیسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم ازکم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصورون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارت کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

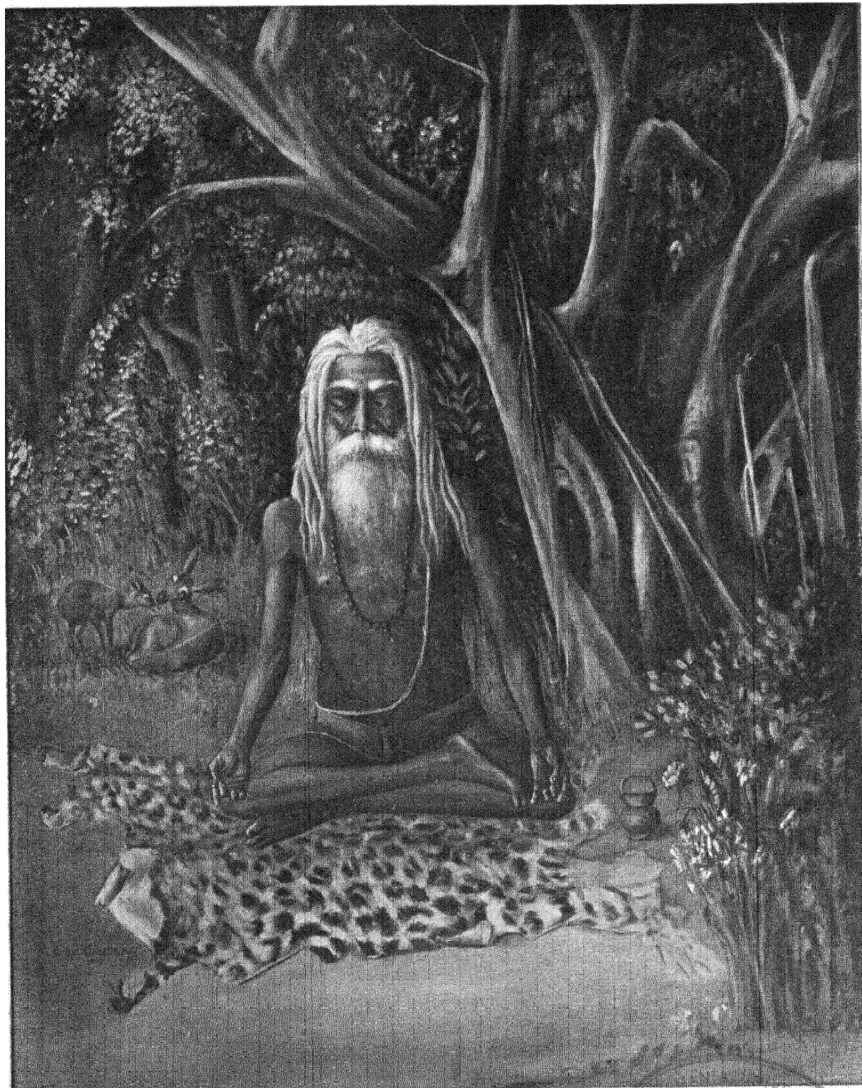
تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علٰحدہ ہوتی ہین۔ بہرنوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین مل سکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم ازکم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ چھ آنہ وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کراتا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو تو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد



سري وياس جي مصنف مهابهارت

انڈين پريس الهآباد

اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ــــــ نمبر ۴

آزادی

یہ کہنا غلط ہے کہ دُنیا مین کسی متنفس کو بھی آزادی حاصل ہے۔ اسمین رسول ہو۔ پیغمبر ہو۔ حکیم ہو۔ بادشاہ ہو۔ امیر ہو۔ غریب ہو۔ حاکم ہو محکوم ہو آزاد نہین خیال کیا جا سکتا۔ جو مطلق العنان بادشاہ کہلاتے ہین۔ ہم سے پوچھو تو وہ بھی آزاد نہین۔ ہم لوگ آزادی کے معنی سمجھتے ہین اپنی نیند سونا اپنی نیند اُٹھنا۔ جو چاہنا سو کر بیٹھنا اور اُسکے خمیازے سے اپنی حکمت عملی یا ترکیب سے بچا رہنا۔ اگر غور سے دیکھا جاے تو نہ یہ آزادی ہے کہ ہم رواجِ ملک یا رسومِ قوم سے آزاد ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ قانونِ حکومت سے بری ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ احکامِ مذہبی سے فارغ ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ شرم وحیا کو بالاے طاق رکھدیا۔ نہ یہ آزادی ہے کہ مرنے مارنے سے نڈر ہو گئے۔ آزادی چیز ہی اور ہے جو خداے لایزال کے سوا کسی کو حاصل نہین۔ جب تک انسان جسمانی حالت مین ہے مطلق آزاد نہین ہو سکتا۔ وہ بات بات کا پابند اور ہزارون گرفتاریون مین گرفتار ہے۔ اگر ایک بات سے اپنے آپ کو آزاد کریگا۔ دوسری مین گرفتار ہو جائیگا مثلاً پیغمبر آزاد ہے خطاؤن سے یعنی گناہون سے بری او معصوم ہے۔ مگر خدا کے خوف سے آزاد نہین۔ اور اگر خدا کا خوف نہ مانے تو اپنے رب کا بندۂ فرمانبردار اور قاصدِ رسالت نہین۔ جب فرمانبرداری سے نکلا تو پیغمبر نہ رہا۔ علیٰ ہذا حکیم آزاد ہے نافہمیون اور ناتجربہ کاریون سے۔ داتا ہے جاہلون اور بعض صورت مین بیماریون سے۔ لیکن بشریت اُسے آزاد نہین رہنے دیتی۔ بعض تحقیقات مین دھوکا کھا جانا۔ مرض الموت مین گرفتار ہو جانا اُسکی آزادی پر حرف لاتا ہے۔ کوئی حکیم ایسا نہین سُننے مین آیا جسے موت سے آزادی حاصل ہوئی ہو۔ یا خوراک انسانی سے ہمیشہ کے واسطے مُجتنب رہا ہو۔ اور اُسکے جسم کی پرورش اور طاقت موجودہ مین فرق نہ آیا ہو۔ جو لوگ حبسِ دم کے مشاق ہین۔ وہ بھی خوراک سے آزاد ہو کر طاقت کے محتاج اور ایک عضوِ معطل ہو جاتے ہین۔ بادشاہ کو

آزاد کسنے کہا۔ یہ بات داخلِ آزادی نہین کہ اُسکے حکم کی تعمیل ہوگئی۔
گناہ وبے گناہ جسے چار ہاتھ کی رسّی مین لٹکوا دیا۔ ملک بخش دیا۔
عارضی جان بخشی کردی۔ جو عمرِ مُستعار سے آگے نہین بڑھ سکتی۔ رات دن
کسی ملکی خیالات سے وہ آزاد نہین۔ غنیم و دشمن سے وہ بے پروا
نہین۔ اپنی دوامی صحت پر وہ قادر نہین۔ ملک کے قدرتی خصائص
کو وہ نہین بدل سکتا۔ انسانی فطرتی خواہشون سے وہ نہین نکلسکتا۔
پھر آزاد کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسیطرح باقی افراد پر قیاس کرلینا چاہئے۔
آزاد وہ ہے کہ اُسے موت ہے نہ غم ہے۔ نہ اُسکا کوئی حاکم ہے نہ وہ
کسی کا محکوم۔ جسطرح وہ آپ سبرا اور آزاد ہے۔ اُسیطرح اُسنے جو چیز بنائی
اُسے آزاد کردیا۔ یعنی اُسکی حالت کو عارضی تغیّر و تبدّل سے تا میعادِ تقرُّر
محفوظ رکھا۔ کسی چیز کو اپنی ذات کے سوا دوامی بقا کا درجہ عطا نہین
فرمایا۔ آپ سب چیزون کا محرّک بنا۔ لیکن اپنے آپ کو دوسرے
کی تحریک کا محتاج نہ رکھا۔ جب خود ہی محرّک ہے اور اُسکی ذات
کے سوا دوسرا نہین۔ تو اور کون اُسکی ذات کا محرّک ہوسکتا ہے۔

ہم حیران ہین کہ جو لوگ آزادی آزادی پکار کر حکومت سے
فرنٹ ہورہے ہین وہ کونسی آزادی کے خواہان اور طالب ہین۔
اگر حکومت سے آزاد ہونا چاہتے ہین۔ تو انتظام ملک و امن وامان
کا کونسا رستہ نکالتے ہین۔ اگر قانون سے آزاد ہونا چاہتے ہین تو
بے آئینی سے کون کونسا فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ مذہب و ملت
سے آزاد ہونا چاہتے ہین۔ تو کونسے رستہ سے خدا کو پہچان سکتے
ہین۔ رسم و رواجِ ملک سے آزاد ہونا چاہتے ہین تو کس ملک
مین جاکر رہنا پسند کرتے ہین۔ قومون۔ فرقون۔ گروہون۔ پنتھون
سے آزاد بننا چاہتے ہین تو کن لوگون مین مل جلکر بسر کرنا مناسب سمجھتے
ہین۔ ہمنے تو آزاد فقیرون کو بھی خانوادے اور مُرشد کا پابند پایا۔ اور
موحدون کو بھی جو خدا کی ذات کے سوا کسی کو نہین مانتے۔ اور نہین تو
خداہی کے ماننے والون مین حساب لگا کے پابند توحید دیکھا ؎

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد
بُریدۂ زہمہ باخدا گرفتار است

ہمارے نزدیک جب تک انسان کے دم مین دم ہے وہ ایک نہ
ایک بات کا ضرور پابند ہے۔

پابندی تسلیم و رضا سکھاتی ہے۔ سرکشی اور تمرّدی سے بچاتی
ہے۔ تکبر و غرور سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہمدردی سکھاتی ہے۔ رحم کی
عادت ڈالتی ہے۔ فرمانبرداری کا خوگر بناتی ہے جتنی عمدہ صفتین
اور اخلاقی صورتین ہین وہ سب پابندی سے ظہور پکڑتی ہین۔ پس
ہمین مناسب ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو بندۂ فرمانبردار خالق ارض و سما
کا مطیع بے عذر و فرمان پذیر نیک کردار سمجھتے ہین تو انکسار کو اپنا رہبر
بنائین۔ سرِ تسلیم جھکائین۔ جو کچھ پیش آئے اُسے خدا کیطرف سے
قضائے مُبرم سمجھین اور بلاحجت بجالائین۔ کیونکہ وہ ہر ایک شخص کو
اُسکے حوصلہ اُسکی لیاقت۔ اُسکے مادّے کے موافق ہر ایک چیز عطا
کرتا ہے۔ حاکم منصف کو بناتا ہے۔ دولتمند صاحب ظرف کو کرتا ہے
عقلمند معاملہ فہم و ذہن رسا کو بناتا ہے۔ بیوقوف اور کودن واجب الرحم
کو ٹھہراتا ہے۔ ظالم بدبختِ ازلی کو پیدا کرتا اور اُس سے وہ کام لیتا
ہے جو قہر خدا سے منسوب ہین۔ غرض اُسکا کوئی کام اور کوئی فعل
حکمت و فطرت سے خالی نہین۔

پس اے خدا کے ماننے والو! اُسے برحق سمجھنے والو! دُنیا
مین وہ بات پیدا کرو۔ جس سے پولس کی ضرورت رہے نہ جج کی حاجت
مریخ و مرجان کی حکومت قائم ہوجائے۔ مال کی رکھوالی کو چوکیدار
نہ ڈھونڈھنا پڑے۔ کسی کی جان کسی کے ہاتھ سے تلف نہونے پائے
کوئی کسی کو بدنگاہ سے نہ دیکھے۔ ایک کو دوسرے سے حسد یا عداوت نہ ہو۔
نفسانیت کا جھگڑا مٹ جائے۔ تمام مخلوق۔ "بنی آدم اعضائے یکدیگر اند"



لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی

انڈین پریس الہ آباد

کے مسئلے پر عمل پیرا ہو جائے۔ نہ مذہبی تعصب رہے نہ ہٹ دھرمی۔ اور نہ ضد کا ڈنکا بجے۔ اگرچہ یہ باتین بظاہر نہایت دشوار اور دُور از خیال معلوم ہوتی ہین۔ مگر نہین وہ زمانہ قریب آتا جاتا ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہونے لگے ہین جس یورپ کا ستارہ اسوقت اوج پر ہے اُسی مین ایسے لوگون کی بنیاد پڑگئی ہے۔

سیّد احمد دہلوی

حافظِ شیراز

شاعری۔ اور اصل شاعری۔ یعنے انسان کے لطیف جذبات کو وجد مین لانے والا کلام اگرچہ ہر ملک اور ہر قوم مین کچھہ نہ کچھہ ہے لیکن فارس کو فطرت نے کچھہ زیادہ فیاضی کے ساتھہ اسمین سے حصہ عطا کیا ہے۔ وہان کا معتدل موسم۔ خوشنما پھولون سے لدی ہوئی بہار۔ سرسبز پہاڑ لہلہاتے ہوئے مرغزار چہکتی ہوئی بلبلین مہکتے ہوئے خودرو پھولون کے تختے اور صاف و شفاف چشمے یہ سب قدرتی ساز و سامان اس نازک شاعرانہ احساس کے لئے جسکو حسن پسندی یا سرمستی سے بالاجمال تعبیر کرسکتے ہین کافی اسباب تھے۔ اور یہی وجوہ ہین جنکے سبب سے فارس کی شاعری اس درجہ پر پہونچی کہ دُنیا کے کسی دوسرے ملک کی شاعری کیساتھہ اُسکا موازنہ نہین کیا جاسکتا۔

فارس کی شاعری کی بھی کئی قسمین ہین مثلاً قصیدہ۔ مثنوی غزل وغیرہ۔ قصیدے مین کسی خاص شخص کی مدح ہوتی ہے۔ مثنوی واقعات اور داستانون کے بیان کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ غزل ایک ایسی چیز ہے جسمین شاعر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے یہی چیز فارسی شاعری کی خصوصیات مین سے ہے۔ اور اسی کی بدولت تمام دُنیا کے علم ادب مین فارسی لٹریچر ممتاز ہے۔

فارسی شعرا مین غزل گویون کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے لیکن اسکے خاص ارکان جنکے کلام مین کوئی نیا رنگ ہے چند مین مثلاً سعدی۔ حافظ۔ فغانی۔ صائب وغیرہ اور بالاتفاق ان سب مین خواجہ حافظ کا رتبہ بے انتہا بلند ہے۔ اسکو نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ کے اہل ادب بھی مانتے ہین۔ کہ خواجہ حافظ کے برابر ذہین اور طباع دُنیا کے کسی ملک مین کوئی شاعر نہین پیدا ہوا۔ مولانا جامی نے جو خود فارسی شاعری کے ایک بہت بڑے رُکن ہین خواجہ کو لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کا لقب دیا ہے۔ کیونکہ انکی زبان سے حقیقی عرفان کے راز اور صوفیانہ اسرار اسطرح صفائی اور بینائی کے ساتھہ نکلتے ہین کہ گویا غیب سے القا ہو رہے ہین۔

کس چو حافظ نکشود از رخ اندیشہ نقاب
تا سر زلفِ عروسانِ سخن شانہ زدند

خواجہ کا نام محمد لقب شمس الدین اور تخلص حافظ ہے۔ انکے آبا و اجداد مقام سرکان کے باشندے تھے جو نہاوند کے قریب ایک گاؤن ہے اُنکے دادا شیراز مین آگئے اور وہین سکونت اختیار کی آبائی پیشہ تجارت تھا اور دولت و نیز علم کے لحاظ سے انکا خاندان شیراز مین بہت معزز خیال کیا جاتا تھا۔

خواجہ کی پیدایش تخمیناً سنہ ۷۱۵ھ مین شیراز ہی مین ہوئی۔ پہلے قرآن شریف حفظ کیا بعد ازان اُس زمانہ کے علوم متداولہ

کی تحصیل کی۔ فقہ یعنی اسلامی قانون اور قرآنی علوم سے اُنکو خاص ذوق تھا۔

مولانا شمس الدین محمد عبد اللہ شیرازی انکے اُستاد انکی ذہانت پر اسقدر فریفتہ تھے کہ اپنی اولاد سے بھی انکو زیادہ چاہتے تھے یہانتک کہ اُنھون نے اپنا لقب شمس الدین انکو عطا کر دیا۔

جب انکی علمی لیاقت کا شہرہ ہوا تو خواجہ قوام الدین طمغچی نے جو شاہ ابو اسحاق والیِ شیراز کے وزیر خزانہ تھے خاص انھین کیلیے ایک مدرسہ قائم کیا کہ اسمین یہ طلباء کو فقہ اور تفسیر کی تعلیم دین۔

اسی زمانہ مین وہان ایک مشہور شاعر خواجو رہا کرتا تھا جو صوفی منش آدمی تھا۔ خواجہ سے اس سے کچھ راہ و رسم ملاقات کی پیدا ہوگئی اور انکو شاعری کا چسکا پڑ گیا۔

اس زمانے مین فارس مین شیخ سعدیؒ (جنکو مرے ہوئے ابھی نصف صدی بھی نہین گذری تھی) کی شاعری کا رنگ جما ہوا تھا یعنی اُنھون نے یہ روش نکالی تھی کہ غزل گوئی کو جو کہ محض ہوس پرستی اور عشقِ مجازی پر محدود تھی صوفیانہ خیالات سے بھی آشنا کر کے مجاز اور حقیقت کو باہم منطبق کر دیا تھا۔ یہ روش جسقدر دلکش اور مقبولِ عام تھی اُسیقدر مشکل بھی تھی اور ہر شخص کا دل گردہ نہ تھا کہ اسپر چل سکے۔ سعدیؒ نے خود فخریہ کہا تھا ؎

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

خواجہ حافظ چونکہ تصوّف مین شیخ سعدی سے بھی بلند رتبہ رکھتے تھے اسلیے سعدی کے لگائے ہوئے چمن کو اُنھون نے ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ وہ باغِ جنّت بن گیا۔ اور جو پودے شیخ نے نصب کئے تھے اُنکی شاخون کو آسمان تک پہونچا دیا۔

اب اُنکی شہرت ایران سے باہر دُور دراز ملکون مین پھیلی قافلون کے ساتھ ساتھ اُنکی غزلین جانے لگین۔ بڑے بڑے بادشاہون کے دعوت نامے اُنکے پاس پہونچنے لگے لیکن وہ درویشی اور قناعت کے بادشاہ تھے کہین نہین گئے۔

سلطان احمد والیِ بغداد انکی ملاقات کا بڑا شائق تھا بارہا اُسنے بُلا بھیجا مگر یہ کہکر ٹالا ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح مینوشیم
بُعدِ منزل نبود در سفرِ روحانی

ترجمہ
اگرچہ ہم دُور ہین لیکن آپکی یاد مین شراب پیتے ہین
روحانی سفر مین فاصلہ کوئی چیز نہین ہے

اصفہان والون نے بہت طلب کیا مگر یہ عذر کیا۔ ؎

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر
نسیمِ گشت مصلےٰ و آبِ رکناباد

ترجمہ
مجھ کو کہین آنے جانے نہین دیتے + مصلےٰ کے
چمن کی ہوا اور رکناباد کے چشمے کا پانی +

جنوبی ہند سے سلطان محمود شاہ بہمنی نے کچھ اشرفیان نذر بھجوائین اور خواہش کی کہ دکن مین تشریف لائین۔ چونکہ میر فضل اللہ انجو جو بڑے عالم اور خواجہ کے دوست تھے سلطان کے وزیر تھے۔ اُنکے بار بار لکھنے سے خواجہ آمادۂ سفر ہوئے۔ بندرگاہ ہرمز پر دکن کا ایک جہاز خواجہ کو لینے کیلئے گیا تھا۔ جب اُسپر سوار ہوئے تو اتفاق سے نہایت سخت طوفانی ہوا چلی۔ گھبرا گئے آخر کشتی کنارے لگائی گئی۔ اُترے۔ ہندوستان آنیکا ارادہ فسخ کر دیا۔ اور ایک غزل لکھکر میر فضل اللہ کے پاس بھیجدی۔ اسمین سے ایک شعر یہ ہے۔ ؎

بس آسان می نمود اول غمِ دریا ببوئے سود
غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد

ترجمہ
دریا کی تکلیف نفع کے خیال مین پہلے بہت آسان معلوم ہوئی
لیکن یہ میری غلطی تھی سو موتی دریا کی ایک موج کی تکلیف کی قیمت نہین رکھتے

میر فضل اللہ نے سلطان کو یہ غزل سنائی اور قصہ بیان کیا۔ سلطان نے افسوس کیا اور کہا کہ ہماری بدقسمتی نے خواجہ کو ہم تک نہین پہونچنے دیا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اپنے انعام سے اُنکو محروم نکرین چنانچہ ایک ہزار اشرفیان ملّا قاسم مشہدی کے ہاتھ خواجہ کی خدمت مین بھجوا دین۔

سلطان غیاث الدین والیِ بنگالہ نے بھی اپنے خادم خواجہ یاقوت کو خواجہ کے بلانے کے لئے شیراز بھیجا مگر خواجہ نہین آئے ایک غزل لکھکر بھیجی جسمین کا ایک شعر یہ ہے ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

ترجمہ
ہندوستان کے تمام طوطی اس فارسی شکر سے جو مین
بنگالہ مین بھیجتا ہون اپنا مُنہ میٹھا کرینگے -

خواجہ حافظ مثل دیگر شعرائے فارس کے لالچی اور حریص نہ تھے بلکہ وہ ایک درویش کامل اور قانع تھے - اُنکی زندگی فقیرانہ تھی - اپنی تمام آمدنی آشنا اور بیگانہ سب کے لئے وقف رکھتے تھے۔

شادی بھی کی تھی - دو بیٹے پیدا ہوئے - ایک تو نوعمری کی حالت مین قضا کر گیا - دوسرے کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان مین آئے اور یہین بُرہان پور مین وفات پائی - انکی قبر وہین قلعۂ آسیر کے قریب ہے۔

۷۹۱ھ مین خواجہ نے ۶۹ سال کی عمر مین انتقال فرمایا۔ گشت مصلےٰ اور چشمۂ رکناباد آپ کو بہت محبوب تھا چنانچہ اسکی تعریف مین کہتے ہین -

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آبِ رکناباد و گلگشت مصلےٰ را

ترجمہ
اے ساقی جو کچھ شراب بچی ہو وہ بھی پلا دے کیونکہ جنت مین یہ
رکناباد کا کنارہ اور مصلےٰ کا چمن کہان مل سکتا ہے -

مرنے کے بعد لوگون نے کہا کہ انکو اسی مصلےٰ کے مرغزار مین دفن کرنا چاہئے - ع -

"قبرِ بلبل کی بنے گلزار مین"

چنانچہ اُسی مین دفن کئے گئے جس حصہ مین اُنکی قبر ہے وہ حصہ حافظیہ کہلاتا ہے - لطف یہ ہے کہ "خاک مصلےٰ" ہی سے انکی تاریخ وفات نکل آئی۔ اُسی زمانہ کے کسی شاعر نے اسکو نظم کرکے اسطرح قطعۂ تاریخ بنا دیا۔

چراغ اہلِ معنی خواجہ حافظ
کہ شمعے بود از نورِ تجلےٰ
چو در خاک مصلےٰ ساخت منزل
بجو تاریخش از خاکِ مصلےٰ
۷۹۱ھ

۸۵۶ھ مین مولانا سمعانی - جو سلطان ابوالقاسم بابر بہادر کے وزیر تھے خواجہ کی قبر پر ایک خوشنما گنبد بنوا دیا جو اب تک ہے - کریم خان زند نے اپنے عہد حکومت مین باغ مصلےٰ کو درست کرایا - درویشون کے رہنے کے لئے وہان ایک خانقاہ بھی بنوا دی اور ایک خوبصورت سنگ مرمر کے تختہ پر نہایت خوشنما نستعلیق خط مین یہ غزل جسکا مطلع ذیل مین درج ہے کندہ کراکے تربت پر لگوا دی۔

مژدۂ وصلِ تو کو کز سرِ جان برخیزم
طائرِ قدسم و از دامِ جہان برخیزم

خواجہ کا کلام شروع سے آخر تک تصوف کے معنی اور گہرے اسرار کا مرقع ہے - ؎

شعر حافظ ہمہ بیت الغزل معرفت ست
آفرین بر نفس دلکش و لطف سخنش

لیکن چونکہ تصوف اُن کیفیات اور واردات کا نام ہے جو انسان کے دل پر ریاضت اور مجاہدہ سے طاری ہوتے ہین اور ان کیفیتون کے بیان کرنیکے لئے دُنیا کی کسی زبان مین الفاظ موجود نہین اسلئے ان واردات کو عشق مجازی - مے و مستی اور بُلبُل و گل کے افسانون مین ادا کرنا پڑا -

نادان ظاہر بین انکے کلام سے انکو میخوار - شاہد باز - رند و مست - اور بیدین او بیعقل سمجھتا ہے - لیکن اسے کیا خبر کہ حقیقی مستی کی شراب طہور بجز بادۂ انگور کے اور کسی شکل مین ظاہر ہو نہین دکھائی جاسکتی - خواجہ حافظ خود اس دشواری کے متعلق ارشاد فرماتے ہین ؎

چون این گرہ کشایم - وین راز دل نمایم
دردے و سخت دردے کارے و سخت کارے

ترجمہ مین کیونکر دل کی گرہ کھول کے اپنے اندرونی راز تمکو دکھلاؤن
یہ تو نہایت ہی مشکل اور دشوار امر ہے -

بعض احمقون نے جنکو یہ معلوم نہین ہے کہ خواجہ کی مستی کونسی مستی تھی یہ کہہ بھی دیا ہے کہ خواجہ حافظ شراب خوار تھے حالانکہ خواجہ خود کہتے ہین - ؎

مستیٔ عشق نیست در سر تو
رَو کہ تو مست آب انگوری

ترجمہ عشق کی مستی تمہارے اندر نہین ہے تمہارا یہان کیا کام ہے - چلے جاؤ کیونکہ تم تو شراب انگور سے مست ہو -

شراب کی مستی صبح تک رہ سکتی ہے لیکن ایک عارف - زندہ دل حق شناس کی مستی صبح قیامت تک نہین جا سکتی -

تصوف کیا چیز ہے ؟

اسکا جواب نہایت سادہ یہ ہے کہ انسان نے جب موجودات عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی طرف توجہ کی تو اسکے دو مسلک قرار پائے - ایک تو یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی اصلیت دریافت کیجائے - اسکا نام فلسفۂ ارسطو رکھا گیا - کیونکہ ارسطو نے اسی اصول پر موجودات عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی ہے - اور فلسفہ مدوّن کیا ہے -

دوسرا یہ کہ انسان کو کسی چیز کی حقیقت دریافت کرنے کی ضرورت نہین ہے صرف اپنی ہی معرفت حاصل کرے جب دل کا آئینہ صاف ہوجائیگا تو اسمین خود بخود ہر چیز کا عکس جلوہ افگن ہوجائیگا - اسکا نام فلسفۂ افلاطون یا فلسفۂ اشراق یا تصوف کہا جاتا ہے اگرچہ ظاہر مین دوسرا مسلک عقل کے مطابق نہین معلوم ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر کچھ بھی یقینی علم انسان کو حاصل ہوسکتا ہے تو صرف اسی ذریعہ سے -

فلسفی بیش ازین نیست کہ یہ دریافت کرلیگا کہ پانی مین یا ہوا مین اتنے اجزا ہین اور ان ان چیزون سے مرکب ہوکر بنی ہے - لیکن اگر پھر اُس سے ان اجزا کی حقیقت دریافت کیجئے تو اُسکے سامنے وہی گرہ باقی رہجاتی ہے جو اُسکے فلسفہ کے ناخن سے نہین کھُل سکتی - چنانچہ بڑے بڑے فلسفیون نے آخر مین مجبور ہوکر یہی کہا کہ - ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

دُنیا کے اکثر بڑے بڑے لوگ اسی تصوف کی شاہراہ پر چلے ہین - اُنھون نے یقین کیا ہے کہ انسان کے اندر ایک باطنی شعبہ ایسا موجود ہے کہ اُسکو ریاضت کے ذریعہ سے ترقی دیکر وہ معرفت کے اصلی خزانہ تک پہونچ سکتا ہے - خواجہ کہتے ہین ؎

ہر کہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند
وانکہ این کار ندانست - در انکار بماند

ترجمہ جو شخص اپنے دل کا رازدان ہوگیا ہے وہی یار کے کوچہ میں پہونچتا ہے
اور جو اس سے واقف نہ ہو وہ انکار ہی کرتا رہ جاتا ہے۔

ایک دوسرے شعر مین فرماتے ہین ؎

زسرِ غیب کس آگاہ نیست قصہ مخوان
گدائے محرمِ دل رہ درین حرم دارد

ترجمہ غیب کے راز سے کوئی واقف نہین ہے - یا تین نہ بناؤ
صرف وہ درویش جو اپنے دل کا رازدان ہے اس کوچہ کو جاتا ہے

اگر ایک شخص ماؤنٹ ایورسٹ پر کھڑا ہو کر عالم کو مخاطب کرے - بلند آسمانون سے - چمکتے ہوئے ستارون سے - اونچے ہمالہ سے - لمبی چوڑی زمین سے - گہرے اور وسیع سمندر سے دریافت کرے کہ تم کیا ہو؟ تمہاری ہستی کیا ہے؟ تو اُسے کوئی جواب نہین ملیگا - لیکن اگر وہ آنکھین بند کر کے خود اپنے دل مین غور کرے تو اسی مین کچھ چشمے - کچھ سوتے ایسے بند ملینگے کہ جنسے علم حقیقی کا آبِ حیات حاصل ہو سکتا ہے - اور کچھ گرہین ایسی پائیگا جنکے کھولنے سے اصلیت کا کچھ سراغ لگ سکتا ہے -

بس صوفی کا کام یہ ہے کہ ان سوتون کو نکالے - اور انھین دل کی بندھی ہوئی گرہون کو کھولے - خواجہ فرماتے ہین ؎

گرہ ز دل بکشا - وز سپہر یاد مکن
کہ فکر ہیچ مہندس چنین گرہ نکشاد

ترجمہ اپنے دل کی گرہ کھولو اور آسمان کا ذکر نہ چھیڑو -
کیونکہ کسی ہندسی کی فکر ایسی گرہ نہین کھول سکی ہے -

اور یہ دل کی گرہین کسطرح پر کھل سکتی ہین؟ عشق کے ناخن سے - خواجہ کہتے ہین - ؎

دلم خزانہ اسرار بود - دستِ قضا
درش ببست و کلیدش بدلستانی داد

ترجمہ میرا دل اسرار کا خزانہ ہے لیکن خدا نے اُسکے دروازے پر
قفل لگا کر اُسکی کنجی ایک معشوق کے حوالے کر دی ہے

اس معشوق کا ملنا کچھ ناممکن نہین ہے - اگر انسان ہمت کرے اور توفیق اسکی رہبر ہو تو اسکا جلوہ نظر آجاتا ہے - خواجہ کہتے ہین - ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبارِ رہ بنشان تا نظر توانی کرد

ترجمہ حُسنِ یار بالکل بے نقاب اور بے پردہ ہے اگر تم اُسکو
دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے راستہ سے غبار صاف کرو نظر آنے لگیگا

ایک دوسری غزل مین کہتے ہین - ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

ترجمہ عاشق اور معشوق مین کوئی شے حائل نہین ہے -
اے حافظ تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہے درمیان سے اُٹھ چلو

یہان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غبار راہ سے کیا مراد ہے یعنی "خودی" اگر انسان خودی کو ترک کر دے تو جمالِ یار بے حجاب اُسکو نظر آنے لگے -

خودی کیا ہے؟ اسکے سمجھنے کیلئے کسیقدر تفصیل کی ضرورت ہے - موجوداتِ عالم مین انسان اپنے آپ کو سب سے اشرف سمجھتا ہے - اور ہے بھی در حقیقت -

مگر اسکے اشرف ہونیکی عام طور پر یہ وجہ خیال کیجاتی ہے کہ جمادات - نباتات اور حیوانات مین انسان کی طرح نہ عقل ایجاد ہے نہ تمدن ہے - نہ علم ہے - اسلئے انسان سب سے برتر ہے

اور تمام عالم کا بادشاہ ہے۔

لیکن اہل دل کے نزدیک انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکے وجوہ یہ نہین ہین۔ کیونکہ یہ سب چیزین یعنی عقل ایجاد۔ تمدن اور علم انسان کے اُنھین جذبات کے تحت متکرار ہین جو جماداتی یا نباتاتی یا حیوانی ہین۔ فرض کرو کہ بادشاہ نے ایک عالیشان محل بنایا ہر قسم کے آرایشی آلات اور زرّین فرش و فروش سے آراستہ کیا۔ طرح طرح کے نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے۔ قسم قسم کے پھول لگائے۔ بجلی کے چراغ جلائے۔ اور شان و شوکت کے ساتھ اُسمین جلوس کیا۔ اور فقیر آسمان کی چھت کے نیچے ویران بیابان مین فرش خاک پر بیٹھا۔ تو اس سے بادشاہ کی انسانیت مین کیا اضافہ ہوا اور فقیر کی انسانیت مین کیا کمی آئی۔ کچھ بھی نہین۔ بلکہ بادشاہ کے حیوانی جذبات عیش پسندی۔ خودبینی اور غرور و ناز مین اور زیادتی ہوگئی۔ اب اگر اس سے یہ اضافی کروفر اور ساز و سامان چھین لیا جائے تو اُسکی روح کو قلق ہوگا۔ وہ غریب تو اور کانٹون مین اُلجھ گیا اور فقیر ہمیشہ آزاد رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت کا درجہ ان چیزون سے بلند ہے۔ اسکی ابتدا عشق حقیقی سے شروع ہوتی ہے۔ خواجہ فرماتے ہین۔ ؎

بر در میخانۂ عشق۔ اے ملک تسبیح گوے

کاندر انجا طینتِ آدم مخمّر میکنند

ترجمہ عشق کے میخانہ کے دروازے پر بیٹھکر اے فرشتے تسبیح پڑھ

کیونکہ یہی وہ مقدس جگہہ ہے جہان آدم کا خمیر تیار کیا جاتا ہے

ہر قسم کے طبعی جذبات اور تمام مادّی کثافتین جو دُنیا کی کسی چیز مین ممکن ہین سب انسان کے اندر موجود ہین۔ اور علم عقل فلسفہ سوسائٹی کا اثر گورنمنٹ کا قانون۔ کوئی چیز بھی ان کثافتون سے انسان کو پاک نہین کرسکتی۔ ہان اگر کوئی چیز اسے پاک کرنیکے لئے ہے تو صرف عشق ہے۔ یہی وہ بھٹی ہے جسمین جلکر انسان خالص کُندن ہوجاتا ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ جمادات۔ نباتات اور حیوانات تو کیا فرشتون کو بھی حاصل نہین ہے۔ خواجہ فرماتے ہین۔ ؎

جلوۂ کرد رخش۔ دید ملک عشق نداشت

عین آتش شد ازین غیرت و بر آدم زد

ترجمہ اُسکے چہرے نے جلوہ دکھلایا۔ دیکھا کہ فرشتے مین عشق نہین ہے

اس غیرت سے آگ کا شعلہ بن کر آدم مین لگ گیا۔

لیکن عشق کی منزل سخت کڑی منزل ہے۔ اسمین وہ تمام جذبات اور خواہشات جو انسان مین اس حیثیت سے کہ وہ مجموعہ ہے تمام کائنات کا موجود ہین قربان کردینی پڑتی ہین۔ اور مادّی ہستی کے چمن کو آگ لگا دینا پڑتا ہے۔ تب انسان اصلی انسان ہوتا ہے۔ خواجہ کہتے ہین۔ ؎

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل ست

کسے آن آستان بوسد کہ جان در آستین دارد

ترجمہ عشق کے سرکار کی درگاہ عقل سے بہت زیادہ بلندی پر ہے

وہی شخص اُسکی آستان بوسی کرسکتا ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ لے

اسی مادّی ہستی کا نام ہے "خودی" جبتک انسان اس دائرہ سے قدم نہ نکالیگا اُسوقت تک وہ معرفت سے بے بہرہ رہیگا۔ خواجہ کہتے ہین۔

تو کز سرائے طبیعت نمیروی بیرون

کجا بکوے حقیقت گذر توانی کرد

ترجمہ تو اپنے طبعی جذبات کے دائرہ سے تو باہر نکلتا ہی نہین

پھر بھلا حقیقت کے کوچہ مین تیرا گذر کیونکر ہو

خواجہ کے اشعار مین جابجا اس بات کی تحریک پائی جاتی ہے کہ لوگ دُنیا مین کیون گرفتار ہین۔ عشق کیطرف کیون نہین کرتے۔ کہتے ہین۔ ؎

غمِ دُنیاے دنی چند خوری بادہ بخور
حیف باشد دلِ دانا کہ مشوش باشد

ترجمہ
دُنیاے دون کا غم کب تک کھاتے رہوگے۔ شراب پیو۔
نہایت افسوس کی بات ہے کہ عقلمند کا دل پریشان رہے۔

ایک دوسرا شعر ہے۔ ؎

بال بکشا و صفیر از شجر طوبے زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

ترجمہ
پر کھول اور طوبے کے درخت پر جا کر چہچہا۔ بڑے
افسوس کی بات ہے کہ تجھ جیسی چڑیا اسطرح پنجرے مین قید رہے۔

خواجہ کا تمام دیوان شروع سے آخر تک اسی قسم کے روحانی لطائف اور حقیقی اسرار سے لبریز ہے۔ جو لوگ تصوف کے کوچہ سے باخبر اور معرفت کے راز سے واقف ہین وہی کچھ ان لطائف کا حظ اُٹھا سکتے ہین۔ یہ وہ چیزین نہین ہین جو الفاظ او عبارت سے ذہن نشین کرائی جاسکین۔

عارفانہ کلام کے دامن مین معانی کا بہت بڑا انبار ہوا کرتا ہے۔ اور اسکی تاویل کے مختلف پہلو نکل سکتے ہین۔ چنانچہ خواجہ کے اشعار سے بھی اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف لوگ مختلف معانی سمجھتے ہین۔ یورپ کے ظاہر پرست مصنفون نے عمر خیام کی رباعیون کیطرح انکے کلام کو بھی فلسفۂ ظاہری کے سانچے مین ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور چونکہ وہ لوگ روحانیت سے بالکل ذوق آشنا نہین ہین کسی نے اسکو اپیکیورین فلسفہ کہا ہے۔ کسی نے اسٹائک۔ حالانکہ اس زہر ہلاہل سے خواجہ حافظ کا جام بالکل پاک ہے۔

دنیا مین اگر سب سے بہتر کوئی چیز ہے تو محبت ہے۔ یہ ایک ایسی تلوار ہے جس سے اُن تمام بُرائیون کی جو انسان مین موجود ہین گردن کاٹی جاسکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر محبت کا مادہ فطرۃً موجود ہے تو اُسکے تمام اخلاق یقیناً پسندیدہ ہونگے۔ تمام بڑے بڑے بزرگون کی اخلاقی خوبیون کا دار و مدار اسی اکسیر پر رہا ہے۔

خواجہ کے کلام سے بھی محبت کا شیرہ چھن چھن کے ٹپکتا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ دنیا مین کسی شخص سے رنجیدہ ہونا اسیکا نام کفر ہے۔ ؎

جفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافریست رنجیدن

ترجمہ
ہم دھکّے کھاتے ہین ملامت سنتے ہین اور خوش رہتے ہین۔
کیونکہ ہمارے مذہب مین کسی سے رنج کرنا کفر ہے۔

یہ وہی صوفیانہ اور مقدس تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ اگر کوئی دائین گال پہ طمانچہ مارے تو بایان بھی سامنے کردو۔ چادر چھینے تو کُرتہ بھی اُتار کے دیدو۔ افسوس ہے کہ تمام دنیا صوفی او فلسفی نہین ہے ورنہ یہ وہ تعلیم ہے کہ اسکی بدولت چمن دُنیا سے باہمی عداوت کی بیخ و بُن اُکھاڑ کے پھینکی جاسکتی ہے۔ کس جوش کے ساتھ کہا ہے۔ ؎

چنان بزی کہ اگر خاک رہ شوی کس را
غبار خاطرے از رہ گذار ما نرسد

ترجمہ
دُنیا مین اسطرح زندگی بسر کرو کہ اگر تم کسیکے راستہ کی خاک
بھی ہو تو اُسکے غبار سے کسیکا دل مکدر نہ ہو۔

ایک دوسرے شعر مین کہتے ہین۔ ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن کہ در شریعتِ ما غیر ازین گناہے نیست

دوستی کی ترغیب دلاتے ہین - ؎

درختِ دوستی بنشان کہ کامِ دل بار آرد
نہالِ دشمنی برکن - کہ رنج بے شمار آرد

ترجمہ: دوستی کا درخت لگاؤ کہ دل کی مراد کا پھل دے - اور دشمنی کا پودا اکھاڑ ڈالو کیونکہ اس سے بیشمار تکلیفین پہونچتی ہین

صلح اور نرمی سے دونون جہان کے مقاصد حاصل ہوتے ہین - ؎

آسایشِ دو گیتی تفسیر این دو حرفست
با دوستان تلطف - با دشمنان مدارا

ترجمہ: دُنیا کی نعمت و دولت سب فانی ہین - پس اس قابل نہین کہ اسکے واسطے انسان لڑے جھگڑے اور انسانی شرافت کو نقصان پہونچائے

نزاع برسرِ دُنیاے دون نباید کرد
بآشتی ببرا ے نور دیدہ گوے فلاح

ترجمہ: ذلیل دُنیا کے پیچھے جھگڑنا نہین چاہئے - جانِ من! صلح رکھو اسی سے کامیابی کی بازی جیت سکو گے -

ایک دوسرا شعر فرماتے ہین - ؎

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازتست
اے نور دیدہ صلح بہ از جنگ آوری

ترجمہ: اگر اجازت ہو تو ایک صوفیانہ بات عرض کرون - اے آنکھون کے نور! صلح لڑائی سے بہتر ہے -

عیب گیری ایک ایسا عیب ہے کہ اس سے انسان کے صاف دل کے آئینہ پر بہت جلد زنگ بیٹھ جاتا ہے - اور یہ عیب خود بینی - خود رائی - تحقیر - غرض بہت سے عیبون کا تخم انسان کے اندر بو دیتا ہے اور محبت کو کھو دیتا ہے - خواجہ کہتے ہین ؎

عیب درویش و توانگر بہ کم و بیش بدست
کار بد مصلحت آنست کہ مطلق نکنیم

ترجمہ: امیر - غریب کسیکی عیب گیری کم ہو یا زیادہ بُری ہے اور مصلحت یہ ہے کہ بُرا کام ہم مطلق نہ کرین -

کہانتک لکھون - اس مختصر مضمون مین اسقدر گنجایش نہین اسی طرح کے صوفیانہ اخلاق کی نہایت اعلیٰ اور مکمل تعلیم خواجہ کے اشعار مین ہے - اور یہ وہ تعلیم ہے کہ جو کسی قوم کسی فرقہ کسی مذہب اور کسی ملک کے ساتھہ مخصوص نہین ہے -

اخلاقی تعلیم کی دُنیا مین کمی نہین ہے - ہر شخص بجاے خود اخلاق کا ایک معلم ہے - لیکن فرق جو ہوتا ہے وہ کیفیتِ ادا اور طرزِ بیان مین ہوتا ہے - ایک شخص اسی بات کو بتاتا ہے کچھ اثر نہین ہوتا دوسرا اس کینڈے سے کہتا ہے کہ روح اُسکو شہد کی طرح چاٹنے لگتی ہے - احسان اور نیکی کو سب اچھا کہتے ہین مگر خواجہ اسی عام مضمون کو اسطرح ادا کرتے ہین - ؎

برین رواقِ زبرجد نوشتہ اند بزر
کہ جز نکوئیِ اہلِ کرم نخواہد ماند

ترجمہ: آسمان کے اس سبز ایوان پر سُنہرے حرفون مین لکھا ہے - کہ سواے اہلِ کرم کی نیکیون کے اور کوئی چیز باقی نہین رہیگی

ادبی لحاظ سے خواجہ کا کلام اگر معجزہ نہین تو سحر ضرور ہے - اسکے اندر وہ تمام خوبیان جو کسی شاعر کے کلام مین ہونی چاہئین بدرجۂ کمال موجود ہین - اور یہی وجہ ہے کہ ادنی سے اعلیٰ تک چھوٹے سے بڑے تک جاہل سے عالم تک - رند سے پرہیزگار تک جسکو دیکھو ہر ایک اُنکے کلام پر فدا ہے - عالمون کی مجلسون مین ادیبون کی محفلون مین - رندون کے جمگھٹون مین - شرابخانون مین - خانقاہون مین وہ یکسان مقبول ہے - واعظون کے وعظ مین - حال قال کے جلسون مین - قوالون کی زبانون پر - سارنگی کے تارون پر - ہر جگہہ اسکے لئے دلکش اور خوشگوار ہے -

اور بلا امتیازِ قوم و ملک خواجہ کی غزلین جس ذوق وشوق
کے ساتھ جنوبی ہند مین گائی جاتی ہین - اُسی جوش وخروش کے
ساتھ ترکستان کے میدانون مین اُنکا راگ گونجتا ہے - اور جسطرح
گنگا کے سواحل پر اسکے نغمے اُٹھتے ہین - اُسیطرح ڈینیوب کی موجون
سے اسکے راگ ٹکراتے ہین -

اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے تمام شاعرانہ جذبات فطرتی ہین -
انکا سارا کلام انکے واردات باطنی کی تصویر ہے - وہ خود فرماتے ہین ع

اوّل ز حرفِ لوحِ وجودم خبر نبود
در مکتبِ غمِ تو چنین نکتہ دان شدم

ترجمہ
پہلے تو مجھے اپنے وجود کی تختی کے حرفون کی بھی واقفیت نہ تھی
یہ تو تیرے عشق کے مکتب مین آکر مین ایسا نکتہ دان ہو گیا

اور یہی شاعری کا اصل الاصول ہے - جبتک جذبات حقیقی
نہ ہونگے کلام مین کوئی دلکشی پیدا ہی نہ ہوگی - خواجہ فرماتے ہین ع

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود
این ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

ترجمہ
بلبل نے پھول کے عشق مین یہ چہچہانا سیکھا ہے ورنہ کیا
یہ چہچہے اور زمزمہ سنجیان اسکی چونچ مین رکھی ہوئی تھین؟

خود اپنے متعلق کہتے ہین - ع

آنکہ در طرزِ غزل نکتہ بحافظ آموخت
یارِ شیرین سخنِ نادرہ گفتار منست

اس شعر کے متعلق بہت سی روایتین مشہور ہین جنکی تفصیل
کی اس مختصر مضمون مین گنجائش کہان - مگر حقیقت یہی ہے کہ جبتک
شاعر کے دل مین کچھ کھٹک نہ ہو اُسکے کلام مین بھی نہین ہو سکتی -
خواجہ پر محبت اور عشق کی سرمستی کا جذبہ اسقدر غالب ہے کہ وہ جھومنے لگتے ہین - وجد مین
آکر ناچنے لگتے ہین - ہاتھ جھٹکنے لگتے ہین - انکے مستانہ اشعار سنیئے - ع

بیا جانان منور کن ز رویت مجلسِ ما را
کہ در پیشت غزل خوانیم و در پایت سر اندازیم
چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

ایک دوسرا شعر ہے - ع

رقص بر شعرِ تر و نالۂ نے خوش باشد
خاصہ رقصے کہ در و دستِ نگارے گیرند

خواجہ فطرتاً شگفتہ مزاج ہین - اور اسلیئے اُنکے کلام مین شگفتگی
اور شوخی بے انتہا ہے - تسبیح ہاتھ مین لی ہے - خدا پرست بنے
ہین - لیکن دیکھیے اسکو کہان لیجاکر توڑا ہے - ع

رشتۂ تسبیح اگر بگسست معذورم بدار
دستم اندر ساعدِ ساقیِ سیمین ساق بود

بیان کی جدّت اور جذبہ کی لطافت دیکھیے کہتے ہین ع

دوائے دردِ خود اے دل از ان مفرح جو
کہ در صراحیِ چینی و شیشۂ حلبی است

نام نہین لیتے کہ وہ کیا چیز ہے - صرف انگلی سے اشارہ کر کے
بتاتے ہین کہ درد دل کی نہایت مفرح دوا اس حلبی شیشہ اور چینی کی
صراحی مین رکھی ہوئی ہے - یعنی شراب معشوق کی تمکنت اور اپنی خاکساری
کا مقابلہ کر کے کیا دلچسپ سوال کرتے ہین - ع

سرست در قبائے زر افشان چو بگذری
یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن

یہ مثل مشہور ہے کہ "نیکی کر اور پانی مین ڈال" خواجہ نے
اپنے حسب حال اسکے عجیب معنی پیدا کیئے - کہتے ہین - ع

مرا کشتی بادہ در افگن اے ساقی
"کہ گفتہ اند نکوئی کن و درآب انداز"

یعنی اے ساقی تو مجھے شراب کی کشتی مین ڈال دے

ترجمہ

کیونکہ یہ تو بزرگون کا کہا ہوا ہے کہ "نیکی کر اور پانی مین ڈال"۔

یہ اشعار جب کسی موزون موقع پہ استعمال ہو جاتے ہین تو جادو سے کم اثر نہین کرتے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ کئی سال کا عرصہ ہوا جس محلہ مین ہم رہا کرتے تھے وہان ایک افغان مولوی صاحب بھی رہتے تھے۔ ساٹھ ستر سال کا سن۔ لیکن بلا کے زندہ دل اور محبت کے پتلے۔ شاعری کا نہایت صحیح مذاق رکھتے تھے۔ ہم چند بے فکرے نوجوان کبھی کبھی اُنکے پاس پہونچ جاتے تھے۔ کشمیر کی سبز چاے بڑے تکلف سے بنایا کرتے تھے۔ اور زبردستی پلاتے تھے۔ جو تعریف کرو تو بہت ہی خوش ہو جاتے تھے۔ اُنکو ہم سے کچھ ایسی دلچسپی ہوگئی کہ تقاضا کر کر کے بلواتے تھے اور چاے پلاتے تھے معمول تھا کہ جمعہ کی صبح کو ہم سب اُنکے پاس ضرور پہونچتے۔ اُس دن وہ فرط شوق سے بڑے سویرے سے چاے کی تیاری مین مصروف رہتے تھے۔ اور ہمارا انتظار کرتے تھے۔ ایک بار جمعہ کو صبح کی نماز کے بعد مین لیٹ گیا۔ طبیعت کچھ کسلمند سی تھی۔ حسب معمول یاران طریقت پہونچے کہنے لگے چلو۔ مین نے کہا کہ یہ روز روز کی پابندی تو اچھی نہین معلوم ہوتی۔ آج تو نہ جائینگے انکو کہلا بھیجتے ہین۔ آدمی کی زبانی کہلا بھیجا کہ صاحب آج تو نہین حاضر ہونگے اور اب تو گرمیان آگئین چاے پینے کو جی بھی نہین چاہتا۔ ہم لوگ باتین ہی کرتے تھے کہ اتنے مین آدمی آگیا۔ کہنے لگا کہ صاحب کہہ تو آیا لیکن بڑے میان خفا ہو گئے۔ سماوار ٹیک کے کریا (مولوی صاحب کے آدمی کا نام تھا) کو بلایا کہ یہ سب اُٹھا لیجا۔ اور غصہ ہو کر کہنے لگے کہ ہم تو اُن لوگون کی اتنی خاطر کرین اور انکو یہانتک آنے مین بھی عذر ہے ارے۔ مین نے کہا بڈھا خفا ہو گیا یہ تو بڑی خرابی ہوئی۔ اب کیا کرنا چاہیے اس محبت کے فرشتہ کو ابھی کسیطرح منانا اور راضی کرنا ضروری ہے۔ کوئی تدبیر سمجھ مین نہین آئی۔ آخر مین نے ایک پرچہ پر موٹے حرفون مین خواجہ کا یہ شعر لکھا۔ ؎

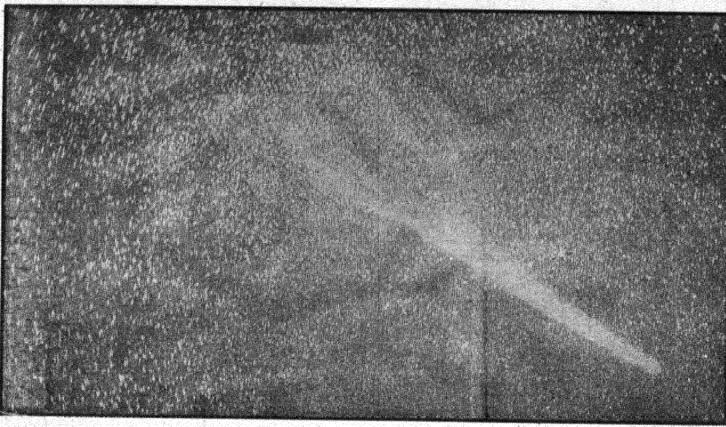
پیر مغان ز توبۂ ما گر ملول شد
گو بادہ صاف کن کہ بعذر ایستادہ ایم

آدمی کے ہاتھ بھیجا اور کہدیا کہ کہدینا ابھی آتے ہین۔ ڈرتے ڈرتے پہونچے۔ دل مین ندامتون کا انبار تھا۔ مگر وہان خواجہ کی تیز شراب اپنا اثر کر چکی تھی۔ بڈھا چاے بنانے مین سرگرم تھا۔ ہمکو دیکھتے ہی مسکرایا۔ شکوہ کرتا تھا لیکن بار بار یہی شعر پڑھتا تھا۔ فقط

اسلم

حیاتِ حافظ۔ اُردو زبان مین خواجہ حافظ شیرازی کے متعلق اتبک کوئی ایسی جامع سوانح کتاب موجود نہ تھی جو تشنگان علم ادب کی پیاس بجھانیکے لئے کافی ہوتی اور دُنیا کے اس منتخب شاعر کے حالات و کمالات پر صحت و وضاحت کے ساتھ روشنی ڈال سکتی۔ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے نہایت محنت و بلیغ سعی سے اس ادبی کمی کو پورا کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے کمالات شعری اور معجز بیانی کے اہل ایشیا ایک مدت سے معترف ہین اور فضلاے عرب و عجم کے علاوہ اہل ہند نے بھی اُنکے کلام پر تقاریظ کی کوشش کی ہے لیکن اُنکی شاعری پر تنقید و تبصرہ کا مفید کام بجاے ایشیا کے یورپ سے شروع ہوا۔ چنانچہ اسوقت تک دو درجن سے زیادہ اُدباے یورپ و امریکہ نے حافظ کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ مولانا محمد اسلم صاحب نے ان سب مصنفین کی تصنیفات کا مطالعہ کر کے اور ایشیائی تذکرہ نویسون کے قابل اعتماد بیانات سے اپنے دماغ کو معمور کر کے ایک ایسی کتاب تیار کردی ہے جو ہر طور مکمل ہے۔ حافظ کے سوانحی حالات کے علاوہ اس کتاب مین اُنکے کلام پر محاکمہ، مغربی مصنفون کی رائین، اور اُن فالون کا تذکرہ جو اہم معاملات کے موقعون پر دیوانِ حافظ سے دیکھی گئین نہایت تحقیق سے درج ہین۔ فارسی اشعار کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی لکھا گیا ہے جو اس کتاب کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ مین بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے جس سے کتاب کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ مصنف موصوف مقیم علیگڈھ کالج سے بقیمت ایک روپیہ ۱؎ دستیاب ہو سکتی ہے۔

دُمدار ستارہ



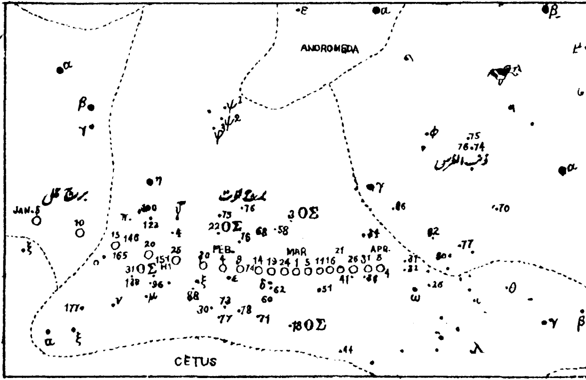
دُمدار ستارہ

اگر تم نے خیال کیا ہے تو دیکھا ہوگا کہ ۵ بج کے ۴۵ منٹ پر شام کو افق مغربی مین جہان آفتاب غروب ہوتا ہے ایک دُمدار ستارہ طالع ہوتا ہے جسکے نور کی دمک اتنی ماند ہے کہ اُسکی دم اُجلے اُجلے بادلون کے ٹکڑے کی سی نظر آتی ہے۔ تارے کا رُخ تو آفتاب کی جانب ہے لیکن اُسکی دُم جو اوپر کو پھیلتی ہوئی زہرہ تک پہونچتی ہے جنوب کیطرف جھکی ہوئی ہے۔ یہ تارا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۰ء کو دنیا کے مختلف مقامات پر بلا اعانت دوربین کے خالی آنکھ سے یکایک نظر آیا اور اُسنے ساری دُنیا کے عام لوگون کو ایک دھوکھے مین ڈالدیا جو کئی ماہ قبل سے ایک دوسرے دُمدار تارے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ تارا جسکو تم شام کو دیکھتے ہو نظرون سے جلد غائب ہوجانے والا ہے۔ جس تارے کی حالت مین اس مضمون مین لکھنے والا ہون وہ دوسرا دُمدار ستارہ ہے جو ایک بہت بڑے ہیئت دان ہیلے کے نام سے مشہور ہے یہ دُمدار تارا ایک ہولناک عظیم جسم ہے جو سیکڑون ہزار میل کی وسعت مین جلتے ہوئے سُرخ انگارے کی طرح دہک رہا ہے اور تیرہ و تار فضائے آسمان مین پُرخروش آبشار کیطرح ایک مہیب آواز سے غُرّاتا ہوا فی گھنٹہ لاکھ میل کی قیامت خیز رفتار سے زمین کیجانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ ہمارے منجم اس تارے کے طالع ہونیکی خبر قبل سے دے رہے ہین اور ہمکو معلوم ہے کہ آنیوالا دُمدار ستارہ اپریل یا مئی کے مہینے مین نظر آئیگا۔

ہیئت دانون نے ذکی الحس آلات علم مساحت فلکی سے اُسکے طول و عرض کی پیمایش کی اور تاریخ ۷ ستمبر سے ۱۴ نومبر ۱۹۰۹ء تک جو اُسکے قطر کی ناپ درجے اور دقیقون مین دریافت ہوئی اُسکو میل مین تبدیل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوسط درجہ اس تارے کے قطر کا طول ۱۲۸۰۰ میل ہے ۲۴۔ اگست کو مقام ہلوان مین آنے والے

دُمدار ستارے کا عکس اُتار لگیا جس سے اُسکی انوکھی تصویر وضاحت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ہمارے ہیئت دان جن لوگون نے اس تارے کا مرقع اوّل مرتبہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ ہر طرح ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہین۔

حال مین کرومیلن صاحب نے اپنی علم ہیات کی جنتری مین ایک نقشہ شائع کیا ہے جو اس جگہہ درج کیا جاتا ہے۔



نقشہ گذر گاہ دُمدار ستارہ من ابتدائے ۵ جنوری لغایت ۵ اپریل ۱۹۱۰ء

اسکو دیکھنے سے آنیوالے دُمدار ستارے کی ظاہری چال کا پتہ چلتا ہے جو بہ قید تاریخ درج ہے۔ ۵ جنوری کو یہ تارا برج حمل کے پرے نظر آتا تھا لیکن پورے پانچ روز بھی نہ گذرے ہونگے کہ وہ اس برج کی مسافت کو طے کرکے باہر نکل آیا اور قطع منازل کرتا ہوا تاریخ ۱۴ فروری کو برج حوت کے مقابلے مین پہونچ گیا اس برج کی منزل کو تمام کرنے مین پندرہ روز کی مدت گذری اور تاریخ پہلی مارچ کو برج حوت سے باہر نکل آیا۔ غرض اس خاکے کو دیکھکر جسمین ۵ ۔ اپریل تک آنیوالے دُمدار ستارے کی رفتار دکھائی گئی ہے تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کس بلا کی سرعت سے زمین کی جانب چلا آتا ہے۔

ہیئت دانون نے حساب سے دریافت کیا ہے کہ تاریخ ۱۸ مئی کو دس بجے صبح کے وقت یہ تارا اپنے دائرہ حرکت کے نقطہ تقاطع سے ہوکر جسکو اصطلاح علم ہیات مین ذنب کہتے ہین گذرے گا اور جس ساعت مین یہ تارا اس نقطے کو طے کریگا اُسکے ٹھیک اٹھارہ گھنٹے بعد زمین اُسی نقطے سے ہوکر گذریگی اور اس وجہ سے یہ احتمال غالب ہے کہ تارے کی لمبی دم جو کُہرے کی سی فضائے آسمانی مین دُور تک پھیلی ہوئی ہے زمین کو چھو جائے لیکن اسکے لئے اُسکی دُم کا طول ۷۷۳۲۲۷۱ میل ہونا چاہئے زمین کو اس تارے کے مقابلہ سے کیا کیا جوکھم ہین اسکو کسی دوسرے مضمون مین بیان کرونگا۔

تم چاہو تو آنیوالے تارے کو قوی دُوربین کے ذریعہ سے دیکھ سکتے ہو۔ وہ اسوقت برج حوت کے پاس ہے۔ جہان ہماری خالی نگاہ کام نہین کرتی ہے۔ دُنیا کے نامور ہیئت دان اس تارے کا پتہ لگانے مین سال بھر قبل سے سرگرم رہے ہین۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء کے پہلے آنیوالا دُمدار ستارہ دُوربین سے بھی دکھائی نہین دیتا تھا اور ہیئت دانون کو یہ فکر تھی کہ کسطرح اسکو دیکھ لین۔ چنانچہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۹ء کو صبح کے وقت فوٹوگرافی نے یکایک اس تارے کی آمد کی خبر دی اور تصویر کی تختی پر اُس کا نقشہ کھنچ گیا جس کے کل سامان کو ہیئت دانون نے برج جوزا کے سامنے جدھر سے یہ تارا آنیوالا تھا قبل سے لگا رکھا تھا۔ جنھون نے اس تارے کے عکس کو دیکھکر جو اک بادل کے ٹکڑے کی طرح نظر آیا۔ آنیوالے دُمدار ستارے کی آمد کو بھانپ لیا

اور اسطرح فوٹوگرافی بڑی سی بڑی دُوربین کی قوت پر سبقت لے گئی اور منجموں کے قول کی تصدیق کر دی۔ اب کچھ دن باقی ہین کہ آنیوالا دُمدار تارہ ہمکو بلا اعانت کسی آلے کے خالی آنکھ سے دکھائی دیگا اور اُسکی نورانی شکل کو دیکھکر ہم اُسکا خیر مقدم کرینگے۔

علم ہیات کے ابتدائی اصول کو اگر تم نے پڑھا ہے تو معلوم ہوگا کہ آفتاب مرکز ہے اور اُسکے گرد سات سیارے گردش کرتے ہین اور تحقیقات جدید کو لو تو سات سے زیادہ سیارے ہین جو ہمارے آفتاب کے گرد گھوم رہے ہین۔ ان سات سیارون مین سے زمین بھی ایک سیارہ ہے جو ایک سال کی مدت مین آفتاب کے گرد لڑھکتی ہوئی اپنا دورہ تمام کرتی ہے۔ چاند کو خادم سیارہ کہتے ہین جو آفتاب کے گرد گھومنے والے سیارون کے چارون طرف گردش کرتا ہے۔ غرض یہ سب مل ملا کر جنکے آپس کا تعلق اور سلسلہ آفتاب کی زبردست قوت جاذبہ سے قائم ہے ایک عالم ہے جسکو اصطلاح مین نظام شمسی کہتے ہین۔ قدرت نے اسطرح کے بیشمار نظام اور عالم کو پیدا کیا ہے جنکی تعداد کو عقل انسانی ہرگز قیاس نہین کرسکتی ہے ہر ایک عالم کا مرکز ایک آفتاب ہے جو ہمارے سورج سے ہزارون گُنا بڑا ہے۔

اب دُمدار ستارون کے تعلق کو خیال کرو کہ وہ کیونکر ہین اور انکو کسی عالم کے نظام سے کسطرح کا علاقہ و سروکار ہے ہیئت دانون نے اسطرح کے تارون کی دو قسمین قائم کی ہین۔ ایک تو وہ کہ جو کسی عالم کے نظم مین داخل ہوچکا ہے اور ایک معین وقت پر دورہ کرتا ہے۔ تمہارا آنے والا دُمدار ستارہ اسی قسم اول مین شمار کیا جاتا ہے جو اوسط درجہ پر ۷۶ برس کے بعد طالع ہوتا ہے۔ اور ہمارے آفتاب کی قوت جاذبہ سے مغلوب ہوکر اُسکے گرد چکر لگاتا ہے۔ دوسری قسم دُمدار تارون کی وہ ہے جو کسی عالم کے نظم مین داخل نہین ہے۔ اسطرح کے تارے فضائے آسمانی کے وحشی سیاح ہین جو ایک عالم سے دوسرے عالم مین آزادانہ سیر کرتے پھرتے ہین۔ یہ تارے یکایک نمایان ہوتے ہین۔ ان کے طالع ہونیکی خبر کوئی منجم نہین دے سکتا ہے۔ تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ ہمارے نظام شمسی مین آج تک بارہ سو سے زائد وحشی دُمدار ستارے آچکے ہین جو اب پھر نہین آئینگے۔ تمکو سُنکر حیرت ہوگی کہ ہمارے آفتاب نے اپنی زبردست قوت جاذبہ سے تیس یا چالیس وحشی دُمدار تارون کو جو سیر کرتے ہوئے اس نظام مین نکل آئے تھے روک لیا ہے اور وہ اب باقاعدہ گردش کرتے ہین۔ تم پوچھ سکتے ہو کہ اور تارون کو ہمارے آفتاب نے کیون نہین روکا؟ اسکی وجہ کھلی ہوئی ہے کہ اُن پر اُسکا قابو نہ چلا۔ وہ تارے بذاتِ خود ایسے زوردار تھے کہ آفتاب کی قوت مقناطیسی اُنکو مغلوب نہ کرسکی اور وہ اس نظام مین آکر چلتے پھرتے نظر آئے۔ لیکن جسطرح ہمارے سورج نے کئی وحشی دُمدار ستارون کو روک لیا ہے اسیطرح ممکن ہے کہ دوسرے نظام کے آفتاب جو ہمارے آفتاب سے بزرگتر ہین ان تارون کو قید کرلین اور وہ مغلوب ہوکر اُسی آفتاب کے گرد چرخ کھانا شروع کرین۔ خلاصہ یہ کہ آنیوالا دُمدار ستارہ جسکو ہمارے سورج نے کسی زمانے مین اسیر کرلیا تھا تازہ وارد نہین ہے۔ مدت ہوئی کہ شدہ شدہ اُسکی ذاتی سنک زائل ہوگئی اور اب وہ نظام شمسی سے اچھی طرح مانوس ہوچکا ہے اور برابر دورہ کرتا ہے۔

واقعات عالم کے نامہ نگار اس بات کی خبر دیتے ہین کہ عہد تاریخی مین سنہ ۲۴۰ء قبل مسیح سے آجتک آنے والے دُمدار تارے نے کئی پھیرے کیے ہین اور جب کبھی جس زمانے مین یہ تارا طالع ہوا ہے دُنیا مین اسنے ہلچل ڈالدی ہے اور بنی نوع انسان کو

اپنی پرآشوب نحوست اور خوفناک شکل سے ڈراتا رہا ہے۔ پُرانے لوگون نے اسکے طالع ہونے کو انسان کے بدترین مصائب کا باعث خیال کیا تھا۔ یون تم اسکو محض توہمات سمجھو لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ تارہ جس صدی مین جس سال نمایان ہوا ہے دنیا مین کوئی نہ کوئی آفت ضرور برپا ہوئی ہے۔ زمین پر زلزلہ آیا ہے۔ خون ریزیان ہوئی ہین۔ ہولناک حادثے اور عظیم واقعات گذرے ہین۔ قحط اور طاعون نے قوم کی قوم کو خاک مین ملادیا ہے۔ ان باتون پر لحاظ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پُرانے لوگون کا توہم بلاوجہ نہین تھا۔ یہان مین تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہون۔ لو سُنو۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴۰ یہ ۱۶۳ یہ ۸۷ یہ ۱۲ سنہ قبل مسیح مین یہ دُمدار ستارہ طالع ہوا تھا۔ چنانچہ ہر مرتبہ ممالک روم شام اور جرمن مین سخت خون ریزیان ہوئین۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو تاراج اور برباد کردیا۔ سنہ ۶۶ء مین جب طالع ہوا تو اسکے دوسرے سال بیت المقدس برباد ہوگیا۔ اس مرتبہ اس ستارے کی شکل تلوار کی سی نمایان ہوئی اور بہت زیادہ روشن تھا۔ سنہ ۳۷۳ء مین قوم ہنس مملکت روم پر حملہ آور ہوئی۔ سنہ ۴۵۱ء مین جب یہ تارا ساتوین مرتبہ نظر آیا تو اٹلی اور گول کی سلطنت مغلوب ہوئی اور جنگ مین ہزارون بندگانِ خدا کا خون ہوا۔ سنہ ۵۳۱ء مین ملک ایران پر طاعون کی آفت نازل ہوئی اور بازار موت ایسا گرم ہوا کہ کوئی لاش اُٹھانے والا نہ تھا۔ سنہ ۶۱۶ء مین اسی تارے کا طالع ہونا دُنیا کے ایک عظیم واقعے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب ہمارے پیغمبر جناب رسولؐ خدا مبعوث برسالت ہوئے مکہ مین کافرون کو ہدایت کرنی شروع کی اور ایک قوم کو جو کفر اور جہالت کی تاریکی مین ڈوبی ہوئی تھی نور ایمان عطا فرمایا۔ سنہ ۱۰۶۶ء مین ولیم فاتح نے جزیرۂ برطانیہ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ اس تارے کی شکل کچھ ایسی ڈرانی تھی کہ دیکھکر دل کو ہول آتا تھا۔ سنہ ۱۱۴۵ء مین دوسری جنگ مقدس کی ابتدا ہوئی اور سنہ ۱۲۲۳ء مین جب نظر آیا تو ایران اور خراسان مغلوب و تاراج ہوگئے۔ سنہ ۱۴۵۶ء مین ترکون نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ تارا اب کے بار پھر ایسا روشن تھا کہ دیکھکر آنکھون مین چکاچوند پیدا ہوتی تھی۔ اسکی شکل نہایت ڈرانی تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک انتقام لینے والی کٹار ہے جو ہوا مین سرون پر لہرا رہی ہے۔ عیسائیون کے دل پر ایسا خوف طاری تھا کہ وہ نمازون مین اسکی نحوست سے پناہ مانگتے تھے۔ سنہ ۱۵۳۱ء مین اس تارے کا نمایان ہونا دُنیا کے ایک پُر درد اور عبرت خیز حادثے کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ ہولینڈ مین اس بلا کا طوفان اور سیلاب آیا کہ ...... ۴۰۰ بندگان خدا غرق ہوکر مرگئے اور شہر لسبن مین ایسا ہولناک زلزلہ آیا کہ ..... ۳۰ آدمی زندہ خاک مین گڑ گئے اور سارا شہر غارت اور برباد ہوگیا۔ سنہ ۱۶۰۷ء سنہ ۱۶۸۲ء سنہ ۱۷۵۹ء مین عبرتناک خونریزیان ہوئین اور آخر مرتبہ جب یہ تارا سنہ ۱۸۳۵ء مین طالع ہوا تو چلی کی ساری آبادی بھونچال کی نذر ہوگئی۔

جس تارے کے طالع ہونے پر دُنیا مین اسطرح کے عظیم واقعات اور حادثے گذرے ہین جنکو او پرسُن چکے ہو وہی تارا سنہ ۱۹۱۰ء مین پھر نمایان ہونیوالا ہے تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اسکی نحوست سے دُنیا مین کوئی نہ کوئی آفت ضرور آئیگی ہرگز نہین۔ دنیا نے پلٹا کھایا ہے اور ہمارے خیالات بدل گئے پُرانے توہمات کو جدید تحقیقات نے باطل کردیا اور اب ہماری عقل اسطرح کی لغو باتون پر خندہ زن ہوتی ہے اور اسکو کسی طرح تسلیم نہین کرسکتی۔ آنے والے تارے کو ہم اچھی طرح جان چکے ہین کہ وہ کیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اُسکا نظام شمسی کے اندر آنا

نیا کے لئے ایک بڑی جوکھم ہے - لیکن ۱۶۸۲ء مین جب ہیلی نامی بِ منجم نے جسکے نام سے یہ تارا مشہور ہے اس بات کو ثابت کردیا نے والا دُمدار ستارہ اجرام فلکی مین داخل ہے اُسوقت سے ہم نے یہ سمجھ لیا کہ جسطرح اور ستارون کو ہماری حیات اور ممات پر کوئی قدرت نہین ہے اسیطرح یہ دُمدار ستارہ جسکے طالع ہونے کو ہم خواہ مخواہ دُنیا کے درد انگیز حادثات کی وجہ قرار دیتے ہین ہمارے مصائب اور ہماری آفتون کا باعث نہین ہوسکتا ہے - قحط - طاعون بھونچال یا خونریزیون کے وقوع مین آنے کی وجہ کو جسکے لئے دوسرے اسباب ہوتے ہین کسی ستارے کے طالع ہونے سے جوڑ ملانا ایسی باتین ہین جسطرح کسی کسان نے جسکے گھر مین صبح کو سورج دکھائی دیتے وقت آگ لگ گئی اور اُسنے طلوع آفتاب کو اُسکی وجہ قرار دیا تھا -

جو کچھ اوپر لکھا گیا اُس سے میری مراد یہ نہین ہے کہ دُمدار ستارون سے دُنیا کو کوئی خطرہ نہین ہے مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ جسطرح اگلے لوگون نے ان تارون کے نمایان ہونے کو انسان کے بدترین آلام و مصائب کا باعث خیال کیا تھا اُسطرح نہین بلکہ جن خطرون کا ہمکو اندیشہ ہوتا ہے اُنکی صورتین جداگانہ ہین - آنے والا دُمدار ستارہ اگر اپنا رُخ زمین کی جانب کرے اور قریب آجائے تو زمین ایک چشم زدن مین جلکر خاک سیاہ ہو جائے - درخت مکانات اور بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوا مین اُڑتے نظر آئین - سمندرون کا پانی بڑھکر بادل سے مل جائے اور ایک ایسا ہولناک طوفان آئے کہ زمین کی ساری چیزین برباد اور فنا ہوجائین - زمین کی بربادیون کی جداگانہ صورتون کو مین کسی دوسرے وقت بیان کرون گا لیکن پہلے تم یہ جان لو کہ دُمدار ستارے کیا چیز ہین - انکا وجود کیونکر ہوتا ہے وہ کہان سے آتے ہین اور کہان کو جاتے ہین -

دُمدار تارون کو اگر تم نے دیکھا ہے تو یاد ہوگا کہ انکی روشنی کی دمک - سے آسمان ایک بقعہ نور دکھائی دیتا ہے - اُنکے رُخ پر تو ایک روشن تارا ہوتا ہے اور پیچھے خطوط شعاعی کی پھلجھڑی سی چھٹتی نظر آتی ہے جسکی شکل مور چھل کی سی ہوتی ہے - سامنے والے تارے کو سر کہتے ہین اور پیچھے جو شعاع نور کے لمبے لمبے گیسو نظر آتے ہین وہ اُسکی دُم ہے - یا یون کہو کہ تارے کے رُخ تابان نور کی کاکل سر کی ہوئی دکھائی دیتی ہے - اس تشبیہ کے لحاظ سے ان تارون کو زبان فرنگ مین کومٹ اور عربی مین ذوذوابہ کہتے ہین - لیکن ہمارے یہان کی بول چال مین وجہ تشبیہ دوسری ہے اور ہم اسطرح کے ستارون کو جھاڑو تارا یا دُمدار ستارہ کہتے ہین - غرض ہر زبان مین اسطرح کے تارون کے جو نام ہین اُنکی ترکیب مین کوئی نہ کوئی تشبیہ ضرور داخل ہے چاہے تم اُنکو کسی نام سے پکارو لیکن وہ ایک بالکل دوسری چیز ہے جسکو مین یہان بیان کرتا ہون -

تاریخ تکوین عالم ہمکو بتاتی ہے کہ قدرت نے سورج چاند اور ستارون کو اُنھین چیزون سے خلق کیا ہے جو ہماری زمین پر موجود ہین - آجتک اسطرح کی ۶۴ چیزین مثلاً دھوان - آکسیجن - نائٹروجن - لوہا - تانبا - سوڈیم - گندھک وغیرہ دریافت ہوچکی ہین - جو بذات خود بسیط ہین - انھین چیزونکی حیرت خیز آمیزش سے جسکو اصطلاح مین ترکیب کیمیاوی کہتے ہین کل چیزین پیدا ہوئی ہین جن کو ہم محسوس کرسکتے ہین - دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ آفتاب کی ترکیب مین آکسیجن لوہا سوڈیم وغیرہ داخل ہین جو عالم بخارات مین اس شدت سے جل رہے ہین کہ ہم نو کرور میل کی دوری پر اُسکی آنچ کی تاب نہین لاسکتے - تم نے دیکھا ہوگا کہ رات کو تارے

ٹوٹتے ہین - یہ تارے اکثر زمین پر گر پڑے ہین اور جب انکی بناؤ کی جانچ کی گئی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اُنکی ساخت مین سوائے لوہا تانبا گندھک کاربون وغیرہ کے اور کچھ نہین ہوتا - خلاصہ یہ کہ دُمدار ستارون کی بناوٹ مین وہی اجزاء شامل ہین جو زمین پر موجود ہین اور جنسے قدرت نے اور ستارون کو بنایا ہے -

اب یہ خیال کرو کہ دُمدار ستارے کیونکر وجود مین آتے ہین اور اُسکے کیا کیا اسباب ہین - تم دیکھتے ہو کہ قبۂ آسمانی مین ہزارون نور کے قمقمے جگمگاتے نظر آتے ہین جنکو تم ستارے کہتے ہو - یہ ستارے قدرتی کنول ہین جو اندھیرا گھپ آکاس مین جل رہے ہین - ہم انکی خاموش بزم کو دیکھکر یہ خیال کرتے ہین کہ یہ ننھی ننھی شمعین روز ازل سے اسیطرح چین سے جل رہی ہین اور انکو قدرت نے ایسا سکون عطا فرمایا ہے جسکو ہمیشہ بقا ہے اور انکی چُپ ہستی زمانہ کے شور وشغب سے محفوظ ہے - لیکن ایسا نہین ہے ہر ایک چھوٹا تارا جو چمکتا ہوا اپنی جگہہ پر قائم نظر آتا ہے ایک عالم کا آفتاب ہے جو اپنی عظمت اور جلال مین ہمارے سورج سے کئی گُنا زیادہ ہے ان ستارون مین دن رات بڑے بڑے انقلاب ہوتے ہین اور حادثات عظیم وقوع مین آتے ہین جنکی ہمکو مطلق خبر نہین ہوتی تم نے دیکھا ہوگا کہ جسوقت مہتاب چھوٹتی ہے تو اُس سے پھول جھڑتے ہین - اسیطرح ان ستارون سے جو شدت حرارت سے جل رہے ہین آگ کے شرارے اُڑتے ہین جو آسمانی فضا مین بگولون کی طرح چکراتے پھرتے ہین - ان شرارون مین سے جب کوئی شرارہ زمین کے کرۂ ہوا مین ہوکر گذرتا ہے - تو ہمکو رات کو تارا ٹوٹتا نظر آتا ہے - ٹوٹنے والے تارون کی سرعت رفتار توپ کے گولون سے پندرہ سو گنا زیادہ حساب کی گئی ہے - غرض جب اسطرح کے تارون کے آنے والے اور جانے والے پرون مین بگولون کی بوچھار کیطرح جوق جوق جست کرتے جاتے ہین راہ مین مُڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو توپ کے گولون کی طرح ایک تارا دوسرے تارے سے اس زور مین ٹکر کھاتا ہے کہ دُھوان اُڑ جاتا ہے حرارت کی یہ شدت ہوتی ہے کہ شعلے پیدا ہوتے ہین اور آکاس مین بخارات مشتعل کی ایک گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے جو چرخ کھاتی ہوئی کسی جانب کو روانہ ہوتی ہے - یہ شعلہ فشان بادل نوخیز ننھا دُمدار ستارہ ہے جو آکاس مین پرورش پاکر کئی جگون مین پروان چڑھتا ہے -

اب ان تارون کی جسامت کا حال سنو - آنے والا دُمدار ستارہ جب ۱۸۳۵ء مین طالع ہوا تھا تو اُسکی دم ۹۶۱۰۰۰۰ میل لمبی حساب کیگئی تھی اُسکے سر کا قطر ۳۵۷۰۰۰ میل تھا - لیکن یہ طول اور عرض جسکا تصور مشکل سے ہوسکتا ہے - کوئی حیرت کی بات نہین ہے - نظام شمسی مین اس سے بڑے تارے آئے ہین ۱۸۴۳ء مین ایک کومٹ نظر آیا تھا جسکی دُم کا طول کئی کرور میل تھا - دوسرا تارا ۱۸۸۲ء مین طالع ہوا جسکی دُم کا قطر ۴۰۰۰۰۰ میل حساب کیا گیا تھا - کل کی بات ہے کہ ایک دُمدار ستارہ ۱۹۱۰ء مین طالع ہوا جو صبح کو خالی آنکھ سے نظر آتا تھا - اس تارے کے ساتھ دُمین لگی تھین جنمین سے ہر ایک کی لمبائی ستر لاکھ میل حساب کی گئی تھی اُسکے رُخ کا تارا اتنا بڑا تھا کہ زمین اور چاند کے درمیان جو خلا ہے اُسمین ہوکر مشکل سے گذر سکتا تھا - اس جگہہ تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنے بڑے تارون کا جنکی جسامت عظیم کو سُنکر عقل انسانی گھبرا جاتی ہے نظام شمسی کے اندر آکر پھر سلامتی سے چلا جانا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے ؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان تارون کی دُم کی ساخت بادل یا کُہرے کی سی ٹسک ہوتی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک دُمدار ستارہ سارے نظام شمسی کو درہم وبرہم کردیتا اور ہمارے

آفتاب کی شمع کو گُل کرتا ہوا اپنی جھولی میں رکھکر دوسرے عالم کی راہ لیتا -

تم اوپر سُن چکے ہو کہ آنے والا دُمدار تارا فی گھنٹہ لاکھ میل کی رفتار سے زمین کی جانب چلا آتا ہے - اب اگر تم اسکی سرعت رفتار کو سمجھنا چاہو تو تمہاری عقل مشکل سے اسکا قیاس کر سکتی ہے یہ وہ بلا کی چال ہے کہ اگر اس تیزی سے جہاز رواں ہو تو وہ دس ساعت میں بحر اطلانتک سے گذر کر ساحل پر پہونچ جائے اور پانی کی مزاحمت سے سارا جہاز آہنی جل اُٹھے - تمہاری ہوا گاڑی اس چال سے محض ڈیڑھ منٹ میں زمین کے چاروں طرف دوڑ آئیگی اور اپنی منزل پر پہونچکر جلتی ہو گی - خیال کرنیکی بات ہے کہ آنے والا تارا جسکی قیامت خیز چال کا ہم تصور نہیں کر سکتے ۱۸۳۵ء سے آجتک کتنی بڑی مسافت طے کر کے پھر ہمارے پاس آ رہا ہے - وہ فضائے آسمانی میں ڈوبتا ہوا کہاں نکل گیا اور پھر کہاں سے لوٹ کر آتا ہے - یہ ایسی باتیں ہیں جنکو خیال کرنے سے عقل انسانی چکر میں آتی ہے اور خدا کی عظمت اور جلالت اُسکے دل میں جگہہ کر لیتی ہے -

اس جگہہ اگر تم قیاس سے کام لو اور فرض کر لو کہ تمہاری زمین شدت حرارت سے یکایک دہکتی ہوئی ایک دوزخ کا انگارہ بنجائے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ دُمدار ستارہ کیا چیز ہے - زمین کے جل اُٹھنے سے بڑے بڑے بحر ذخار سنسناکر اسطرح ہوا میں اُڑ جائینگے جسطرح پانی کی چھینٹیں گرم تنور سے اُڑ جاتی ہیں پہاڑ دُھواں ہو کر ہوا میں چرخ کھاتے نظر آئینگے اور ساری زمین شدت حرارت سے رانگ کیطرح پگھل جائیگی - تمہاری ہری بھری زمین پر اس قیامت کی آگ بھڑکی ہو گی کہ اُسکے ہولناک شعلوں کی لپٹ چاند تک جائیگی اور دُھوئیں کے شعلہ فشاں مرغولے آگ کے شرارے اور جلتی ہوئی خاک جنکو زمین عالم ہیجان میں اوپر کو پھینکتی ہو گی اُڑ اُڑ کر آکاس میں کھل جائینگے اور زمین اپنی اس ڈراؤنی شکل میں ایک دُمدار تارا بنجائیگی - زہرہ اور مشتری کے منجموں کو آسمان میں ایک مور چھل تارا نظر آئیگا - زمین کا دہکتا ہوا کرہ تو ایک تارے کی صورت میں طالع ہو گا اور مشتعل بخارات اور جلتے ہوئے شرارے جو زمین سے نکلکر بیچاسوں ہزار میل تک آسمان میں بھرے ہونگے وہ دُم طاؤس یا کاکل کی صورت میں دکھائی دینگے - آنے والا کومٹ اسیطرح کا ایک خوفناک تارا ہے جو ہماری جانب بڑھتا چلا آتا ہے - اور ہم اُسکو اب بہت جلد دیکھینگے -

سیّد راحت حسین

یادرفتگان - یہ کتاب منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور کی ایک دلپذیر تصنیف ہے جسمیں لاہور کے نغزا ہے ہنود و اسلام کے تاریخی حالات تحقیق و تجسس کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں - شروع کتاب میں ایک مقدمہ میں مسئلہ سماع پر نہایت وضاحت سے بحث کیگئی ہے اور شہر لاہور کے تاریخی حالات بھی قابل تعریف ہیں - ملنے کا پتہ " کا رخانہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات -

کلام فوق - یہ کتاب بھی منشی صاحب موصوف ہی کی تصنیف ہے جسمیں عاشقانہ غزلیں اور قومی و طرحیہ نظمیں درج کیگئی ہیں - دیباچہ میں مصنف نے اپنی بیمداقی کا ضرورت سے زیادہ اعتراف کیا ہے - ترتیب کلام کے ساتھ بعض غزلیات یا نظموں کا زمانہ تصنیف بھی درج کیا گیا ہے جسکی نسبت مصنف صاحب کا خیال ہے کہ یہ بالکل نئی بات ہے - لیکن دیوان حالی میں یہ خصوصیات پیشتر سے موجود ہیں - کتاب کے ساتھ مصنف کی ہاف ٹون تصویر بھی دیگئی ہے اور ۱۰۴ صفحات پر قیمت صرف چھ آنہ رکھی گئی ہے - منیجر کشمیری میگزین لاہور سے طلب کیجائے -

ایک یادگار مشاعرہ

تیرہ چودہ سال کا عرصہ ہوا کہ لکھنؤ مین پنڈت للتا پرشاد صاحب وثیقہ دار کے یہان ایک معرکہ آرا مشاعرہ ہوا تھا۔ مصرع طرح یہ تھا۔ ع۔ اُگتی ہے جا بجا سبزہ کنگھی میرے چمن مین۔ لکھنؤ کے قریب قریب تمام اساتذہ جمع تھے۔ لیکن جلال مرحوم نہین تشریف لائے تھے۔ قریب ۴ بجے شام کے مشاعرہ شروع ہوا اور تقریباً دو بجے شب کو ختم ہوا۔ تمام اساتذہ نے اپنے اپنے رنگ مین پُرزور غزلین کہین تھین اور پُرزور غزلین کسطرح نہون۔ اس زمین مین آتش کی یادگار غزل کا نغمہ سب کے کانون مین سمایا ہوا تھا۔ سبحان اللہ کیا کیا شعر فرماتے ہین۔ معلوم ہوتا ہے بزم خیال مین نور خداداد کی شمعین روشن ہین۔ میرے دوستو ذیل کے اشعار پر نظر ڈالو اور فصیح لکھنؤ کی روح پر درود پڑھو۔

شیرین زبان ہوئی ہے فرہاد کے دہن مین
لیلی پکارتی ہے مجنون کے پیرہن مین
دور روز ہے یہ لطف عیش و نشاط دنیا
بوئے شب عروسی مہمان ہے پیرہن مین
بازار مصر مین چل یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن مین
اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہماری
نو آسمان ہین اپنے اکبر کے نورتن مین
آیا تھا بلبلون کی تدبیر مین گلون نے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن مین
یاد فقیر آگے اس بُت کے بھولتا ہے
ایکی گرہ مین دو تکا زُنار برہمن مین
صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی
کیا کیا جلا ہے ساکھو پھولا جو ڈھاک بن مین

آخری شعر تو ایسا ہے کہ اسکا جواب اُردو شاعری مین ملنا مشکل ہے۔ آتش کے بعد اساتذہ قدیم مین اسیر مرحوم نے دو اک شعر اس زمین مین خوب کہے ہین۔ فرماتے ہین۔

تم رنگ ہو سخن مین تم پھول ہو چمن مین
تم روح ہو بدن مین تم شمع انجمن مین
گھر کر سحاب آیا نہرون مین آب آیا
دور شراب آیا مستو چلو چمن مین
آفت مین جان خستہ پابستہ امید بستہ
دل کشتی شکستہ دریائے موجزن مین

امیر و داغ کی بھی غزلین اسی طرح مین موجود ہین اور دونون نے ایک ایک شعر خوب کہا ہے۔

داغ
کیا کیا کدورتین ہین اس داغدار دل کی
آتی ہے خاک لیتے آندھی اسی چمن مین

امیر
کیا جانئے کہ چھوڑا پھولون نے کیا شگوفہ
بلبل پکارتا ہے صیاد کو چمن مین

قدر بلگرامی کا بھی ایک شعر یاد آگیا۔ ؎
لب پر ہنسی جو آئی دندان کھلے دہن مین
چمکی یمن مین بجلی جا کر گری عدن مین

نیر۔ کجا بود مرکب کجا تاختم۔ کہان حال کا مشاعرہ کہان آتش و اسیر۔ لیکن زمین ایک ہی ہے گو کہ گلکاریان مختلف ہین پس نگاہ شوق کا ایک تختے کی سیر کرتے ہوئے دوسرے تختے کی جانب بھٹک جانا قابل معافی ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اسوقت مشاعرہ مذکور کی تمام غزلین موجود نہین جو کچھ قلیل سرمایہ اشعار کا حافظہ کی امانت مین موجود ہے اُسے قلم و کاغذ کے سپرد کرتا ہون۔ آرزومند دل لطف اُٹھائین اور داد دین۔

میر رضا حسین رُسہا لکھنو کے ایک پُرانے شاعر تھے۔ میر وزیر علی صبا کے داماد بھی تھے اور شاگرد بھی۔ اُنکو فخر تھا کہ آتش کے رنگ مین کہنے والا اُنکے سوائے کوئی نہ تھا۔ آدمی کم استعداد تھے مگر قدیم اساتذہ کے فیضان صحبت سے زبان کو صاف اور طبیعت کو برق کر دیا تھا۔ اُنھون نے اس مشاعرہ مین جو غزل پڑھی تھی اسکے چند شعر لکھتا ہون۔

فصل خزان کے آتے کیسی ہوا چلی یہ
شمع مراد بلبل گل ہو گئی چمن مین
پہونچی یہان تلک ہے اب لاغری ہماری
بنتی ہین دو قبائین مجنون کے پیرہن مین
آتش کی یہ زمین ہے جل جائینگی زبانین
آ ہو نہ پر سکین گے اس شیر تر کے بن مین

آغا مظہر صاحب مظہر ایک آزاد اور رنگین مزاج بزرگ تھے۔ ہر وقت چہرہ پر مسکراہٹ رہتی تھی اور زبان ظرافت کے چٹخارے سے کامیاب تھے۔ اُنکی استعداد علمی معقول تھی اور مضمون آفرینی کیطرف طبیعت خاص طور سے مائل تھی۔ غالب کے بڑے مداح تھے اور جدت کے عاشق تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شعر کہتا ہون اُسے اپنا کر لیتا ہون۔ اس زمین مین بھی اچھے اچھے شعر کہے تھے۔ دو تین شعر یاد رہ گئے :۔

کیون حسن بے ادب ہے یون عشق سے چمن مین
منقار بلبلون کی غنچون کے ہے دہن مین
اشکون نے عطر کھینچا گلہائے داغ دل کا
تسخیر شمس شبنم کرتی ہے اس چمن مین
ناز و نیاز دیکھین بلبل کے اور گل کے
ہم بھی چلین چمن مین تم بھی چلو چمن مین

سید غضنفر علی خانصاحب حکیم منشی اسیر کے بڑے صاحبزادے لکھنو کے گرانمایہ شاعرون مین تصور کئے جاتے تھے۔ عربی و فارسی کی استعداد کمال تک پہونچی ہوئی تھی اور علم عروض کے زبردست ماہر تھے۔ مضمون آفرینی اور جدت پسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنے نامور باپ اسیر مرحوم کی مشکل پسندی کے رنگ کو بھی دو آتشہ کر دیا تھا۔ غزل مین بھرتی کا ایک شعر پڑھنا اُنکے لئے کسر شان تھا۔ اپنے نزدیک وہ ہر ایک شعر مین کوئی نہ کوئی جدت اور اُستادی کا پہلو رکھتے تھے اب یہ کہ اس کوشش مین کامیابی کہانتک ہوتی تھی اسکا انصاف قدردانون پر تھا۔ عموماً اُنکے اشعار سادگی کے جوہر سے معرا ہوتے تھے اور اکثر مغلق ہوتے تھے لیکن اُنکا کلام دیکھکر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک اُستاد جید کا کلام ہے جو شعر صاف نکل جاتا تھا وہ قیامت کرتا تھا۔ مشاعرون کیلئے پردہ غزل بہت کم کہتے تھے کیونکہ شاعری کا منصب مقدمہ بازی نے چھین لیا تھا لیکن اس مشاعرہ کے لئے اُنھون نے بھی غزل کہی تھی اور خوب کہی تھی۔ چند اشعار جو اسوقت یاد ہین ہدیۂ ناظرین ہین :۔

پھر عنبر عنبر ہی ہے گو ہے اُس انجمن مین
بیگانگی سبزہ جاتی نہین چمن مین

چھڑکا نمک اُسی جاموسے سفید نے بھی
زخم غم جوانی جس جس جگہ تھے تن مین

تنہا گئے لحد کو کب صاحبان دولت
دزد کفن کی نیت پیٹی رہی کفن مین

فصل بہار کتنی باتین کرین گی تم سے
ہے یاد کی گرہ وہ غنچہ ہے جو چمن مین

بلبل نے سر جو کھلا گل نے دکھائین آنکھین
کس سرکشی پہ سبزہ دب کر رہا چمن مین

نالون سے بلبلون کے گل تنگ آکے بولے
یا یہ رہین چمن مین یا ہم رہین چمن مین

نواب یوسف حسین خانصاحب یوسف شرفا لکھنؤ مین سے تھے اور قدیم تہذیب کے جو جوہر اور اوصاف ہونا چاہئین وہ انمین سب موجود تھے۔ انکی زیارت کرنے سے روح کو بالیدگی حاصل ہوتی تھی۔ شاعری مین منشی امیر کے شاگرد تھے اور اپنے استاد کو ہمیشہ محبت سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ لیکن انکی شاعری کے رنگ اور امیر کے رنگ سخن مین اندھیرے اجالے کا فرق نظر آتا تھا۔ زبان آب کوثر مین دھوئی ہوئی۔ بندشین نورانی اور پاکیزہ۔ شعر کیا ہوتا تھا گویا نور کا دریا بہتا نظر آتا تھا۔ پڑھنے کا یہ عالم تھا کہ جس مضمون کا شعر پڑھتے تھے اسکی تصویر محض آواز کے اتار چڑھاو اور آنکھ کی گردش سے کھینچ دیتے تھے۔ معمولی سا شعر بھی انکی زبان سے بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میرے خیال مین انکی زبان خاص لکھنؤ کی ٹکسالی زبان تھی اور شاعری کے رنگ مین ڈوبی ہوئی تھی۔ فصاحت انکے لئے پیدا ہوئی تھی اور وہ فصاحت کیلئے۔ ع

اللہ رے صفائے بیان حدیث دوست
دم بند ہے فصاحت اہل حجاز کا

انھون نے جو غزل مشاعرہ کے لئے فرمائی تھی اُس کا رنگ تمام غزلون سے جداگانہ تھا اور خاص اُنکے مذاق سخن کا نشان دیتی تھی۔ چند اشعار لکھتا ہون۔

بوتل کے کاگ اُڑا کر نکلی ہے مے چمن مین
ٹوپی اُچھل رہی ہے مستون کی انجمن مین

ساغر بھرے دھرے ہین ساقی کی انجمن مین
لہرا رہا ہے کوثر فردوس کے چمن مین

صیاد کا ہے دھڑکا پھولون کی انجمن مین
ہاتھون اُچھل رہا ہے بلبل کا دل چمن مین

کس نے کہا کہ بیٹھو پھولون کی انجمن مین
حسرت بھری نگاہین نرگس کی ہین چمن مین

پتون سے نخل گلشن دستک جو دے رہے ہین
چوری گیا ہے شاید بلبل کا دل چمن مین

وہ کونسا حسین ہے تم پر نہین جو مرتا
بھرتا ہے حسن یوسف پانی چہ ذقن مین

مرنے کے بعد ایسے کچھ ہم ہوئے تبرک
بوسیدگی نے چوما ہر استخوان کفن مین

ہر رنگ کے گلون نے ڈالا جو عکس یوسف
طاؤس بنگئی ہے باد صبا چمن مین

مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ جب یوسف حسین خانصاحب نے یہ شعر پڑھا کہ ع مرنے کے بعد ایسے الخ تو حکیم صاحب نے بہت تعریف کی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ شعر خاص انکے رنگ کا تھا مگر باوجود اسکے حضرت یوسف کی زبان کی جلا اسمین بھی موجود ہے۔

پنڈت بشن نراین صاحب در کی ابتدائی شاعری کا یہ زمانہ تھا انکا بھی ایک شعر یاد رہ گیا۔ ع

گُل کے جو کان اُڑائے بک بک کے بلبلوں نے
بولی کلی چٹک کر کیا شور ہے چمن میں

ایک پُرانے وضع کے بزرگ موجود تھے اور غالباً منشی امیر مرحوم کے شاگرد تھے انھوں نے ایک رنگ قدیم کا شعر کہا تھا۔

دریائے خون عاشق لہریں جو لے رہا ہے
بیتاب مچھلیاں ہیں بازوے تیغ زن میں

مگر جو شعر حاصل مشاعرہ ثابت ہوا اور جسکی دھوم دوسرے روز تمام شہر میں ہو گئی وہ شعر حضرت بدر کا تھا۔ حضرت بدر کا نام مجھے اسوقت یاد نہیں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جناب حکیم کے شاگرد تھے اور لکھنؤ کے پُرانے نوابزادوں میں تھے اور دولت کثیر رکھتے تھے۔ شعر بھی تفنن طبع کی طور پر کہہ لیا کرتے تھے۔ اس مشاعرہ میں اُنھوں نے یہ شعر پڑھکر قیامت کر دی۔

دامن کو چاک کر کے رسوا ہوئی ہے کیا کیا
تھی عصمت زلیخا یوسف کے پیرہن میں

اس شعر کے علاوہ تمام غزل پھیکی ہے۔ اور اس شعر کا مضمون بھی آتش کے ایک شعر سے لڑتا نظر آتا ہے۔

نہ پھاڑ نا تھا زلیخا کو دامن یوسف
یہ اسکا پردۂ عصمت در پردہ ہونا تھا

لیکن حق یہ ہے کہ بدر کا شعر صفائی بندش کے لحاظ سے آتش کے شعر پر فوقیت رکھتا ہے اور یہی اسکے مقبول ہونیکا باعث ہوا۔

نواب بادیعلی خان یکتا ایک آزاد منش بزرگ ہیں۔ غزل کم کہتے ہیں لیکن تخمیس کے بادشاہ ہیں۔ اور اس رنگ میں اسکا جواب لکھنؤ میں نہیں ہے۔ غالباً اسیوجہ سے تخلص یکتا رکھاہے۔ اس مشاعرہ میں آتش کی غزل پر انھوں نے مصرع لگائے تھے۔ جو کچھ یاد ہے لکھتا ہوں

"تو من شدی" کا غُل ہے ہر سو ہر ایک بن میں
"من تو شدم" رچا ہے فرہاد کوہکن میں
یہ اتفاق باہم کسترہ ہے مرد و زن میں
شیریں زبان ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں
لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں

سامان ظاہری ہے یہ اختلاط دُنیا
کس پھیر میں پڑا ہے چھوڑ ارتباط دُنیا
جب ایک دن فنا ہے پھر کیا بساط دنیا
دو روز ہے یہ لطف عیش و نشاط دُنیا
بوے شب عروسی مہمان ہے پیرہن میں

مشاعرہ کے بعد حضرت یکتا ایک روز ملے اور حضرت بدر کے شعر پر جو مصرع لگائے تھے وہ سنائے۔ وہ بھی لکھتا ہوں

عاشق ہوئی ہے کیا کیا شیدا ہوئی ہے کیا کیا
بیدل ہوئی ہے کیا کیا جو یا ہوئی ہے کیا کیا
در پردہ یہ قیامت برپا ہوئی ہے کیا کیا
دامن کو چاک کر کے رسوا ہوئی ہے کیا کیا
تھی عصمت زلیخا یوسف کے پیرہن میں

علاوہ ان حضرات کے جنکے اشعار میں نے لکھے ہیں اور بہت سے شعرا جمع تھے اور غزلیں بھی پڑھیں تھیں مگر مجھے اسیقدر اشعار یاد رہ گئے۔ ابتک میرے نگاہوں کے سامنے اس مشاعرہ کی تصویر ہے کم سے کم ڈیڑھ سو حضرات نے غزلیں پڑھی تھیں جسمیں اساتذہ بھی تھے شاعر بھی تھے خوشگو بھی تھے اور محض تخلص کے گنہگار بھی تھے۔ اور سامعین کی تعداد دو سو تین سو سے کم نہ تھی۔ جب اچھا شعر پڑھا جاتا تھا تو قدر دانوں کی تعریف اور واہ واکے نعروں سے یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ چھت

اُڑجائیگی - ایک طرف مظہر مرحوم کے چٹکلے روتے کو ہنساتے تھے دوسری جانب جناب حکیم مرحوم کی مولویانہ اور ادب آمیز ظرافت اپنے رنگ مین مزہ دیجاتی تھی - نواب یوسف حسین خان کی نورانی صورت سے تمام محفل نورانی ہو رہی تھی - ہادیعلی خانصاحب یکتا کا انداز تعریف قیامت تک نہ بھولیگا - افسوس ہے تو یہ ہے کہ اب یہ رنگ دیکھنا نہ نصیب ہوگا - پانچ چھہ سال کا عرصہ ہوا جناب حکیم نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - حضرت مظہر کے مرنے سے بزمِ احباب سونی ہوگئی - نواب سیّد صاحب مشاق بھی اس مشاعرہ مین موجود تھے مگر غزل طرح پر نہین پڑھی تھی - موت نے جوان ہی کے عالم مین انکا بھی خاتمہ کردیا - ایک نواب یوسف حسین خان باقی رہے تھے افسوس ہے کہ پارسال طاعون کی ہوا سے وہ چراغ بھی گُل ہوگیا - جناب جلال کا زخم ابھی تازہ ہے - ؎

اُٹھ گئی ہین سامنے سے کیسی کیسی صورتین
روئیے کس کس کو اور کس کس کا ماتم کیجیے

اب مشاعرے ہون تو کیونکر ہون - خیر خدا عزیز و محشر کو سلامت رکھے کہ انھون نے مشاعرون سے علمی مذاق کا سلسلہ قائم کیا ہے ورنہ زمانۂ حال کے نوجوانون کی طبیعتین تمام سنجیدہ مشاغل سے پھری ہوئی ہین اسی مین شعر و سخن کے مذاق کا خون بھی شامل ہے - رسّا کھینچنا - ہاکی یعنی ولایتی گُلّی ڈنڈا کھیلنا ٹینس کے دام مین اسیر رہنا اب تہذیب شباب کی معراج خیال کیا جاتا ہے - لیکن عقیدتمند دل مشاعرہ کے بدلے مشاعرہ کی یاد ہی سے طبیعت کو تازہ کر لیتے ہین ورنہ یہ چمن اب کہان - ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

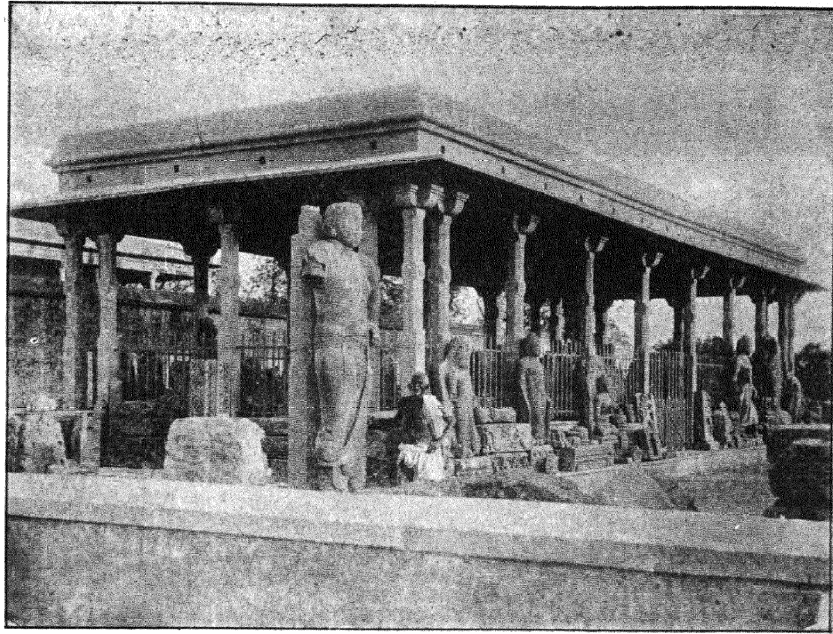
برج نرائن چکبست



رسوم دہلی - مولوی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کی اس جدید تصنیف مین مسلمانانِ دہلی کے قدیم رسوم کا نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے - انہین سے بعض رسمین ہندو مسلمانون مین مشترک ہین جنکی نسبت مولویصاحب فرماتے ہین "مثلاً رسم تیجا ہندوؤن مین - فاتحہ سوم یا پھول مسلمانون مین - اگرچہ پھول کا لفظ یہان بھی مشترک ہے - کیونکہ ہندوؤن مین پھول مردے کی جلی ہوئی ہڈیون کو کہتے ہین جو تیسرے روز مرگھٹ سے چُنکر گنگا جی مین لیجانے کیواسطے جمع کرتے ہین عام مسلمانون نے اسی رعایت کی غرض سے اُس روز مردے کی قبر پر ارگجا اور پھولون کی چادر کا بھیجنا ایک لازمی امر سمجھکر فاتحہ سوم کا نام پھول رکھ لیا ...." اسیطرح تمام رسوم کی شرح کیفیت نہایت دلاویز پیرائے مین لکھی گئی ہے - ہندو مسلمانون کی مشترکہ رسوم اُنکے قدیم اتحاد کی نہایت صاف شہادت دیتے ہین جو افسوس ہے کہ اب خواب و خیال ہوتا جاتا ہے - اور غالباً اسی نظر سے مولانا موصوف نے اُنھین ایک کتاب مین قلمبند کردیا ہے کہ آیندہ نسلین حیرت کے ساتھ پڑھین اور تاریخی دلچسپی حاصل کرین - فاتح و مفتوح قوم کے اتحاد کا سب سے بڑا راز اُنکی مشترکہ معاشرت ہے جسکے بغیر یگانگت کی تکمیل نہین ہوسکتی - مخزن پریس دہلی یا مصنّف موصوف سے بقیمت ۱۲/ دستیاب ہوسکتی ہے -

---

نوٹ - چونکہ تمام اشعار محض حافظہ کی مدد سے لکھے گئے ہین اسلئے اگر کسی مصرع یا شعر مین تغیر و تبدل ہوگیا ہو تو اہل تنقید معاف فرمائین -
چکبست



عجائب خانہ سارناتھ متصل بنارس

انڈین پریس الٰہ آباد

فنِّ کتاب نویسی

برٹن کہتا ہے اگر سینیکیس کا یہ سخت ریمارک تسلیم کرلیا جائے کہ "مردونکے مضامین کا سرقہ انکے کفن گھسوٹ لینے سے زیادہ مذموم فعل ہے" تو بہت سے مصنّفین کا کیا حال ہوگا؟

مجھے کتابون کی افراط پر اکثر تعجب ہوا کرتا تھا اور مین دل مین کہا کرتا تھا کہ وہ اشخاص جنکو خدائے تعالیٰ نے کتاب لکھنے کیلئے پیدا نہین کیا تھا کسطرح مجلّد اور ضخیم کتابون کے مصنّف بنجاتے ہین؟ مگر جسقدر آدمی سفر زندگی طے کرتا جاتا ہے اُسیقدر تعجب خیز اشیا کا وجود اُسکی نظرون مین کم ہوتا جاتا ہے اور اُسے رفتہ رفتہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نہایت تعجب خیز امر کی بہت سیدھی سادی وجہ ہوا کرتی ہے - مجھے اس بڑے شہر مین (لندن) جبکہ مین ادھر اُدھر سیر کرتا ہوا پھر رہا تھا ایسا ہی اتفاق ہوا؛ مین غلطی سے ایک مقام پر جا پہونچا جہان فنِّ کتاب نویسی کے کچھ راز مجھ پر منکشف ہوگئے اور فوراً میری حیرت کا خاتمہ ہوگیا۔

مین ایکدن موسم گرما مین برٹش میوزیم (British Museum) کے بڑے کمرون مین اُس خاموشی کے ساتھ جس سے ایک شخص گرمی کے دن مین ایک میوزیم کے گرد ادھر اُدھر پھر سکتا ہے ٹہل رہا تھا - بعض اوقات اُن معدنیات کو جو شیشے کی الماریون کے اندر بند تھین جھک کر دیکھنے لگتا تھا، بعض اوقات قدیم مصری خط جو ممی پر کندہ تھا پڑھنے لگتا تھا، اور بعض اوقات تقریباً اسی کامیابی کے ساتھ فرضی نتیجہ خیز تصاویر کو جو بلند چھتون پر منقش تھین سمجھنے کی کوشش کرنے لگتا تھا - جبکہ اس بے پروائی کے ساتھ ادھر اُدھر تاک رہا تھا میری توجہ ایک دُور کے دروازے کیطرف منعطف ہوگئی جو کمرون کی قطار کے اُس سرے پر واقع تھا - یہ دروازہ بند تھا لیکن کبھی کبھی کھلتا تھا اور کوئی نہ کوئی اجنبی مگر دلچسپ شخص، عموماً سیاہ لباس مین ملبوس، کمرون مین ہوتا ہوا، بغیر اردگرد کی چیزون پر نظر ڈالے ہوئے، آہستگی کے ساتھ داخل ہوجاتا تھا - اس کیفیت مین کچھ راز سربستہ کی شان پائی جاتی تھی جسنے میری دُوربین نظر کو اپنی طرف کھینچ لیا - چنانچہ مین نے دل مین ٹھان لیا کہ مین ضرور اس آبنائے مین داخل ہوکر اُن نامعلوم ممالک کا جو اُسطرف واقع ہین پتہ لگاؤنگا

دروازہ ہاتھ لگاتے ہی اُس آسانی کے ساتھ کُھل گیا جس آسانی سے مسحور (طلسمی) قلعون کے دروازے باہمت اور بہادر شہزادون کے لئے افسانون مین کُھل جایا کرتے ہین - مین نے اپنے آپ کو ایک وسیع کمرے مین پایا جسکے چارون طرف پُرانی کتابون کی الماریان رکھی ہوئی تھین - الماریون کے اوپر اور چھت کی کارنس کے نیچے قدیم مصنّفون کی بہت سی سیاہ رنگ کی تصویرین سجی ہوئی تھین - بیچ مین لمبی لمبی میزین پڑی ہوئی تھین اور لکھنے پڑھنے کے لئے علیحدہ میزین بچھی ہوئی تھین جنکے چارون طرف کتب بین اشخاص جنکے چہرے کثرت مطالعہ سے زرد پڑگئے تھے بیٹھے ہوئے تھے اور گرد سے اٹی ہوئی کتابون کو غور سے جُھک جُھک کر دیکھتے جاتے تھے اور خاک آلودہ قلمی کتابون کو تلاش کر رہے تھے اور اُنکے مضامین سے بیشمار نوٹ لے رہے تھے - اس پُراسرار کمرے مین چارون طرف خاموشی ہی خاموشی

چھائی ہوئی تھی بجز اسکے کہ کاغذ کے تختون پر قلمون کی تیز رفتاری کی آواز سنائی دیتی تھی یا کبھی کبھی ان بزرگون مین سے کسی کی گہری سانس سے جب وہ اپنی نشست کو کسی پُرانی کتاب کے اوراق گردانی کے لئے بدلتے تھے آواز پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسی گہری سانس علمی تحقیقات کے وقت بلاشبہ خلوے معدہ کیوجہ سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

کبھی کبھی ان بزرگون مین سے ایک بزرگ کاغذ کے پرزے پر کچھ لکھ دیتا تھا اور گھنٹی بجاتا تھا۔ جسکی آواز پر ایک چپراسی حاضر ہوتا تھا اور کاغذ کو نہایت خاموشی کے ساتھ اُٹھا کر آہستگی سے غائب ہو جاتا تھا اور فوراً ضخیم جلدون سے لدا ہوا واپس آتا تھا بنیر دیگر صاحبان بھی بیحواس ہو کر اسطرح گرتے تھے جسطرح دو تین روز کا فاقہ کش کھانے پر گرتا ہے مجھے اپنے اس خیال مین ذرا بھی شک نہین تھا کہ مین ساحرون کے مجمع مین آپھنسا ہون جو محض علوم کی تحصیل مین مشغول ہین۔ اس نظّارے نے مجھے الف لیلہ کے اُس پُرانے قصّے کو یاد دلادیا جسمین ایک حکیم پہاڑ کے بیچ مین اپنے طلسمی کتب خانے مین رہا کرتا تھا اور جسکا دروازہ سال مین صرف ایک مرتبہ کھُلتا تھا' وہان دو جنون کے ذریعہ سے ہر قسم کے مخفی علوم کی کتابین منگاتا تھا اور جب سال کے آخر مین ایکبرتبہ دروازہ کھُلتا تھا تو وہ پوشیدہ علوم مین اسقدر ماہر ہو کر نکلتا تھا کہ انسان اُسکے اسرار سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ اور اُسکے حکم سے تمام مخلوقات مین سے ایک شے بھی سرتابی نہین کر سکتی تھی۔

چونکہ اب میری حیرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مین نے اُن ملازمون مین سے ایک کے کان مین کچھ کہا اور اُس سے دریافت کیا کہ اس موجودہ نظّارے کی حقیقت کیا ہے۔ اُسکے چند الفاظ سے مجھپر تمام واقعہ کا انکشاف ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ پُراسرار اشخاص جنکو مین غلطی سے ساحر سمجھا مشہور مصنفین مین سے ہین اور کتابین تیار کرنے کے کام مین مشغول ہین اور مین دراصل بڑے برٹش کتب خانے کے پڑھنے کے کمرے مین بیٹھا ہوا ہون۔ جہان بے انتہا کتابین ہر زمانے اور ہر زبان کی موجود ہین جنمین سے اکثر کا تو کوئی نام بھی نہین جانتا اور اکثر شاذ و نادر پڑھی جاتی ہین۔ قدیم علم ادب کے علٰحدہ اور پوشیدہ سرچشمون مین سے یہ بھی ایک بھی ایک منبع ہے جہان موجودہ مصنف جاتے ہین اور اُنمین سے قدیم زبان کے ڈول کھینچتے ہین یا بالفاظِ دیگر ٹھیٹھ انگریزی (جو مخلوط نہین ہے) حاصل کرتے ہین اور اپنے خیالات کے کم آب نالون کو اُنسے اسقدر لبریز کرتے ہین کہ وہ کنارون سے بھی اُبل پڑتے ہین۔

چونکہ اب مجھپر رازِ سربستہ کا انکشاف ہو گیا تھا اسلئے مین ایک کونے مین جا بیٹھا اور کتابین تصنیف کرنیکی کارروائی کو غور سے دیکھنے لگا۔ میری نظر ایک لاغر اور زردی مائل شخص پر جا پڑی جو سوا ے نہایت کِرم خوردہ اور موٹے حرفونکی کتابون کے اور کسی کتاب کی تلاش ہی نہین کرتا تھا۔ وہ بظاہر کسی نہایت عالمانہ کتاب کی تیاری مین مصروف معلوم ہوتا تھا جسکو ہر شخص جو اس بات کی خواہش رکھتا ہو کہ دوسرے لوگ اُسے قابل سمجھین ضرور خریدیگا اور جو اُسکے کتب خانے کی الماری کے ایک کتابون سے بھرے ہوئے خانے مین رکھی رہیگی یا اُسکی میز پر کھلی رہیگی لیکن کبھی پڑھی نہین جائیگی۔ مین نے دیکھا کہ وہ کبھی کبھی ایک بسکٹ اپنی جیب مین سے نکال لیتا تھا اور اُسکو کھانے لگتا تھا۔ معلوم نہین کہ یہ اُسکا دوپہر کا کھانا تھا یا وہ اس طریق سے جوع البقر کی تکلیف کو کم کرنیکی کوشش کر رہا تھا جو خشک کتابون

کے دیکھنے سے پیدا ہو گئی تھی - مین اس امر کی تحقیق اپنے سے زیادہ متجسس طالبعلمون کے لئے چھوڑتا ہون -

اُن لوگون مین ایک چست و چالاک اور کوتہ قامت آدمی بھی نظر پڑا جو بھڑکیلے کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھا اور جسکے چہرے سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ گپ شپ اور ادھر اُدھر کی باتین کرنیکا زیادہ شوقین ہے - اُسمین تمام باتین ایک ایسے مصنف کی پائی جاتی تھین جو کتب فروشون کی فرمایش پر کتابین لکھا کرتے ہین اور اپنی جگر کاوی کو اونے پونے فروخت کر دیا کرتے ہین - اُسکو غور سے دیکھنے کے بعد مین نے یہ راے قائم کی کہ وہ محنت سے کام کرتا ہے اور مختلف کتابین لکھ چکا ہے جو تجارت کے اصول کے لحاظ سے تیار کی گئی تھین اور ہاتھون ہاتھ فروخت ہو گئی تھین - چنانچہ میری دلی تمنا تھی کہ مین اس بات کا پتہ لگاؤن کہ یہ شخص کسطرح کتابین تصنیف کرتا ہے - وہ دوسرون کی نسبت زیادہ کام کرنے والا معلوم ہوتا تھا اور اُسمین اورون سے زیادہ چستی پائی جاتی تھی - مختلف کتابون کو پڑھتا تھا - قلمی کتابون کے اوراق اُلٹتا پلٹتا تھا - ایک لقمہ اس کتاب سے، دوسرا لقمہ دوسری کتاب سے لیتا تھا - سطر بہ سطر، ضرب المثل بہ ضرب المثل، تھوڑا یہاں سے تھوڑا وہان سے نقل کرتا جاتا تھا - اُسکی کتاب کے مضامین اسقدر مختلف تھے جتنے میکبتھ[لہ] (Macbeth) مین اُن جادوگرنیون کی دیگ مین مختلف جانورون کے اجزاے بدنی تھے - کسی کا انگوٹھا، کسی کی اُنگلی، مینڈک کے پیر کی اُنگلی، ایک کیڑے کا ڈنک، جسمین اپنی گپ شپ بھی ملی ہوئی تھی جیسے لنگور کے خون سے وہ تمام مرکب غذا ذائقہ دار بنائی جاتی تھی -

بہرحال مین نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ اس سرقہ کی عادت سے جو مصنفون مین پائی جاتی ہے بارآور نتائج مرتب ہوتے ہون، ممکن ہے اس طریقے کو قادر مطلق نے کتابون کے ناگزیر تنزل کے باوجود ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک علم و حکمت کے بیجون کو قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیا ہو - ہم دیکھتے ہین کہ قدرت نے عقلمندی کے ساتھ گو کسیقدر بے پروائی سے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بیجون کے پہونچنے کا انتظام بعض پرندون کی شکم پروری کے ذریعے سے کیا ہے - کیونکہ وہ جانور یا پرند جو درحقیقت مضغہ گوشت سے کچھ زیادہ نہین ہین اور بظاہر باغون یا غلہ کے کھیتون کے ناجائز لٹیرے معلوم ہوتے ہین دراصل فطرت کے حمال ہین تاکہ اُسکی رحمتون کو پھیلائین اور اُنکو دیرپا بنائین - اسیطرح متقدمین کے نازک خیالات اور اُنکی خوبیان پرانے مصنف اپنی تصنیفات کے بازون مین لے اُڑتے ہین اور وقت کے نہایت دُور خطے مین اُنکو گرادیتے ہین تاکہ وہ بڑھین اور پھولین اور بارآور ہون - اُنکی بہت سی کتابین آواگون کے پھیر مین آجاتی ہین اور نئی شکل اختیار کر لیتی ہین - جو پہلے ایک مستند تاریخ تھی وہ ایک فسانے کی شکل مین ظاہر ہوتی ہے - ایک پرانا قصہ حال کے ناٹک کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک خشک اور متین فلسفہ کا رسالہ عمدہ اور دلچسپ مضامین

لہ شکسپیر انگلستان کا مشہور ڈراما نویس گذرا ہے جسنے میکبتھ لکھا ہے - اس ڈراما کا نام اُسکے ہیرو کے نام پر ہے - میکبتھ اسکاٹلینڈ کا ایک امیر تھا جسکو کاہنون نے یا پریون نے خبر دی تھی کہ وہ اسکاٹلینڈ کا بادشاہ ہوگا - اُسکی بیوی اُسے ترغیب دیتی تھی کہ وہ اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کو قتل کر دے اور خود تخت پر بیٹھ جاے - وہ پہلے ہچکچاتا تھا لیکن آخرکار اُسنے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور خود تخت نشین ہو گیا - بادشاہ ہونیکے بعد وہ جادوگرنیون کے پاس گیا ہے اور وہان اُسنے جاکر دیکھا ہے کہ وہ تین جادوگرنیان کچھ پڑھتی جاتی ہین اور ایک کڑھائی مین یا دیگ مین کُتے کی زبان - لومڑی کی دُم اور اور مختلف جانورون کے اجزاے بدنی اُسمین پھینکتی جاتی ہین - یہان واشنگٹن ارونگ کی مراد صرف مضامین سے ہے - مترجم -

کے سلسلے کا ذخیرہ بنجاتا ہے۔ امریکہ کے جنگلون کے صنائی کیقوت بھی اسی بات کا ثبوت ملاہے کہ جب شاندار صنوبر کے درختون کا جنگل خاکستر کردیا جاتا ہے تو اُنکی جگہہ بہت سے چھوٹے چھوٹے شاہ بلوط کے درخت پیدا ہوجاتے ہین اور ہم نے کبھی نہین دیکھا کہ ایک درخت کی بُریدہ شاخ جو زمین پر پڑی ہوئی ہے مٹی مین ملکر مٹی ہوگئی ہے بلکہ اُس سے بے انتہا سانپ کی چھتریان پیدا ہوجاتی ہین۔

پس ہمکو متقدمین کے زوال اور اُنکی بکقلم فراموشی پر افسوس نہین کرنا چاہئے وہ اُس زبردست قانونِ قدرت کی متابعت کرتے ہین جو صاف الفاظ مین یہ ہے کہ تمام مادّہ کی دُنیاوی شکلین ایک زمانۂ خاص تک قائم رہینگی لیکن وہ اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ اُنکے عناصر کبھی فنا نہونگے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل حیوانی ہو یا نباتی گزرتی جاتی ہے مگر یہ مضبوط اصول آیندہ نسلون کو پہونچتا رہتا ہے کہ اُنکی نسلین پھلین اور پھولینگی۔ پس اسیطرح مصنّف کے بعد مصنّف پیدا ہوتا رہیگا اور جب اُسپر بڑھاپا آجائے گا اور بہت سی اولاد پیدا کر چکے گا تو وہ قبر مین جاکر اپنے بزرگون کے ساتھ سو رہیگا یعنی اُن مصنّفون کے ساتھ جو اُس سے پیشتر گزر چکے ہین۔ اور جنکے خیالات کا سرقہ اُسنے کیا تھا۔

جبکہ میرا دماغ ان پریشان خیالات سے چکرا رہا تھا مین نے اپنے سر کو پُرانی کتابون سے کمر لگاکر آرام پہونچایا۔ مین نہین کہسکتا کہ ان کتابون کے خواب آور اثر کیوجہ سے یا کمرے کی خاموشی کیوجہ سے یا اُس تکان سے جو بہت پھرنیکی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔ یا اُس خراب عادت کے سبب سے یعنی بالالحاظ موقع و وقت سونیکی عادت کے باعث جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے میری آنکھ جھپک گئی۔ تاہم قوتِ متخیلہ برابر کام کرتی رہی اور بالکل وہی منظر پھر دماغ کی آنکھون کے سامنے آموجود ہوا۔ البتہ کہین کہین تھوڑی سی تبدیلی واقع ہوگئی۔ مین نے خواب مین دیکھا کہ وہ بڑا کمرہ قدیم مصنّفون کی تصویرون سے ویسا ہی آراستہ تھا لیکن تعداد مین کچھ زیادتی ہوگئی تھی۔ لمبی میزون کا نشان تک نہین تھا اور عقلمند ساحرون کے بجائے مجھے ذلیل اشخاص پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے دکھائی دئے۔ جیسے گُدڑی مین اُترے ہوئے کپڑون کے دُکاندار کے پاس پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے لوگون کی صورت مین خریدار نظر آیا کرتے ہین۔ جس کتاب کو وہ ہاتھہ مین لیتے تھے مجھے معلوم ہوتا تھا (جیسا کہ اکثر خواب مین ناممکن باتین بھی عمل مین آجاتی ہین) کہ وہ کتاب غیرملکی یا قدیم فیشن کے لباس مین بدلتی جاتی ہے اور اُس سے وہ اپنے آپ کو ملبوس کرتے جاتے ہین۔ مین نے یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص ایک خاص جوڑے کو نہین پہنتا تھا بلکہ ایک کی آستین دوسرے کی ٹوپی تیسرے کے دامن۔ الغرض اسیطرح اپنے آپ کو مختلف کپڑون سے مزین کر رہے تھے اور اُنکے پھٹے پُرانے چیتھڑے بھی اس عمدہ اور مستعار لباس مین سے دکھائی دیتے تھے۔

ان اشخاص مین ایک شاندار، سُرخ سپید، اور موٹا تازہ پادری بھی تھا جسکو مین نے دیکھا کہ وہ ترچھی نظر سے بعض گردآلود مناظرہ کرنے والون کی تصویرین عینک سے دیکھ رہا تھا اُسنے جلد پُرانے مقدّس پادریون مین سے ایک کی بہت سی پوشاک کو قبضہ مین کر لینے کی ترکیب کی اور دوسرے پادری کی بھوری داڑھی چُراکر اپنے آپ کو نہایت عقلمند معلوم کرانیکی کوشش کی مگر اُسکے چہرے پر جو معمولی بناوٹ کی مُسکراہٹ نمایان تھی اُسنے تمام اُسکی عقلمندی کے فریب کو ظاہر کردیا۔ ایک پژمردہ شکل کا آدمی

کلابتون سے جو ملکۂ ایلزبیتھ کے زمانے کے خلعتون سے نکال کر جمع کیا تھا ایک بہت پھٹے پرانے کپڑے پر کارچوبی کام نمایان تھا۔ دوسرے صاحب نے اپنے آپ کو ایک مطلا قلمی کتاب سے تزک و احتشام کے ساتھ آراستہ کیا تھا اور اپنے سینے پر ایک پھول لگایا تھا جسکو اُنھون نے ڈینٹی ڈیوس (Daintie Devices) کی بہشت سے اُڑالیا تھا اور بانکپن کے ساتھ سر فلپ[۵۱] سڈنی (Sir Philip Sidney) کی ٹوپی کو سر پر ایک طرف رکھے ہوئے اور ایک شاندار صورت بنائے ہوئے جسپر کچھ شرافت اور کچھ گنوار پن برستا تھا اکڑتے ہوئے پھر رہے تھے۔ تیسرے صاحب جو کوتہ قامت تھے فلسفہ کی پھٹی پرانی کتابون سے جو دقائق اور غوامض سے پُر تھین بڑی جراَت کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ جس سے اُسکی روکار شاندار رنگتی تھی لیکن عقب پر نہایت بوسیدہ لباس تھا۔ مین نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُسنے اپنے چھوٹے سے کپڑون مین کسی لاطینی مصنف کے پیوند لگا رکھے تھے۔

یہ سچ ہے کہ اُنمین بعض شرفا۔ اچھا لباس بھی پہنے ہوئے تھے جنھون نے صرف جواہرات مستعار لے رکھے تھے اور اگرچہ یہ اُنکے زیورات مین خوب چمکتے دمکتے تھے۔ لیکن اُنکے زیور کی اصلی چمک کو ماند نہین کرتے تھے۔ بعض صرف پرانے مصنفین کے لباس کو اس خیال سے پیش نظر رکھے ہوئے تھے کہ اُنکے مذاق کے اصول کی نقل اُڑائین اور اُنکی وضع کی روح اُنمین آجائے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کثرت سے وہ لوگ تھے جو از سرتاپا دوسرون کے لباس کو اُس طریقہ سے پہنے ہوئے تھے جسکو مین بیان کر چکا ہون۔ تاہم مین ایک طباع شخص کے حالات بیان کرنے مین تامل نکرونگا جو خاکستری جرب اور گیٹس مین تھا اور محراب دار ٹوپی لگائے ہوئے تھا جسکی طبیعت کا میلان گاؤن کے قدرتی سین کیطرف معلوم ہوتا تھا مگر جسکی سیر و تفریح پرم روز ہل[۵۲] (Primrose Hill) تک محدود تھی اور ریجینٹس[۵۳] پارک (Regent's Park) کی تنہائی اور خاموشی تک اُسکی رسائی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اُن ہارون اور رنگین فیتون سے (جنکو اُسنے اُن تمام پرانے شاعرون سے جنھون نے گاؤن کی سینری لکھی ہے حاصل کیا تھا) آراستہ کئے ہوئے تھا اور اپنے سر کو ایک طرف جھکائے ہوئے، اپنے خیال مین محو، شاید کچھ سرگشتہ زارون کا خیال کر رہا تھا۔ مگر وہ بڑا شخص جسنے میری توجہ کو سب سے زیادہ اپنی طرف مبذول کیا ایک بڈھا، کاروباری اور دنیادار آدمی تھا جو پادریون کی پوشاک پہنے ہوئے تھا اور جسکا سر بہت بڑا اور گول تھا لیکن بال ندارد تھے۔ وہ کمرے مین زور زور سے سانس لیتا ہوا اور سگرٹ کا دھوان اُڑاتا ہوا مجمع کو چیرتا پھاڑتا، اپنی مدد آپ کرنیوالی نظر کے ساتھ ایک موٹی پرانی کتاب کو ہاتھ مین لیکر سر کے ایک طرف جسپر ایک خوفناک مصنوعی بالون کی پیچدار ٹوپی رکھی ہوئی تھی بجاتا ہوا شان کے ساتھ نکل گیا۔

اس ادبی کمرے مین چور، چور کی آواز ہر طرف سے کانون مین آنے لگی۔ مین نے دیکھا کہ وہ تصاویر جو چارون طرف دیوارون پر

۵۱۔ سر فلپ سڈنی ملکۂ ایلزبیتھ کے درباریون مین سے تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور باذاق تھا۔ شاعری سے اُسکو خاص دلچسپی تھی چنانچہ اُسکی نظمون سے اُسکا کمال ٹپکا پڑتا ہے۔

۵۲۔ پرم روز ہل کے معنی بسنتی گلاب کی پہاڑی کے ہین لیکن یہ پہاڑی لندن کے شمال و مغرب مین واقع ہے اور سیر و تفریح کے لئے نہایت عمدہ مقام ہے۔

۵۳۔ یہ بھی لندن کے شمال و مغرب گوشہ مین واقع ہے۔ اسمین باغ حیوانات بھی ہے۔

لٹک رہی تھین زندہ ہوگیئن - قدیم مصنفون نے تصویر کے کپڑے سے پہلے سر نکالا اور پھر بازو اور کچھ دیر تک تعجب کی نظرون سے اپنے نیچے کے مختلف رنگون کے کپڑے پہنے ہوئے آدمیون کو دیکھا اور پھر غیظ و غضب کے ساتھ اپنی محنت سے کمائی ہوئی ملکیت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے نیچے اُتر پڑے - شور و غل اور پکڑ دھکڑ کی کیفیت جو اسکے بعد پیش آئی احاطۂ بیان سے باہر ہے بدقسمت مجرمون نے مالِ غنیمت کے ساتھ فرار ہونیکی کوشش کی - ایک طرف آدھے درجن پرانے فقرا ایک موجودہ پروفیسر کے کپڑے اُتار رہے تھے - دوسری طرف موجودہ ڈراما نویسون کی قطار مین عجیب تباہی اور لوٹ مار کے آثار ہویدا تھے بومنٹ اور فلیچر[۱] پہلو بہ پہلو کیسٹر اور پالکس[۲] کیطرح میدان مین حملہ کرتے ہوئے پھر رہے تھے اور مضبوط و قوی بین جانسن[۳] نے فلانڈرس[۴] (Flanders) کی فوج کے ایک رضا کار سے زیادہ گُل کھلائے وہ چُست و چالاک اور کوتہ قامت شخص جسنے اپنے آپ کو دلقِ مرقع سے آراستہ کر رکھا تھا اور جسکا ذکر پہلے کہین ہوچکا ہے کہ وہ مختلف چیزون کو جمع کرتا پھرتا تھا اُسکے چارون طرف اسقدر دعویدار جمع تھے جسقدر کہ پیٹروکلس[۵] کی لاش کے گرد جمع ہوگئے - مین نے افسوس کے ساتھ بہت سے ایسے لوگون کیحالت کو دیکھا جنکی عزت مین دل سے کرتا تھا اور جنکی قابلیت کا سکہ مجھپر بیٹھا ہوا تھا کہ ذرا سا کپڑا اُڑانے کے لئے مجبور ہوگئے تاکہ اپنے برہنہ جسم کو ڈھانپ لین - اتفاق سے اُسیوقت میری نظر اُس کاروباری بڈھے آدمی پر جا پڑی جو یونانی اُون کی ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور تیزی کے ساتھ وحشت زدہ حالت مین بھاگ رہا تھا اور نصف کوڑی مصنف اُسکے پیچھے چلاتے ہوئے جا رہے تھے - وہ اُسکے قریب جا پہونچے اور ذراسی دیر مین اُسکی اُون کی ٹوپی غائب ہوگئی - ہر منٹ مین اُسکے کپڑون کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا اُس سے چھین لیا جاتا تھا - یہانتک کہ چند لمحون مین وہ اپنی شان و شوکت کے درجے سے گر کر وہی چھوٹا سا گنجا آدمی رہگیا اور کچھ چیتھڑے جو لوٹ کھسوٹ سے بچ رہے تھے اُنھین لیکر غائب ہوگیا۔

اس علامۂ تھیبان[۶] (Theban) کی افسوسناک حالت مین مسخراپن کا ایسا عنصر تھا جسنے مجھے غیر معمولی طور پر قہقہہ لگانیکے لئے مجبور کیا میرا ہنسنا تھا کہ اس تمام خیالی سین کا خاتمہ ہوگیا شور و غل اور جھگڑے کا پتہ نہ رہا - کمرے مین پھر وہی خاموشی پھیلی ہوئی نظر آئی - قدیم مصنف پھر تصویرون کے چوکٹون مین واپس چلے گئے جو تاریکی مین متانت کے ساتھ دیوارون کے گرد لٹکے ہوئے تھے - قصہ مختصر مین نے اپنے آپ کو ایک کونے مین بالکل جاگتا ہوا پایا اور دیکھا کہ کتاب کے کیڑون کی تمام جماعت تعجب کے ساتھ مجھے دیکھ رہی ہے - میرے خواب مین سے

---

[۱] بومنٹ اور فلیچر (Beaumont & Fletcher) نے ملکۂ ایلزبیتھ کے عہد مین ملکر ڈراما لکھے ہین جو ابتک مشہور ہین -

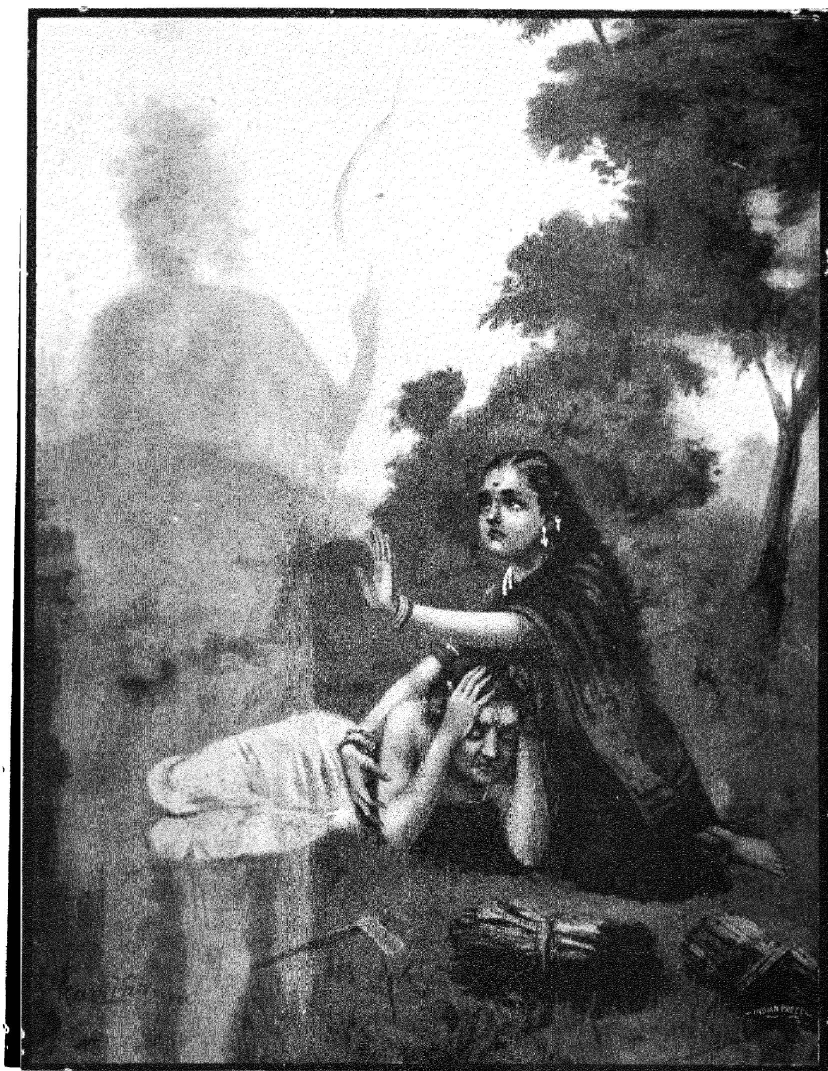
[۲] کیسٹر اور پالکس (Castor & Pollux) دونون توام بھائی تھے شہزوری اور شہسواری کے لئے مشہور ہین۔

[۳] بین جانسن (Ben Jonson) ملکۂ ایلزبیتھ کے زمانے کا مشہور ڈراما نویس ہے -

[۴] - فلانڈرس موجودہ بلجیم اور کچھ قصبہ فرانس کا قدیم نام ہے - یہان مذہبی لڑائیان بہت ہوئی ہین۔

[۵] پیٹروکلس یونان کیطرف سے دشمنونکے مقابلے مین نہایت جوانمردی سے لڑا - اکلیس کا بہت بڑا دوست تھا جسنے اُسکے قاتل ہیکٹر سے اُسکے خون کا بدلا لیا - اُسکی لاش کی نسبت بہت جھگڑا ہوا تھا۔

[۶] تھیبان کا حال الف لیلہ مین درج ہے - وہ ایک مشہور حکیم تسلیم کیا جاتا ہے - بہت قابل شخص تھا۔



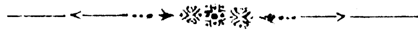
ساوتری اور موت

انڈین پریس الہ آباد

کسی واقعہ کی اصلیت کا پتہ نہین چلتا تھا البتہ میری ہنسی در اصل وقوع مین آئی تھی اور مین سمجھتا ہون کہ اُس متبرک اور قابل احترام جگہ مین اس سے پہلے ایسی آواز کبھی نہین سُنی گئی ہو گی - بہر حال میری ہنسی اُن عقلمندون کے کانون مین اسقدر ناگوار گزری کہ سب کی پیشانی پر بل پڑ گئے -

لہذا لائبریرین (Librarian) صاحب میری طرف بڑھے اور مجھسے داخلہ کا کارڈ طلب کیا پہلے تو مین اُن کا مطلب نہ سمجھا مگر فوراً مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کتب خانہ ایک قسم کا محفوظ ادبی مقام ہے - جیسے انگلستان مین شکار کے میدان ہوتے ہین جنمین کوئی شخص بغیر مالک کی اجازت کے شکار نہین کھیل سکتا - الغرض مین ایک چور کیطرح مجرم کھڑا تھا - اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیطرح جلد یہان سے نکلون کیونکہ مجھے خوف تھا کہ تمام مصنف کہین بھیڑیون کے غول کیطرح مجھپر حملہ نہ کر بیٹھین -

ترجمہ محمد یحیٰی - تنہا



ساوتری - ایک عظیم الشان راجہ کی اکلوتی بیٹی تھی - اسکی داستان شوہر پرستی کی ایک عجیب و غریب مثال ہے - راجہ نے اپنی کوششون مین ناکامیاب ہوکر ساوتری کو اپنا شوہر خود تلاش کرنیکی اجازت دی تھی اور اُسنے بعد تلاش بسیار ایک صحرانشین شخص کو اپنی شوہری کیلئے منتخب کیا تھا جو اپنے نابینا والدین کی نہایت تندہی سے خدمت کرتا تھا - اُس شخص کا باپ بھی کسی زمانے مین ایک زبردست راجہ تھا مگر چرخ کجرفتار کی بیہری سے سلطنت دشمنون کے قبضے مین چھوڑکر جنگل کو بھاگ آیا تھا - جب ساوتری کی شادی کا موقع آیا تو ایک رشی نے پیشینگوئی کی کہ ساوتری کا شوہر اپنی شادی کے برسوین روز مرجائیگا - مگر ساوتری پر اس پیشینگوئی کا کوئی اثر نہوا اور وہ اپنے ارادے پر مستقل رہی - حتی کہ شادی ہوگئی اور ساوتری جنگل مین جاکر فقیرانہ لباس مین اپنے ساس سسر کی خدمت کرنے لگی لیکن رشی کی پیشینگوئی اُسکے دل مین کانٹے کیطرح کھٹک رہی تھی اور وہ سال کا ایک ایک دن گنتی جاتی تھی - جب تین روز باقی رہ گئے تو ساوتری نے یہ تینون دن برت اور ریاضت شاقہ مین بسر کئے تین دن تک نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا اور خدائے مطلق سے اپنے شوہر کی سلامتی کے لئے دعا مانگتی رہی - آخرکار سال کا آخری روز آپہونچا - سہ پہر کو اُسکا شوہر حسب دستور جنگل مین لکڑیان کاٹنے چلا - آج ساوتری خلاف معمول اُسکے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئی اور اگرچہ اُسکے شوہر نے منع کیا تاہم وہ ساتھ گئی - لکڑیان کاٹتے کاٹتے اُسکے شوہر نے کہا کہ میری حالت اچھی نہین ہے - شدت سے درد سر ہو رہا ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے - ساوتری سمجھ گئی کہ موت کی گھڑی آپہونچی لیکن اُسنے اس راز سے اُسکو آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہنے لگی آؤ میرے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاؤ - مین سر دباؤنگی تو درد جاتا رہیگا - اُسکا شوہر لیٹ گیا - اتنے مین دور سے ایک کالی بلا نمودار ہوئی اور دفعۃً قریب آپہونچی - اب ساوتری کا ضبط ٹوٹ گیا اور اُسنے نہایت لجاجت سے رحم کی درخواست کی - لیکن بیرحم موت کو ترس نہ آیا اور اُسنے اُسکے شوہر کی روح قبض کر لی - یہ دیکھکر ساوتری موت کے پیچھے پیچھے چلی - موت نے کہا تو میرے ساتھ نہین جاسکتی - مین جہان جاؤنگا وہان کسی زندہ آدمی کا گذر نہین - بہتر ہے کہ تو واپس جا اور اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین کر - لیکن ساوتری نے نہایت استقلال سے کہا کہ جہان میرا شوہر جائیگا وہان مین بھی جاؤنگی - سچی محبت کی زنجیر کو موت کے زبردست ہاتھ بھی نہین توڑ سکتے - موت نے کہا کہ مین تیری پارسائی اور شوہر پرستی سے بہت خوش ہوا - اپنے شوہر کی روح کے سوا جو مانگ وہ مین دینے کو تیار ہون - ساوتری نے کہا میرے نابینا ساس سسر بینا ہوجائین اور اُنکا راج پاٹ اُنھین ملجائے - موت نے کہا اچھا ایسا ہی ہوگا اب واپس جا - لیکن ساوتری نے ساتھ نچھوڑا - آخر موت نے کہا کہ اور جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے مین تیری وفاداری سے بہت خوش ہوا - ساوتری بولی کہ میرے بہت سی اولادین ہون - موت نے پھر کہا کہ جا ایسا ہی ہوگا - مگر ساوتری نے اب بھی ساتھ نچھوڑا - اسپر موت نے کہا کہ اب کیون ساتھ آتی ہے؟ ساوتری بولی کہ مین تمہارے قول کی تصدیق چاہتی ہون - ہندو عورتین دوسری شادی نہین کرتین پھر میرے اولاد کیونکر ہو گی - آخر موت کو کچھ بن نہ پڑا اور اُسنے کہا کہ ساوتری تو پرستش کے قابل ہے - لے اپنے شوہر کی روح کو لیجا اور ہندوستان کی عورتون کیلئے محبت اور وفاداری کا نمونہ بن - اسطرح ساوتری اپنے شوہر کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوئی اور تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کی -

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر

مولانا اس عہد کے اُن نامور لوگون مین ہین جنھون نے زبان اُردو پر اپنا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے کہ ابدالآباد تک قائم رہیگا۔ مولانا کی لایف اگرچہ اکثر لکھی گئی مگر اسوقت تک صحیح حالات زندگی اور اُنکی تعلیم و تربیت کے ہوبہو حالات کسی کو نہین معلوم ہو سکے۔ ہمنے خاص ادیب کی ضرورت سے مولانا کی زندگی کے مفصل حالات کو مولانا کے عزیزون۔ دوستون۔ ہمعمرون اور خود اُنسے دریافت کرکے یکجا جمع کیا ہے جو امید ہے کہ ناظرین ادیب کیلئے نہایت ہی دلچسپ ہونگے۔ مگر اُنکے حالات زندگی شروع کرنے سے پہلے اتنا کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شرر کی زندگی اس قسم کے باکمالون کی زندگی کا ایک مکمل نمونہ ہے جو اپنی ذاتی کوشش سے خود ہی بنتے اور خود ہی شہرت حاصل کرتے ہین جنپر انگریزی کے الفاظ "سیلف میڈ" پوری طرح صادق آسکتے ہین۔

مولانا نسباً شیخ ہاشمی و عباسی ہین اور سلسلہ امین الرشید سے ملتا ہے۔ انکا خاندان دولت عباسیہ کے عہد مین عرب سے آکے عراق مین آباد ہوا۔ پھر ارض عراق کو چھوڑ کے ہرات مین آیا۔ اسکے بعد سلطان محمد تغلق کے عہد مین ہندوستان آیا۔ اور سلطنت مغلیہ کے دور مین جب نئے نئے ایرانی اُمرا کا دربار شاہی مین رسوخ ہوا تو یہ خاندان وادی گنگا مین آکے سکونت پذیر ہوگیا۔ اُن دنون یہ لوگ مشایخ اور علما کی شان سے اضلاع جونپور و اعظم گڈھ مین اقامت گزین تھے۔ جہان انکو ایک باوقعت جاگیر بھی ملی تھی۔ مولانا کے پردادا مولوی نظام الدین صاحب نے قصبہ کُرسی کے خطیب صاحب کی بیٹی سے عقد کرکے کُرسی کی سکونت اختیار کرلی۔ اور چونکہ خطیب صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اسلئے وہی خدمت خطابت کے وارث ہوے۔

مگر چند ہی روز بعد مسٹر مارٹن جنکے نام کو لکھنؤ مین مارٹین کی کوٹھی یاد دلارہی ہے مولوی نظام الدین کے شاگرد ہو گئے۔ اور اُنسے عربی و فارسی شروع کی۔ مارٹن صاحب اُنکا نہایت ہی ادب کرتے تھے۔ اور اُنکے ساتھ اُنکا ایسا اچھا برتاؤ تھا کہ مولوی نظام الدین صاحب مع اہل و عیال کے لکھنؤ مین آکے سکونت پذیر ہوگئے۔ چنانچہ مولانا کے والد حکیم تفضل حسین صاحب مارٹین کی کوٹھی ہی مین پیدا ہوے۔

مولوی نظام الدین صاحب سے اور مشہور شاعر ملک الشعرا مرزا رفیع سودا سے بہت کچھ ربط و ضبط تھا۔ چنانچہ ایک دن سودا ایک خیمہ مین بیٹھے ہوئے تھے ایک چھوٹے سے سوراخ سے شعاع آفتاب نکل کے فرش پر پڑ رہی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا دری پر کوئی موتی پڑا ہوا ہے۔ مولوی صاحب نے سودا سے کہا "اسوقت کوئی البدیہہ شعر سُنایئے" مرزا رفیع نے دھوپ کی چتّی پر نظر ڈال کے ذرا فکر کی اور یہ شعر سُنایا:۔

عرصۂ دُنیا مین اپنا تنگ کیا کاشانہ ہے
پرتوِ خورشید یان موتی کا جیسے دانہ ہے

مولانا شرر کے والد حکیم تفضل حسین صاحب کا عقد اپنے ایک قریبی رشتہ کے ماموں منشی قمرالدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوگیا جو رَوسا و شرفاے قصبہ کُرسی مین سے تھے۔ لیکن امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عہد مین ایک بڑی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور



مولوی محمد عبدالحلیم شرر

انڈین پریس الہ آباد

دربار شاہی میں بہت اثر رکھتے تھے۔

۱۸۵۶ء میں جب انتزاع سلطنت اودھ ہوا اور سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بہ ارادۂ انگلستان کلکتہ روانہ ہوئے تو مولانا شرر کے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی اپنے تعلقات کے باعث بادشاہ کے ہمراہ رکاب کلکتہ گئے۔ اور وہاں سے جناب عالیہ، مرزا سکندر حشمت جنرل صاحب، اور مرزا ولیعہد بہادر کے ہمراہ سر دفتر کی حیثیت سے انگلستان تشریف لے گئے۔ لیکن خاندان شاہی کا وہ سفر دور دراز جب ناکامی کے ساتھ ختم ہوا۔ اور مرزا ولیعہد بہادر اپنی دادی اور اپنے چچا کو خاک فرانس میں دفن کر کے واپس آئے تو منشی قمرالدین صاحب بھی شرف حج حاصل کرتے ہوئے کلکتہ میں آئے۔ اور اپنے بے تاج وسریر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ مولانا کے والد حکیم تفضل حسین صاحب بڑے قابل اور فاضل لوگوں میں تھے۔ عربی کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی۔ فارسی میں یگانۂ عصر تھے۔ اور طبیہ مشہور طبیب لکھنؤ حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھی تھی۔ غدر کے پانچ چھ برس بعد اپنے خسر منشی قمرالدین صاحب کے تعلقات کیوجہ سے وہ بھی کلکتہ پہونچے۔ اور سلطان عالم واجد علی شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔

مولانا شرر غدر ۱۸۵۷ء کے تین سال بعد ۱۸۶۰ء میں شہر لکھنؤ محلہ جھنوائی ٹولہ میں تکیہ پیر غیب کے متصل اپنے خاندانی مکان میں پیدا ہوئے۔ اور پانچ برس کی عمر میں اپنے نانا کے بھائی مولوی محمد حفیظ الدین صاحب سے جو کڑہ بزن بیگ خان میں رہتے تھے اور فارسی و عربی کے مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ الف۔ بے۔ شروع کی۔ لیکن مکتب میں بیٹھے تین سال کے قریب زمانہ گزر گیا اور پارۂ عم سے زیادہ ترقی نہ کرسکے۔ تعلیم کی اس سست رفتاری نے سات ہی آٹھ برس کی عمر میں انھیں وطن سے نکال کے کلکتہ پہونچایا۔ جہاں انھیں والدہ کے کنار عافیت سے دور رہ کے طالب علمی کی تکلیفیں اور غربت کی مصیبت کم سنی ہی میں برداشت کرنا پڑی۔

والد بزرگوار نے جب دیکھا کہ لکھنؤ میں تعلیم کی پوری نگرانی نہیں ہوسکتی تو ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں انھیں اپنے پاس کلکتہ میں بلا لیا۔ وہاں مٹیا برج میں انکا قیام منشی السلطان بہادر کے مکان پر تھا جو دربار شاہی کے ایک بڑے بارسوخ رکن تھے۔ وہیں مولانا شرر کو بھی قیام کرنا پڑا۔ حافظ الٰہی بخش صاحب وہاں ایک بزرگ تھے اُن سے قرآن ختم کیا اور والد بزرگوار سے ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے۔ یہانتک کہ دو سال میں شرح مائۃ عامل اور گلستان بوستان ختم کیں۔ اور شاہزادہ مرزا جہان قدر بہادر کے استاد ملا باقر سے کتب ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ اور شرح ملا جامی کو ختم کیا۔ اور منشی عبداللطیف صاحب مرحوم سے جو بڑے صاحب علم خوشنویس تھے شرح وقایہ اور خطاطی کی تعلیم پائی۔ اُن دنوں مٹیا برج میں مولوی سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی (جو فی الحال حیدرآباد میں نظام کالج کے پروفیسر ہیں) بعض شاہزادوں کی تعلیم پر مامور تھے۔ مولانا نے معقولات کی ابتدائی درسی کتابیں قطبی و میبذی تک انھیں سے پڑھیں۔ اور اسی زمانہ میں مولوی محمد تمید رضا صاحب سے (جو فی الحال امام باڑہ مٹیا برج کے متولی ہیں) انگریزی شروع کی۔ اور ادب عربی کی بھی دو ایک کتابیں پڑھیں۔ اسی کے قریب زمانہ میں حکیم محمد مسیح صاحب مرحوم سے طب کی دو ایک کتابیں حاصل کیں اور چند روز مطب کیا۔ ان دنوں معمول تھا کہ ہمیشہ سال دو سال بعد لکھنؤ میں آکے پانچ چھ مہینہ رہ جاتے تھے۔ یہاں کے قیام میں بھی اکثر اساتذہ سے پڑھا۔ چنانچہ پہلے مولوی محمد یحییٰ صاحب سے پڑھا۔ پھر مولوی عبدالباری صاحب سے جو مولوی محمد عبدالحی صاحب مرحوم کے

ارشد تلامذہ مین تھے درمیانی درجہ کے کتب معقول پڑھے۔ مگر زیادہ تیام مٹیابرج ہی مین رہا کرتا جس مقام سے انھین ایک اُنس ہوگیا تھا۔

اب مولانا کی عمر تیرہ چودہ برس سے زیادہ نہوگی اور صحبت زیادہ تر واجد علی شاہ مرحوم کے شاہزادون خاصتہً مرزا محمد علی مرزا بہادر۔ مرزا کام بخش بہادر اور مرزا محمد جلال بہادر سے تھی۔ جنسے اسقدر تعلقات بڑھ گئے تھے کہ اُن شاہزادون کو بغیر مولانا کے چین نہ پڑتا تھا۔ اور نہ مولانا شررؔ کا دل سوا انکی صحبت کے اور کسی جگہہ نہ لگتا تھا۔ تعلیم کے سوا جو کچھ وقت ملتا اُنھین کی صحبت مین صرف ہوتا۔ بعض شہزادون سے تعلقات اسقدر گہرے ہوگئے تھے کہ زنانخانے تک مین انکی آمد و رفت تھی۔ اور درحقیقت مولانا کیلئے زباندانی کا پہلا مدرسہ یہی صحبت تھی۔ کیونکہ اُس زمانے کا لکھنؤ وہ لکھنؤ نہین رہا تھا جسمین زبان اُردو کا نشو و نما ہوسکتا۔ بلکہ اب اسکا قائم مقام مٹیابرج اور مٹیابرج مین بھی خاص محلات شاہی تھے۔

آخر منشی قمرالدین صاحب نے ترک ملازمت کرکے لکھنؤ کی سکونت اختیار کرلی اور تقریباً ۱۸۷۵ء مین جبکہ مولانا شررؔ کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نانا کی خدمت پر مامور ہوکے ملازمین شاہی مین شامل ہوگئے۔ اور یہی اُنکی پہلی ملازمت ہے۔ مگر وہان کی ملازمت مین چونکہ کسی قسم کی پابندیان نہ تھین۔ لہذا مولانا ویسے ہی طالبعلم بنے رہے اور تعلیم کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اب ابتدائی کتابین ختم ہوچکی تھین اسلئے مولانا نے قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب مجتہد العصر کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور اُنسے مُلاحسن۔ قاضی مبارک اور حمد اللہ پڑھا۔ اسی زمانہ مین ایک بڑے متبحر عجمی عالم میرزا ہدایت اللہ شیرازی مٹیابرج مین خاص منشی السلطان بہادر کے مکان پر مقیم تھے۔ اُنکو مولانا کی غیرمعمولی ذکاوت و ذہانت دیکھ کے اُنسے بیحد اُنس ہوگیا تھا۔ اور خود اُنھون نے اپنے شوق سے مولانا کو ملا صدرا کی شرح ہدایت الحکمۃ پڑھائی۔

لیکن باوجود اس اعلی تعلیم کے شاہزادون کی صحبت مین حد سے زیادہ منہمک ہوجانا اور اُنکے رنگ۔ اُنکی وضع قطع اور اُنکے مذاق کو پوری طرح اختیار کرلینا ایسی باتین تھین کہ ہرطرف سے انھین بدوضعی کے الزام دئے جانے لگے۔ اور ہر شخص کا یہ خیال قائم ہوگیا کہ مولانا کی اخلاقی حالت اسقدر خراب ہوچکی ہے کہ اب اصلاح کی کوئی اُمید نہین۔ یہ حالت دیکھ کے مولانا کے پدر بزرگوار حکیم تفضل حسین صاحب بہت پریشان ہوئے چنانچہ بغیر اسکے کہ مولانا کو خبر بھی ہونے پاتے اندر ہی اندر انتظام کرکے مولانا کو ۱۸۷۷ء مین لکھنؤ بھیجدیا۔ اور اسطرح اچانک بھیجا کہ انھین اپنے دلی دوستون اور خاصتہً شاہزادون سے رخصت ہونیکا بھی موقع نہ ملا۔ اور کچھ ایسی گھڑی مین وہ لکھنؤ بھیجے گئے تھے کہ پھر کلکتہ جانا نصیب نہ ہوا۔ اور مدتون اُنھین اپنے کلکتہ کے دوستون سے دوبارہ ملنے کی حسرت رہی۔

لکھنؤ مین اس سے پیشتر جبکہ مولانا چھ سات مہینہ کیلئے وطن آئے تھے مولوی محمد نعیم مرحوم کے صاحبزادے مولوی محمد اکرم مرحوم سے ہدایہ اور دو ایک اور کتابین پڑھی تھین۔ ابکے آتے ہی ابوالحسنات مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم کے تلامذہ مین شریک ہوگئے۔ اور تمام کتب درسیہ اُنھین کے حلقۂ درس مین ختم کیے بلکہ بعض کتابین جو مولوی محمد علی صاحب مرحوم سے پڑھ چکے تھے مکرر پڑھین۔

اسی زمانے مین مولوی عبدالحئی صاحب کا ایک رقعہ لیکے مفتی میر عباس صاحب مرحوم کی خدمت مین بھی حاضر ہوئے اور اُنسے دیوان حماسہ اور مقامات حریری کو ایسے ذوق و شوق سے پڑھا کہ مفتی صاحب کو اُنسے ایک خاص محبت ہوگئی تھی۔ اور اکثر یہ ہوتا کہ

جو قصائد رات کو کہتے صبح اُنکو سُناتے اور اُنسے لکھوا لیا کرتے تھے۔

اثنائے تعلیم ہی مین سنہ ۱۸۷۵ء مین مولانا کی شادی اُنکے حقیقی ماموں حکیم سعد الدین احمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوگئی۔ مگر اس شادی سے اُنکی طالب علمانہ زندگی مین کوئی فرق نہین آیا۔ کیونکہ اب اُنہین سچا ذوق علم تھا اور تاریخی جستجو کا فطری شوق۔ جسکا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اُن دنون مولوی حامد حسین صاحب مرحوم کا معمول تھا کہ تاریخ و سیر اور حدیث اہل سُنّت کی کتابون کا مطالعہ کرتے اور اُنہین جو عبارتین اپنے اغراض مناظرہ کے لئے مفید نظر آتین اُن پر نشان بنا دیتے۔ کئی کاتب مقرر تھے جو اُن عبارتون کو کتاب اور صفحات کے حوالے سے الگ الگ کاغذون پر نقل کرتے رہتے۔ متعدد طلبہ بھی اس خدمت پر نوکر رکھے جاتے کہ اُن عبارتون کا اصل کتاب سے مقابلہ کرکے صحیح کر دیا کرین۔ بعد تصحیح وہ سب مضامین اور سجکٹون کی ترتیب سے جُدا جُدا جلدون مین مرتب کر دئے جاتے۔ اور یہی ذخیرہ ہے جو آج اُنکے جانشینون کے کام آ رہا ہے۔

مولانا شرر اگرچہ مذہب اہل سُنّت کے پابند تھے اور یقینی بات ہے کہ مولوی حامد حسین صاحب مرحوم کی اس کوشش کو دل سے ناپسند کرتے ہونگے۔ مگر شوق علم اُنہین لے ہی گیا۔ اور محض نایاب و بے نظیر کتب حدیث کے مطالعہ کے شوق مین جا کے مولوی حامد حسین صاحب کی نوکری کی۔ اور تقریباً ڈیڑھ دو سال تک اُن عبارتون کی تصحیح کرتے رہے۔

مولانا محمد عبد الحئی صاحب کے شاگردون مین ایک طالبعلم تھے مولوی نور محمد صاحب ملتانی۔ یہان اُنسے صحبت زیادہ ہوئی تو علم حدیث کا شوق ہوا۔ اور اُنسے شرح نخبہ پڑھ کے صحیح ترمذی شروع کی اور چند ہی روز مین حدیث کی تعلیم کا ایسا شوق ہوا کہ بغیر اسکے کہ گھر مین کسی کو خبر کرین سنہ ۱۸۷۹ء مین یک بیک دہلی جا پہونچے۔

اس زمانے مین سر سید کا شہرہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ مرحوم پر ہر طرف سے گالیان پڑ رہی تھین اور شاذ و نادر ہی اُنکا کوئی مدح خوان نظر آتا تھا مگر اسکے ساتھ ہی مختلف حالات اور کارنامون نے سر سید کو ایک ایسا عجیب و غریب شخص ثابت کر دیا تھا کہ مخالف و موافق ہر شخص کے دل مین اُنکی صورت دیکھنے کا ضرور شوق تھا۔ چنانچہ مولانا شرر بھی دہلی جاتے وقت خاص اُنسے ملنے کے شوق مین علیگڈھ کے اسٹیشن پر اُتر پڑے۔ سید صاحب سے جا کے ملے۔ اور دل پر اُنکی باتون کا کچھ ایسا اچھا اثر لے گئے کہ اُنکے ساتھ ایک اُنس پیدا ہو گیا۔ دہلی مین چند ہی روز قیام کیا ہوگا کہ اتفاقاً مسدس حالی نظر سے گذرا جو دیگر طلبہ کی نظر مین تو کھٹکتا تھا مگر مولانا شرر کو اُسکے پڑھتے ہی سید صاحب سے بجائے اُنس کے گرویدگی پیدا ہوگئی۔

دہلی پہونچے تو سند الوقت مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے مدرسہ مین قیام پذیر ہو کے اُنسے حدیث شروع کی اور ڈیڑھ سال مین صحاح ستہ۔ موطا امام مالک اور تفسیر جلالین ختم کرکے لکھنؤ واپس آئے۔

قیام دہلی کے زمانے مین عرب کے شہرآشیر کے دو طالبعلمون کے ذریعہ سے مولانا کو محمد بن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ التوحید ملا تو ایسا ہوا اسقدر پسند آیا کہ فوراً اُسکا ترجمہ کر ڈالا۔ اور مولوی تلطف حسین صاحب نے اُسکو چھپوا کر شائع بھی کر دیا۔ اس طریقہ سے مولانا نے تصنیف و تالیف کی دُنیا مین پہلا قدم رکھا۔

سنہ ۱۸۸۰ء کے آخر مین مولانا دہلی سے واپس آئے۔ چند روز ہردوئی مین قیام کرکے منشی نذیر حسن مرحوم کو جو وہان کی سوسائٹی کے ایک نہایت سر برآوردہ رکن تھے صحیح بخاری کا درس دیا اور

لکھنؤ چلے آئے - اب مولانا کو معاش کی فکر ہوئی - مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم کو انسے نہایت ہی اُنس تھا - اُنھون نے فوراً "منشی نولکشور کے پاس بھیجدیا - اور سفارش کی کہ اگر انسے عربی کتابون کی تصحیح کا کام لیا جائیگا تو بہت اچھا کام دینگے - منشی نولکشور صاحب بڑے مردم شناس آدمی تھے - مولانا سے چند مختلف سوالات کرنیکے بعد کہا "صیغۂ تصحیح آپ کے لئے مناسب نہین - اُسمین رہ کے آپ کسی قسم کی ترقی نہ کرسکینگے - اگر ممکن ہو تو آپ اودھ اخبار مین مضامین لکھا کیجئے"

مولانا نے اس سے پیشتر مختلف اخبارون مین مضمون لکھے تھے - اور منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم کی صحبت مین اکثر مضمون نگاری کی تھی - اُنھین کی تجویز سے "شرر" کا تخلص اختیار کیا تھا - اور دو چار غزلین بھی کہی تھین - گو اُنسے تلمذ نہ تھا اور جو کچھ کہتے تھے اُس پر حیدر آباد بھیج کے اپنے پُرانے اُستاد مولوی علی حیدر صاحب نظم طباطبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے لیکن اخبارات کی دُنیا اور مضمون نگاری کیطرف اُنکو منشی احمد علی کسمنڈوی ہی نے متوجہ کیا تھا - غرض جسوقت منشی نولکشور صاحب نے یہ مشورہ دیا ہے وہ مضمون نگاری سے ناآشنا نہ تھے - جواب دیا کہ "آپ کوئی سبجکٹ بتائین مین اُسپر مضمون لکھ کے پیش کرتا ہون - اگر آپ پسند کرین تو مین اودھ اخبار کی خدمت کے لئے حاضر ہون" منشی صاحب نے ایک پولیٹکل سبجکٹ بتا دیا - اور مولانا شرر نے دوسرے ہی دن اودھ اخبار کے دو صفحون کا ایک مضمون لکھ کے پیش کیا جسے منشی صاحب نے بہت پسند کیا - اور ۱۸۸۱ء مین تیس روپیہ ماہوار پر اودھ اخبار کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا -

اب مولانا کو جوہر طبع دکھانیکا نیا میدان ملا تھا - برابر مضامین لکھنا شروع کئے - لیکن اُنکے مضامین زیادہ تر علمی - خیالی اور فلسفانہ کے ہوتے تھے - یہ مضامین مسلسل دو سال تک نکلتے رہے - اور ملک مین ہر طرف اُنکی ایسی دھوم مچ گئی کہ اسیوقت سے مولانا کے لٹریچر کا شہرہ ہو گیا - اور بڑے بڑے پُرانے لکھنے والے چونک پڑے - اودھ اخبار کے فائل مین آج بھی وہ مضامین موجود ہین اور بتا رہے ہین کہ محض اُن مضمونون کی وجہ سے اُس زمانہ کا اودھ اخبار کسقدر نمایان امتیاز رکھتا ہے - روانی طبع کی یہ حالت تھی کہ مولانا صرف چار پانچ روز مین بیٹھ کے اتنے مضمون لکھ دیتے کہ جو مہینہ بھر تک اودھ اخبار مین شائع ہوتے رہتے - اُن مضامین کے سبجکٹ ایسے ہوتے تھے کہ چاہے کتنے ہی دنون بعد چھپتے پُرانے نہ سمجھے جاتے -

ان مضامین کی خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانا نے "روح" کے عنوان سے ایک محققانہ مضمون لکھا تھا - اُسکو پڑھ کے سر سید احمد خان بہادر نے منشی نولکشور کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا کہ "اودھ اخبار مین روح پر جو مضمون چھپا ہے بہت اعلیٰ درجہ کا ہے - مین اُس سے چند خیالات کو اپنی تفسیر مین لینا چاہتا ہون - لہذا اُن صاحب سے جنکا وہ مضمون ہو مجھے اخذ کرنے کی اجازت دلوا دیجئے" منشی نولکشور نے مولانا سے دریافت کر کے سید صاحب کو اُنکی خواہش کے مطابق اجازت دیدی

اسی زمانے مین مولوی محمد عبدالباسط صاحب کے نام سے مولانا نے ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا - جسکا نام محشر تھا - اور اُسکی رعایت سے مولوی عبدالباسط صاحب کا تخلص بھی محشر قرار دے دیا - مگر اسمین اوّل سے آخر تک کُل مضامین مولانا ہی کے قلم کے ہوتے تھے - محشر عجیب نئے رنگین شاعرانہ مذاق کا پرچہ تھا - جسمین بہت ہی نازک قسم کی خیالی آرائیان ہوتین - اور ہر چیز کے سین رندانہ مشرب کے عجیب پُرلطف مذاق مین کھینچے جاتے - ایک زمانہ تک اُسمین

"زمانہ کا جائزہ" کے عنوان سے ایک نرالے مضمون کا سلسلہ جاری ہا۔ جس کا ہر نمبر ایک نئی اور نئے رنگ کی صبح سے شروع ہوتا محشر کے مضامین اور خاصتہً اُن صبحون کا غلغلہ سارے ہندوستان مین بلند ہوا۔ اور ہر طرف سے تحسین و مرحبا کے شور مین یہ کلمات سُنے جا رہے تھے کہ یہ انشا پردازی نہین سحر کاری و معجز نگاری ہی۔ اُردو مین یہ بالکل نیا اور اچھوتا رنگ تھا۔ اور وہ شاعرانہ طبیعتین جو انگریزی مذاق سخن سے نئی نئی آشنا ہونے لگی تھین۔ اُنکو اسقدر بھلا معلوم ہوا کہ جا بجا لوگون نے اُسی رنگ کو اختیار کر لیا اور ہندوستان کا سارا لٹریچر مولانا ہی کے نقش قدم پر چلنے لگا۔

اُسی زمانے مین رفیق ہند لاہور نیا نیا نکلا تھا اور بڑے زور کا پرچہ تصور کیا جاتا تھا۔ اُسمین پادری رجب علی صاحب راجہ بلی کے نام سے اکثر مضامین لکھتے تھے۔ راجہ بلی نے ایک بار لکھا کہ جو رنگ محشر کا ہو صرف شاعری اور عاشقی کی دُنیا کے ساتھ مخصوص ہو۔ اگر اڈیٹر محشر کو دعویٰ ہو تو ان دو چار سبجکٹون پر اُسی رنگ مین مضامین لکھین جو ہم بتاتے ہین۔ اور اُنھون نے چند سبجکٹ بھی شائع کیے جنمین ایک تو "روح" تھا۔ ایک یہ کہ "ہندوستان کیلئے استمراری بندوبست مناسب ہی یا میعادی؟" اور اسی قسم کے اور بھی کئی سبجکٹ تھے۔ مولانا نے اُن سب سبجکٹون پر اپنے اُسی رنگ مین نہایت پُر زور مضامین لکھ کے محشر مین شائع کیے جن کو دیکھکر لوگ ہر طرف عش عش کرنے لگے اور راجہ بلی صاحب سے سوا اس کے کہ خاموشی سے قبول کر لین اور کچھ بنائے نہ بنی۔

یہ عجیب با مذاق اور پر لطف پرچہ تھا۔ اور سچ یہ ہو کہ جو مذاق بعد پیدا ہونے والا تھا اُسکی بنیاد پہلے پہل اُسی نے ڈالی۔ اور ہر جگہ کے صاحبان ذوق کوشش کرنے لگے کہ اُسی رنگ مین مضامین لکھا کرین۔ دو سال بعد منشی نولکشور نے مولانا کو اپنا اسپشل کارسپانڈنٹ بنا کے ریاست حیدر آباد دکن مین بھیجا جسکی وجہ سے محشر بند ہو گیا۔ اُن دنون نواب میر لیاقت علیخان بہادر کی مدار المہامی تھی۔ اور نواب محسن الملک بہادر برسر کار تھے۔ نواب محسن الملک نے مولانا شرر کو ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور بعض اوقات اِس بات کا شوق بھی دلایا کہ وہ حیدر آباد کی ملازمت اختیار کر لین۔ مگر مولانا نے اِس امر کو اپنی وضع داری کے خلاف سمجھا۔ اور اُنھین حیدر آباد کی زندگی کچھ زیادہ پسند بھی نہ آئی۔ مگر اتفاقاً اخبار ہزار داستان کے مالک صاحب نے اِس غلط فہمی مین مبتلا ہو کے کہ مولانا اُنکے اخبار کی اڈیٹری قبول کر لین گے اپنے سابق اڈیٹر سے ترک تعلق کر دیا۔ اور مولانا کی خدمت مین آ کے مصر ہوئے کہ آپ اخبار ہزار داستان کو اپنے ہاتھ مین لین۔ اُنھون نے کہا جب تک مجھے اودھ اخبار سے تعلق ہو یہ غیر ممکن ہے۔ اسپر وہ نہایت پریشان ہوئے اور مولانا کے احباب اور بعض بزرگ اعزہ کے ذریعے سے جو حیدر آباد مین موجود تھے۔ اُن پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ جس طرح ممکن ہو آپ ہزار داستان کو ہاتھ مین لین ورنہ پرچہ بند ہو جائیگا۔ مولانا نے صاف کہدیا کہ مین جب تک لکھنؤ جا کر ترک تعلق نہ کر لون آپ کا کام نہین کر سکتا۔ مالک ہزار داستان نے فوراً یہ شرط قبول کر لی۔ اور آمد و رفت کا کرایہ بھی دیا۔ مجبوراً مولانا لکھنؤ واپس آئے۔ اور اودھ اخبار سے قطع تعلق کیا۔ مگر مطبع کے حسابات کا تصفیہ نہین ہونے پایا تھا کہ ہزار داستان بند ہو گیا۔ اور مولانا کو حیدر آباد جانے کی ضرورت ہی نہین باقی رہی۔ اور مولانا نے اِس زمانے مین پرائیویٹ طور پر اپنی انگریزی کی قابلیت بڑھانا شروع کی۔ جسمین اچھی اور کافی استعداد پیدا ہو گئی۔

اِسی زمانے مین مولانا نے اپنا پہلا ناول دلچسپ لکھا۔ جسے منشی نثار حسین صاحب مالک پیام یار نے چھپوایا۔ اور اُسکو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دوسرا حصہ لکھنے کے ساتھ ہی پہلے حصہ

کا دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی ضرورت ہوئی دلچسپ کا شہرہ ملک مین بڑھتا جاتا تھا کہ مولانا نے دُرگیش نندنی کا ترجمہ انگریزی سے اُردو مین کیا - اور اُسے بھی منشی نثار حسین نے شائع کیا - اس ناول نے بھی بہت بڑی مقبولیت حاصل کی - اور اَب یہ حالت تھی کہ لوگ ہر جگہ مولانا کے مضامین اور ناولون کے مشتاق ہو رہے تھے -

سنہ ۱۸۸۶ء کے آخر مین اتفاقاً مولوی بشیر الدین صاحب مالک و ایڈیٹر البشیر جو اُن دنون نجم الاخبار اٹاوہ کے ایڈیٹر تھے لکھنؤ مین تشریف لائے - اور مولانا کو مشورہ دیا کہ ایک مختصر لٹریری رسالہ صرف ایک جُز کا جاری کرین - اور اسکی قیمت صرف عہ سالانہ ہو - مولانا نے کہا "آپ کتنے خریدار دین گے" اُنھون نے دس خریدارون کا وعدہ کیا - اور پانچ روپیہ پانچ رسالون کی قیمت کے بابت اُسی وقت دیدیئے - انھین روپیون سے مولانا نے دلگداز کا اشتہار شائع کیا - مگر مولانا کی طرز عبارت کا اسقدر شوق ہو رہا تھا کہ اشتہار کے شائع ہوتے ہی کثرت سے درخواستین اور قیمتین آنا شروع ہوگئین - اور اسی آمدنی سے جنوری سنہ ۱۸۸۷ء مین دلگداز کا پہلا نمبر چھاپا اور شائع کیا گیا - دلگداز مین اُسوقت صرف شاعرانہ و عاشقانہ خیالی مضامین ہوتے تھے - یا کبھی کبھی تاریخی مضامین نکلجاتے تھے - اور اشاعت کے ساتھ ہی اسقدر شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی کہ سال ختم ہوتے ہوتے خریدارون کی تعداد دو ہزار کے قریب پہونچگئی -

سنہ ۱۸۸۸ء مین دلگداز مین اسقدر اضافہ ہوا کہ اسکے ساتھ ایک جُز ناول کا بڑھا دیا گیا - اور قیمت بجائے ایک کے دو روپیہ سالانہ کردی گئی - اتفاقاً اِس زمانے مین ایک سفر کے موقع پر مولانا نے کسی اسٹیشن کے اسٹال مین اسکاٹ کا ناول "طلیسمین" دیکھا جسمین تیسری صلیبی لڑائی کے ذیل مین جابجا پیغمبر خدا صلعم کی توہین کیگئی تھی - یہ دیکھ کے مولانا اس قدر برافروختہ ہوئے کہ دلگداز مین جو پہلا ناول شائع کرنے والے تھے اُسکے لیئے بھی صلیبی لڑائیون ہی کا زمانہ اختیار کیا - اور ارض مقدس مین اپنے ناول کا سین قرار دیا - اس طرح پورے سنہ ۱۸۸۸ء مین ناول "ملک العزیز ورجنا" مولانا کے قلم سے تصنیف ہو کے مکمل شائع ہوا - جسے اُردو پبلک نے حد سے زیادہ پسند کیا اور ہر طرف اُسکے شوق مین آنکھین بچھ گئین -

مولانا نے ناول ملک العزیز کی تکمیل کے ساتھ ہی تاریخی ناولونکا ایک سلسلہ ڈالدیا اور کوشش شروع کی کہ تاریخ اسلام مین جتنے دلچسپ واقعات ملین اُنکو ناول کا جامہ پہنا کے اسطرح دلچسپی کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کیا جائے کہ لوگون مین تاریخ کا شوق بڑھے - اور اِس ذریعے سے اُنکی واقفیت وسیع ہو اور اِن ناولون نے سچ یہ ہو کہ اِس بارۂ خاص مین معجز نما اثر دکھایا ملک مین ہر کہ و مہ کو تاریخ کی جستجو ہوئی - حروب صلیبیہ کا بعض لوگون نے صرف نام سُنا تھا - مگر مولانا کے ناول ملک العزیز نے اِن تاریخی لڑائیون کا اسقدر شوق پیدا کردیا کہ ہر جگہ مطابع سے اور پبلشرون سے لوگ کروسیڈس کی تاریخین مانگتے تھے اور یہ حالت ہو رہی تھی کہ گویا لوگ پیاسے ہین اور پانی کہین نہین ملتا - الغرض اِس سے ہرگز نہین انکار کیا جاسکتا کہ مُلک مین جو تاریخ کا شوق پیدا ہوگیا ہو اور اُردو لٹریچر مین روز بروز تاریخ کو زیادہ جگہ ملتی جاتی ہو یہ صرف مولانا شرر کی برکت اور اُن کے تاریخی ناولون کی وجہ سے ہے -

ملک العزیز کے بعد سنہ ۱۸۸۹ء مین دلگداز کے ساتھ ناول "حُسن انجلینا" اور سنہ ۱۸۹۰ء مین ناول "منصور موہنا" شائع ہوئے - انکے علاوہ شہید وفا کے نام سے ایک تاریخی ڈراما شائع ہوا - یہ سب تصانیف بڑے ہی ذوق و شوق سے پڑھے گئے - اِنمین سے

پہلے ناول کو تاریخ روم و روس سے اور دوسرے کو اُس عہد سے تعلق تھا جبکہ مُسلمان پہلے پہل سندھ مین آکے آباد ہوئے تھے۔ اِن دونون نے بھی ویسا ہی اثر دکھایا۔ اور شہید وفا کو اسپین کے زمانۂ زوال اسلام سے تعلق تھا جسمین ایک بڑے عبرت ناک واقعے کی تصویر دکھائی گئی ہو۔ شروع ۱۸۹۰ء مین مولانا نے ایک ہفتہ وار اخبار بھی جاری کر دیا جسکا نام مہذب تھا۔ اُسکی لکھائی چھپائی۔ مضامین اور خبرین سب چیزین ایک خاص دلچسپی رکھتی تھین ہر پرچے مین علماے سلف مین سے کسی کی سوانح عمری بھی لازمی طور پر رہا کرتی تھی۔ جن کا مجموعہ بہت سے لوگون کے پاس آج بھی مرتب موجود ہو۔ اور جن نگاہون نے مہذب کو دیکھا ہو آج تک یاد کر رہی ہین۔ اور اکثر لوگونکی طرف سے اَب بھی دوبارہ مہذب کے شائع ہونیکا تقاضا ہو رہا ہے۔

۱۸۹۰ء مین مولانا نے منشی سراج الدین صاحب کی خواہش پر (جو اُن دنون سرمور گزٹ کے ایڈیٹر تھے اور ہنوز بیرسٹر نہین ہونے پائے تھے) ناول دلکش کا پہلا حصہ لکھا جسمین دلچسپ طرح ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی سے بحث تھی۔ اور چند روز بعد اُس کا دوسرا حصہ لکھا۔ لیکن اسپر بھی وہ نامکمل ہی رہا۔

اَب دلگداز پریس بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ رسالۂ دلگداز بھی نکل رہا تھا۔ جسکے ساتھ ناول یوسف و نجمہ شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اخبار مہذب بھی ہفتہ وار شائع ہو رہا تھا۔ اور اِن سب کامون کا بار مولانا کے سر تھا جسے وہ بڑی کامیابی کے ساتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ یکایک بعض مالی دشواریان پیش آئین اور مولانا اپریل ۱۸۹۱ء مین جبلپور ہوتے ہوئے حیدر آباد دکن تشریف لیگئے۔ ابتدائی خیال یہ تھا کہ وہان کے دربار سے کچھ مدد حاصل کرکے واپس آئین اور اپنے کارخانے کو ترقی دین۔ مگر وہان پہونچ کے پہلے سفر کے خلاف اَب کی ملازمت کا شوق ہوا اور نواب انتصار جنگ بہادر سے اپنی کیفیت بلا کم و کاست بیان کرکے اپنی خواہش ظاہر کر دی۔ وہ بظاہر مدد دینے کیلئے تو تیار تھے مگر ملازمت کے متعلق اُنھون نے جواب صاف دے دیا۔ مولانا اِسی تردد مین تھے کہ ایک دن اتفاقاً فلک نما کی عمارت دیکھنے کو گئے جہان بعض احباب کے تقریب کر دینے کے باعث نواب وقار الامرا بہادر مرحوم سے ملاقات ہوئی جو اُن دنون معین المہام مال تھے۔ اُنھون نے چھوٹتے ہی سوال کیا کہ "مین آپکو اپنے بیٹے کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے انگلستان بھیجنا چاہتا ہون۔ آپ جائین گے؟" مولانا نے جواب دینے کے لیے تین دن کی مہلت مانگی۔ اور کل احباب نے قبول کر لینے ہی کا مشورہ دیا۔ اسلیے تیسرے دن جا کے رضامندی اور آمادگی ظاہر کر دی۔ نواب صاحب نے خوش ہو کے فرمایا "تو آپ لکھنؤ جا کے اپنے مطبع اور کاروبار کا انتظام کر آئیے"۔ مولانا فوراً لکھنؤ آئے۔ مطبع اور کارخانے کو بند کیا اور انگلستان کے شوق مین پندرہ روز کے اندر ہی حیدر آباد واپس گئے۔

مگر جب وہان پہونچے تو نواب وقار الامرا بہادر نے غالباً اپنے کسی ایسے مشیر کے مشورہ سے جو نہین چاہتا تھا کہ کوئی اور شخص بھیجا جائے ٹالنا شروع کیا۔ اور مولانا کی دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ اپنے خزانۂ پائگاہ سے مقرر کر دی۔ چند روز مین نواب وقار الاُمرا بہادر مدار المہام ریاست ہو گئے۔ اور اُنھین زیادہ فکر ہوئی کہ کسی کو اپنے فرزند نواب ولی الدین خان بہادر کی تعلیم کے لئے انگلستان بھیجین۔ مولانا نے اس زمانۂ بیکاری مین اپنی تاریخ سندھ لکھنا شروع کی جسکے مسودہ کو پڑھ کے نواب وقار الاُمرا بہادر نے اسقدر پسند فرمایا کہ بطور انعام کے پانچ ہزار روپیہ خزانۂ ریاست سے دلوائے۔ مگر انگلستان جانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اِس مین تاخیر دیکھ کے ۱۸۹۳ء مین مولانا نے اپنے ایک دوست کو لکھنؤ مین اپنے

مطبع کا مینجر مقرر کرکے دلگداز کو پھر جاری کر دیا۔ مگر بجائے اسکے کہ ناول یوسف و نجمہ جو سنہ ۱۸۹۱ع مین ناتمام رہگیا تھا اسکا سلسلہ پورا کرین اسپین کے عہد خلافت بنی اُمیہ کا ایک نیا ناول شروع کر دیا۔ جسے لوگ بڑے ذوق و شوق سے پڑھنے لگے۔

اِن دنون مولانا نے دلگداز مین "خاندان رسالت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ بعض یوروپین مورخون نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ "خسروان عجم کے ساسانی خون سے آمیزش کرکے خاندان رسالت معزز بنایا گیا" اِس مضمون مین اِس خیال کی تردید کی تھی۔ اور دیگر واقعات کے سلسلہ مین ابن خلکان تاریخ طبری اور معارف ابن قتیبہ سے یہ واقعہ بھی نقل کر دیا تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد خود امام زین العابدین نے اپنی والدہ شہربانو کا عقد (نکاح) زبید نام اپنے ایک آزاد کیئے ہوے غلام سے کر دیا۔ اِس پر اہل تشیع مین سخت برہمی ظاہر ہوئی۔ اسکے خلاف مضامین لکھے گئے۔ مولانا پر مختلف قسم کے حملے کیئے گئے۔ اور بعض سُنّی مولویون سے بھی جو تاریخ سے مس نہ رکھتے تھے استفتے دستخط کرا کے شائع کیئے گئے۔ مگر مولانا نے سوا اسکے کہ اِس واقعہ کو جن کتابون سے لیا تھا اُنکے حوالے دلگداز کے ایک دوسرے نمبر مین شائع کر دیئے اور کچھ نہین کیا۔ لیکن دلگداز کے سات آٹھ نمبر ہی نکلنے پائے تھے اور اُس نئے ناول کے بھی اتنے ہی جز ہوئے تھے کہ یکایک نواب وقار الاُمرا بہادر نے انھین حکم دیا کہ اُنکے صاحبزادے کے ہمراہ جو پندرہ روز کے لیے ہندوستان مین واپس آ گئے تھے ایک ہفتہ کے اندر انگلستان روانہ ہو جائین مجبوراً مولانا کو وسط سنہ ۱۸۹۳ع مین سفر انگلستان کرنا پڑا۔ اور دلگداز کا سلسلہ پھر رُک گیا۔

اَب مولانا انگلستان مین تھے اور ہندوستان مین اُنکے ناولونکی مانگ روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ہر کتب فروش ان ناولونکی جلدین بار بار طلب کرتا تھا اور کسی جگہ نہ ملتی تھین۔ آخر بعض مطابع نے بلا لحاظ اسکے کہ اُن پر قانونی ذمہ داری عائد ہوگی اُن ناولونکو چھاپنا شروع کر دیا۔ اور مختلف بلاد ہند کے مطابع مین اُن ناولون کے بیسیون اڈیشن شائع ہو گئے۔ اور لاکھون جلدین بازار مین پھیل گئین۔ یہانتک کہ یوسف و نجمہ کے ناتمام اجزا کو الگ اور اُسکے بعد والے اسپین کے ناول کے ناتمام اجزا کو "زیاد و حلاوہ" کے نام سے الگ الگ جُدا گانہ ٹائٹل مین مرتب کرکے لوگون نے فروخت کرنا شروع کیا۔ اور اُنکے بھی بہت سے اڈیشن شائع ہو گئے یہ بات مولانا ہی کیلئے مخصوص تھی کہ اُنکے ناتمام ناولون کے اجزا بھی اُسی ذوق و شوق سے مُلک مین خریدے اور پڑھے جاتے تھے۔ جس ذوق و شوق سے کہ مکمل ناول خریدے اور پڑھے جاتے تھے۔ اگرچہ پڑھتے ہی لوگ ہر جگہ خطوط لکھ لکھ کے اُن کا باقیماندہ حصّہ طلب کرتے تھے اور جواب یہ ملتا تھا کہ "موجود نہین"۔

انگلستان مین مولانا ڈیڑھ سال رہے۔ اگر یہ اطمینان ہوتا کہ مستقل تین سال تک رہ سکین گے تو بیرسٹری کا امتحان دینے کی کوشش کرتے۔ مگر باوجود متواتر تحریک کرنیکے وقار الاُمرا بہادر نے اسکا اطمینان نہ دلایا۔ مجبوراً اُنھون نے ایک فرانسیسی پروفیسر مسیو کوہُ مین سے فرنچ زبان پڑھنا شروع کی۔ اور اسمین اتنا درخور پیدا کر لیا کہ فرنچ سے اُردو مین ترجمہ کر سکین۔ اور فرانسیسی زبان کی سلیس کتابونکو سمجھ لین۔

ہندوستان مین اِن دنون مولانا کے لٹریچر کی دھوم تھی اور وہ انگلستان مین خاموش بیٹھے تھے۔ اِس دھوم کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانا کی ناتمام ناولون دلکش اور زیاد و حلاوہ کی تکمیل کا ہر طرف سے تقاضا ہوا تو بعض اور حضرات نے ارادہ کیا کہ اُنکے ناولون کا

ما بقی حصّہ خود ہی لکھ کے شائع کر دین - چنانچہ مرزا حیرت دہلوی نے زیاد و حلاوہ کا دوسرا حصّہ لکھ کے شائع کیا - اور لکھنؤ کے منشی جی نزاکن ورمانے کسی اور صاحب سے لکھوا کے دلکش کا تیسرا حصّہ شائع کرایا - ان تکملون کو ملک نے جس نظر سے دیکھا اُسکا حال ناظرین ہی سے معلوم ہو سکتا ہی - یہ کیفیت مولانا نے انگلستان مین سُنی تو ناول زیاد و حلاوہ کے ابتدائی حصہ مین بھی تھوڑا بہت ردوبدل کر کے اُس کی تکمیل کی - اور ہندوستان واپس آئے - اُسے ناول فلورا فلورنڈا کے نام سے شائع کر دیا - جو ملک مین ایسی قدر کی نگاہون سے دیکھا گیا کہ زیاد و حلاوہ کے دونون حصہ اگرچہ کبھی کبھی اَب بھی بازار مین نظر آجاتے ہین مگر منسوخ ہو کے کلیۃ" مٹ گئے -

سنہ ۱۸۹۶ء مین مولانا انگلستان سے واپس آئے - اور چند ہی عرصہ بعد سنہ ۱۸۹۸ء مین خاص حیدر آباد سے دلگداز جاری کیا - اور اَب کی اُسکی اشاعت کا حساب بجاے سنہ عیسوی کے سنہ محمدی سے رکھا گیا - جو مولوی نظام الدین حسن صاحب بی - اے ایل - ایل - بی کا قائم کیا ہوا ایک سنہ تھا اور چند روز کے لیے ریاست بھوپال مین بھی مروج رہ چکا ہی - اِس سال دلگداز کے ساتھ عہد جاہلیت عرب کا ایک ناول شروع کیا گیا - جسمین اسلام سے پیشتر کے عربونکی پولیٹکل حالت - معاشرت - اُن کا مذاق اور اُن کا رسم و رواج بڑی کامیابی کے ساتھ دکھایا گیا ہی - اَب مولانا کی توجہ عاشقانہ خیالی مضامین کے عوض تاریخی مضامین کی طرف زیادہ تھی - اور دلگداز کے صفحون پر بہت ہی بیش قیمت محققانہ مضامین شائع ہوا کرتے تھے - سال کے آخری حصہ مین مولانا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت سکینہؓ کے سوانح عمری لکھنا شروع کی - عام طور پر یہ مشہور ہی کہ جناب سُکینہ بچپن ہی مین واقعۂ کربلا کے بعد قید خانے مین اہل شام کے جور سے شہید ہوئین - مگر اس مضمون مین اِس کے خلاف آپ کی امیرانہ زندگی - آپ کے شاعرانہ مذاق اور آپ کی متعدد شادیونکی کیفیت دکھائی گئی تھی - لہذا حضرات شیعہ جو پہلے ہی "خاندان رسالت" والا مضمون دیکھ کے مولانا سے بدظن ہو گئے تھے چونک پڑے - اور ہر طرف ایک ہنگامہ سا مچ گیا - سُنّی بھی اِس جوش مین اُنکے ساتھ تھے - اور گو ماخذ بتا دیئے گئے اور ثابت کر دیا گیا کہ جو کچھ لکھا گیا ہی بے اصل نہین مگر جوش مخالفت بڑھتا ہی گیا - حیدر آباد مین بھی اسکا جوش ہوا - اور مضمون سُکینہ بنت حسین کے دو ہی نمبر شائع ہونے پائے تھے کہ وہان کے کوتوال نواب اکبر جنگ بہادر نے مولانا سے مل کے کہا کہ "اگرچہ آپ نے جو کچھ لکھا ہی صحیح ہی مگر بہتر یہ ہوگا کہ دلگداز مین اِس لائف کا سلسلہ روک دیا جاے" مولانا کی طبیعت مین ہمیشہ سے آزادی اور ضد رہی ہے - اُنھون نے کہا کہ "یہ مضمون نہ نکلا تو دلگداز بھی نہ نکلے گا" - شیعون مین اِسکے خلاف جوش بڑھتا ہی رہا - ایک صاحب نے صوبۂ بہار سے "جواب شرر" کے نام سے ایک بڑا رسالہ بھی شائع کیا - مگر مولانا نے نہ کبھی اُسکی طرف توجہ کی اور نہ جواب دیا -

چھ مہینہ بعد نواب وقار الامرا بہادر سے لکھنؤ مین قیام کرنیکی باضابطہ اجازت حاصل کر کے سنہ ۱۸۹۹ء کے آخر مین وطن آئے اور یہان آکے پہلا یہ کام کیا کہ سنہ ۱۸۹۸ء کی جلد مین جو ایک نمبر باقی رہگیا تھا اُسے چھپوایا - اُسمین مضمون "سکینہ بنت حسین" کا باقی ماندہ حصہ شائع کر دیا اور اُسی کے ساتھ ناول ایام عرب کی پہلی جلد بھی مکمل ہو گئی - ہماری رائے مین "سُکینہ بنت حسین" مین مولانا نے واقعات گو کتنے ہی صحیح لکھے ہون

مگر جس رنگ مین یہ مضمون تھا وہ جناب سکینہؓ کی شان کے صریح خلاف تھا۔

قیام حیدرآباد کے زمانے مین مولانا نے ناول فردوس برین تیار کیا تھا۔ اور بحکم نواب وقارالامراء بہادر ایک بڑی ضخیم تاریخ ارض مقدس لکھنا شروع کی تھی جسکی تکمیل کیلئے ایک کاتب کو نواب صاحب مرحوم نے لکھنؤ آتے وقت مولانا کے ہمراہ کر دیا تھا اُس تاریخ کے ساتھ ستر جز لکھے ہوے مولانا کے پاس موجود ہین جو ابھی تک شائع نہین ہوئی۔ مگر لکھنؤ آتے ہی مولانا نے ناول فلورا فلورنڈا کو جسے انگلستان ہی مین مکمل کیا تھا خود شائع کیا۔ اور فردوس برین کے پہلے اڈیشن کے شائع کرنے کا حق منشی نثار حسین صاحب نثار مہتمم پیام یار کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ چنانچہ وہ ناول قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اِن دونون ناولون نے ملک پر بہت اثر ڈالا۔ اور غیر معمولی ذوق و شوق سے لیئے گئے۔

اب سنہ ۱۹۰۰ء مین دلگداز لکھنؤ سے برابر نکل رہا تھا۔ اور اُسکے ساتھ ناول ایام عرب کی دوسری جلد شائع ہو رہی تھی۔ جو سنہ مذکور کے اختتام کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ اِسی زمانے مین مولانا نے پیام یار کے ساتھ شائع کرنے کیلئے ناول "مقدس نازنین" کو تصنیف کیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین دلگداز کے ساتھ تاریخ حروب صلیبیہ مصنفہ سر جارج ڈبلیو کاکس۔ ایم۔ اے کے ترجمہ کا ایک جز بڑھایا گیا۔ اب کی ناول بھی بجاے اسکے کہ خود تصنیف کرین ایک انگریزی ناول "ڈاکو کی دولھن" کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا۔ اور مکمل دلگداز کی قیمت سے ؏ سالانہ کر دی۔

مولانا کا خیال کئی سال پیشتر سے مسلمانون کے پردے کے خلاف تھا چنانچہ حیدرآباد مین "معلم نسوان" مین متعدد مضامین پردے کے خلاف شائع کیئے تھے۔ اور اِسی رسالہ مین اپنا ایک چھوٹا ناول "بدر النسا کی مصیبت" اور اپنا ایک چھوٹا ڈراما "میوۂ تلخ" بھی پردے کی مخالفت مین شائع کرائے تھے۔ اس مسئلہ مین اُنکی دلچسپی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ لکھنؤ آتے ہی ابتدائے سنہ ۱۹۰۰ء سے ایک ماہوار رسالہ بنام "پردۂ عصمت" اپنے دوست سید حسن شاہ کے نام سے جاری کرا دیا۔ جسمین خود ہی لکھتے تھے اور خود ہی اول سے آخر تک اُسے اڈیٹ کرتے تھے۔ مگر مولانا کا رنگ بھلا چھپاے سے چھپ سکتا تھا۔ ساری دُنیا کو معلوم ہوگیا کہ یہ رسالہ مولانا شرر ہی کے قلم کا نمونہ ہی۔ پردۂ عصمت نے مسلمانون مین ہر جگہ عجب ہل چل ڈال دی۔ جسوقت وہ شائع کیا گیا ہی اُس زمانے مین تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ تمام مسلمانون کو اپنے رسم پردہ پر اسقدر غرور و ناز تھا کہ پردہ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا گالی دینے کے حکم مین تھا۔ ہزارہا آدمی مخالف ہوگئے۔ تردید مین رسالے شائع ہوئے۔ کتابین لکھی گئین۔ بعض ناول بھی پردے کی تائید اور مولانا پر حملہ کرنے کیلئے شائع کیے گئے۔ حتی کہ دلگداز کی اشاعت کو بھی ضرر پہونچنے لگا۔ مگر مولانا شرر اُسی خیال پر قائم رہے۔ اور اُنکا یہ اعتقاد ہوگیا تھا اور آج تک ہی کہ شرع اسلام مین پردہ صرف مہذب اور ساتر لباس کا نام ہی۔ اور اُسکے حدود یہ ہین کہ چہرہ اور ہاتھ داخل ستر نہین۔ رہی خانہ نشینی جیسا کہ مروج ہی اُس پر عورتون کو مجبور کرنا شرعًا ناجائز ہے۔ اور ساری اخلاقی خرابیان اِسی خانہ نشینی سے پیدا ہوئی ہین۔

اب نواب وقارالامراء بہادر نے مولانا کو حیدرآباد واپس طلب کیا۔ اور جون سنہ ۱۹۰۱ء مین وہ پھر حیدرآباد گئے۔ جس کے ساتھ ہی دلگداز بھی بند ہوگیا۔ اور پردۂ عصمت بھی۔ پردۂ عصمت کی زندگی اگرچہ ڈیڑھ ہی سال کی تھی مگر اُسنے اتنے ہی زمانے مین اپنا مشن پورا کر دیا۔ یا تو ہندوستان مین ایک مسلمان بھی پردے

کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ یا پردۂ عصمت نے ہر جگہ صدہا بلکہ ہزارہا مخالفین پردہ پیدا کردیے۔ اور آج کوئی شہر اور کوئی صحبت نہیں جسمین بعض لوگ پردے کے مخالف نہون۔

مولانا کو حیدرآباد گئے چند ہی مہینے ہوے ہونگے کہ یکایک وہان ایک انقلاب عظیم ہوگیا۔ نواب وقار الامرا بہادر جو مولانا کے مربی اور قدردان تھے وزارت سے علیحدہ کردیئے گئے۔ مہاراجکشن پرشاد بہادر کا دور شروع ہوا۔ مولوی عزیز مرزا صاحب جو مولانا کے بڑے حامی تھے معزز عہدۂ معتمدی عدالت وکوتوالی وغیرہ سے ہٹا کے ضلع بیٹر کی تعلقداری پر بھیجدیئے گئے۔ اور سٹروا کر حیدرآباد کی قسمت کے مالک ہوئے جنھین نہ مولانا سے کوئی تعلق ہوسکتا تھا اور نہ کسی قسم کی مراعات کی وجہ تھی چنانچہ اُنھون نے مولانا کا سلسلۂ ملازمت حیدرآباد ہی منقطع کردیا۔ اور مولانا اوائل سنہ ۱۹۰۴ء مین پھر لکھنؤ واپس آئے۔ یہان آکے جون سنہ ۱۹۰۴ء سے پھر دلگداز جاری کیا۔

لیکن اَب کی مولانا دلمین ایک نیا خیال لیکے آئے تھے۔ وہ یہ کہ ہندو مسلمانونمین اتفاق ہونا چاہیئے۔ جسکے بغیر کوئی کام نہین چل سکتا۔ اور ہندوستان کی ترقی غیر ممکن ہے۔

چنانچہ آتے ہی دلگداز سے پہلے ہی "اتحاد" نام ایک پندرہ روزہ رسالہ نکالدیا جسکی خاص کوشش یہی تھی کہ اِن دونون گروہونمین اتفاق پیدا کرایا جائے۔ مگر مولانا کا خیال ہو کہ زندگی بھر اُنھون نے جتنے کام کیئے اُن سب مین کامیابی ضرور ہوئی مگر نہ ہوئی تو اس ارادے مین اور آخر ڈیڑھ سال اُس رسالہ کو جاری رکھ کے اُنھون نے بند کردیا۔

مگر دلگداز کی اشاعت جون سنہ ۱۹۰۴ء سے شروع ہوئی تو کئی سال تک جاری رہی۔ اور اُسکے ساتھ ناول شوقین ملکہ جسمین دوسری صلیبی لڑائی کے واقعات بیان کیئے گئے ہین شائع ہونا شروع ہوا۔ اگست سنہ ۱۹۰۵ء مین تاریخ حروب صلیبیہ ختم اور مکمل ہوگئی تو ستمبر سنہ مذکور سے مولانا نے اپنی مصنفہ تاریخ سندھ دلگداز کے ساتھ شائع کرنا شروع کی۔

یہ نہایت ہی معرکۃ الآرا تاریخ ہے جسمین سندھ کے زمانۂ حکومت عرب کے حالات عربی کی مستند کتابون قدیم عرب سیاحونکے سفرنامون اور پُرانے جغرافیون سے لیکے جمع کیئے ہین۔ جو اسوقت تک کسی مورخ کی نظر سے نہین گزرے تھے۔ اور تمام معاملونمین بڑی تنقید وتحقیق سے بحث کی ہے۔

اِسی زمانے مین مولانا نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولوی محمد سعید الحق صاحب کے نام سے رسالہ "العرفان" نکالا جو اپنی نوعیت کا پہلا اور عجیب وغریب رسالہ تھا۔ اسمین الٰہیات اور تصوف سے بحث کیجاتی اور دینداری کی تعلیم ایسے دلچسپ اور موجہ طریقہ سے دیجاتی تھی کہ جس کسی نے اُسے دیکھا پسند کیا۔ اور صوفیونکی دُنیا مین اُسے خاص شہرت حاصل ہوگئی۔ مگر مولانا کے مختلف خانگی افکار اور سفر حیدرآباد کی وجہ سے وہ رسالہ بھی بند ہوگیا۔ لیکن العرفان نے اخباری دُنیا کو دینداری اور روحانیت کیطرف جو توجہ دلائی تھی اُسکا اثر ہمیشہ زندہ وباقی رہے گا چنانچہ آج تصوف اور علوم باطنی کے متعلق ہندوستان مین کئی رسالے نکل رہے ہین۔ جو درحقیقت العرفان ہی کی یادگار ہین۔

اِنھین دنون مولانا نے ایک نیا تاریخی سلسلہ تصانیف شروع کیا جسکا نام "سلسلۂ مشاہیر اسلام" ہے اِس سلسلہ کی پہلی کتاب شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی لائف ہو۔ اور دوسری حضرت ابوبکر شبلی کی لائف تیسری کتاب یعنی امام ابوالحسن اشعری کی لائف کا مواد جمع کرچکے تھے کہ سفر حیدرآباد پیش آیا۔ اور وہ آجتک نہین شائع ہوسکی۔ اب اُمید ہو کہ مولانا اسے عنقریب مرتب فرماکے شائع کردینگے۔ اِس سلسلہ کی کتابونکو صاحب علم مسلمانون نے بے انتہا پسند کیا۔ اور واقعی اُنکے مطالعہ سے مولانا کا تاریخی تبحر اور اُنکی وسعت نظر کے ساتھ

اُنکی تحقیق و تنقید کا حال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

اسکے قریب زمانے مین مولانا نے مقدس نازنین کے بعد پیام یار مین شائع ہونے کیلئے ایک ناول "فتح اُندلس" تصنیف کیا۔ جو نہایت ہی لاجواب اور مقبول عام ناول ہی "آغا صادق کی شادی" کے نام سے ایک چھوٹا سا ناول مطبع دلگداز سے شائع کیا۔ جسے نہ رسالۂ دلگداز ہی سے تعلق تھا نہ پیام یار سے مگر نہایت ہی دلچسپ با مذاق ہی۔

فروری ۱۹۰۶ء مین مولانا نے دلگداز مین آٹھ صفحہ اور بڑھا دیئے اور اُن صفحات پر مرزا آغا علیخان رئیس لکھنو کے حالات زندگی شائع کرنا شروع کیئے۔ اور اسی سال کے شروع سے دلگداز کے ساتھ ناول یوسف و نجمہ جو ۱۸۹۱ء سے ناتمام پڑا ہوا تھا۔ اُسکے مکمل کرنے کا ارادہ کیا گیا چنانچہ اختتام سال کے ساتھ ہی وہ تکمیل کو پہونچگیا۔ اور جنوری ۱۹۰۷ء سے ایک نیا ناول قیس و لُبنی شروع ہوا جو دسمبر ۱۹۰۷ء مین پورا ہوا

مگر ان سب چیزونکا تکملہ حیدرآباد مین پہونچکے ہوا کیونکہ جنوری ۱۹۰۷ء مین مولوی عزیز مرزا صاحب کے علمی مذاق نے مولانا کو پھر حیدرآباد کیطرف کھینچا۔ جہان آپ وہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہو کے گئے اور جاتے ہی اپنی خدمت کا چارج لے لیا۔ اور باجازت سرکار نظام دفتر دلگداز کو بھی حیدرآباد مین منتقل کر لیا۔ اور ۱۹۰۸ء کے خاتمے کے ساتھ ناول قیس و لُبنی تاریخ سندھ کی جلد دوم اور آغائی صاحب کی لائف سب مکمل ہو گئین۔

۱۹۰۹ء کے آغاز مین مولانا کو اپنی خدمت کی ذمہ داریونکے لحاظ سے بعض اضلاع ریاست مین دورہ کرنا پڑا جسکی وجہ سے پھر اشاعت دلگداز رُک گئی۔ یہانتک کہ آخر ۱۹۰۹ء مین یکایک حضور نظام کا ایک ایسا حکم محکم صادر ہوا جسکی رو سے مولوی عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ مولوی ظفر علیخان صاحب بی۔ اے۔ اور مولوی صفی الدین صاحب (جو معزز عہدون پر تھے) بہ عطاے وظیفہ اپنی خدمتون سے سبکدوش اور مولانا شرر جنکی ملازمت ہنوز مستقل بھی نہونے پائی تھی موقوف کیئے گئے۔ اور چارون صاحبونکی نسبت حکم ہوا کہ حدود قلمرو نظام سے باہر رہین۔

اس طریقہ سے مولانا اپنے وطن مالوف مین واپس آ اور جنوری ۱۹۱۰ء سے دلگداز پھر جاری کیا ہی لیکن اُسی ابتدائی پرچہ جیسا کہ ۱۸۸۷ء مین پہلے پہل شائع ہوا تھا یعنی ایک جزو کا رسا صرف مضامین ہوتے ہین۔ ناولون اور تاریخی کتابونکی نسبت ا وعدہ کیا گیا ہی کہ بجائے اسکے کہ ایک ایک جزو دلگداز کے ساتھ شا مکمل و مرتب کر کے جُداگانہ سال مین دو تین مرتبہ شائع ہوا کرے

مولانا شرر کی زندگی اسی درجہ تک پہونچی ہی اور ہمین یقین ابھی وہ بہت کچھ کرینگے۔ کیونکہ اب وہ فرصت و فراغت کے ساتھ اُر اور صاحبان ذوق اہل علم کی خدمت گزاری کیلئے مستعد ہو کے ہین۔ اور پہلے سے زیادہ حوصلہ کے ساتھ کام کرنے کو تیار رہین۔

یہ مضمون ختم کرنیسے پہلے ہم اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ ہمارے کی گورنمنٹ نے مولانا شرر کی لٹریری خدمت کی کوئی قدر نہین کی طبیعت اس مذاق اور اس خوبی کے لوگ تمام مہذب ممالک مین بڑے خطاب پاتے ہین اور یونیورسٹیونمین انسے مشورے لیئے جاتے ہین افسو اُردو زبان کے زبردست انشاپرداز اور تاریخ کے زبردست ماہر کیحد ہماری گورنمنٹ کوئی فائدہ نہین حاصل کرتی۔

سررشتہ تعلیم کی کتابونکی جو حالت ہی اور اُنکی زبان کی جو گت گورنمنٹ اسپر توجہ کرتی تو مولانا شرر کی عزت افزائی نہین بلکہ ملک زبان کی شائستگی بڑھانے کی ضرور فکر فرماتی۔

مگر ہم مایوس نہین ہین۔ ہمارے صوبے کے موجودہ حکمران ہز سر سکاٹ ہیوٹ بالقابہ علم دوست و اہل کمال کے قدر افزا ہین و شرر کے علمی کارنامونسے ضرور فائدہ اُٹھانیکی کوشش فرمائینگے۔ حکیم بر

اخلاقی دلیری

”اے فرض! تو ایک عجیب قوت ہے۔ تو خوشامد و تملق، ایما، و کنایہ، تخویف و تہدید سے کام نہین کرتا۔ بلکہ تو روح کا فطری قانون دکھاکر اپنی عزت و احترام قائم رکھتا ہے۔ گویا تعظیم دائمی فرمانبرداری نہو۔ نہ سہی۔ مگر تیرے سامنے تمام خواہشات بے دست و پا اور بے زبان ہوجاتی ہین خواہ وہ باطنی طور پر تجھسے برسر پرخاش ہی رہین“ (کینٹ)

دلیری کی ایک قسم تو وہی ہے جسکو جسمانی یا جبلی شجاعت کہتے ہین اور جسکو سپاہی میدان جنگ مین ظاہر کرتے اور مردانہ وار موت کے منھ مین چلے جاتے ہین۔ مگر اسکی ایک اور قسم بھی ہے جسکا تعلق ہمارے چال چلن سے ہے۔ اسکا نام ”اخلاقی دلیری“ ہے۔ اس دلیری کا کام اُس وقت ہوتا ہے جبکہ بھلے بُرے مین امتیاز کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی لازمی بات نہین ہے کہ جو لوگ طبعًا دلیر اور بہادر ہون اُنکی دلاوری اور شجاعت کی داد اخلاقی اُمور مین بھی دیجاے۔ بہت سے ایسے سپاہی ہین جو میدان کارزار مین تو بے دھڑک اور نڈر ہوکر لڑتے ہین مگر اپنے رفقا کی ہنسی مذاق کا مقابلہ کرنے مین بجید ڈرپوک اور بودے ثابت ہوتے ہین۔ برعکس اسکے اکثر نازک اندام عورتین اپنے اخلاقی استقلال اور ثابت قدمی کا اظہار کرتی ہین۔ اسمائلز صاحب فرماتے ہین:۔ وہ جرأت و دلاوری جو دم بخود و ساکت سعی اور جد و جہد مین ظاہر ہوتی ہے اور وہ شجاعت جو صداقت اور فرض کیلئے ہر قسم کی مشکلات جھیلتی ہے۔ اُس خلقی شجاعت سے جسکا صلہ کسی اعلیٰ اعزاز، کسی خطاب یا فتح کے خون آلود سہرے کی صورت مین ملتا ہے کہین افضل و اعلیٰ ہے! اعلیٰ درجہ کے مرد اور عورتین ”اخلاقی دلیری“ ہی سے بنتی ہین یعنے تلاش حق اور راستگوئی مین دلیری، منصف و راست باز ہونے کی جرأت، دیانتدار اور ایماندار رہنے کی شجاعت، امتحان اور آزمائش کو زیر کرنے کی مردانگی، اپنے فرائض کو پورا کرنے کی دُھن، یہی وہ چیزین ہین جو اعلےٰ درجہ کی بہادری اور مردانگی مین شامل ہین۔ اگر مرد و عورت ان پاک اوصاف سے فائز نہون تو وہ اپنے دیگر اوصافِ حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو بھی بحفاظت قائم نہ رکھ سکین گے۔

”ہماری نسل کی ترقی کی تاریخ نے قدم قدم پر مشکلات اور مخالفت کا مقابلہ کیا ہے۔ مگر جوانمردون نے اُن مشکلات پر غلبہ حاصل کرکے نمایان فتوحات حاصل کین یعنی اُن بہادرون نے جو ہمارے خیالات کیلئے راستہ صاف کرنیمین ہمارے لیڈر (رہنما) بنے ہین اُنھون نے آہنی اسلحہ سے کام نہین لیا تھا بلکہ بڑے بڑے مباحث اور لیکچرون سے کام نکالا۔ ہمارے محبان وطن اور زندگی کے ہر شعبہ مین کام کرنیوالون نے ایسی ایسی مشکلات کو روئی کیطرح توم کر الگ رکھدیا۔ پبلک نے کسی بڑی صداقت اور کسی اعلیٰ اُصول کو بلا شور و شغب (بہ خوشی) قبول نہین کیا ہے بلکہ عوام الناس کو جبرًا اُس اُصول کی صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا گیا ہے“۔

سقراط کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا تھا تاکہ وہ ایتھنس مین زہر کا پیالہ نوش کرے۔ اُسوقت اُسکی عمر ۷۰ سال کی تھی۔ اُسکی اعلیٰ تعلیم زمانہ کے تعصبات اور قومی پالیسی کے خلاف تھی۔ اُسکے دشمنون نے اُسپر یہ الزام لگایا تھا کہ اُسنے ایتھنس کے نوجوانونکو خراب کردیا ہے اور اُنکو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اُن دیوتاؤنکی پرستش سے پرہیز کرین جو گویا قوم اور سلطنت کے حامی ہین۔ سقراط مین ”اخلاقی دلیری“ ایسی اعلیٰ تھی کہ اُسنے نہ صرف ججون کے ظلم کو برداشت کیا بلکہ اُن عوام الناس کے

جور وستم کو بھی سہا جو اُسکی پاکیزہ تعلیم کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

یون تو اپنے اپنے خیال اور عقیدہ کے مطابق راستی پر عمل پیرا ہونے کیلئے ہر جگہ اخلاقی دلیری کی ضرورت ہے، لیکن ہندوستان مین اسکی اشد ضرورت ہی - ہماری سوسائٹی کی ایک عجیب بات یہ ہی کہ اُسکی ترتیب بہت سخت اور جابرانہ ہی - ہمارے دستور و مراسم ایسے سخت ہین کہ ہمکو کسی قسم کی آزادی نہین حاصل ہی - ہر طرف قواعد اور پابندیونکی ایک آہنی باڑھ نظر آتی ہی - اسلئے ہماری سوسائٹی کو ایک تنگ راہ سے بدقّت تمام جُھک جھک کر چلنا پڑتا ہی - ہم ہندوستانیونکا یہ ایک عام خاصہ بیان کیا جاتا ہی کہ ہم شخصیت سے محروم ہین، ہم ذاتی ذمہ داری کے احساس سے معرّا ہین، ہم آزادانہ عمل و خیال سے مبّرا ہین یعنی ہمارا تمدنی ڈھانچہ کسی جابر و مطلق العنان بادشاہ کے لفظی قانون کے مانند ہی جسکے مقابلہ مین شخصیت ہیچ اور لایعنی ہی -

آخر اسکی کیا وجہ ہی؟ مین صاحب اپنے "قانونِ سلف" مین اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ ہندوستانی سوسائٹی ابتک ابتدائی حالت مین ہی - وہ فرماتے ہین کہ "قدیم زمانہ کی سوسائٹی کا جزو واحد خاندان تھا - مگر زمانۂ حال کی سوسائٹی کے اجزائے ترکیبی افراد (یعنی مجموعۂ شخصیت) ہین"، بشپ کالڈ ویل صاحب بھی اہلِ ہند کے متعلق فرماتے ہین کہ "وہ اپنی ذات اور فرقہ کے قدیمی دستورونکو قائم و برقرار رکھنے مین بہت محتاط ہین - اُنکے خیالات پر اگرچہ مغربی تعلیم کا رنگ چڑھ گیا ہی مگر اُنکے روزانہ اعمال اُنکے آبا و اجداد کے کامونسے مختلف نہین ہین۔

فاسٹر صاحب اپنی نادر تصنیف "قوتِ فیصلہ" مین تحریر فرماتے ہین کہ "بعض وقت انسان اپنے ارادہ کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہی - یہ تبدیلی خواہ سوسائٹی کے ساتھ ربط و ضبط رکھنے مین ہو خواہ اُسکا طریقہ بدلنے مین، مگر سب سے پہلا سوال اُسکے دلمین یہی پیدا ہوتا ہی کہ کیا یہ اچھا ہوگا؟ وہ خیال کرتا ہی کہ یقیناً یہ بات مناسب ہوگی۔ وہ یہ خواہش رکھتا ہی کہ ہر امر اُسکی مرضی کے مطابق ہو - وہ ایک نئی تجویز پر بہت جلد عملدرآمد کرنیکو تیار ہو جاتا ہی - مگر دوسرے ہی دن اُسکے دلمین یہ شک پیدا ہوتا ہی کہ کیا ایسا کرنا دانشمندی مین داخل ہی؟ اُسکو بہت سی باتونپر سوچنا پڑتا ہی مبادا اُسکے نئے ارادہ کو عملی لباس پہنانے مین کوئی ایسی خرابی پنہان نہو جسکی اسکو خبر نہین - کیا یہ وقت کے مناسب حال ہی؟ لوگ کیا کہینگے؟ اگرچہ وہ باقاعدہ اپنے پُرانے ارادہ کو ترک نہین کرتا مگر ایسی ایسی باتین سوچ سوچکر وہ ہچکچاتا رہتا ہی - اسکی یہ خواہش رہتی ہی کہ وہ کسیطرح اُس ارادہ کو ترک کرنیکی مصلحت کا قائل ہو جائے"۔

مگر جب اخلاقی دلیری موجود ہوتی ہی تو انسان ایک دوسری پالیسی (حکمت عملی) اختیار کرتا ہی - جو آدمی قوتِ فیصلہ سے فائز ہے۔ وہ یہی کہیگا - میرا یہی ارادہ ہی اور یہی مقصد میرے زیر نظر ہی مین وہ سب کچھ کرونگا جو انسان کے شایان ہی جب میرا ارادہ عملی صورت اختیار کریگا اور اُسوقت اگر مشکلات چارونطرفسے گھیر لینگی - تاہم مین ثابت قدم اور مستقل مزاج رہونگا - مین خوشی سے اُسکے نتائج کا خمیازہ بھگتنے کو تیار رہون - مین ایک ایسی ہستی کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھونگا (خواہ وہ خود مین ہی کیون نہون) جو محض تصوّرات کی تاریک اور ڈراؤنی شکلونکی غلام ہو - یا جسکا حوصلہ اُلّو کی چیخون، انسان کی دھمکیون اور تیوریونسے پست ہو جائے - مین ایسے فوائد اور اغراض کو جو مجھے ایک ذلیلانہ دلجمعی کے استفادہ کی غرض سے کام کرنے کی تحریک کرین ہرگز اختیار نہ کرونگا۔

تمام فرقون اور ملکونکے ریفامرون (مصلحان) کو غیر معمولی "اخلاقی دلیری" سے کام لینا پڑا ہی - بلکہ بسا اوقات وہ مدت العمر تک بہتان اور تہمت کے تیر و تفنگ کے نشانونکا تختۂ مشق بنے رہے ہین - دُنیا اپنی برتری اور ترقی کیلئے ایسے ہی روشن ضمیر اشخاص کی احسانمند ہی - ایسے ہی آدمیونکا نام نہایت ادب و احترام سے لیا جاتا ہی!

کسی حقیقی محبِّ وطن کی اخلاقی بہادری قومی اسقام و معائب کی بیخکنی کے وقت ہی اعلیٰ ترین نوعیت کی ظاہر ہوتی ہے۔ روما کے تفریحی تماشون ہی کو دیکھو۔ وہان شمشیرزن پہلوان کئی کئی دن کے بھوکے درندون سے لڑائے جاتے تھے۔ اہل روما اس قسم کے وحشیانہ کھیلونکو حد درجہ خوشی کا موجب و اوقاتِ فرصت کیلئے ایک عمدہ مشغلہ خیال کرتے تھے جسوقت تماشا شروع ہوتا تھا۔ تمام روما کے کاروبار بند ہوجاتے تھے اور سارا شہر تماشاگاہ کیطرف جھک پڑتا تھا مجسٹریٹ ممبران سینیٹ، شرفا، اُمرا، رؤسا، عفیفہ کنواریان اور عوام الناس غرض سب کے سب تماشاگاہ مین آموجود ہوتے تھے۔ شہنشاہ بھی اس موقعہ خاص پر رونق افروز ہوتا تھا۔ درندے جنگ و جدل کا بازار گرم کردیتے تھے اور پہلوان نعرہ مار کر میدان مین کود پڑتے تھے۔ نعرہ کے الفاظ یہ ہوتے تھے "قیصر کی جے ہو، جو مرنے کو جاتے ہین تجھکو سلام کرتے ہین۔" یہ وحشیانہ کھیل رات تک ہوتے رہتے تھے۔ چوتھی صدی کے آخر تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ آخرکار سنہ ۴۰۴ء مین ایک کہن سال اور گوشہ نشین راہب سے نہ رہا گیا۔ وہ ایسی بیرحمیون اور خونریزیونکو زیادہ برداشت نہ کرسکا۔ اُسنے اس مکروہ دستور کو موقوف کرانے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ اسکی جان اس ارادہ کے تکمیل کی نذر ہوگئی۔ مگر ان خونریزیونکے مقابلہ مین اُسکا حقیر جسم کیا حقیقت رکھتا تھا؟ اس راہب کا نام بھی ٹھیک طور پر کسیکو معلوم نہ ہوسکا۔ بعض تو اسکو ایلی میکس کہتے ہین اور بعض ٹیلی میکس خیر کچھ ہو۔ اسکا مضائقہ نہین۔ مگر اسکی اخلاقی دلیری اُسکی ناموری اور قدردانی کا باعث ہوئی ہے۔ وہ مشرق مین گیا تھا۔ کوئی آدمی اسکا آشنا نہین تھا۔ اشتہار دیا گیا کہ اکھاڑے مین شمشیرزنونکا ایک تماشا ہونیوالا ہے۔ تمام شہر حسب دستور تماشاگاہ مین جمع ہوگیا مجمع کے ہمراہ وہ بھی اندر پہونچگیا۔ اُسکا ارادہ تھا کہ استقلال کے ساتھ آج اپنے دلی مقصد کو پورا کرے۔ شمشیرزن چھوٹی چھوٹی تیز تلوارین اور بھالے لیکر اکھاڑے مین اُترپڑے۔ یہ موت و حیات کی نبرد آزمائی کی بازی تھی۔ جسوقت دونون پہلوان ایک دوسرے کے قریب پہونچے تو بوڑھا راہب یارسے کود پڑا اور اُن پہلوانونکے درمیان مین ٹھیک اُسوقت حائل ہوگیا جبکہ وہ ایکدوسرے پر وار کرنیوالے تھے۔ اُسنے اُنسے کہا کہ بلاوجہ خونریزی نہ کرو۔ یہ دیکھتے ہی زور و شور کی آوازین بلند ہوئین "او بڈھے کھوسٹ پیچھے ہٹ!" مگر وہ کب کسیکی ماننے والا تھا۔ لیکن شمشیرزن پہلوانون نے اُسکو ایک طرف ہٹادیا اور دو دو ہاتھ کرنے کو ایک طرف بڑھے۔ مگر وہ راہب پھر اُنکے درمیان حائل ہوگیا اور باز رہنے کی تاکید کی۔ عام شور بلند ہوا کہ "اس بڈھے کا کام تمام کردیا جائے!" بادشاہ نے بھی اسکی اجازت دیدی۔ بے رحم شمشیرزنون نے اُسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے اور اُسکی لاش کو روندتے ہوے ایک دوسرے کی طرف لڑنے کو بڑھے۔

مگر اس راہب کی جان رائگان نہین گئی۔ لوگ اپنے سابقہ اعمال پر غور کرنے لگے۔ اُنھون نے ناحق ایک مقدس آدمی کو قتل کیا تھا وہ اپنی بیرحمیونکو یاد کرکے تھرّا اُٹھے۔ جسدن اُس راہب کی جان اس خون آشامی کی عادت و رسم کے خلاف قربان ہوئی تھی۔ اُسیدن سے گویا کلسئم (تماشاگاہ) کے وحشیانہ کھیل بند ہوگئے۔ گوشہ نشین پارسا کی موت ایک اخلاقی فتحمندی ثابت ہوئی۔ شہنشاہ ہنوریس نے سنہ ۴۰۴ء مین شمشیرزنی کے وحشیانہ کھیل قطعاً موقوف کردیئے۔

ایک امریکن مصنّف "زندگی کی سچّی کامیابی" کے باب مین تحریر کرتا ہے:۔ "اپنی عادت کو ایسے سانچے مین ڈھالو کہ دوسرونکے دست نگر نہو بلکہ اپنے لئے خود فیصلہ کرو۔ ہر ایک عملی سوال کو خوب سوچ سمجھکر طے کرو۔ اگر ممکن ہو تو قطعی نتیجہ پر پہونچکر عزم بالجزم کرلو جب کوئی آزمائش تمھارے پیش ہو تو ارادہ کی پختگی کے ساتھ نہین کہو۔ اور جب جان نثاری کا فرض سامنے آئے تو مستقل مزاجی سے ہان کہو جسکا مرکے جواز کی پروانگی تمھارا ضمیر اور رائے صائب دیدے اُسکو فی الفور جانفشانی اور

مستعدی سے سرانجام دو - اسمین پہلوتہی نہ کرو - اگر تم حیران اور سراسیمہ ہو تو اپنے دلکو یکسو کرکے فیصلہ کرلو - اس سے تمکو بڑے بڑے کامونکے انجام دینے کی کچھ نہ کچھ قوت حاصل ہو جائیگی - اگر تم مناسب مستعدی سے کسی مسئلہ کے فیصلہ کرنیکی قوت سے معرّا ہو اور تم مین اتنی بھی طاقت نہین ہو کہ ثابت قدمی سے اپنے فیصلہ پر قائم رہکر اپنے ارادہ کو تکمیل تک پہونچا سکو تو زندگی مین کامیاب ہونیکی توقع کرنا محض بے سود اور فضول ہے۔"

جبتک تم تن تنہا کسی کام کو اُسکے آخری درجۂ کمال تک نہ پہونچاؤ اُسوقت تک وہ ہرگز ٹھیک نہوگا جس شخص نے نہین کہنے کا ہنر نہین سیکھا وہ ہر ایک کام غلط کریگا جسقدر جلد ممکن ہو تم اسکو اپنی موجودہ اور آئندہ زندگی کی فلاح کیلئے فوراً سیکھ لو۔"

انسان عموماً اس امر سے واقف ہو کہ کون کام درست ہو اور کونسا نادرست - مگر خوشامد فائدہ اور عیش وعشرت اور لہو ولعب کی آزمائشون اور ترغیبون سے بچنے کی اُسمین کافی قوت نہین ہو -

ہمارے تعلیم یافتہ برادران ملک کی عام اخلاقی کمزوری کی کیا وجہ ہو؟ اسکے سوائے کوئی اور وجہ نہین ہوسکتی کہ وہ اپنے دوستون اور رشتہ دارون اور اپنے آرام وآسائش اور لوگونکی واہ واہ کا زیادہ خیال کرتے ہین - حالانکہ مناسب تھا کہ سب سے زیادہ وہ خدا کا خیال کرتے -

ڈاکٹر بلر فرماتے ہین :" اگر تم مین فیصلہ کرنے کی قوت اور دلیری ہو تو اوّل جو تمھارا فرض ہو اور جو کام انسان کے شایان شان ہو اُسکو کرو - دو مختلف آراء کے درمیان معلق مت رہو جن دستورون اور اور تاثرات کو تم نگاہ نفرت سے دیکھتے ہو اُن کی متابعت مت کرو - صرف خدا کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ جب تم اس بات کو جان لوگے اور پہچان لوگے کہ کسطرح خدا تمھارے اندر اور تمھارے ساتھ کام کرتا ہو تو تمکو ہر ایک مشکل آسان ہوگی اور ہر ایک ناکامی اور مایوسی مین روحانی تروتازگی نصیب ہوگی۔"

اَب لکیر پر فقیر بنے رہنے کا زمانہ نہین رہا بلکہ اب عقل کی پیروی کرنے کا زمانہ ہو - اگر ہم صرف دستورونکی پیروی کرتے رہین تو ہم کسی قسم کی ترقی نہین کرسکتے - مناسب یہ ہو کہ معقولیت کو قومیت کی قربان گاہ پر نہ چڑھایا جائے - دو ہزار برس کا عرصہ گزرا کہ انگلستان چند ایسی وحشی قومون سے آباد تھا جو اپنے جسمونکو رنگا کرتی تھین - جنگلی میوہ جات اور مچھلیونکے شکار پر اُنکی اوقات بسری ہوتی تھی - اگر وہ لوگ صرف دستورکے پابند رہتے تو انگلستان کی وہ حالت نہوتی جو اب ہو - باشندگان انگلستان نے دوسری قومونکے ایجادات واختراعات سے مستفید ہونیکی کوشش کی - اپنی عقل سے کام لیا اور یون رفتہ رفتہ اَب وہ دُنیا کے نہایت ہی آسودہ حال اور روشن دماغ باشندونمین شمار ہوتے ہین -

حسب ضرورت دستور کا پابند رہنا بُری بات نہین ہے بشرطیکہ وہ دستور عمدہ اور اچھا ہو - ایسے دستور کو قائم رکھنا ہمارا قومی فرض ہو - ہمارا مطلب صرف یہ ہو کہ انسان جو صاحب ضمیر اور صاحب عقل ہو اُسکو مناسب ہے کہ وہ ہر ایک دستور کے حسن وقبح پر غور کرے - اگر اُس دستور سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو اپنا اور اپنے ہمسایونکا بھلا ہوتا ہو تو بے شک اُسکی پیروی کرنا روا ہو - مگر نامناسب ہو کہ ہم اندھا دھند کسی دستور کے مقلد بنے رہین - اگر ہم ایسا کرتے ہین تو یقیناً ہم مین فرض کا احساس باقی نہین رہا اور نہ اخلاقی دلیری ہی کا نام ونشان ہم مین پایا جاتا ہے -

شاکر

مشرقِ ادب کی تاثیر

ادب تاجے است از لطفِ الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

اچھی طرح سمجھ لو جو مین ہون تم سے کہتا مشرق مین تم ہو رہتے مشرق وطن تمھارا
مغرب کا بہ رہا ہے جو اپنی رَو مین دریا موجون کے ساتھ پہونچے تہ کا نہ کوئی قطرا

موجون کے ساتھ چل کر ہرگز نہ کھاؤ غوطے
موتی نکالنے کو اُس مین لگاؤ غوطے

دنیا مین جتنی باتین ہوتی ہین بزم آرا اُن سب کو تمنے اپنے علم ادب مین سمجھا
کیمسٹری سے تمنے سب کے نکالے اجزا سب کے مزاج دیکھے ہنگام ضبط انشا

القاب بھی بتائے آداب بھی بتائے
اُنکے اثر سے سارے اپنے ہوئے پرائے

اپنی زبان مین لائے تم دہر کے حقائق تم ترجمون مین نکلے دنیا سے بڑھ کے لائق
ہر شے کے تم تھے جویا ہر چیز کے تھے شائق آخر ہوئے جہان مین اہل جہان پہ فائق

ہر علم و فن مین اپنا علم ادب نہ بھولے
تم سے پہلے گلستان گلزار تم سے پھولے

تھا جو ادب تمہارا معشوق تھا وہ بالکل تم بیٹھتے تو ہوتا اظہار صد تحمُّل
اُٹھتے جو تم تو اُٹھتا تعظیم کو تجمُّل چلتے تو ساتھ چلتے آداب دہر بالکل

اب وہ صفات تمسے رخصت ہوئے ہین بھائی
جو کرتے ہو غلط ہے دُھن ہے غلط سمائی

ہو سنسکرت بھاشا یا فارسی و تازی ہو صورت صفاہان یا پیکر حجازی
ہو جلوہ حقیقی یا عشوہ مجازی ہے رنگ سب مین یکسان یکسان ہے نگساری

جو بات جس زبان مین دیکھوگے تم ادب کی
ہے قفل ایک اُنکا کنجی الگ ہے سب کی

ہندوستان مین رہتے یا ساکن عرب تھے مسکن کہین ہو لیکن مجموعۂ ادب تھے
نسخے شفا کے بنتے ہلتے کہین جو لب تھے اس مدرسے مین جو تھے حکمت مآب سب تھے

پچھلے ادب مین اپنے آداب شاہ دیکھو
چلتی ہے کس ادب سے یہ شاہ راہ دیکھو

ہر مشرقی ادب مین اک فلسفہ ہے پنہان دیکھو عجم کے شقّے دیکھو عرب کے فرمان
حکّام کے عرائض دیکھو بنام سلطان جنگل نہ سمجھو اسکو سمجھو ہے اک گلستان

اُس سے ادب نکالو ماخذ اُسے بناؤ
جو بڑھ گیا گھٹاؤ جو گھٹ گیا بڑھاؤ

سمجھو جو ایشیا مین ہر قوم کا ادب ہے جو جان کنی سے اپنی افسوس جان بلب ہے
آپس کی دوستی کا جو اک بڑا سبب ہے جو لولڈ فیشنی سے مطعون روز و شب ہے

بگڑے ہمارے صدہا کام اُسنے ہین بنائے
بے شبہہ اُس ادب نے اپنے کئے پرائے

مفتوح اور فاتح رکھتے ہین اک تفاوت ہرگز نہ ایک ہونگے کمزور و اہل طاقت
ہر ملک کے خصائص رکھتے ہین خاص عادت یکسان کرے نہ سب کو دنیا مین زور فطرت

سیّاح کو جہان کی کرنا ہے سیر ممکن
دریا کے دو کنارے ہون ایک غیر ممکن

نوکر ہین ہم نہین ہین انگلش کی طرح آقا وہ بادشہ ہمارے ہم اُنکی ہین رعایا
ہم جج ہوں یا کلکٹر حاکم نہین ہین حاشا اُنکی زبان ہے آئین قانون اُنکا منشا

ہم اُنسے مانگ سکتے سب کچھ ہین اے برادر
لیکن نہین ہے ممکن جو ہو سکین برابر

انگلش نے قبضہ پایا اس ملک پر ادب سے دیکھو بغور پڑھکر انگلش کے عہد نامے
لکھے ہین افسرون نے راجون کو جو خریطے ازروے عقل سمجھو اُنکے اثر ہین کیسے

تاثیر سے ادب کی جو کچھ اُنھون نے پایا
وہ دوسری طرح پر ہرگز نہ ہاتھ آیا

راجون سے پہلے انگلش کرتے تھے بات کیونکر آقا کا جیسے اپنے کرتے ادب ہین نوکر

ار دو و فارسی مین کھولا ادب کا دفتر   آخر ادب نے چھوڑا اُنکو بنا کے قیصر

اُڑنے لگا پھر یرا جب ملک مین علم کا

تب سر کیا قلم نے تلوار سے قلم کا

گر چاہتے ہو دل مین غیرون کے گھر بنانا   گر چاہتے ہو اپنا اُجڑا محل بسانا

منظور ہے جو تمکو قسمت کا آزمانا   گر چاہتے ہو تم سے ظاہر ہو فعل دانا

تو کر لو یاد اپنے بھولے ہوئے ادب کو

پھر مات دے سکو گے باتون سے اپنی سب کو

ہر بات مین ادب کو سمجھو تم اپنا رہبر   ہر باب مین ادب کو سمجھو ہے خضر پیکر

یہ تاج ہے تمہارا سر تاج شاہ قیصر   یہ ہے تمہارا بھائی یہ ہے تمہارا نوکر

ہوتے ادب سے دیکھے دنیا مین دوست دشمن

روشن وہ گھر ہے جسمین شمعِ ادب ہے روشن

اشہری

کلامِ ابر

(از افکار تازہ پنڈت بشن نراین صاحب ابر)

آئینہ پھر اُسنے دیکھا پھر ہے حیرانی مجھے   زلف اُسکی پھر بنی پھر ہے پریشانی مجھے

سبزہ خودرو ہون اس ویرانۂ عالم مین مین   کیا کہون اُسکا کرم دیتا ہے جو پانی مجھے

سوچتا ہون واشدِ دل کا جو مین انجام کا   غنچے کے کھلنے سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

غیرت آتی عیب سے ہے اہل غیرت کے حضور   ننگون کی بستی مین کیا ہو شرم عریانی مجھے

تیری صورت دیکھتا ہون اپنی صورت کی جگہ   آئینے کو دیکھکر ہوتی ہے حیرانی مجھے

مجھکو خود معشوق سکھلاتے ہین گھاتین عشق کی   لاکے پریان دیتی ہین نقش سلیمانی مجھے

صورتِ عمرِ رواں کا عکس آتا ہے نظر   آئنہ ہے نہر کا بہتا ہوا پانی مجھے

ستر پوشی کا نہین معصوم کو ہوتا خیال   ہے خیالِ معصیت سے شرم عریانی مجھے

قادرِ مطلق سے مجھ شکی کا اتنا ہے سوال   ہو جو کچھ قدرت دکھا دے اپنا تو ثانی مجھے

شیخ صاحب مین فرشتون کی چلن چلتا مگر   ہون بشر لازم ہے پاس وضع انسانی مجھے

درس انگلش نے بھلا دی سب زبانِ مادری   ابتو اُردو بھی ہوئی ہے آبر عبرانی مجھے

ماہیتِ فلسفہ

ہے مرکب فائلاس اور سوفیا سے فلسفا   جسکے معنی ہین محبت عقل کی اے باصفا

وضع کی سقراط نے پہلے پہل یہ اصطلاح   تھا جو سوفسطائیون کو عقل کا دعویٰ بڑا

جانتے تھے خود وہ اپنے کو زمانہ سے عقیل   چھیڑنے کو اُنکے یہ شوخی تھی صرف اور کچھ نہ تھا

دیکھکر سرگشتہ اُنکو اپنے زورِ عقل مین   خود فلاسوفی لقب سقراط نے اپنا رکھا

فلسفہ کیا ہے؟ فقط اشیاے موجودہ کا علم   فلسفہ کیا؟ علم لاہوتی کی جس پر انتہا

ہین یہ چند اقوال افلاطون کے بس یادگار   فلسفہ ہے علم موت اسے چاشنی گیرِ فنا

علم ہے تشبیہ پیدا کرنے کا اللہ سے   جسقدر طاقت بشر کی ہے نہ کچھ اس سے سوا

ہے یہ وہ عشرتکدے مین دہر کے اعلیٰ سرور   جسکی لذت جاننے والا ہی ہے کچھ جانتا

ہے جہان مین صنعتونکی صنعت اور علمونکا علم   فضل کو اُسکے ارسطو نے بھی ثابت کر دیا

یہ دوائے روح ہے بیشک بشر کیواسطے   متفق اسپر اطبا کا بھی فرقہ ہو گیا

واقعات صادقہ ذہنی ہون وہ یا مادی   صرف اُسکا علم رکھنا بس یہی ہے فلسفہ

قول بیکن ہے کہ ہے یہ قوتِ کسبِ علوم   اور علمون پر شرف اسواسطے اسکو ہوا

ہے وسیلے سے علل کے علم معلولات کا   ہابس نے یہ اور ہملٹن نے کیا ہے فیصلہ

ہو علل کی حیثیت سے بحث موجودات پر   ہے یہی بقراط کے نزدیک اسکا مدعا

اصل بس یہ ہے جہانتک ہوگی تحقیق علل   ملتا جائیگا وہانتک اسکو وحدت کا پتا

آئیگا حق کیطرف ہر علتِ آخر کے بعد   علت اولیٰ جسے کہئے اگر تو ہے بجا

لیکن اُنکی عقل و دانش پر بہت افسوس ہے   فلسفہ پڑھکر ہوئے جو منکرِ ذاتِ خدا (باری تعالےٰ ۱۲)

عقل سے بھی ہاتھ دھو یا پڑھکے علم النفس کو

کیا اثر تعلیم کا تو نے لیا ہے مرحبا

عزیز لکھنوی

کلام اکبر

جوش مین لائے صبا جسکو وہ خون اچھا ہے بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنون اچھا ہے
دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اُسکی جھلک ہر تا شیر محبت یہ شگون اچھا ہے
مین کسی سحر کی خوبی کا نہین ہون قائل ہان تری نرگس فتان کا فسون اچھا ہے

ہے دلیلون سے "نہین" پیدا یقین کیونکر کرین سارا عالم کہ رہا ہے "ہان" "نہین" کیونکر کرین
کسطرح دُنیا کو چھوڑین ہے بنائے زندگی ہے مدار کار ملت ترک دین کیونکر کرین
مغربی علم و ہنر تو خوب ہین اکبر مگر اپنی اس تعلیم پر ہم آفرین کیونکر کرین

مرید دہر ہوئے وضع مغربی کر لی نئے جنم کی تمنا مین خود کشی کر لی
جو حسن بُت کی جگہہ حکم مس ہوا قائم تو عشق چھوڑکے ہم نے بھی نوکری کر لی
نگاہ ناز بتان پر نثار دل کو کیا زمانہ دیکھکے دشمن سے دوستی کر لی

محفوظ ذہن رکھین ہر دور ہم کہانتک اوراق ہسٹری مین نقش قلم کہانتک
ہر قطرہ اور ذرہ ہے مورث حوادث دفتر نزا کہانتک زور رقم کہانتک
ناقص مقدمون سے نکلین گے جو نتیجے اُن پر وثوق صحت اے محترم کہانتک
نعمت سمجھ بلا کو، ہے لذت تماشا آخر یہ مخزن اشک اے چشم نم کہانتک
کہتے ہین دوست اکبر کو دیکھکر بحسرت
ہے اسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہانتک

خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر
دیا دل جس نے دُنیا کو حقیقت مین وہ مشرک ہے

جوان بیوہ

رنڈاپا جوانی کا ہے قہر و آفت رنڈاپا جوانی کا اُف ری مصیبت
رنڈاپا جوانی کا اور پاس عزت قیامت ہے غمگین دل کو قیامت
نگاہون مین دنیا کی ہر شے عبث ہے
رہا جب نہ وارث تو جو ہے عبث ہے

ہوئی اب تو دو بھر یہ دکھیا زمین کو لہو رو کے ترکرتی ہے آستین کو
ٹپک کر کبھی پھوڑتی ہے جبین کو کبھی تھام لیتی ہے قلب حزین کو
نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم ہے
حیات اسکی کیا ہے حیات الم ہے

رنڈاپے کے کپڑے یہ پہنے ہے تن مین نہین خون کی سُرخی بھی باقی بدن مین
اسیکا ہے دکھڑا ہر اک مرد و زن مین اسی کا ہے رونا ہر اک انجمن مین
بڑی بوڑھیان اُسکو بیٹھی ہین گھیرے
یہ کہتی ہین بچی خدا صبر اب دے

چھڑے ہین زمانے کے قصے اسے کیا سب آئے ہین ہمدرد بنکے اسے کیا
کوئی روئے یا مُسکرائے اسے کیا کرے یا کوئی کچھ اشارے اسے کیا
یہ اپنے مسافر کی دُھن مین پڑی ہے
کلیجے مین اک غم کی برچھی گڑی ہے

کبھی یہ تصور سّتی ہون تو اچھا کبھی زہر کا ڈھونڈتی ہے پیالا
کبھی چاہتی ہے کہ ہون غرق دریا کبھی ولولہ یہ چلون سوے صحرا
بچھڑ جانے والے کو جی بھر کے ڈھونڈھون یہان
نہ پاؤن اگر جیتے جی مر کے ڈھونڈھون

یہ روتی ہے جب یاد آتا ہے شوہر سب اسکی جوانی کو روتے ہین آکر
یہ روتی ہے جب قلب ہوتا ہے مضطر بہاتے ہین اشک اسکی سب کمسنی پر

یہ کہتی ہے کیونکر اجل کو بُلاؤن

اجل کہتی ہے وقت آئے تو آؤن

وہ زلفین سہاگ اسکا جنسے تھا ہردم   ہوئی جاتی ہین آپ سے آپ برہم

عیان رُخ کی رنگت سے ہے دلکا عالم   جھپکتی ہین آنکھین کہ ہوتا ہے ماتم

ہنسی مُنہ پہ خواب و خیال اب ہوئی ہے

فغان جیسے ہر وقت کی دل لگی ہے

طلسمِ خیالات ہے اور یہ ہے   اب اشکون کی برسات ہے اور یہ ہے

جوانی کا ظلمات ہے اور یہ ہے   ڈرانی غضب رات ہے اور یہ ہے

بہت سرد و گرمِ جہان دیکھنا ہے

تماشائے عمرِ روان دیکھنا ہے

اب ایک اک گھڑی اک نئی زندگی ہے   ستم بیکسی ہے غضب بیکسی ہے

نہ ہمدرد کوئی نہ مونس کوئی ہے   زبان دل کی بیتی ہوئی کہ رہی ہے

وہ ہے سامنے جسکی آنکھین ہین جویا

تصوّر مین تصویر کھینچی ہے گویا

سہاگن کے نزدیک کیونکر یہ جائے   یہ وسواس ہے ہمیہ آنچل نہ ڈالے

کسی نے پکارا تو جُھٹ پیری کہ کے   ہزارون زبانین ہین لاکھون ہی طعنے

ہر اک منہ مین جو آتا ہے بک رہا ہے

یہ مُنہ سب کا کس یاس سے تک رہی ہے

کبھی امتحانِ وفائے گا گردون   ٹپک جائینگے آنکھ سے اشک پُر خون

کبھی آپ سے آپ دل ہوگا محزون   کبھی کہ رہی ہوگی یہ صبر سے یون

مددگار تو ہے مری آبرو کا

بھروسہ تجھی پر ہے اب بیری خو کا

کبھی نفس امّارہ کا جوش طوفان   طلاطم مین جس سے خیالات ہر آن

کسی وقت بزمِ عناصر پریشان   نفس جس سے سینے مین دم بھر کا مہمان

مگر کد یہی ہے شرافت نہ جائے

نکل جائے روح اور عزّت نہ جائے

کبھی خود بخود دل سے یہ باتین کرنا   ہوئی ہونگی لاکھون مرے سن کی بیوا

کٹا ہوگا کس طرح اُن کا رنڈاپا   یہی نا کہ بس نام لیکر خدا کا

یونہین مین بھی عزّت سے جھیلونگی دُنیا

شرافت سے عصمت سے جھیلونگی دُنیا

نہ کھاؤنگی اچھا اگر سامنے آئے   نہ پہنونگی ہرگز اگر کوئی بنوائے

نہ سوؤنگی گو نیند آنکھونکو جھپکائے   خدا خواب مین بھی نہ راحت کو دکھلائے

مرا گھر جو اُجڑا تو دل بھی اُجڑ جائے

الٰہی تمنّاؤن پر اوس پڑ جائے

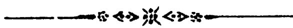
یہ سب کچھ سہی لیکن اے رانڈ بیوا   خدارا ذرا سُن لے محشر کا کہنا

کرے پار اللہ عصمت کا بیڑا   تری پاک باتون کا ہو سب مین شُہرا

سمجھتی ہے کیون رسم کو جزو ایمان

کہ برحق ہین احکام وید اور قرآن

محشر



قطعہ

کبھی تھا ناز زمانہ کو اپنے ہند پہ بھی   پر اب عروج وہ علم و کمال و فن مین نہین

وہی ہین گُل وہی بُلبل وہی نسیم و صبا   وہی چمن ہے پہ وہ باغبان چمن مین نہین

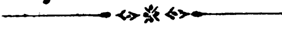
وہی ہے بزم وہی شمع ہے وہی فانوس   فدائے بزم وہ پروانے انجمن مین نہین

رگون مین خون ہے وہی دل ہے وہی جگر ہے وہی   وہی زبان ہے مگر وہ اثر سخن مین نہین

نفاق و جہل نے ہندوستان کو لوٹ لیا   بجز نفاق کے اب خاک بھی وطن مین نہین

ہے رنگ آنکھ کو محسوس اور دماغ کو بو   وہ شے جو اصل مین گُل ہے کہین چمن مین نہین

چکبست





ادائے شرم

انڈین پریس الہ آباد

ادائے شرم

یہ نگاہیں شرمگیں، یہ تیرا اندازِ حجاب   نیچی نظریں ہیں تری، یا عقدۂ رازِ حجاب
لب میں ہے جان پروری، آنکھوں میں اعجازِ حجاب   دوش پر آنچل ہے، یا ہے پردۂ سازِ حجاب

پاکدامانی کی تو سمٹی ہوئی تصویر ہے
جلوۂ حُسنِ تماشا سوز کی تنویر ہے

کہ رہی ہے چپکے چپکے، تیری چشمِ شرمگیں   "پیکرِ عفت ہے تو" اے نقشِ نازِ دلنشیں
یا زمیں پر جلوہ گر ہے خُلد کی اک حورِ عیں   یا کوئی دوشیزۂ رعنا ہے تو، اے نازنیں

کتنے دل کش، اور سادہ ہیں ترے جذباتِ حُسن
تیری خو بو میں نہیں داخل ہیں مصنوعاتِ حُسن

آئینے سے آشنا، ذوقِ خود آرائی نہیں   دوش بر دوشِ تحیّر، نازِ یکتائی نہیں
خود تماشا ہے، مگر اپنی تماشائی نہیں   محوِ تمکیں، آہ! تیری شان برنائی نہیں

اک عجب دل کش مُرقع تو یہ قدرت کا ہے
نقش سادہ اک طلسم جلوۂ حیرت کا ہے

بھولی بھولی اُف، یہ صورت، پیاری پیاری یہ ادا   آہ! یہ شرمیلی چتون، اور یہ آنکھوں کی حیا
یہ خمِ گردن کا عالم، اور یہ زلفِ دوتا   یہ لبِ شیریں یہ اندازِ سکوتِ جان فزا

نقشِ عفت ہے، مگر تو پردۂ تصویر میں
جلوۂ نورِ ازل ہے، حُسنِ عالمگیر میں

یہ تری عالم فریبی، اور یہ ریعانِ حُسن   بکھرے بکھرے بال، اور سمٹا ہوا دامانِ حُسن
عفت و شرم و حیا و ناز ہیں ارکانِ حُسن   بس انہیں دو چار اجزا سے ہے قائم شانِ حُسن

حاجتِ گلگونہ کیا، رخسارِ زیبا کے لئے
ذوقِ تزئین ننگ ہے، زلفِ چلیپا کے لئے

عشوۂ جو تیری نگہ، اے لعبتِ خوشخو نہیں   سر پہ بولے چڑھ کے جو آنکھوں میں وہ جادو نہیں
جس سے اک عالم پریشاں ہو، یہ وہ گیسو نہیں   بنکے خنجر دل پہ چل جائیں، یہ وہ ابرو نہیں

یہ نہیں وہ تیرِ مژگاں جس سے بسمل ہوں جگر
نشترِ جاں میں جو بنجائیں اُتر کر نیشتر

نیچی نظریں ہیں تری بیگانۂ ناز و نیاز   اور عیاں آنکھوں سے ہے معصومیت کا تیری راز
کتنے دل کش ہیں تری اک اک ادائے دل نواز   ہے چھڑی پھولوں کی یا زیرِ زقن انگشتِ ناز

کھل کے ہنسنا بھی نہیں تو جانتی گویا ابھی
غنچۂ سربستہ ہے اے شاہدِ رعنا ابھی

سُرور جہان آبادی

دلِ ناکام

تھا کبھی میرے لئے بھی روزگارِ آرزو   مجھکو بھی حاصل تھا لُطفِ انتظارِ آرزو
جوشِ دل سے ہو نہ سکتا تھا شمارِ آرزو   آرزو مجھپر فدا تھی میں نثارِ آرزو

تھا ہجومِ شوق سے میں بھی تمنائی کبھی
ہاں تصوّر ہی میں رہتا تھا تماشائی کبھی

بزمِ مے نوشاں میں میرا بھی کبھی مذکور تھا   میری قسمت میں بھی یہ افشردۂ انگور تھا
میں بھی کیفِ جامِ الفت سے کبھی مسرور تھا   میں بھی صہبائے محبت سے کبھی مخمور تھا

ملتفت پیرِ مغاں تھا دور میں پیمانہ تھا
میں بھی تھا بیکش کبھی مشربِ مرا رندانہ تھا

آہ تھا میرا زمانہ بھی کبھی دورِ نشاط   اور مستقبل نظر آتا تھا پُر از انبساط
آہ شوق گرمجوشی آہ ذوقِ ارتباط   وہ تمنائے تکلم۔ آرزو سے اختلاط

باغِ دل میں میرے آتی تھی بہارِ آرزو
میں تھا گویا عندلیبِ شاخسارِ آرزو

کیا خبر تھی یوں بھی نیرنگِ جہاں ہو جائیگا   اپنے ارمانوں کا دشمن آسماں ہو جائیگا
ایکدم سے منقلب دورِ زماں ہو جائیگا   اسطرح کا انقلاب ناگہاں ہو جائیگا

اوس پڑ جائیگی اپنے گلشنِ امید پر
حسرتیں روئینگی اس ناکامیِ جاوید پر

وہ سہانی شام میری رات وہ تاروں بھری — صبح صادق کو اُفق سے مہر کی جلوہ گری
کیسی کچھ خوشخبریاں دیتی تھی یہ خوش منظری — وہ طبیعت کی اُمنگیں اور شگفتہ خاطری

آہ گونا گونیاں میرے دل ناکام کی
آہ بو قلمونیاں آغازِ بد انجام کی

وہ تصور کا کسی کے مشغلہ جاتا رہا — گیسوے پر پیچ و خم کا سلسلہ جاتا رہا
وہ تمنا مٹ گئی وہ حوصلہ جاتا رہا — رہ گئی حسرت ہی حسرت ولولہ جاتا رہا

اب کہاں وہ دلفریبی ہائے اُلفت کے مزے
اب کہاں وہ دلکشیہائے محبت کے مزے

آہ وہ دل جو کہ شیدائے رخِ پُر نور تھا — آہ وہ دل جو کبھی رشک چراغ طور تھا
آہ وہ دل بادۂ الفت سے جو معمور تھا — آہ وہ دل جسکے ہاتھوں میں بہت مجبور تھا

آہ وہ دل جو کہ اُمیدوں کا اک کاشانہ تھا
آخرش دیکھا تو ارمانوں کا زندانخانہ تھا

ارشد تھانوی

بے ثباتیٔ عالم

چند روز اسے بُلبُل رونق گلستان ہے — موسم بہار گُل تین دن کا مہمان ہے
جس زمین پہ تھا گلزار اب وہاں اُگے ہیں خار — شب کو تھا جہاں دربار دن کو ہو کا میدان ہے
گرز ہے نہ اب وہ سام گور ہے نہ ہے بہرام — جم ہے اب نہ ہے وہ جام سازوہ نہ سامان ہے
یہ عجب ہوئی اُفتاد بیستون نہ ہے فرہاد — ہے ارم نہ ہے شداد قصر ہے نہ بستان ہے
عدل وہ نہ وہ کسریٰ حاتم اور نہ بذل اُسکا — شہ نہیں سکندر سا آئینہ بھی پنہان ہے
خم ہے وہ نہ افلاطون کا خم وہ نہ افریدون — گنج ہے نہ ہے قارون جاہ وہ نہ وہ شان ہے
زال ہے نہ وہ جوشن گرز وہ نہ روئین تن — وہ سنان نہ وہ بیژن سام ہے نہ خفتان ہے
قصر ہے نہ ہے دربان ہے نشان نہ عزو شان — یہ لحد ہے دارایان کون تیرا پرسان ہے
بے ثباتیٔ عالم کیا کہیں کسی سے ہم — تخت ہے نہ ہے خاتم اور نہ وہ سلیمان ہے
یاں رہا ہمیشہ کون موسیٰ اور نہ ہے فرعون — اُسکے وہ نہ یاروعون حشن وہ نہ ہامان ہے
ہیں نہ آدم و حوّا ہیں نہ یوشع و یحییٰ — ہے عصا نہ ہیں موسیٰ نوح ہیں نہ طوفان ہے
اب کہاں ہیں وہ داؤد وہ خلیل اور نمرود — بود تھے ہوئے نابود نار ہے نہ گلستان ہے
قیس ہے نہ لیلےٰ ہے وامق اور نہ عذرا ہے — یاں نہ اب زلیخا ہے اور نہ ماہ کنعان ہے
اب کہاں ہے وہ ضحاک ہر طرف تھی جسکی دھاک — سو رہا ہے زیر خاک قصر ہے نہ ایوان ہے
اب کہاں ہے وہ سہراب نیزہ اُسکا وہ نایاب — اب کہاں ہے وہ داراب اب کہاں نریمان ہے
اب کہاں ہیں وہ نامی سعد و سعدی و جامی — فیض ہے نہ فہامی خان نہ خانخانان ہے
اب کہاں ہے وہ سنجر اب کہاں ہے وہ بابر — اب کہاں ہے وہ اکبر وہ نہ شاہ نوران ہے
اب کہاں وہ ہارون ہے اب کہاں وہ مامون ہے — اب کہاں ہمایون ہے قیصر اب نہ خاقان ہے
ملک ہوگئے تاراج تخت وہ نہ وہ ہے تاج — کیا تھے کل ہوے کیا آج شاہ وہ نہ سلطان ہے
تیرے سامنے کیا تھا کیا سے ہوگیا پھر کیا — یہ ہے حال دنیا کا غافل اب بھی نادان ہے
اے ذہین یہ ہے دنیا تم نے کیا اسے سمجھا — یاں کا درد سر سودا یاں کا نفع نقصان ہے

ذہین

غزل

مٹا یہ کون غریب الدیار راہ میں ہے — کہ مدتوں سے بلند اک غُبار راہ میں ہے
یہ جوشِ دیدۂ خون نابہ بار راہ میں ہے — کہ ساتھ ساتھ ہمارے بہار راہ میں ہے
جنون میں منزلِ مقصود کا ہو رہبر کون — خضر کا ساتھ بھی بیگانہ وار راہ میں ہے
چلے ہیں اُسکی گلی تک تو فاتحہ پڑھ لیں — کہ نامہ بر کا ہمارے مزار راہ میں ہے
تلاش دوست کو مانع نہیں یہ ظلمتِ شب — چراغ ہے کہ دل داغدار راہ میں ہے
ہجوم شوق کی حد ہے کوئی شبِ وعدہ — نکل کے گھر سے ترا انتظار راہ میں ہے
یہی جنون ہے تو پہونچینگے خاک منزل تک — کہ اپنے نقش قدم کا شمار راہ میں ہے
سفر ہے منزلِ ہستی کے خواب کی تعبیر — خزاں چمن سے چلی تو بہار راہ میں ہے
تری طلب میں ہم اک جانشین کو چھوڑ گئے — کہ ہم نہیں تو ہمارا غبار راہ میں ہے
سفر میں بہر دعا اُٹھ گیا جو ہاتھ کبھی — وہی ہیں شجر سایہ دار راہ میں ہے
مسافرت بھی ہے لوحِ طلسم دہر نظر — کہیں یہ دشت کہیں سبزہ زار راہ میں ہے

ایڈیٹر

ایڈیٹوریل

آل انڈیا اُردو کانفرنس ۲۶ - ۲۷ و ۲۸ مارچ گذشتہ کو بمقام بدایون منعقد ہوئی تھی - اُردو زبان کے لئے یہ پہلا ہی موقع ہے کہ اُسکی ترقی کی باقاعدہ کوشش شروع ہوئی ہے - صدارت کیلئے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب - بی - اے سکریٹری مسلم لیگ منتخب کئے گئے تھے جنکی فضیلت، روشن خیالی اور معاملہ فہمی محتاج تعریف نہین - فاضل پریسیڈنٹ نے اپنی اسپیچ مین اُردو کے اصول و فروع، اُسکی تاریخ، اور اُسکی ترقی کے اسباب پر نہایت جامع و مانع بحث کی اور پُر زور استدلال کے ساتھ ثابت کیا کہ اُردو ہندو مسلمانون کی مشترکہ زبان ہے - اُنھون نے نہایت کشادہ دلی سے اعتراف کیا کہ اُردو زبان کی ترقی مین ہندوؤن نے مسلمانون سے کچھ کم محنت نہین کی ہے اور ہندو اہل قلم کا پایہ مسلمان اہل قلم سے کسیطرح کم نہین ہے - شرکاء کانفرنس مین بجز مقامی حکام اور روسا کے بیرونی حضرات کی تعداد نہایت قلیل تھی جسکی وجہ کانفرنس کا بیموقع انعقاد تھا - اوّل عین ہولی کا روز - دوسرے ملک کے اکثر حصون مین انھین تاریخون مین دوسری انجمنین بھی منعقد تھین - تاہم اس کمی تعداد کو ملک کے زندہ دل شعرا نے اپنی شرکت سے پورا کر دیا تھا - پہلے اجلاس مین تقریباً کوئی مقامی ہندو شریک نہ ہو سکا لیکن دوسرے روز یہ کمی ایک حد تک پوری ہو گئی تھی - فاضل پریسیڈنٹ کے علاوہ مولوی محمد عزیز صاحب - ایم - اے - بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ - منشی محمد واحد علی صاحب انڈر سکریٹری اجلاس ہمایون دربار رامپور - سید علی حسن صاحب احسن مارہروی - سید محمد مہدی صاحب کمال خلف حضرت جلال مرحوم اور سید نظام شاہ صاحب دلگیر اکبرآبادی کی شرکت سے کانفرنس مین ایک خاص رونق پائی جاتی تھی - مشہور جادو نگار مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر اپنے شیر خوار بچے کی علالت کے سبب شریک نہین ہو سکے جسکا اہل کانفرنس کو افسوس ہوا اور اب یہ افسوس اور بھی زیادہ ہو گیا کیونکہ چند ہی روز بعد وہ معصوم دنیا سے رخصت ہو گیا - ابتدائی حالت کیوجہ سے اگرچہ جلسہ کامیاب نہین کہا جا سکتا لیکن جن حضرات نے یہ کام شروع کیا ہے اُنمین لیاقت - سرگرمی اور استقلال کے اوصاف موجود ہین اور اسلئے اس کوشش کی کامیابی بالکل مشتبہ بھی نہین ہے - ہم امید کرتے ہین کہ مولوی امیر احمد صاحب جنرل سکریٹری اور بابو عطا محمد صاحب جائنٹ سکریٹری اُردو کانفرنس بدایون کی سرگرمی - حوصلہ مندی اور ایثار نفسی اُنھین اپنے ارادون مین جلد کامیاب کریگی -

ملک مین تمدنی بیداری کی رفتار نہایت سرعت سے جاری ہے اور ہندوستان کے ہر حصے مین مشترکہ سرمایہ سے کمپنیان قائم ہو رہی ہین - چنانچہ جنوری سنہ حال مین اس قسم کی ۱۱ کمپنیون کی مختلف حصص ملک مین رجسٹریان ہوئی ہین جنکے سرمایہ کی مجموعی تعداد ۲۹۶۵۰۰۰ ہے - گو یہ رقم اُسیقدر قلیل ہے جسقدر ملک مین افلاس کی زیادتی ہے تاہم یہ دیکھکر اطمینان ہوتا ہے کہ اہل ہند ترقی کے سیدھے راستے پر چلنے لگے ہین - کیونکہ ان مین بیشتر ایسی کمپنیان ہین جو تجارتی اور صنعتی مقاصد پر مبنی ہین - تاہم یہ معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے عظیم صوبے مین جسکا رقبہ گریٹ برٹن اور آئرلینڈ کے مشترکہ رقبے کے برابر ہے اور آبادی مین اُس سے بھی بڑھا ہوا ہے صرف ایک کمپنی قائم ہوئی ہے اور جسکا سرمایہ بیس ہزار سے زائد نہین ہے -

اگر کوشش ہو صنعت مین تجارت مین ترقی ہو تو دوہرے راستون سے اپنی دولت مین ترقی ہو
حکومت کو بھی لازم ہے کرے نرمی محاصل مین بڑھائے دل رعایا کے کہ محنت مین ترقی ہو

تصریح تصاویر

(۱) سری ویاس جی مصنف مہابھارت کی تصویر انڈین پریس کے نامور مصور بابو برجو بھوشن چودھری کے زور قلم کا نتیجہ ہے - مہابھارت ایسی عدیم النظیر تصنیف جو دُنیا کے علمی خزانون مین سب سے زیادہ تابناک جواہر خیال کیجاتی ہے اور جو علم تاریخ مین سب سے پہلی تصنیف ہے اُسوقت لکھی گئی تھی جب کاغذ کی جگہہ بھوج پتر اور سیاہی کی جگہہ حیوانات کا خون استعمال کیا جاتا تھا - اس وقت پر اتنی بڑی اور ایسی لاجواب تصنیف ایک معجزہ تھی جسنے ویاس جی کو اوتارون مین شامل کیا ہے - اخلاقی حیثیت سے اس ترقی یافتہ دَور مین بھی کوئی تصنیف مہابھارت کا مقابلہ نہین کر سکتی جسے جدید تحقیقات کی رو سے دس ہزار برس کا زمانہ گذر چکا ہے -

---

(۲) خواجہ حافظ شیرازی کی تصویر منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس کانپور کی صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ منشی صاحب نے یہ تصویر اپنے دیوان حافظ کے ساتھ شائع کی تھی جو اس صنعت کے ساتھ چھاپا گیا ہے کہ بالکل قلمی معلوم ہوتا ہے۔ چھپائی کی بہت سی خصوصیات کے علاوہ اس دیوان میں حضرت رعد کی صناعیوں کے بہت سے قابل دید نمونے ہیں جنمیں خواجہ کی یہ تصویر بھی شامل ہے۔ جناب رعد ملک کے اُن صناعوں میں ہیں جنھوں نے دیسی صناعی میں مغربی آرٹ کو پہلے پہل داخل کیا ہے اور اُسمیں برابر ترقی کرتے گئے ہیں۔ خصوصاً شبیہ نگاری میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس تصویر کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ خواجہ حافظ کا اصلی فوٹو ہے ایک صریحی غلطی ہے۔ خواجہ صاحب کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب فوٹوگرافی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ بلکہ بلاد اسلامیہ میں تصویر کشی ایک مذہبی جرم میں داخل تھی۔ ناچار خواجہ کے حالات اور تذکروں میں اُنکا حلیہ دیکھ کے ایسی تصویریں بنائی گئیں جو صاحب تصویر کے مناسب حال ہیں۔ چنانچہ اس تصویر میں خواجہ کی قلندرانہ وضع اور ایرانی خط وخال صاف طور پر موجود ہیں۔ تصویر کے ساتھ جو مضمون شائع کیا جاتا ہے وہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے قلم سے لیا گیا ہے جنھوں نے حیات حافظ لکھکر وہ داد تحقیق دی ہے کہ تمام نقادان فن معترف ہیں۔ اس مضمون میں بھی یہ خصوصیت موجود ہے اور ہمارے خیال میں خواجہ حافظ پر اس سے بہتر مضمون ابھی تک نہیں لکھا گیا۔

(۳) دُمدار ستارہ کی تصویر عبارت کے ساتھ چھاپکر ہدیۂ ناظرین ہے۔ اُردو رسائل کے لئے یہ پہلا ہی موقع ہے جسکے ایجاد کا فخر ادیب کو اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ حاصل رہیگا۔

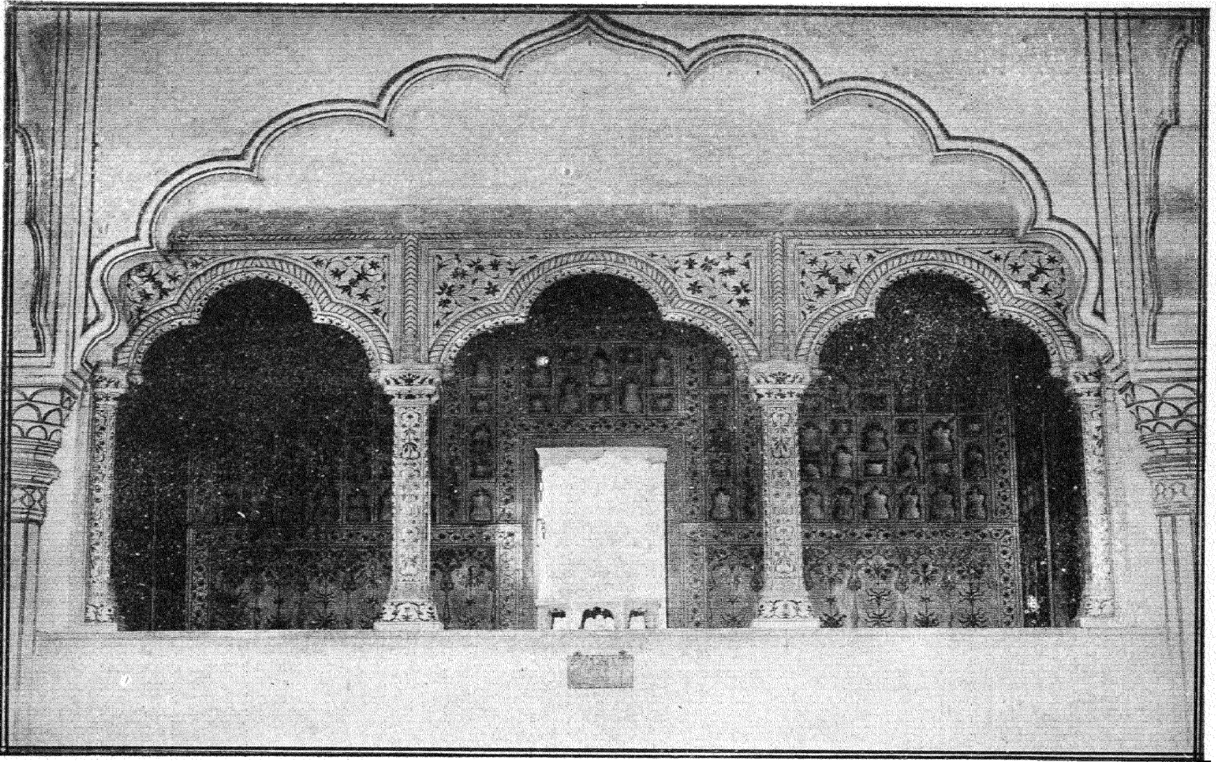
(۴) عجائب خانہ سارناتھ میں قدیم زمانے کی بے انتہا نادر الوجود اشیا جمع کی گئی ہیں جنھیں شائقین آثار قدیمہ بڑے شوق سے دیکھنے جاتے ہیں اور ہندوستان کی قدیم تمدنی عظمت کے معترف ہوتے ہیں۔

نمبر ۵ - ۶ اور ۸ کی تصاویر کے متعلق مفصل مضامین اور نوٹ درج ہیں - نمبر ۷ کی تصویر تاج محل کے وسطی درجے سے تعلق رکھتی ہے جسمیں ممتاز محل اور شاہجہان کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اس درجے کی پچیکاری اور تراش خراش سب پر سبقت رکھتی ہے جسے دیکھکر انسانی صناعی کا ایک طلسم پیش نظر ہوجاتا ہے۔

نظم آزاد[عـه] کا نیا اڈیشن جسمیں شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مغفور کے کلام منظوم کے علاوہ بعض پر مغز لکچر بھی شامل ہیں اسی ہفتہ میں شائع ہوا ہے۔ اس اڈیشن میں حضرت مغفور کا تازہ کلام بھی شامل ہے جسکی نسبت آغا محمد ابراہیم صاحب اپنے جدید دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اس مجموعہ کا پہلا اڈیشن میں نے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا تھا۔ وہ ختم ہوگیا اور افسوس ہے کہ والد مرحوم بھی ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ میرا ارادہ تھا کہ جسقدر اُنکا کلام مجھے مسودوں کے بستوں میں سے ہاتھ آئے اسکے ساتھ شامل کردوں۔ لیکن اسوقت اُنکے انتقال کیوجہ سے اہل طلب کو اُنکے کلام کا اشتیاق زیادہ ہے۔ اور تمام مسودوں کا تلاش کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ اسلئے جسقدر کلام مجھے مل سکا اسمیں شامل کرتا ہوں۔ جو اور ہاتھ آئیگا آئندہ تیسرے اڈیشن میں شائع کرونگا" شائقین دست شوق بڑھانے میں عجلت سے کام لیں۔

عـه ملنے کا پتہ:- آزاد بک ڈپو اکبری منڈی لاہور۔ قیمت فیجلد ۸/



تاج محل کا وسطی درجہ

انڈین پریس الہ آباد

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

معزز معاصرین نے جس کشادہ دلی سے ادیب پر ریویو فرماتے ہین اور ہماری محنت کی داد دی ہے اُسکا شکریہ ادا کرنیکے لئے الفاظ ملنا محال ہین۔ خصوصاً آگرہ خبار اور رسالہ خاتون علیگڈھ مین ادیب پر نہایت بسیط اور پُر مغز ریویو لکھے گئے ہین جنکی نقل کے لئے ہم یہان گنجایش نہین نکال سکے ناچار آیندہ ماہ مین شائع کرینگے۔

اس ماہ کے تازہ ریویو حسب ذیل ہین جنکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ منیجر۔

ہندوستان ریویو الہ آباد:- ادیب ایک ماہوار اُردو رسالہ ہے جو انڈین پریس الہ آباد سے لکھنؤ کے مشہور اہل قلم منشی نوبت راے نظر کی اڈیٹری مین شائع ہوا ہے۔ جنوری و فروری کے نمبر نظم و نثر کے بیش بہا مضامین اور رنگین و سادہ تصاویر سے معمور ہین۔ لکھائی چھپائی کے لحاظ سے بھی یہ رسالہ نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے جو انڈین پریس کا خاص حصہ ہے۔ یہ خیال کرکے کہ ادیب مین بہترین مضامین کی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے اور اُسکی تقطیع رسالہ سرسوتی کے برابر ہے جو اسی پریس کا دوسرا ہندی رسالہ ہے اسکی قیمت چار روپیہ سالانہ نہایت ارزان ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ ادیب کے لئے شمالی ہند سے دکن تک قدر دانی کے ہاتھ بڑھائے جائینگے جسکا وہ بہت کچھ مستحق ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ۔ ادیب:- آغاز سال حال سے ایک رسالہ "ادیب" نامی انڈین پریس الہ آباد سے منشی نوبت راے صاحب نظر لکھنوی کی اڈیٹری مین نکلنا شروع ہوا ہے۔ ابتک اسکے دو نمبر شائع ہو چکے ہین۔ ابتک ہر نمبر مین سترہ سترہ اٹھارہ اٹھارہ دلچسپ و قابل دید نظم و نثر کے مضامین درج ہوتے رہے ہین۔ جنوری اور فروری دونون مہینون کے رسالون مین چھ چھ رنگین و سادہ تصاویر ہین جنمین بعض فن مصوری کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہین۔ بحیثیت اپنے لٹریچر کے "ادیب" واقعی اسم بامسمےٰ پرچہ ہے۔ ہر مہینہ نہایت نفیس لکھائی چھپائی اور کراؤن سائز کے پچاس پچپن صفحے ہوتے ہین۔ قیمت سالانہ چار روپیہ اور فی پرچہ چھ آنہ ہے۔ یہ ہرگز نہین کہا جا سکتا کہ "ادیب" کا اجرا غیر ضروری تھا کیونکہ اول تو وہ ایک اعلیٰ درجہ کا پرچہ ہے دوسرے یہ کہ ملک کی آبادی یا کم از کم ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی تعداد کو دیکھتے ہوے موجودہ اخبارات و رسالہ جات کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ جس مین اضافہ کی ہنوز بہت کچھ گنجایش ہے۔

صلاے عام دہلی:- حضرت نظر۔ ادیب کے اڈیٹر کی لیاقت کا مین عرصہ سے قائل ہون جبکہ خدنگ نظر لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ ادیب کا اہتمام دیکھکر اور بھی جی خوش ہو گیا کہ ایسے اڈیٹر کے لئے ایسا ہی رسالہ چاہئے۔ تمام رسالون سے جو میری نظر سے گذرے ہین ادیب کا سا اہتمام مشکل ہے۔ چار روپیہ سال مین آٹھ عمدہ تصویرین۔ اچھا کاغذ۔ چھپائی۔ حجم۔ خریدارون کے لئے نعمت ہے۔ اسکے اصول بھی بہت اچھے ہین کہ نا تمام مضمون نہین لئے جائینگے اور مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس پر مضمون ناپسند۔

پرکاش لاہور:- "اردو پریس مین ایک قابل قدر اضافہ" جیسا آریہ بھاشا کے رسالون مین "سرسوتی" بوجہ صفائی نفاست اور ترتیب مضامین کے ایک خاص شان رکھتا ہے۔ ایسا اُردو مین اسوقت تک کوئی رسالہ نہ تھا جسکو وہ درجہ دیا جاسکے۔ لیکن یہ امر موجب مسرت ہے کہ دو ماہ سے انڈین پریس الہ آباد سے زیر اڈیٹری لالہ نوبت راے صاحب نظر "ادیب" نام کا ایک ماہواری رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ .... اسوقت تک ادیب کے دو نمبر شائع ہوے ہین۔ دونون ہی اپنی شان مین نرالے ہین۔ دونون ہی اعلیٰ درجہ کے اہل قلم اور اہل سخن کے مضامین سے مزین ہین۔ مضامین کے علاوہ قابل قدر تصاویر کی کارگیری نے رسالہ کی زینت کو دوبالا کر دیا ہے۔ جنوری کے رسالہ مین چھ تصویرین ہین جنمین سے ایک مین دروپدی کا اپنی بے حرمتی پر دھرتراشٹر سے

شکایت کا نظارہ اور دوسرے مین راجہ گوپی چند کا بھکشا کا سین خاص طور پر دلفریب ہین۔ اسی طرح فروری کے رسالہ مین بھی علاوہ قابل قدر مضامین نثر و نظم کے چھ تصویرین ہین۔ مہارانی سیتاجی کے اشوک باغ کا نظارہ خاص طور پر دل سوز ہے۔ غرضیکہ ہر پہلو سے یہ رسالہ قابل فخر ہے اور اسکے اجراء سے اُردو پریس مین ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

مسلم ریویو الہ آباد۔ رسالہ ادیب (بابت جنوری و فروری) مرتبہ منشی نوبت راے نظر لکھنوی۔ یہ ایک نیا اردو رسالہ ہے جو انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوا ہے اسکے پہلے دو نمبر دلچسپ مضامین اور دلکش تصاویر سے لبریز ہین جنمین رنگین بھی ہین اور سادی بھی۔ لکھائی چھپائی ویسی ہی نفیس ہے جسکے لیے انڈین پریس مشہور ہے۔ یہ رسالہ نہایت اعلیٰ پیمانے پر نکالا گیا ہے جو ان نمبرون سے واضح ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ اُردو دان پبلک اسکی بہت بڑی قدردانی کریگی.............

مہیر وسُدھار کلکتہ (زیر ایڈیٹری سید عثمان علیصاحب)۔ رسالہ ادیب کے دو پرچے نظر سے گذرے۔ باعتبار کاغذ۔ چھپائی و مضامین۔ یہ رسالہ ہندوستان بھر مین اعلیٰ و بینظیر ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے اس مقصد کا رسالہ نہایت ہی ضروری ہے۔ اسکی بروقت اشاعت پر ہندو و مسلمان دونون قومون کو خوش ہونا چاہئے اور اسکی قدردانی دونون قومون پر واجب ہے۔ اگر ایسا نہوا تو دونون کیلئے بڑی شرم کی بات ہے۔

کشمیری میگزین لاہور۔ ادیب:۔ اس نام سے اُردو علم ادب کا ایک ماہوار رسالہ نئی تقطیع اور نئی نزاکت و نفاست کے ساتھ انڈین پریس الہ آباد سے زیر ایڈیٹری منشی نوبت راے صاحب نظر لکھنوی جنوری سنہ روان سے شائع ہوا ہے۔ حسن ظاہری و باطنی یعنی کاغذ لکھائی چھپائی اور مضامین و تصاویر کے لحاظ سے ہر طرح یہ رسالہ دیدہ زیب اور مقبول عام ہونے کے قابل ہے اسوقت تک دو نمبر شائع ہو چکے ہین۔ اور ایک سے ایک بڑھکر ہے۔ ہر نمبر مین چھ ہاف ٹون تصویرین اہل مشاہیر اور بعض مشہور مقامات کی ہوتی ہین۔ فروری کے ادیب مین آٹھ مضامین نثر کے ہین جنمین اخلاقی تعلیم۔ چند الہامی کلمات۔ علامہ جلال مغفور۔ صنائع لکھنؤ۔ خاص ذکر کے قابل ہین۔ حصہ نظم مین کلام اکبر۔ کلام چکبست۔ ذوق عرفانی و مناو رہنس۔ سیتاجی قابل داد ہین۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ہے۔ اور ہمارے خیال مین بالکل واجب ہے۔ ادیب مین انگریزی رسالون کی شان پائی جاتی ہے جو امید ہے کہ مالکان پریس کی اولوالعزمی اور عاشق اُردو جناب نظر لکھنوی کی توجہ سے برابر قائم رہیگی۔

ہندوستان لاہور۔ (دوبارہ) (ادیب الہ آباد)............ اسوقت اسکا تیسرا نمبر (بابت مارچ) ہمارے ہاتھون مین ہے ضخامت بڑے ۸۴ صفحات ہین۔ اور صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اسمین جو مضامین درج ہوتے ہین وہ دوسرے رسالون کی معمولی تقطیع کے ۸۰ صفحون سے کم نہین ہوتے۔ مارچ کے رسالہ مین چھ مضامین نہایت اعلیٰ اور مسلم الثبوت اہل قلم اور بہترین انشا پردازون کے تحریر شدہ ہین اور اسکا کچھ حصہ نظمون کے لئے وقف ہے۔ رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اسکے ہر پرچہ مین رنگین اور اعلیٰ درجہ کے خوبصورت اور نفیس فوٹو چھپتے ہین۔ جس سے اسکی خوبی دوبالا ہوگئی ہے...................غرض رسالہ بہت محنت اور سلیقہ سے تیار کیا گیا ہے اور کیا بلحاظ مضامین اور کیا بلحاظ چھپائی۔ لکھائی۔ کاغذ اعلیٰ پایہ رکھتا ہے۔ اُردو علم ادب کے قدردانون کا فرض ہے کہ رسالہ کو خرید کر مالکان کی حوصلہ افزائی کرین۔ قیمت صرف ۴ روپیہ سالانہ جو انگریزی رسالون کے مقابلہ مین جو ایسا اعلیٰ کاغذ لگاتے اور تصویرین چھاپتے ہین بہت کم ہے.....................

جلد ۱ مئی سنہ ۱۹۱۱ء نمبر ۵

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر۔ نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی متر اپرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

اطلاع

اعلیحضرت فلک رفعت ملک معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند کی وفات حسرت آیات کے بے پایاں رنج والم کیوجہ سے ادیب کے اس نمبر کے ساتھ کوئی رنگین تصویر شائع کرنا مناسب نہین خیال کیا گیا۔ امید کہ ناظرین معاف فرمائینگے۔

منیجر ادیب

ضرورت

انڈین پریس الہ آباد کو چند عمدہ کاپی نویس اور مصلح سنگ درکار ہین۔ تنخواہین معقول دیجائینگی جنکا تصفیہ خط و کتابت سے ہوسکتا ہے۔ درخواست کے ساتھ تحریر کا نمونہ ضرور آنا چاہئے۔ فقط

منیجر انڈین پریس الہ آباد

(قیمت سالانہ للعہ) (فی پرچہ ۶؍)

ادیب

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پرداز اسے وقیع۔ دلچسپ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کیلئے دلچسپ ہو۔ کوشش کیگئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین یا سیاہ عکسی تصاویر بھی دیجاتی ہین جنمین مشہور مصورون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ جسقدر رسالہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ ہر نوع قدر دانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کیساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کیساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم ازکم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کیلئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۶؍ وصول ہونے یا ویلیوپے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہنچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کراتا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کیلئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالے مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ ساتھ نہ آئینگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے ورنہ تعمیل ارشاد نہو سکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد

☞ جنوری نمبر دوبارہ چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ جن حضرات کو ضرورت ہو جلد طلب فرمائین۔ اب سہ بارہ چھپنا بہت مشکل ہے اور یقیناً مایوسی ہوگی۔ منیجر

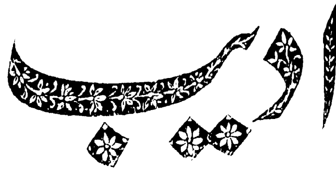


ولادت ۹ نومبر سنہ ۱۸۴۱ع　　وفات ۶ مئی ۱۹۱۰ع

اعلیٰ حضرت ملک معظم حضور ایڈورڈ ہفتم شاہ انگلستان و قیصر ہندوستان مرحوم و مغفور

انڈین پریس الہ‌آباد

مئی سنہ ۱۹۱۰ء



جلد ———— نمبر ۵

منگل سُتّا

مہاتما گوتم بُدھ نے جیسی باریک نظر سے اس معدوم ہستی نما یعنے انسان ضعیف البنیان کی حقیقت کا مطالعہ کیا ہے اُسکی مثال تاریخ عالم مین نہین ملسکتی کارزار ہستی سے بیزار ہوکر اُسنے نیستی کو منتہاے ہستی قرار دیا اور اس پُرخار راستے کے طے کرنے کے لئے تزکیہ نفس کو رہبر طریق بنایا - یہی وجہ ہے کہ اخلاق کے جو اعلیٰ نمونے مذہب بودھ کی کتابون میں ملتے ہین وہ دُنیا کے لٹریچر مین عدیم المثال ہین - اگرچہ انسان کی طبعی مادہ پرستی نے مذہب بودھ کے اصولون پر رسم و رواج کا ایسا گہرا پردہ ڈالدیا ہے کہ اگر مہاتما بُدھ پھر جنم لین تو شاید خود بھی نہ پہچان سکین لیکن باوجود اسکے اس متبرک شخص کے پاک نفس نے اپنے زمانہ پر ایسا عمیق اثر ڈالا تھا کہ اُسکے پند و نصائح دُنیا کی میراث کا اعلیٰ جزو ہوگئے ہین اور آج بھی اُسکے پیرو اُنکو اپنے لئے کارنامہ حیات اور چراغ ہدایت سمجھتے ہین اور اُنکی بدولت اُنمین ایثار نفسی، نیک دلی بے تعصبی اور فیاضی کے جیسے اعلیٰ نمونے ملتے ہین ایسے کسی دوسری قوم مین نہین ملتے - برھما مین عام طور پر مذہب بودھ کا رواج ہے اور اگرچہ اس مذہب کے فلسفانہ اصول فراموشی کی نذر ہوچکے ہین لیکن مہاتما بُدھ کے بعض وعظ و نصائح ابھی تک سینوں مین محفوظ چلے آتے ہین اور یہ اُنھین کی برکت ہے کہ برمی باوجود ہر قسم کے ضعیف الاعتقادیون مین پھنسے ہونے کے اپنے عمدہ اخلاق کے لحاظ سے دوسری قومون مین ہیٹے نہین ہین - اُنمین سے ایک خطبہ ہے جسکا نام وہان کی زبان مین منگل سُتّا (نیکیون پر وعظ) ہے یہ خطبہ خود گوتم بُدھ سے منسوب ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُسکو اُسکے چہیتے شاگرد انندا نے قلمبند کیا تھا - یہ خطبہ برھما مین اسقدر مقبول عام ہے کہ شاید کوئی لکھا پڑھا شخص ہو جسکے ذہن مین یہ زبان پالی مین محفوظ نہو یا جو اسکو اپنے لئے ذریعہ نجات نہ سمجھتا ہو اور فی الحقیقت اُسمین ایسی خوبی سے انسانی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے کہ

معاش سے لیکر معاد تک کا کوئی اہم اصول نہین چھوٹتا ہے۔ اسمین مذہب بودھ کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ کسی مذہب کا شخص بھی اگر ان اصول کو رہبر طریق بنائے تو اپنی فطرت کے کمال پر پہونچکر دُنیا مین کامیاب اور آخرت مین سُرخرو ہو سکتا ہے۔ مشہور و معروف بشپ پائیگا نڈٹ جو مدت تک برہما مین رہا اس وعظ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ ہمکو حال مین جو سفر برہما کا اتفاق ہوا تھا تو اپنے ہموطنون کے لئے یہ تحفہ لائے تھے اور اب اسقدر تمہید کے بعد اُسکا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

"وہ تعریف واجب ہے بُدھ کو جسکی ذات مقدس اور عقل کامل ہے۔ جب قدسی مآب و پاک نژاد بُدھ ریٹاؤن کے عظیم الشان خانقاہ مین جسکو دولت مسندا والا مین نے ملک تھاوئی مین تعمیر کیا تھا گوشہ نشین تھے تو اُنکے پاس ایک دیو آدھی رات کو جبکہ تمام خانقاہ اُن نورانی شعاعون سے جو بُدھ کے جسم سے نکل رہی تھین منور تھی آیا۔ وہ نہ تو زیادہ قریب آیا اور نہ زیادہ فاصلہ پر رہا اور نہ دائین طرف جُھکا اور نہ بائین طرف بلکہ مقام مناسب پر کھڑا ہو گیا اور جُھک کر ڈنڈوت کرنے کے بعد اُسنے بُدھ سے حسب ذیل خطاب کیا۔

او اعلیٰ واقدس بُدھ جسکی ذات سب سے زیادہ پرستش کے قابل ہے بارہ سال سے بہت سے دیو اور انسان جو نروان کے مقدس درجے پر پہونچنے کے آرزومند ہین اس کوشش مین ہین کہ اُن امور کو دریافت کرین جو بابرکت ہین مگر ابھی تک اُنکو اسمین کامیابی نہین ہوئی پس تو ہمکو اُن امور کی تلقین کرنا جو سب سے زیادہ بابرکت ہین۔

اُس معبود نے جواب دیا۔

او دیو کے بچّے! احمقون کی صحبت سے احتراز کر۔ علما کی عزّت کر۔ جو چیز قابل پرستش ہو اُسکی پرستش کر۔ یہ چیزین بابرکت ہین

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! نیک لوگون کی صحبت مین رہنا۔ پہلے جنم مین جو نیک کام کئے ہون اُنکا دھیان اس جنم مین رکھنا۔ ہر فعل کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! علم کامل کرنے کے لئے بہت کچھ دیکھنا اور سیکھنا۔ اُن سب علوم کو حاصل کرنا جو گناہ کی تحریک نہین کرتے۔ زبان کو قابو مین رکھنا۔ قانون کا مطالعہ کرنا کہ مناسب حال رویہ کا علم ہو۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! والدین کے ساتھ نرمی اور محبّت کا برتاو کرنا۔ اپنی بیوی بچّون کی اچھی طرح پرداخت کرنا۔ کوئی فعل کسی معصیت پر تحریک کے اثر سے نکرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! صدقہ دینا اور کثرت سے خیرات کرنا۔ اصول قانون و نیکی کے مطابق کاربند ہونا۔ دوستون اور عزیزون کی دستگیری کرنا۔ نیکی کے کام کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! گناہ سے احتراز کرنا اور ایسے احتراز کی طرف فوراً اور ہمہ تن مصروف ہو جانا۔ مسکرات سے پرہیز کرنا۔ نیکیان جمع کرنے کا اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! اُن لوگون کی عزّت کرنا جو قابل عزّت ہون۔ ہمیشہ منکسر المزاج اور قانع رہنا۔ جو احسانات کئے جائین۔ اُنکے لحا

سے ممنون رہنا۔ مناسب اوقات مین دھرم شاستر کا وعظ سُننا یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! صبر کرنا اور مصیبتون کو تحمل سے برداشت کرنا۔ اچھی باتون سے خوش ہونا۔ جب موقع ہو تو نیک لوگون کے پاس جانا۔ دھرم کی باتون پر گفتگو کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! مجاہدۂ نفس کرنا۔ صداقت اعلیٰ پر استقلال سے قائم رہنا۔ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرنا کہ ایسے طریقے پر عمل کیا جائے جو سب سے زیادہ نیکی کیطرف مائل ہو حصول نروان پر مضبوطی سے نظر جمائے رہنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے! رنج و خوشی کے اثر سے بالا رہنا۔ دل کو ہر حال مین مطمئن رکھنا۔ جذبات نفسانی سے بری رہنا۔ دُنیا کے ہر قسم کے خطرات کے مقابلہ مین بالکل مطمئن اور بے خوف رہنا یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو جو شخص ان ۳۰ بابرکت اصول پر کاربند ہوگا اُسپر کبھی کوئی غالب نہ آسکے گا اور وہ ہر حال مین خوش رہے گا۔

او دیو اچھی طرح ذہن مین اُتار لے۔ تاکہ تجھکو بھی ہمارے جیسا اطمینان قلب نصیب ہو۔

یہ جواب ہے جو تقدّس مآب بدھ نے دیا۔ فقط

محمد عزیز مرزا

چند متفرق خیالات

عشق و معرفت کے بارے مین جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسکا حاصل تب ہی ہے جبکہ اُسپر کچھ عمل بھی ہو محض بکواس سے کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ یہ ایک ایسا دقیق مضمون ہے جسکا بیان وہی کر سکتا ہے جس نے کچھ حاصل کیا ہے بلکہ وہ بھی کچھ نہین کہہ سکتا کیونکہ یہان حالت صم و بکم کی ہو جاتی ہے بقول شخصے۔

بھیکا بات اگم کی کہن سُنن کی ناہ

جن جانی تے کہت نہین کہت جے جانی ناہ

भीका बात अगम्य की कहन सुनन की नाह ।
जिन जानी ते कहत नहि कहत जे जानी नाह ॥

یا بقول شُرتی۔ آنکھ وہان نہین پہونچتی ہے۔ نہ کلام اور نہ مین ہم اُسکو نہین جانتے اور نہ ہم اُسکو سمجھ سکتے ہین۔ پھر کیونکر اُسکی کوئی تعریف کیجائے۔ جو کچھ معلوم ہے اُس سے وہ جُدا ہے اور جو نہین معلوم ہے اُس سے بھی وہ پرے ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ مین اُسکو خوب جانتا ہون وہ فی الحقیقت اُسکو کچھ نہین جانتا اور جو یہ کہتا ہے کہ مین اُسکو نہین جانتا ہون وہی اُسکو جانتا ہے۔

گوسائین تلسی داس کا بھی یہی کہنا ہے۔

سُنیئے گُنیئے سمجھیئے سمجھایئے دشا ہردے نہین آوے

सुनिय गुनिय समुझिय समुझाइय दशा हृदय नहि आवै

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی آخر عاجز آکر
یہی فرمایا۔ قطعہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر
ما ہمچنان در اوّل وصف تو ماندہ ایم

جب خود وید مقدس اور بزرگان دین کا ایسا کہنا ہے
تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ جو کچھ عشق و معرفت کے مضمون پر قلم فرسائی
کی گئی ہے وہ محض زبانی بکواس ہی ہے جسکے متعلق گوسائیں جی
یہ فرماتے ہین۔

واکیہ گیان اتینت نپُن بھو پار نہ پاوے کوئی
نش گرہ مدھیہ دیپ کی باتن تم نو رتہ نہین ہوئی

वाक्य ज्ञान अत्यन्त निपुण भव पार न पावै कोई ।
निशा गृह मध्य दीप की बातिन्ह तम निवृत्त नहि होई

یعنی یہ کہ گیان یعنی معرفت کی زبانی باتون کے کرنے مین
چاہے کتنا ہی کوئی ہوشیار کیون نہو اس دُنیا کے مصائب سے
پار نہین ہوسکتا اُسیطرح جسطرح کہ رات کیوقت گھر مین چراغ کی باتون
کے کرنے سے اندھیرا دور نہین ہوتا ہے۔

(۴)

سچے عشق سچے توکل اور سچی قناعت کا سبق پپیہے سے لینا
چاہئے بمصداق ان اشعار کے۔

چاتک جووت جلد کہنہ جانت سمے سُریت
لکھت لکھت لکھ پرت ہے تلسی پریم پرتیت

चातक जीवत जलद कहँ जानत समय सुरीति ।
लखत लखत लख परत है तुलसी प्रेम प्रतीति ॥

یعنی یہ کہ پپیہا راہ دیکھتا ہے بادل کی یہ جانکر کہ وہ اپنے وقت پر
ضرور آئیگا اسلئے راہ دیکھتے دیکھتے وہ بادل دکھائی ہی دیتا ہے
اے تلسی اُسکو اپنے عشق مین اسقدر بھروسہ ہے۔

پریت پپیہا پید کی پرکٹ نہین پہچان
یاچک جگت ادھین ان کیہو کنوڑ و دان

प्रीति पपीहा पयद की प्रकट नई पहिचानि ।
याचक जगत अधीन इन कियो कनौड़ो दानि ॥

یعنی یہ کہ پپیہے اور بادل کی یہ ایک نئی محبت ہے دُنیا مین
جتنے حاجتمند ہین وہ عاجزی کرتے ہوئے ہی دیکھے گئے ہین۔ یہ ایسا
ہے کہ اسنے اُلٹا دینے والے ہی کو جھکایا ہے۔

تلسی چاتک کے متے سواتی پیت نہ پان
پریم ترکھا بڑھتی بھلی گھٹی گھٹیگی کان

तुलसी चातक के मते स्वाती पियत न पानि ।
प्रेम तृषा बढ़ती भली घटी घटैगी कानि ॥

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا یہ خیال ہے کہ سواتی کا پانی
برسے بھی تو نہ پیون کیونکہ عشق کی پیاس بڑھتی ہی اچھی ہے
اگر گھٹ گئی تو عشق مین کمی ظاہر ہوگی۔

ڈولت وپُل وہنگ بن پیت پوکھری بار
سُیش دھول چاتک نول تور بھوون دش چار

डोलत विपुल विहंग बन पियत पोखरी बारि ।
सुयश धवल चातक नवल तोरि भुवन दश चारि ॥

یعنی یہ کہ بہت سے پرندے جنگلون مین اُڑتے پھرتے
ہین اور پوکھرون کا پانی پیتے ہین مگر اے پپیہے تیری بیداغ شہرت
سارے جہان مین پھیل رہی ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ تونے
جو ایک ہی کا یعنی سواتی کے بادل کا آسرا لیا ہے اس سے تیری

تعریف سارے جہان مین ہے - دوسرے جو پرندے ہین وہ جہان انکو پانی ملتا ہے پی لیتے ہین اور اسلئے اُنکی کوئی تعریف نہین کرتا ہے - شاعر کا اس دوہرے سے یہ مقصد ہے کہ جنھون نے ایک ہی خداوند حقیقی کا آسرا لیا ہے وہی قابل تعریف ہین اور نہ کہ وہ جو خدا کو چھوڑ کر در بدر بھٹکتے پھرتے ہین -

مکھ میٹھے مانس ملن کوکل مور چکور
سُیش للت چاتک رہیو بھوون بھر تور
مانگت ڈولت ہے نہین تج گھر انت نہ جات
تلسی چاتک بھکت کو اُپما دیت لجات

मुख मीठे मानस मलिन कोकिल मोर चकोर ।
सुयश ललित चातक रह्यो भुवन भर तोर ॥

मांगत डोलत है नहि तजि घर अन तन जात ।
तुलसी चातक भक्त को उपमा देत लजात ॥

اگرچہ شیرین مقال اور بھی پرندے ہین مثلاً کوئل مور اور چکور مگر اُنکا من صاف نہین ہے اسلئے تیری تعریف اے پپیہے سارے جہان مین ہے تو ادھر اُدھر مانگتا پھرتا نہین ہے اور اپنا گھر چھوڑ کر نہین جاتا - اے تلسی پپیہا ایسا عاشق ہے کہ اُسکی تشبیہ کسی دوسرے کے ساتھ دینے مین شرم آتی ہے مطلب یہ ہے کہ تین اور بھی پرندے عاشق مشہور ہین کوئل بسنت رِتُ اور آم کے پھول پر مور بادل اور بجلی پر اور چکور چاند پر عاشق ہے لیکن یہ مثل پپیہے کے نہین ہین جو صرف ایک سواتی کا پانی پیتا ہے - اُنکے اور بھی خواہشات ہین اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہین اس سے یہ غلیظ طبیعت کے جانور ہین - ایک پپیہا ہی سچا اور صاف طبیعت رکھنے والا ہے کیونکہ سواتی کے بادل کے پانی کی ایک بوند کے سوا اور کسی چیز کی خواہش ہی نہین رکھتا - سچے عشاق الٰہی مثل پپیہے کے ہین جو صرف ایک خدا پر متوکل رہ کر اور اُسی کے عشق مین ڈوب کر طبیعت کو گندہ کرنیوالی تمام دوسری خواہشات کو الوداع کہتے ہین -

اونچی ذات پپیہرا نیچو پیت نہ نیر
کے یاچے گن شیام سون کے دکھ سہے شریر

ऊंचो जाति पपीहरा नीचो पियत न नीर ।
कै यांचे घनश्याम सों कै दुख सहै शरीर ॥

پپیہے کی ذات بڑی اونچی ہے کیونکہ وہ نیچے پڑا ہوا پانی نہین پیتا ہے یا تو وہ بادل سے مانگتا ہے یا نہین تو پیاسا رہکر تکلیف اُٹھاتا ہے - اس سے یہ مراد ہے کہ جو سچے عشاق حقیقی ہین وہ خدا ہی سے مانگتے ہین اور اُسپر متوکل رہ کر تکالیف اُٹھاتے رہتے ہین مگر دوسرون سے نہین مانگتے -

تلسی چاتک مانگتو ایک ایک گھن دان
دیت سو بھو بھاجن بھرت لیت گھونٹ بھر پان
ہوے ادھین یاچت نہین سیس نائے نہین لئے
ایسو مانی منگتین کو بارد بن دے

तुलसी चातक मांगनो एक एक घन दान ।
देत सो भू भाजन भरत लेत घूंट भर पान ॥

होय अधीन यांचत नहि सीस नाय नहि लेय ।
ऐसो मानी मंगताहिं को वारिद विन देय ॥

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا مانگنا ایک ہی ہے اور بادل دینے والا بھی ایک ہی ہے - بادل ایسا سخی ہے کہ جب برستا ہے تو ساری زمین کو بھر دیتا ہے اور پپیہا ایسا قانع ہے کہ ایک ہی گھونٹ پانی کا پیتا ہے اور پھر عاجزی کے ساتھ نہین مانگتا اور گردن جھکا کر نہین پیتا ہے ایسے مغرور سائل کو سوائے بادل ایسے

سخی کے اور کون دیگا۔ اسیطرح وہ جو عُشّاق حقیقی ہین اپنی ہٹ کو نہین چھوڑتے مانگین گے تو خدا ہی سے اور کسی سے نہین اور وہ اُس سے التجا بھی نہین کرتے ۔ اگر اُسکی خوشی ہے تو دے ورنہ ندے۔ وہ صابر و قانع ہین اسلئے مانگنا بھی ایسے لوگون کا سچّا ہے اور دینا بھی اُسی کا سچّا ہے ۔ جب دیتا ہے تو نہال کر دیتا ہے اور پھر لینے والے بھی ایسے قانع ہین کہ لیتے ہین اُسیقدر جو اُنکو چاہیئے اور باقی کو ہاتھ نہین لگاتے ۔

سرسرِتا چاتک تجے سواتی سُدھ نہین لئے
تلسی سیوک بس کہا جو صاحب نہین دیئے

सर सरिता चातक तजे स्वाती सुध नहि लेय ।
तुलसी सेवक बस कहा जो साहब नहि देय ॥

یعنی یہ کہ تالاب ندی وغیرہ تو پپیہے نے چھوڑ دئے ہین اور سواتی کا بادل خبر نہین لیتا ہے۔ اے تلسی خادم کے ہاتھ مین کیا ہے جو صاحب نہین دیتا ہے ۔

(۳)

پاک محبت صرف ایشور سے ہوتی ہے ۔ جب بھگت ایشور سے محبت کرتا ہے تو وہ یہ ہرگز نہین چاہتا کہ اور کوئی شخص ایشور سے محبت نکرے کیسی دوسرے کو ایشور کی بھگتی کرتے ہوئے دیکھکر اُسکو کوئی حسد نہین ہوتا۔ ایشور کا سچّا عاشق وہی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ ایشور سے اُسی کیطرح محبّت کرین اور ایشور کے عاشق کے دل مین کبھی کوئی ایسا گندہ خیال نہین پیدا ہوتا کہ اُسکا معبود اور کسی کے ساتھ محبّت نکرے۔ محبت کرے تو اُسی سے کرے بلکہ وہ پرجوش الفاظ مین یہی کہتا ہے کہ تو ایسا ایشور ہے کہ تو بڑے اور چھوٹے مین کوئی تمیز نہین کرتا سب کے ساتھ تیری یکسان محبّت ہے ۔

اگر بھائی بھائیون اور دوستون وغیرہ مین مجازی محبّت بھی مثل ایشور کی محبّت کے ہو تو پھر حسد و رشک سے جو سخت روحانی تکلیف پہونچتی ہے وہ کبھی نہ پہونچے ۔ مگر اس آئیڈیل کو اختیار کرنا کوئی آسان بات نہین دُنیا مین جہان دیکھو گے ناپاک محبّت ہی دیکھوگے۔ جب کوئی شخص اپنے معشوق کے ساتھ کسی دوسرے کو یا اپنے معشوق کو کسی دوسرے کے ساتھ محبّت کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو ضرور آتش حسد بھڑکنے لگتی ہے اور اُسکو سخت روحانی تکلیف پہونچتی ہے۔ مان کی محبّت بیٹے کے ساتھ ایک ایسی محبّت ہے جو پاک کہی جاسکتی ہے مگر جب بیٹے کی شادی ہو جاتی ہے اور اُسکی بیوی گھر مین آجاتی ہے اور بیوی اپنے خاوند سے یا خاوند اپنی بیوی سے کہین غیر معمولی محبّت کرنے لگتا ہے تو مان کے دل مین بھی کبھی کبھی حسد کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے ۔ بیوی اور خاوند کی باہمی محبّت کا جسمین ایک قسم کی باہمی وفاداری کا تعلق ہے یہان ذکر نہین۔

پس جہانتک ہوسکے اس امر کی کوشش کرو کہ کسی کے ساتھ محبّت کے کرنے مین تمکو تکلیف نہ پہونچے ۔ اس دُنیا مین مجازی محبّت کے پیدا کرنے مین بھی ایشور کی محبت کو اپنا آئیڈیل بناؤ اور اگر ہوسکے تو ان سب اقسام کی محبت مین ایشور کی محبت ہی کا اظہار سمجھکر محبّت کرو۔ یہ ہمیشہ خواہش رکھو کہ تمہارے معشوق کو دوسرے لوگ بھی اُسیطرح چاہین جسطرح کہ تم چاہتے ہو۔ اس سے تمہارے معشوق کی بڑائی ہوتی ہے اور یہ باعث تمہارے مزید محبّت کا ہونا چاہیئے اگر ایسی محبت ہوگی تو وہ پاک محبت کہلائیگی۔

(۴)

حسد سے بچنے کا ایک بڑا گُر یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ جو چیزین

کسی کے پاس نہین وہ تمہاری بھی نہین یعنی پرایا مال بھی اپناہی مال سمجھو مگر تب ہی تک جبتک کہ تم اُسکا لوبہ نکرو یعنی اُس سے ناجائز طور پر متمتع ہونا چاہو - تم دوسرے کا مال اپنا مال سمجھو اسکے یہ معنی نہین کہ تم دوسرے کے مال کی ترقی ویسے ہی چاہو جیساکہ تم خاص اپنے مال کی چاہتے ہو اور اگر ہوسکے تو یہ کوشش کرو کہ اُسکے مال کو نقصان نہ پہونچنے پاسے -

(۵)

یون تو سچی وفاداری کی ہزارون مثالین دنیا کی تاریخ مین مابین بیوی اور خاوند اور مابین دوستون اور مابین غلام اور آقا کے پائی جائینگی لیکن سب سے اعلیٰ مثال اُس جانثار غلام یا ملازم کی ہے جو اپنے آقا کی تباہی اور مصیبت کیوقت مین بھی اُسکا ساتھ دیتا ہے اور اسکا ہمیشہ منتظر رہتا ہے کہ کبھی تو اُسکے آقا کے دن پلٹینگے جسوقت اُسکو پھر وہی کلچھرے حاصل ہونگے جو پہلے تھے بمصداق ان اشعار کے -

جن دن دیکھے وے کُسم گئی سو بیت بہار
اب ا‌ل رہی گلاب مین آپت کٹیلی ڈار
یہی آس اٹکیو رہے ا‌لی گلاب کے مول
ہوئی ہین پھیر بسنت رِتُان ڈارن وے پھول

آلی بمعنی بھونرے کے باقی اشعار کا مطلب ظاہر -

जिन दिन देखे वे कुसुम गई सो बीति बहार ।
अब अलि रहे गुलाब में अपत कटीली डार ॥
यही आस अटक्यो रहै अलि गुलाब के मूल ।
हुइहैं फेर बसंत ऋतु इन डारिन वे फूल ॥

(۶)

لذات دُنیا کو عین اصلی حظ سمجھکر جسنے اُن لذات سے اپنا دل لگایا اُسکی حالت بقول گوسائین تلسی داس اُس کُتے کی سی ہے جسکو اتفاقاً کہین ایک پُرانی سوکھی ہڈی مل گئی جسکو چبانے لگا اور چباتے چباتے وہ ہڈی اُسکے تالو مین چبھ گئی جسکی وجہ سے اُسکے تالو سے خون بہنے لگا - وہ کُتا اُس خون کو جو خود اُسی کے تالو سے نکل رہا ہے اُس ہڈی سے نکلا ہوا خون سمجھکر اُسکو اور بھی چباتا جاتا ہے اور اسطرح اپنا ہی خون چوس چوس کر مزہ لیتا ہے لیکن اس سے بیخبر ہے کہ وہ خون خود اُسی کا ہے اور وہ اپنا ہی خون کھو رہا ہے - یہی حال دنیا کے لذات مین پھنسے ہوئے لوگون کا ہے جو اُسکے لذات سے متمتع ہونے کے خیال مین اُلٹا اپنے ہی کو مصیبت مین پھنساتے ہین -

(۷)

دو طرح کی طبیعت کے آدمی ہوتے ہین ایک وہ جنکو خاموشی - سُنسان - بیکاری یا یون کہو کہ کامل تیاگ یعنی ترک پسند ہوتا ہے وہ سُنسان جگہہ مین جہان کوئی آواز نہین ہوتی ہے رہنا چاہتے ہین - یہ کوئی قابل تعریف صفت نہین سمجھی جاتی ہے اگر کوئی نااہل آدمی اسطرح کے ترک کو پسند کرتا ہے تو وہ دُنیا کے غل غپاڑے مین پھنستے ہی پاش پاش ہوجاتا ہے - دوسری قسم کی طبیعت کے وہ لوگ ہین جو ہمیشہ دُنیا کی دوڑ دھوپ کے کامون مین لگے رہتے ہین اور کامونکو کرتے کرتے اُنکی بوٹیان پھڑکتی رہتی ہین - اگر یہ لوگ کسی سُنسان جنگل مین بٹھا دیے جائین تو اُنکی جیسی حالت ہوگئی سمجھی جاسکتی ہے جسکو ہم شرشٹ (باقی)

نوٹ مجھے افسوس کیساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس ہندی زبان مین فارسی و عربی الفاظ کے شامل ہوجانے سے وہ زبان پیدا ہوئی ہے جسکو اردو کے معلی کہتے ہین اُسی زبان کے اشعار کو مقتبس کرتے وقت مجھے اُنکا ترجمہ بھی دینا لازمی ہوا ہے اگرچہ حافظ و سعدی وغیرہ فارسی شاعرون کے کلام بید ھڑک جون کے تون بغیر ترجمہ کے برابر لکھے جاتے ہین گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ایسے مشکل اشعار کے دقیق معنی کو سب سمجھتے ہین یا - گویا یہ مان لیا گیا ہے کہ فارسی ہندی سے زیادہ مانوس ہے -

یعنی فضل کہینگے وہ وہی شخص ہوگا جو سب سے بڑے سُنسان اور تنہائی کی حالت مین بھی سب سے زیادہ کامون کا موقع دیکھتا ہے اور جو دنیا کے شور و غل مین بھی تنہائی کا مزہ چکھ رہا ہے اُسنے جان لیا ہے کہ ضبط کیا چیز ہے - وہ ایک بڑے شہر کے بازارون مین سے گزر کر بھی اُس شہر کو مثل گپھا کے سمجھ رہا ہے اور اُسکا دل برابر کام مین لگا ہوا ہے -

(۸)

دُنیا مین آدمی تو سب ہی کام کرتے ہین مگر اُنمین سے ۹۹ فیصدی غلامون کیطرح کرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ نتیجہ مصیبت ہے - آدمی کو کام مالک کیطرح کرنا چاہیئے اور نکہ غلام کیطرح غلام کے دل مین کبھی کوئی سچی محبت نہین پیدا ہو سکتی ہے - اگر تم ایک غلام کو خرید کر اُس سے کام لیتے ہو تو وہ کچھ خوشی سے کام نہین کرتا ہے اُسکے دل مین کام کرنیکی کوئی سچی محبت نہین پیدا ہوتی ہے - غلامی سے یہان مراد یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات اپنے جذبات کے تابع ہین - جو کام ہم اپنے بچون عزیز و اقارب یا خود اپنے لئے کرتے ہین وہ سب غلام کی طرح کئے جاتے ہین یعنی یہ کہ ہم اپنے اغراض اپنی خواہشات کے تابع بنے ہوئے ہین اور جو کام ہم بلا تعلق ہو کر کرینگے چاہے اپنے لئے چاہے اپنے بچون یا عزیز و اقارب کیلئے اور چاہے غیرون کیلئے وہ سب مالک کیطرح کئے جائینگے -

(۹)

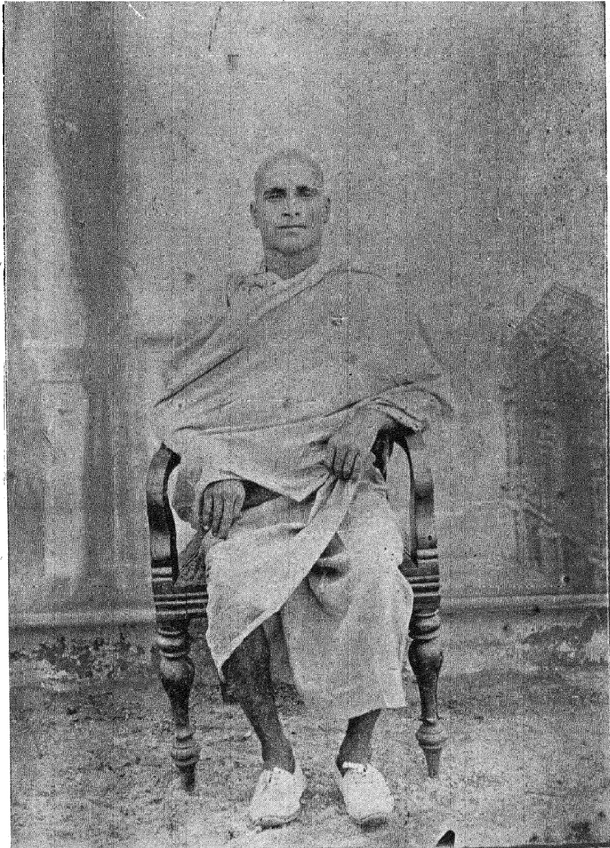
پرم ہنس رام کرشن جی فرمایا کرتے تھے کہ تم دنیا سے ویسا ہی تعلق رکھو جیسا تعلق کوئی دایہ تمہارے بچون سے رکھتی ہے جب تک وہ دایہ نوکر ہے وہ تمہارے بچے کو اپنے ہی بچے کی طرح کھلاتی ہے - پلاتی ہے - سُلاتی ہے اور میرا لال میرا پیارا میرا گوبند (اگر لڑکے کا یہ نام ہے) کہہ کہکر لاڈ پیار کرتی ہے لیکن جس وقت تم نے اُسکو رخصت کر دیا تو وہ بستر و بوریا اُٹھا کر فوراً گھر سے چلی جاتی ہے اور نہ پھر میرا گوبند رہا نہ میرا لال اور نہ میرا پیارا -

پربھو لال



دیوان وحشت - زمانۂ حال کے اُن شعرا مین جنھون نے اپنی شاعری مین انداز قدیم کی تقلید کی ہے اور پُرانے سوز و گداز کی شمعون کو نئی لالٹینون مین روشن کرکے یدبیضا دکھایا ہے ہمارے معزز کرمفرما مولوی رضا علیصاحب وحشت ایک ممتاز مرتبہ رکھتے ہین - ہم اُنکے موثر کلام کے نمونے خدنگ نظر کے صفحون مین چھاپ چکے ہین جسے بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا - اُس زمانے سے ابتک اُنکی شاعری ایک رنگ خاص مین برابر ترقی کرتی گئی ہے اور مشق سخن کے ساتھ کلام مین پختگی - اثر - اور بلند خیالی کے جوہر نہایت تابناک طور پر نمایان ہوتے رہے ہین - اب اُنکا مجموعۂ کلام ایک دیوان کی حیثیت مین شائع ہوا ہے - لکھائی چھپائی صاف - کاغذ دبیز - اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی ضخامت پر قیمت ایک روپیہ بالکل واجبی ہے - دیوان کا آغاز حسب دستور قدیم ردیف وار غزلیات سے ہوا ہے - اسکے بعد متفرق اشعار اور رباعیات ہین - بعد ازان مخمسات - قطعات - اور مسدسات وغیرہ - آخر مین جدید طرز کی چند نظمین بھی درج ہین - اسکے بعد چالیس صفحون پر کلام فارسی کے عنوان سے غزلیات رباعیات اور تخمیس وغیرہ شامل ہین - اسطرح ذی استعداد شاعر کی قادر الکلامی کا پورا اندازہ ہوتا ہے - یہ دیکھکر کہ کلکتہ مین اُردو زبان کا کسقدر کم چرچا ہے جسکا ہمین ذاتی تجربہ حاصل ہے حضرت وحشت کی شاعری ایک معجزہ معلوم ہوتی ہے - اب سے بیس سال پیشتر جب ہم کلکتہ مین مقیم تھے تو وہان صرف ایک اُردو اخبار گوہر آصفی نکلتا تھا اور حضرت شمس مرحوم کی ذات بابرکات سے اُردو شاعری کا کچھ چرچا سُنائی دیتا تھا - اب اُسی شہر مین ایسے ایسے شاعر پیدا ہو گئے ہین جو اہل زبان سے ہمسری کا دعوی کر سکتے ہین -

ملنے کا پتہ کوایہ رو ڈ نمبر ۱ ڈاکخانہ دبالی گنج شہر کلکتہ -



سوامی رام تیرتھ جی مرحوم

پرمہنس سوامی رام تیرتھ

ایک عرصہ گذرا کہ اس پُنیہ بھومی (سرزمین پاک) پر دسرتھ کے یہان رآم پیدا ہوا تھا۔ صدیون بعد قصبہ مراری[۵] والہ ضلع گجرانوالہ (پنجاب) کے ایک معزز گوسامیون کے گھرانے مین دیوالی سمت ۱۹۳۰ کے روز شام کے وقت براہمن لگن کے اودے ہونے پر دو آپر کے شری رام چندر کے دھرم استھان کو پہلے گھر مین لئے ہوئے۔ اپنے خاندان کا نور تیرتھ رام آیندہ کا سوامی رام۔ شاہد و مشہود رام۔ ناظر و منظور رام۔ عاشق و معشوق رام۔ عنصر خاکی مین جلوہ افگن ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی اس سرزمین مین رآم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے۔

اپنے قصبہ مراری والہ مین پرائمری اور گجرانوالہ ہائی سکول مین مڈل و انٹرنس پاس کر کے تیرتھ رام لاہور مشن کالج مین داخل ہوے جس کامیابی سے اس ہونہار طالب علم نے پرائمری۔ مڈل۔ اور انٹرنس مین وظائف حاصل کئے۔ اس سے کئی درجہ زیادہ کامیابی رام کو ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے۔ مین حاصل ہوئی۔ بی۔ اے مین پنجاب یونیورسٹی مین اول رہے۔ اور ایم۔ اے مین دونون کورسون مین نمایان کامیابی حاصل کی۔ اس سے پہلے کوئی طالب علم دونون کورسون مین پاس نہین ہوا تھا۔ ایم۔ اے پاس کرنیکے بعد گوسائین تیرتھ رام نے اسی کالج کی کرسی پروفیسری کو زینت بخشی۔ جو عقیدت اس کالج کے طلبا کو اپنے فاضل پروفیسر سے اور جو اُلفت گوسائین جی کو اپنے طلبا سے تھی۔ اُسکی ایک ادنی مثال یہ ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کا نصف سے زیادہ حصہ طلبا کی مدد مین خرچ کرتے تھے۔

مشن کالج کی پروفیسری کے تقریباً ایک سال بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور مین ریاضی کے پروفیسر ہوئے اور جب آپ انگلستان سول سروس کی غرض سے نہ گئے۔ تو کالج کے پرنسپل نے پروفیسر تیرتھ رام سے پوچھا کہ "آپ کا اب کیا ارادہ ہے"؟ گوسائین جی نے نہایت متانت سے جواب دیا

I wish to be either a preacher or Techer

کہ "مین چاہتا ہون۔ کہ واعظ بنون۔ یا معلّم"۔

آخر آیا پیام یار۔ رام کے دل مین عشق الٰہی کا طوفان موجزن اور۔ اس عاشق صادق کے دل مین عشق حقیقی کا شعلہ روشن ہوا۔ دُنیائے دون سرائے بوقلمون کی بے ثباتی اور فلک کج رفتار و ناہنجار کے ظلم و ستم دل پر نقش ہوئے۔ لاکھ لاکھ تدبیرون سے بھی یہ مجذوب اپنے مشن سے نہ ٹلا۔ خویش و اقارب کی منّتین رائیگان گئین۔ حالت یہ کہ متواتر راتین دریائے راوی پر گذرنے لگین مسلسل راتین زار و قطار رونے دھونے مین کٹین۔ آخر بقول رام "بکری کی مان کب تک خیر منائیگی" جولائی سنہ ۱۹۰۱ء مین دُنیاوی پروفیسری کو چھوڑ کر حقیقی پروفیسری کی تلاش مین گوسائین تیرتھ رام لاہور سے روانہ ہوئے۔ اُسوقت کی حالت عجیب تھی۔ چشم پُر نم۔ چہرے سے عشق حقیقی کے انوار۔ وصل کے انتظار کی کیفیت مین سر شار اور زبان حال سے وجد مین آکر ذیل کے مصرعے۔ اشلوک اور اشعار اپنی اپنی حاضری دئے جاتے تھے

---

[۵] اصل مین اس گانون کا نام مرالی والہ ہے۔ کرشن کی بھگتی مین رام نے اپنے قصبے کا نام مراری والہ رکھا۔

چشم لیلےٰ ہوں۔ دل قیس ہوں۔ دست فرہاد
بوسہ دیناہو۔ تو دے لے ہے لب جام مرا
گوش گل ہوں۔ رخ یوسف۔ دم عیسیٰ ۔ سرمد
تیرے سینے میں بسوں ہوں ہے وہی بام مرا
حلق منصور۔ تن شمس۔ ہوں علم علما
واہ وا بحر ہوں اور بلبلہ اک رام مرا

پرگیان پردیپ سدا شگلے — من مندر یوگن کے بس کے
بھو موہ اُدھے جو ہردے تن کے — تم پنج وہی تاکو ہن کے
اتی کومل انگ پتنگ مہا — چھن ماہیں سُبھاوک تاہیں دہا
نہ کام سموہ گن آگر دیپے — سو سینہ سینہ دُھی ارپے
جن کے اتی بھال کے بھاگ بھلے — اس دیپک تان من دھام جلے

رہیئے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہو — ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار — اور اگر مرجایئے۔ تو نوحہ خوان کوئی نہو

رام پریم کی ترنگوں میں غرقاب۔ الفت و مودت کی لہریں جھومتے جھامتے گنگاجی کے ساحل پر پہونچے۔ آنند کی جھڑی برتی تھی۔ مستی مجسم رام گاتا تھا۔ اوم! اوم!!

ہر چشم ہر شے ہر شجر۔ ہر فہم ہر مفہوم میں
ناظر نظر منظور میں۔ عالم ہوں میں معلوم میں
ہر آنکھ میری آنکھ ہے۔ ہر ایک دل ہے دل مرا
ہاں بلبل و گل مہرومہ کی آنکھ میں ہے تل مرا
اک بلبلہ ہے مجھ میں سب ایجاد تو ایزاد تو
ہے اک بھنور مجھ میں یہ مرگ ناگہاں او رزاد تو

کچھ روز ہری دوار میں گنگا کی اٹکھیلیاں کرتی ہوئی لہروں سے سرور اور بڑھگیا۔ مستانہ کام رام براہ دیو پراگ ٹیرھی پہونچے۔ چھ ماہ بعد حسب ہدایت ۱۰۸ سوامی شنکر آچاریہ دوارکا و تیش سنیاس اختیار کیا۔ اور وہاں سے گنگوتری۔ کدار اور بدری ناتھ کی یاترا کرتے ہوئے دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء میں میدانوں میں اُترے سنہ ۱۹۰۲ء کے شروع میں متھرا ریلیجس کانفرنس کی کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔
جن اصحاب نے سوامی رام کی اسوقت زیارت کی اُنکا بیان ہے کہ اس مقدس انسان کے رخساروں کا رنگ بالکل انگیروے کپڑوں سے مشابہ تھا۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں۔ کہ" میں اس بات پر کبھی یقین نہیں کرتا تھا۔ کہ کرشن کی بانسری کی سُریلی آواز گوپیوں کو اُنکے گھروں سے جوق جوق کرشن کی درگاہ میں کھینچ لاتی تھی۔ مگر رام کی صورت گلفام کی کشش دیکھکر میرا خیال درجۂ یقین تک پہونچ گیا"۔ جب سوامی رام متھرا کے پُل پر سے گذر رہے تھے۔ اُسوقت خلقت کا ہجوم تھا اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ رام میری آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے"۔ متھرا سے آگرہ۔ لکھنؤ اور فیض آباد میں اپنی جادو بیانی سے عوام الناس کی روحانی پیاس بجھاتے رہے۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کے آخر میں مذہبی کانگرس کی خبر موصول ہونے پر جاپان میں وارد ہوئے تقریباً ایک ماہ جاپان میں رہکر جاپانیوں کو اپنا والہ و شیدا بنالیا۔
جاپان سے رخصت ہونے کے بعد ایک جاپانی اہل قلم نے لکھا کہ" جب سے سوامی رام تیرتھ ہم سے جُدا ہوئے ہیں ہم اُنکی بے انتہا محبت میں محو اور مستغرق ہیں اور ہفتوں اور مہینوں اپنے کمروں میں رام کا وہی مسکراتا ہوا شگفتہ چہرہ۔ وہی اوم گاتے ہوئے لب وہی اُلفت بھری چتونیں دیکھکر باغ باغ ہو جاتے ہیں" ٹوکیو امپیریل سنسکرت کالج کے

پروفیسر ٹاٹاکسٹو نے رام کے دیدار سے فیضیاب ہوکر ایک اخبار مین لکھا کہ:-

"مین نے اپنی تمام عمر مین صرف ایک ہی عجیب انسان دیکھا اور وہ قابل تقلید انڈین فلاسفر سوامی رام تیرتھ تھے۔"

جاپان سے شریمت رام تیرتھ امریکہ پہونچے اور تقریباً تین سال کے دوران قیام مین پبلک کو دولت ودیانت سے مالامال کردیا۔ سان فرانسسکو مین رام کے لکچر گولڈن ہال مین ہوتے رہے۔ نیویارک اور کولمبیا مین جتنے روز قیام رہا اُتنی ہی تقریرین کین۔ بعض بعض روز دو دو تین تین تقریرین کین۔ نیویارک کے ایک اخبار نے ان دنون لکھا۔ کہ

"امریکہ مین ایک انڈین سادھو آیا ہے۔ جو دھات کو نہین چھوتا۔ اپنے ساتھ اسباب خوردونی تک بھی نہین رکھتا۔ جب سیر کرنے پر آتا ہے تو کئی روز متواتر برفانی پہاڑون مین بے سروسامان گھومتا ہے۔ جب شہر مین آتا ہے تو ہر وقت ہندو فلسفہ پر بات چیت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اسکی شکل دلکش ہے۔ پریسیڈنٹ رزولیٹ اُنکے دیدار کے لئے اُنکے مکان مین گھنٹہ بھر اُنکے سامنے بیٹھے رہے۔"

امریکہ سے ہندوستان آنے وقت رام بادشاہ کا ایک پرتپاک استقبال اہل مصر نے کیا۔ وہانکی ایک مسجد مین زیر صدارت مشہور قوم پرست مصطفیٰ کامل پاشا مرحوم ومغفور رام نے مسئلہ "ہمہ اوست" پر ایک موثر تقریر کی۔ غرض یہ کہ جاپانی رام کو جاپانی۔ مصری رام کو مصری۔ اور امریکن رام کو امریکن سمجھتے تھے۔ مگر آہ! .... بدقسمت ہندوستانیو! تم نے رام کو نہ پہچانا۔ بیشک آفتاب قریب ہونے سے ہم چوندھیا جاتے ہین۔ رام کی عظمت کا اندازہ رام کے گانون والے بہت کم اور اسکے ملک والے کسیقدر اور غیر ممالک کے باشندے کچھ زیادہ کرسکتے تھے۔ مگر رام بادشاہ کی پوری پوری عظمت کئی صدی بعد معلوم ہوگی۔ جب آیندگان کو معلوم ہوگا کہ یہ مثال صدیون سے پیدا نہین ہوئی اور رام کی تعلیم وتلقین جو موجودہ زمانے سے کئی صدی آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی بہترین حالت میں بڑھکر وہم وخیال مین نہ آسکے۔

جو لوگ مسیح بننے کا دعویٰ کرتے ہین۔ وہ مسیح نہین کہلاتے۔ مگر شاہنشاہ رام کو امریکہ مین لوگ اپنا زندہ مسیح سمجھنے لگے تھے۔ یہ امر رام کی ایثار نفسی اور عالمگیر محبت کو ثابت کرتا ہے۔ جبکہ ہندوستان مین آتے ہی اُنکے معتقدون نے عرض کی کہ کوئی نئی سوسائٹی بنائی چاہیے۔ تو رام آنکھ بند کرکے ہاتھ پھیلاکر یون فرمانے لگے۔

"ہندوستان مین جسقدر سوسائٹیان ہین۔ وہ تمام رام کی ہین رام انکا کام کریگا۔ (پریم بھرے آنسو بہاتے ہوئے) عیسائی مسلمان۔ ہندو۔ آریہ۔ سکھ۔ پارسی۔ ہان تمام وہ لوگ جنکے اعضا ہڈیان۔ خون۔ اور دماغ میری اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہین۔ میرے بھائی ہین"

"جاؤ! انسے کہدو۔ کہ رام اُنکا ہے۔ مین اُنکے ساتھ بغلگیر ہوتا ہون اور کسیکو بھی اپنی آغوش محبت سے باہر نہین سمجھتا۔"

"مین مجسم محبت ہون۔ محبت اپنے نور سے ہر ایک کو منور کرتی ہے۔ بیشک! بیشک! مین بحر محبت کی طغیانی کے سوا کچھ نہین ہون اور مین سب سے یکسان محبت کرتا ہون۔"

زندہ جاوید رام ہر ایک دل مین یکسان دھڑکتے ہین۔ سچ ہے۔ جب انسان کا طائر خیال قدرتی پرواز کے جلوے دکھاتا ہے۔ تو وہ کونسا ہمالہ ہے جو اسکی راہ مین حائل ہوسکتا ہے۔ جب انسان کے سنکلپ (خیال) کا دریا طغیانی پر آتا ہے۔ تو

خس و خاشاک کی اُسکے سامنے کیا حقیقت ہے - رام محبت کی ترنگون مین بار ہا یون اُٹھا کرتے تھے -

" مین شاہنشاہ رام ہون - میرا تخت تمہارے دل مین ہے جب
مین نے ویدون مین اوپدیش دیا - کورو کشیتر مین گیتا سُنائی - جب
مکہ اور یروشلم مین پیغام پڑھا - مجھے لوگون نے غلط سمجھا تھا - اب
مین پھر اپنی آواز بلند کرتا ہون - میری آواز مین تمہاری آواز ہے -
تتوامسی - تتوامسی ! - وہ تو ہے ! وہ تو ہے !

امریکہ کے چند مشہور فاضلون نے رام کے چہرے کی رنگت اور انکی دل سے نہ مٹنے والی ادائین دیکھکر کہدیا تھا کہ یہ جسم (رام سوامی کا) زیادہ دیر تک نہین رہیگا - یہ اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہین - پروفیسر محمد اقبال - ایم - اے - نے رام کی ماتمی نظم مین کیا درست فرمایا ہے - ع

توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیم عشق

لو! آیا وہ دن - سچ تو یون ہے - کہ جب عاشق و معشوق وصل کے خواہشمند ہون تو کسی کی کیا مجال ہے جو انھین سینہ بسینہ - لب بہ لب - نہین نہین - "تو من شدی من تو شدم" سے روک سکے - ۵

جذبِ بلبل مین اثر ہو تو قفس مین تپش
بوے گل پھاند کے دیوارِ گلستان آئے

جسمانی طور پر انانیت - اہنکار اور دوئی کو چھوڑ کر ذہنی اور عقلی وصال تو کئی سال سے ہو چکا تھا - مگر یہ جسم بیچ مین خواہ مخواہ حائل تھا - گھر بار چھوڑا - بستی چھوڑی - جنگل مین ڈیرے ڈالے - برفانی پہاڑون مین اسم اعظم " اوم " کا ورد (اُچارن) کیا - مگر ابھی معراج تک پہونچنے مین ایک درجہ باقی تھا - لو! وہ بھی پورا ہو گیا - ۵

غدائی خدائی ہوئی
جُدائی کا نام و نشان مٹ گیا

گنگا کے پہلو مین اسکا عاشق صادق جا لیٹا - گنگا کی لہرون پر وہ مستانہ رام سوار ہوا - آہ! اسطرح رام کے سنیاس نے رام کے خویش و اقارب کو زار و قطار رُلایا - اُس سے کئی گنا بڑھکر نہ صرف ہندوستانیون کو بلکہ جاپانیون اور امریکن کو بھی اس مقدس انسان کی جدائی سے کمال رنج ہوا مگر رام تو اسی انتظار مین تھے - عشق حقیقی کی بس یہی ایک آخری شرط باقی تھی - کئی سال پہلے رام کہہ چکے تھے - ۵

سختی سے کیون چھینے ہے دل
کیا یون ہمین انکار ہے

" اگر رام کے چرنون مین گنگا نہ بھی - تو رام کا جسم گنگا کے اوپر بہتا ہوا دکھائی دیگا " گنگا مین لینا ہو جانے سے چند لمحے پیشتر ذیل کے الفاظ لکھے گئے تھے -

" اے موت ! بیشک اُڑا دے اس ایک جسم کو - میرے اور اجسام
مین کچھ مجھے کمی نہین - صرف چاند کی کرنین چاندی کے تار پہنکر مین
چین سے کاٹ سکتا ہون - پہاڑی ندی نالون کے بھیس مین
گیت گاتا پھرونگا - بحر امواج کے لباس مین لہراتا پھرونگا - مین ہی
بادِ خوش خرام - نسیم مستانہ گام ہون - میری یہ صورت سیلانی ہر وقت
روانی مین رہتی ہے - اس روپ مین پہاڑون سے اُترا - مُرجھاتے
پودون کو تازہ کیا - گلون کو ہنسایا - بلبلون کو رُلایا اور
دروازون کو کھٹکھٹایا - سوتون کو جگایا - کسی کے آنسو پونچھے -
کسی کا گھونگھٹ سرکایا - اسکو چھیڑ - اُسکو چھیڑ - تمکو چھیڑ - وہ گیا -
وہ گیا - نہ کچھ ساتھ رکھا - نہ کسی کے ہاتھ آیا "

یہ الفاظ لکھکر دیوالی کے روز گنگا مین اشنان کرنے داخل

ہوئے۔ اور ایسا غوطہ لگایا کہ آج تک باہر نہ آئے۔

ہائے! ...... متانہ رام! ابھیشک! ابھیشک! تو بحر امواج کی صورت مین گیت گاتا پھرتا ہے۔ مگر تیرے اہل وطن ابھی تیری ضرورت سمجھتے تھے۔

ہائے! ...... گنگا کی لہرین۔ چاند کی کرنین۔ چمکتے ہوئے برج۔ سبز قبائین در بر کئے سر بفلک کشیدہ پہاڑون کی چوٹیان اور وہان ہمارے رام کا جھونپڑا۔ ہوا رام کی لونڈی۔ ستارے سیارے۔ آفتاب مہتاب رام کے خدمتگار۔ ریچھ۔ چیتے۔ شیر۔ غزال رام کے رفیق۔ رام کو گیت سُنانے والے۔ آہا ہا! ...... سفید شلا اور اسپر ہمارے رام کا آسن۔ اور جھوم جھوم کر گانا ؎

ہم ننگے عمر بتیائینگے۔ آنند کی جھلک دکھائینگے
سولون پر ننگے جائینگے۔ پر آپکو پریم لکھائینگے

امریکہ کے پریسیڈنٹ کا رام کی دربار مین آنا۔ رام کے چرنون مین اسم اعظم (مہان واکیہ) اوم کانون سے سُننا باشندگان امریکہ کا اُنکو عیسیٰ پکارنا۔ امریکہ سے لیڈیون کا ہندوستان مین محض رام کی ولادت گاہ کی زیارت کے لئے آنا۔ جاپانیون کا مدتون تک اپنے کمرون مین رام کے شگفتہ چہرے کا درشن اور اوم سُننا۔ چیتون۔ شیرون اور سانپون کا پہاڑون مین ساتھ۔ اور اُنکا زانوے ادب تہ کرنا۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ کہ

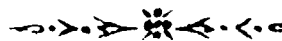
عشق ہو راست کرامات نہ ہو کیا معنے
حسب ارشاد ہی سب بات نہ ہو کیا معنے

ہان عرصہ گذرا۔ دسرتھ کے ہان رام پیدا ہوا تھا۔ صدیون بعد سنہ ۷۳ مین پھر رام پیدا ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس کرم بھومی مین ابھی تک رام پیدا کرنیکی طاقت موجود ہے۔

رام چندر



رسالہ رفوگری ۔ عورتون کو سوئی کے کام سے جسقدر طبعی مناسبت ہے وہ محتاج تصریح نہین۔ قدیم زمانے مین ہندوستان کی غریب عورتون کا یہی ذریعۂ معاش تھا۔ مگر آجکل کلون کی ارزانی نے یہان لوگونکو اور بہت سی دستکاریون سے مستغنی کر دیا ہے وہان سوئی کے کام بھی دینا منیاً ہوتے جاتے ہین۔ تاہم رفوسازی کے لئے ابھی کوئی کل نہین موجود ہے اور یہ کام ابتک سوئی کے حوالے ہے۔ اس حالت مین ملک کو لالہ مدن گوپال صاحب۔ ایم۔ اے وکیل لاہور کا ممنون ہونا چاہئے کہ اُنھون نے اس دستکاری کی باقاعدہ تعلیم کے لئے ایک کتاب مہیا کر دی۔ جو لڑکیان کسیوجہ سے اسکولی تعلیم نہین حاصل کر سکتین اُنکے ورثا اس کتاب کے ذریعے سے اُنھین رفوسازی کی عمدہ تعلیم دے سکتے ہین جسمین عبارت کے علاوہ نقشون کے ذریعے سے بھی رفو کے طریقے بتائے گئے ہین اور اسطرح یہ کام بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ قیمت فیجلد ۸ر



آئینۂ چین ۔ ہندوستان کے پہلو مین چین اتنا بڑا ملک ہے کہ دُنیا کا کوئی ملک اُسکی وسعت اور آبادی کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ ایسے عظیم الشان ہمسایہ کے حالات سے اہل ہند بالکل ناواقف ہین اور ہندوستانی لٹریچر مین چین کے متعلق اسقدر کم کتابین ہین کہ عام کیا خاص طور پر بھی لوگ اس ملک کے تاریخی اور تمدنی حالات سے نابلد ہین۔ خصوصاً اسکے اندرونی حالات۔ عام معاشرت اور اسکا جغرافیہ تو ہمارے لئے بالکل ایک کہانی کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن پنڈت مہندو لال صاحب گرگ نے آئینۂ چین تصنیف کر کے اس ادبی کمی کو ایک حد تک پورا کیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے چین کے جزوی و کلی حالات پر عبور ہو سکتا ہے اور لوگ گھر بیٹھے اہل چین کی معاشرت اور دوسرے حالات سے بخوبی واقف ہو سکتے ہین حجم ۲۸۴ صفحات قیمت بارہ آنہ۔ مطبع گولڈ سبری جہلم سے طلب کیا جاے۔

نفرت

اپنی عمر مین ہزارون بار تمنے لوگون کو نفرت کا لفظ استعمال کرتے دیکھا ہوگا، بلکہ خود تمہاری زبان پر بھی بیشمار مرتبہ یہ لفظ آیا ہوگا، لیکن کیا کبھی تمنے اسکے مفہوم اور موقعِ استعمال پر غور کیا ہے؟ ہمکو یقین ہے کہ کبھی نہین کیونکہ اگر تم ایک مرتبہ بھی ایسا کرتے، تو غالباً دوبارہ تمکو یہ لفظ استعمال کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

اگر اپنی آنکھ اُٹھاکر نظامِ عالم پر نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا کہ تمام دُنیا کی کسی دو جاندار چیزون مین کامل یکسانیت نہین پائی جاتی اور ہر شے دوسری شے سے کسیقدر ضرور مختلف ہوتی ہے۔ پہلے خارجی صورتون کو دیکھو، اور غور کرو کہ ہر انسان کی صورت شکل، رنگ روپ، قد و قامت، دوسرے انسان سے مختلف ہین۔ نزدیک کے رشتہ دارون اور اور عزیزون کا تو کیا ذکر ہے، باپ بیٹے اور حقیقی بھائیون کی صورتون مین زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، بلکہ دو توام بچّون مین بھی، جو بادی النظر مین یکسان معلوم ہوتے ہین۔ ضرور کوئی چیز مایہ الامتیاز ہوتی ہے۔ بعض حیوانات ایک ہی وقت مین متعدد بچے دیتے ہین، لیکن کیا اُنمین سے کوئی دو بچے ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے ہمشکل ہوتے ہین؟

اس ظاہری اختلاف سے ملتا جلتا ہوا اختلاف ذوق بھی عالمگیر پایا جاتا ہے۔ ہر شخص کا طبعی رجحان اور ذوق دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ باشندگان یورپ کو ہمارے یہان کے عطر کی خوشبو ناگوار ہوتی ہے، لیکن ہندوستانی رئیس اسکے دلدادہ ہوتے ہین۔ انگریزون کے یہان بھورے رنگ کے بال حُسن کی علامت سمجھے جاتے ہین، لیکن ہندوستان کے عاشق مزاجون کے لئے "زلف سیاہ" لازمی ہے۔ عموماً ایشیائی تو ہین، گورے رنگ کو حُسن و دلفریبی کا ایک جزو خیال کرتی ہین، لیکن براعظم افریقہ کے باشندون سے پوچھو تو وہ اسکو برص سے تعبیر کرینگے۔ ممکن ہے تم کہو کہ یہ اختلاف مذاق، آب و ہوا وغیرہ ملکی خصوصیات کا نتیجہ ہے، لیکن یہ صحیح نہین۔ قومی حیثیت سے قطع نظر کرکے افراد مین بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود ایک ہی ملک کے مختلف باشندون، ایک ہی قوم کے افراد، نہین بلکہ ایک ہی خاندان کے ممبرون مین اس اختلاف ذوق کی نظیرین بکثرت ملتی ہین۔ باپ کو ایک طرح کا لباس پسند ہوتا ہے، بیٹے کو دوسری طرح کا۔ ایک بھائی شعر و شاعری سے دل بہلاتا ہے، دوسرے بھائی کی دلچسپی مصوّری و نقاشی سے ہوتی ہے۔

اسی سلسلۂ اختلاف کی ایک تیسری کڑی ہے، جسکا تعلق عقل سے ہے، اور جسکو ہم اختلاف رائے یا اختلاف خیال سے تعبیر کرسکتے ہین۔ اسکی مثالین بھی ہر طرف نظر آتی ہین۔ ایک شخص ایک عقیدہ کو بالکل صحیح تسلیم کرلیتا ہے، لیکن دوسرے شخص کے نزدیک اسکے ماننے سے استحالۂ عقلی لازم آتا ہے۔ اخبارات مین روزانہ ہر قسم کے واقعات شائع ہوا کرتے ہین، لیکن ایک شخص کے نزدیک انکا ایک ایک حرف صحیح ہے، اور دوسرے شخص کی رائے مین اُن مین بہت سی بے بنیاد افواہین بھی ہوتی ہین۔ ایک شخص ہر شائع شدہ خبر پر صدقناً وسلمنا کہنے کیلیے آمادہ رہتا ہے، لیکن دوسرا شخص، اپنی عقل و معلومات کے مطابق

اکثر خبرون کو خلاف عقل و بعید از قیاس قرار دیتا ہے۔

ان طبعی اختلافات کو پیش نظر رکھکر، اگر تم کسی چیز کو پسند اور کسی کو ناپسند کرتے ہو، تو بالکل قانون فطرت کی پابندی کر رہے ہو، لیکن اگر تم کسی چیز سے نفرت کرتے ہو، یعنی اُسکو اس درجہ ناپسند کرتے ہو، کہ اُسکا محض ذکر یا تصور ہی تمہاری طبیعت کو متعفن و مکدر کر دیتا ہے، اور تم اسکی کوشش کرتے ہو کہ اس چیز کے نشان وجود کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے پردۂ عالم سے محو کر دو، تو بلاشبہ، تم قوانین فطری کی سرحد سے باہر نکل گئے ہو، اور ایک ایسے امر کی سعی کر رہے ہو، جسکے کرنیکا فطرت نے تمکو کوئی مجاز و اختیار نہین دیا ہے۔

فرض کرو کہ تم کسی خاص عقیدہ و مذہب کے پابند ہو۔ اور اُسکو دل سے پسند کرتے ہو، تو اسپر کسی کو تعرض کا کوئی استحقاق نہین، لیکن اگر تم دوسرے مذاہب سے نفرت کرتے ہو، اُنکے ماننے والون کی ذلت و تحقیر کرتے ہو، اُنکو ہر طریقہ سے نقصان پہونچانے کی فکر مین رہتے ہو، اور اس امر کے لئے ناجائز وسائل کام مین لاتے ہو کہ سوا تمہارے مذہب کے اور تمام مذاہب روے زمین سے فنا ہوجایئن، تو یہ کوشش سرتاسر قوانین نیچر کی مخالفت ہے، کیونکہ اس امر سے تمہارا مشاہدہ بھی انکار نہین کرسکتا کہ اختلاف طبائع فطری ہے۔ پس تمکو کیا حق ہے کہ اس فطری ودیعت کو باشندگان عالم کے دلون اور دماغون سے مٹا کر سب کو اپنا ہم خیال بننے پر مجبور کرو؟ یہ حق تمکو کسنے دیا کہ تم اپنی راے اور اپنے خیال پر عملدرآمد کے لئے کسی کو مجبور کرو؟ اور اگر یہ حق تمکو حاصل ہے، تو کیا وجہ ہے کہ تمہارا حریف اس حق سے محروم رہے؟

ممکن ہے، تم اسکے جواب مین یہ کہو کہ "ہمارا عقیدہ عقل کے مطابق ہے، اسلئے ہم مجاز ہین کہ اُسکو بجبر دوسرون سے تسلیم کرائین"، لیکن ہم دریافت کرتے ہین کہ اسکا ثبوت کیا ہے؟ صرف یہی کہ تمہارا عقیدہ تمہاری عقل کے موافق ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ تمہارا حریف بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے، وہ کہتا ہے کہ اُسکا عقیدہ اُسکی عقل کے موافق ہے۔ آخر تمکو یہ استحقاق کیسے حاصل ہوگیا، کہ تم اپنی عقل کے مطابق ایک مسئلہ کا فیصلہ کردو، اور وہ تمام دُنیا کے لئے واجب التقلید ہوجاے؟

ممکن ہے، تم اپنی راے پر اسلئے متشدد ہو، کہ باشندگان عالم کی ایک تعداد کثیر تمہاری تائید مین ہے، لیکن یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیا کثرت راے تمام دُنیا کے لئے کسی مسئلہ کے قطعی اور یقینی فیصلہ کردینے کا حق رکھتی ہے؟ کیا کسی راے کی تائید مین جماعت کثیر کا ہونا، اس امر کا کافی ثبوت ہے، کہ اُسکی مخالف جماعت قلیل غلطی پر ہے؟ کیا کثیر جماعت کو حق حاصل ہے کہ اپنی مخالف جماعت قلیل کی صورتون، دلون، اور دماغون سے نقوش اختلاف کو مٹا دے؟ کثیر اور قلیل جماعات کا تو کیا ذکر ہے، اگر بجز ایک شخص کے تمام دُنیا ایک راے پر متفق ہو، اور صرف ایک شخص جداگانہ راے رکھتا ہو، تو کیا کوئی وجہ ہے کہ یہ تمام متفق الخیال دُنیا، اس ایک مختلف الخیال شخص کو راے بدلنے پر مجبور کرے؟ کیا میجارٹی (کثرت راے) کی قوت، فطرت کی قوت سے بڑھکر ہے؟ کیا فطرت کے مقرر کئے ہوئے حدود کو کوئی بڑی سی بڑی جماعت توڑ سکتی ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم محض اپنے ہم خیالون کی کثرت تعداد کی بنا پر اپنے مخالفین سے نفرت کرتے ہو، اور انکو اپنا ہم خیال بننے پر مجبور کرتے ہو؟

شریعت فلسفہ کے پیمبر، جان اسوارٹ مل، کا یہ مقولہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، کہ

"اگر تمام نوع انسان بہ استثناء ایک شخص واحد کے، ایک راے کو مانتی ہو، اور صرف ایک شخص کی راے مخالف ہو تو نوع انسان کو اس تنہا شخص کے (بہ جبر) خاموش کر دینے کا صرف اتنا ہی حق حاصل ہے، جتنا اس ایک شخص کو تمام نوع انسان کے خاموش کر دینے کا۔"

بلاشبہ، اگر ہم کسی کو ایسے طریقہ پر چلتا دیکھین، جو ہماری راے مین غلط ہے، تو انسانی ہمدردی کا اقتضا صرف یہ ہونا چاہیے کہ اُسکو اس امر سے مطلع کر دین، لیکن اگر وہ نہ مانے، تو ہمکو کوئی حق نہین کہ اُسکو بہ جبر اس راستے سے ہٹائین۔ اگر وہ فی الواقع غلط راستے پر چل رہا ہے، تو اُسکو خود غلطی کی سزا ملیگی، ہمکو کیا حق ہے کہ اُسکی فطری آزادی سلب کر لین! جبر محض اس حالت مین جائز ہو سکتا ہے، جبکہ کسی شخص کے فعل سے دوسرون کو مضرت پہونچے، مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل، وغیرہ، لیکن اگر کسی فعل کی وجہ سے بجز ذات فاعل کے اور کوئی متاثر نہ ہو، تو ہمکو اس فعل کے بہ جبر روکنے کا کوئی استحقاق نہین۔

پالیٹکس مین دو متضاد گروہ ایک دوسرے کو سخت منافرت کی نظرون سے دیکھتے ہین۔ ایک گروہ دوسرے کو خوشامدی، غلام طبع، دشمن ملک کہتا ہے، اور دوسرا اُسکو باغی، حق ناشناس، احسان فراموش کہتا ہے۔ لیکن غور کرو کہ اس منافرت کی بنا کیا ہے؟ صرف یہ کہ ہر گروہ نے بجاے خود اپنی راے کی بنا پر ملکی حالت کا فیصلہ کر لیا ہے، اور اُسکو بہ جبر تمام ملک سے منوانا چاہتا ہے۔

ایک متعصب پابند مذہب تمام غیر مذاہب کو تنفر کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اسکا کیا ثبوت کہ اُسکا مذہب سچا ہے؟ یہ محض افراد کی عقل پر منحصر ہے۔ پس اگر کوئی تمہارا ہم مذہب شخص اپنے قدیم عقائد سے منحرف ہو کر دوسرے مذہب مین شامل ہو گیا، یا قطعاً لامذہب ہو گیا، تو اُس سے نفرت کی کوئی وجہ نہین۔ تمہارے خیال، تمہاری سمجھ، تمہاری عقل، تمہاری راے مین تمہارا مذہب سچا ہے لیکن اُسکے خیال، اُسکی سمجھ، اُسکی عقل، اُسکی راے مین اسکا مذہب یا اُسکا عقیدہ صحیح ہے۔ الغرض جسطرح یہ ناممکن ہے کہ ساری دُنیا کے باشندے، صورت شکل، رنگ روپ، اور قد و قامت کے لحاظ سے بالکل یکسان ہو جائین، اور جس طور سے یہ ناممکن ہے، کہ سب لوگ متحد الذوق و متفق المذاق ہو جائین، اور ایک ہی چیز کو پسند کرنے لگین، اُسیطرح یہ بھی غیر ممکن ہے کہ کل باشندگان عالم ایک ہی خیال، ایک ہی مذہب، ایک ہی عقیدہ کے معتقد ہو جائین۔ اور اگر کوئی شخص اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑیگا، اور اپنے مخالفین کو محض ایک جداگانہ تجارت خیال کیوجہ سے انسانی ہمدردی کے بازار سے بایکاٹ کر دیگا، تو وہ ایک خلاف فطرت امر کی کوشش کر رہا ہے،[۱] جسکا نتیجہ یقینی ناکامی ہے۔

---

[۱] اسلام مین ایک جانب تو ایسے احکام پائے جاتے ہین، کہ جنکی بنا پر اگر تعصب و مذہبی منافرت کو اسلام کا ایک جز قرار دیا جاے، تو بیجا نہین لیکن دوسری جانب قرآن مین ان آیات کی بھی کمی نہین کہ جنمین نہ صرف، نہایت صراحت کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کی تعلیم دی گئی ہے، بلکہ نہایت خوبی کے ساتھ اصل نکتہ کیجانب اشارہ کیا گیا ہے۔ غور کرو کہ ذیل کی آیت مین قرآن کے فطرت شناس مصنف نے اختلاف طبائع کے فطری ہونے کو کسقدر صاف الفاظ مین بیان کیا ہے:۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ (پ۱۲ سورۂ ہود، رکوع ۱۰) یعنی "اگر خدا چاہتا تو سب لوگونکو ایک ہی عقیدہ پر کر دیتا (مگر اُسنے ایسا نہین کیا، لہذا) لوگ ہمیشہ مختلف رہینگے بجز اُس شخص کے جسپر خدا کا رحم کرے، کیونکہ انکی خلقت ہی ایسی رکھی گئی ہے" اسی فطری اصول کے مطابق ایک اور مقام پر مذکور ہے:۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔ یعنے "ہر شخص اپنی آسانی کے مطابق عمل کرتا ہے"۔ اور درحقیقت یہی نکتہ رواداری کی بنیاد ہے۔



مالاباری حسن

انڈین پریس الہ آباد

لیکن افسوس، آج اس بیسوین صدی مین بھی جو روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے، اور جبکہ واقعی سائنس اور علوم و فنون ایک حد تک ترقی کے مدارج طے کر چکے ہین، اس عام بے تعصبی اور رواداری کا نام تک نہین پایا جاتا۔ متعدد تعلیم یافتہ جماعات ایسی موجود ہین، جو غیر اقوام کے افراد کے ساتھ مناکحت و مواکلت قطعاً حرام جانتی ہین۔ بعض جماعتین جو نسبتاً زیادہ روشن خیال ہین، غیر قومون کے ساتھ کھانا پینا تو روا رکھتی ہین، مگر اُنکے ساتھ محبت و اخوت کا برتاو رکھنا انکے یہان بھی ناجائز ہے۔ ہم نے بعض تعلیم یافتہ افراد کو بچشم خود دیکھا ہے، جو اپنے مخالف عقائد رکھنے والون کو بہ جبر خاموش کر دینا چاہتے ہین[۵]، اور اگر انکے بس مین ہو، تو وہ اپنے مخالفین کا جواب زبان تیغ سے دین۔ مگر یہ جوش جہالت کب تک؟ ایسی منافرت خیز تعلیمات کی وجہ دُنیا مین بد امنی، بے اعتباری اور خون ریزی پھیلانا اپنا مشن قرار دے چکی ہین) ہنسلی تحریر، انصاف و معقول پسندی کی رہگذر کے سامنے اپنا نشان ہستی کب تک صفحۂ عالم پر قائم رکھ سکتی ہے؟

ان عقلی دلائل سے قطع نظر کر کے گذشتہ واقعات پر نظر ڈالو، تو بھی اسی نتیجہ پر پہونچو گے۔ تاریخ صاف الفاظ مین شہادت دے رہی ہے کہ دُنیا مین اُنھین قومون نے ترقی کی ہے، جو اپنی بے تعصبی اور روشن خیالی میں ممتاز تھین، جنکی ہمدردی عام تھی، اور جنمین تعصب و تنفر کے کمینہ جذبات نہایت ادنیٰ درجہ مین پائے جاتے تھے، برخلاف اسکے جن قومون نے آزاد خیالی کو تلوار کے زور یا حکومت کے دباؤ سے روکنا چاہا، اور جنھون نے غیرون کے ساتھ رواداری کا برتاؤ نہین کیا، اُنکو ہمیشہ ناکامی ہوئی، بلکہ اُلٹا اُنھین کو نقصان پہونچا۔ اسپین مین مسلمانون کا تمدن انتہائی عروج پر تھا، جسکا اعتراف تمام منصف مزاج یوروپین مورخین کرتے ہین، لیکن جب سے وہان عیسائیون کے ایک متعصب فرقہ کی عملداری ہوئی، جس نے بہ زور شمشیر مسلمانون کو عیسائی بننے یا وطن ترک کرنے پر مجبور کیا، تو یہ نتیجہ ہوا کہ چند روز مین وہی اسپین ایک زوال یافتہ ملک تھا، اور وہان کی قوم ایک نیم مہذب قوم تھی۔ انگلستان مین جسوقت تک رومن کیتھولک فرمان رواؤن نے جبر و تعصب سے کام لیا، اُسوقت تک برابر خانہ جنگیان برپا رہین، لیکن جب سے وہان کے باشندون نے اپنی افسوسناک حالت کا اندازہ کر کے منافرت و تعصب کو پس پشت ڈالدیا، اُسوقت سے برابر انگلستان ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔ خود مسلمانون کی تاریخ بھی ہمارے دعویٰ کی ایک نہایت قوی شاہد ہے۔ جس ملک اور جس زمانہ مین اُنھون نے مساوات و بے تعصبی کے ساتھ ملک داری کی اُنکے شہنشاہون کے دربار علم و فن کے مرجع رہے، اور اُنکی مملکت کا ایک ایک چپہ، تمدن و شائستگی کا مرجع تھا۔ لیکن برخلاف اسکے جب اُنھون نے شمشیر و سنان کو ہاتھ مین لیا، تو یہی مسلمان وحشت و خونخواری کے دیوتا نظر آتے تھے۔ جسکا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی سلطنت، قومیت، علم، تمدن، سب کھو بیٹھے۔

---

۵ الناظر کے پچھلے پرچون مین ہمارا مضمون جو تنقید الکلام پر شائع ہوا ہے، اور جسکے ضمن مین مخالفت مذہب بھی شامل ہے، اُسپر باستثنا رچند روشن خیال و منصف مزاج حضرات کے، بیلک نے جسقدر ناخوشی کا اظہار کیا، اُسکے ذکر سے ہم ناظرین کی سامعہ خراشی نہین کرنا چاہتے۔ خیر اگر بعض قدامت پرست اور جمود پسند مشایخ نے، جنکے معاش کا دار و مدار لوگونکی ضعیف الاعتقادی پر ہے، اسپر غیظ و غضب کا اظہار کیا، تو چندان تعجب نہین لیکن باعث حیرت یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ جماعت کے ایک شہرت پسند رکن نے جو ہندوستان کے مختلف جماعات مین مساوات و اخوت پیدا کرنیکے مدعی، اور اسلام و یوروپ کے باہمی مُشیر ہین، اس مضمون کو پڑھکر اپنا یہ خیال ظاہر کیا، کہ ایسے مخالف مذہب مضامین کی اشاعت ملک کے لئے مفید نہین!!

الغرض "نفرت" نہ صرف سوسائٹی کیلئے مضرت رسان ہے، بلکہ خود ذات فاعل کیلئے بھی نقصان دہ ہے، اور فی الحقیقت اس لائق ہے کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کی فرہنگ الفاظ سے خارج کردیجائے۔

ایک طالب علم

پنچ ذاتین

ہندوستان کی پامال قومون کی نجات کا مسئلہ اُن چند خاص ضروری و دقیق مضامین مین سے ہے کہ جو باوجود اپنی غیرمعمولی اہمیت کے اسوقت تک قوم کی لاپروائی کا نشانہ بنتے رہے ہین۔ اس مسئلہ پر جیسی کچھ کہ توجہ ہونی چاہیئے تھی نہین کی گئی اور اسیوجہ سے اسکی پوری اہمیت بھی ابتک عام طور پر واضح نہین ہے۔ مسائل سیاست تمدن اور صنعت وحرفت سے قطع نظر کرکے اسوقت ہمارے تمام قومی مسائل مین کوئی دو ایسے ضروری مضمون نہین ملینگے کہ جیسے فرقہ نسوان کی بہتری کا سوال اور سوسائٹی کے اس معطل و معذور جزو کا از سرِ نو بحال کرنا۔ میرا منشا اسوقت مختصراً یہ عرض کرنے کا ہے کہ اس پامال طبقے کی بالفعل ملک کے مختلف حصّون مین کیا کیفیت ہے۔ اسکی نجات کے کیا وسیلے ہین اور اس بارے مین کیا کیا کوششین ہورہی ہین اور ہمکو کیا کرنا چاہیئے۔

یہ پنچ ذاتین ہندوستان کے متفرق صوبون مین مختلف نامون سے مشہور ہین۔ احاطہ بمبئی مین انکو چامیر و مہر وغیرہ کہکر پکارتے ہین۔ احاطۂ مدراس مین یہ لوگ پنچمہ و پاریہ کے لقب سے مشہور ہین۔ بنگال مین انکو نامشودرہ کہتے ہین اور ہمارے اطراف مین کوری۔ چمار۔ ڈوم وغیرہ اس طبقہ مین شامل ہین۔ ایک خصوصیت ان سب کے ساتھ یکسان طور سے وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ انکا بدن سے چھُوجانا قطعی علامت ناپاکی کی تصوّر کیا جاتا ہے اور قطعی ممنوع ہے۔ مدراس کی طرف یہ بدسلوکی حد کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے وہان ملک کے بعض بعض حصّون مین یہانتک سختی روا رکھی گئی ہے کہ شہرون مین انکے لئے خاص خاص محلّے مقرر ہین کہ صرف وہین یہ لوگ رہ سکتے ہین۔ خاص خاص فرقون کے لئے کچھ فاصلے مقرر ہین کہ اُس سے قریب تر ہوکر اُنکا گذرنا بھی ممنوع و علامت ناپاکی ہے۔ دیہات مین بھی اُنکو گاؤن سے علیحدہ کچھ فاصلے پر رہنے کی اجازت ملتی ہے۔ ان لوگون کیلئے صرف چند ذلیل تر پیشے مقرر ہین کہ صرف اُنھین کے ذریعہ سے وہ کسبِ معاش کرسکتے ہین۔ انکے علاوہ کسی کاروبار کی اُنکو اجازت نہین۔ مفلسی کیوجہ سے اُنکی بود و باش نہایت غلیظ اور اسباب زندگی قطعی ناکافی ہوتے ہین پس جسمانی صحت بھی اکثر ردی اور نہایت ابتری کی حالت مین پائی جاتی ہے بجز اسکے کہ ان لوگون نے انسان کا قالب تو ضرور پایا ہے ورنہ ہندو سوسائٹی کی نگاہ مین یہ کسیطورسے انسانی برتاؤ کے مستحق نہین سمجھے جاتے۔ ان لوگون کا رتبہ ذلیل تر جانورون سے زیادہ ذلیل ہے اُنکی حالت ردی تر حالت سے زیادہ ردی ہے اور پھر یہ فرقہ کچھ تعداد مین بھی یون ہی سا نہین۔ یہ طبقہ ہندوستان کی پوری آبادی کا پانچوان حصہ اور ہندو سوسائٹی کا چہارم خرد شمار

سے ثابت ہوتا ہے یعنی ۳۰ کروڑ ہندوستانیون مین سے تقریبًا ۶ کروڑ کے نیچ قومون مین شمار کئے جاتے ہین اور ۲۱ کروڑ ہندؤن مین سے ۵ کرور سے زائد ایسے ہین کہ جنکا بدن سے چھوجانا بھی گناہ و ناپاکی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ متفرق صوبون مین ان لوگون کی تعداد مختلف ہے۔ بمبئی و پنجاب مین یہ فرقہ تقریبًا ۴۰ - ۴۰ - لاکھ کے ہے۔ بنگال متحدہ مین ۱½ کرور سے زائد و ہمارے صوبے مین ایک کرور تک انکا شمار پہونچتا ہے مگر مدراس کا صوبہ اس ذلت مین سب پر سبقت لے گیا ہے یعنی حیدر آباد - مائی سور و ٹراونکور کی ریاستون کو شامل کرکے وہان کی ۵ کرور کی آبادی مین سے عنقریب ۱½ کرور کے اُن لوگون کی تعداد ہے کہ جو پاریہ و پنچمیہ وغیرہ کہلاتے ہین۔ ان سب واقعات کو معلوم کرکے اور انپر پوری طور سے غور کرنیکے بعد شاید ہی کوئی ایسے صاحب دل ہون کہ جو اس کیفیت کو قابل رحم نہ خیال کرتے ہون او بہت کم ایسے ذی ہوش ہونگے کہ جو اصلاح کی ضرورت کو محسوس نہ کرتے ہون لیکن اصلاح کا خیال جبتک کہ کوئی عملی شکل اختیار نہ کرے زیادہ قابل وقعت نہین ہوتا ہر ایک اصلاح کی تحریک کیلئے ضروری ہے کہ پہلے عوام کی رائے اُسکی موافقت مین قائم ہو اور مناسب خیالات کی اشاعت کیجاے اور بعد ازان اصلاح مناسب کا عملی شکل مین ظاہر ہونا امر لازمی ہے۔ پس پہلا کام جو ہمین درپیش ہے وہ یہ کہ ان پامال قومون کی نجات کا سوال انکی مفصل کیفیت موجودہ کی بہتری کے طریقے وقتاً فوقتاً عوام کے سامنے پیش کرتے رہین۔ ہر شہر مین اسکے متعلق انجمنین قائم ہون۔ ہر قصبہ مین انکے بارے مین چرچے شروع ہون۔ اخبارات او رسالون مین انکا تذکرہ برابر شائع ہوتا رہے۔ عام جلسون مین انکی کیفیت بیان کی جایا کرے اور جہان جہان عملی اصلاح کی کوشش ہو رہی ہو اُسکی مالی امداد کافی طور سے کیجاوے - اور جب یہانتک کامیابی حاصل ہو جاوے تو اُنکی بہتری کے ذرائع کو عملی شکل مین رائج کرنا امر لازمی ہوگا۔ اسکے متعلق جو کام سب سے پہلے کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ انکی تعلیم کا بندوبست خاطر خواہ کیا جائے۔ جہان جہان ضرورت ہو ہر قصبے ہر گاؤن مین اُنکے لئے مدرسے کھولے جائین۔ انکو ابتدائی تعلیم دیجائے۔ اُنکے لئے ذرائع معاش مہیا کئے جائین۔ انکی ذات کے ساتھ جسقدر ذلت و کمتری وابستہ ہے وہ پھر رفتہ رفتہ خود ہی کم ہوتے ہوتے قطعی رفع ہو جائیگی۔ اسوقت تک اس مسئلے کے متعلق جو کچھ بھی کم و بیش کوششین ہوئین وہ ہمارے اُن عیسائی بھائیون کیطرف سے کہ جنکو ہم اکثر نہایت نامناسب طور سے یاد کیا کرتے ہیں۔ بیشک ایک کافی حصہ ان جماعتون کا جنکو کہ ہم کسی ہندو سوسائٹی مین شامل نہین کرتے (سوائے اُن خاص اوقات کے کہ جب ہماری خودغرضی ہمکو اسپر مجبور کرتی ہے) تبدیل مذہب کرکے عیسائی ہوگیا اور اب اس نئے فرقے کی ہمدردی بھی ہمارے ساتھ قطعی باقی نہین رہ سکتی لیکن یہ کیا مقام شکر نہین ہے کہ کم از کم اُن لوگون کی ایک کثیر تعداد کو کہ جنکو عملی طور سے جانورون کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی گویا از سر نو انسانی رتبہ حاصل ہوا۔ اور اگر اُنکی ہمدردی ہمارے ساتھ نہین۔ اُنکا بھروسہ ہمپر نہین اور وہ ہم سے بیزار ہین تو یہ سب ہمارا قصور ہے دوسرون کو الزام لگاتا اور سزاوار ٹھہرانا صریحًا بے انصافی ہے۔ نہایت شکر کا مقام ہے کہ اب کچھ عرصے سے ہم لوگون کی توجہ بھی اسطرف رجوع ہو چلی ہے اور آثار اچھے نظر آتے ہین قریب ۳ سال کے ہوئے کہ بمبئی مین ایک سوسائٹی موسوم Deprssed classes mission society

قائم کی گئی اور یہ امر نہایت قابل اطمینان ہے کہ یہ انجمن اب خاطر خواہ ترقی کر رہی ہے - اسوقت تک دکن کے مختلف اضلاع مین اسکی قریب قریب ایک درجن شاخین قائم ہو چکی ہین - ہر شاخ کے ساتھ ایک یا دو مدرسے - دوا خانے - مذہبی سماجون وغیرہ کا انتظام بھی شامل ہے - ان مدرسون مین کئی سو طالب علم ابتدائی تعلیم پا رہے ہین اور انمین سے اکثر کی علاوہ تعلیم کے اور بھی بہت کچھ امداد کیجاتی ہے اور یہ سوسائٹی اب روز بروز ترقی کر رہی ہے - اسکے معاونین مین کئی والیان ملک اکثر بمبئی کے رئیس و مشہور رہبران قوم بھی شامل ہین - اس تمام کوشش و ترقی کا باعث اور اس انجمن کی روح رواں مسٹر شندے ہین جنکی الوالعزمی - پاک حب الوطنی اور استقلال ملک کے لئے مقام فخر و قابل قدر ہونا چاہئے - اور آپ ہی کی ہدایت اور رہبری مین اور بھی چند نیک نیت اور با ہمت نوجوان اس کار خیر مین پوری پوری کوشش کر رہے ہین اور اسکو اپنا مقصد زندگی قرار دئے ہوئے ہین کہ جنکی مثال ہم سب کیلئے باعث تقلید ہونی چاہئے -

یون تو شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہو کہ جسکے بارے مین اختلاف رائے نہو اور غالباً کوئی تحریک ایسی نہین ہوتی کہ جسکو سبھی پسند کرتے ہون تاہم جہانتک مخالفت واقعی کا تعلق ہے غالباً یہ کہنا بیجا نہو گا کہ اس پامال طبقے کی بہتری اور نجات کی تحریک کے خلاف اسوقت تک بجز ہماری خلقی لاپروائی کے کوئی مخالف کوشش نہین ہو رہی ہے - البتہ ایک فرقہ ایسا ضرور ہے جیسا کہ ہر ایک تحریک کے خلاف ہوا کرتا ہے جسکا خیال ہے کہ دنیا مین مفلسی و بیماری - ذلت و خواری - مصائب و پریشانی - برائی اور گناہگاری ہمیشہ رہی ہے اور تا قیامت رہیگی - پس اصلاح کی کوشش بجز تباہی وقت اور کچھ معنی نہین رکھتی - اس لاپروائی اور کم ہمتی کا جواب بجز خاموشی اور کیا ہو سکتا ہے اگر ازل سے مصلحان قوم نے اس اعتراض پر دھیان کیا ہوتا تو غالباً دنیوی مکروہات مین اسوقت اصلاح کا شائبہ بھی نظر نہ آتا - دوسرا فرقہ ایک ایسا بھی ضرور ہے کہ جو دبی زبان سے اپنے خوفون کا اظہار یون کیا کرتا ہے کہ ان پنج ذاتون کو تعلیم دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے آگاہ ہو جاوین اور انکے حاصل کرنے پر مُصر ہون ہمسے دولت مین حصہ بٹائین اور ہمسری کا دعویٰ کرین - ایسے انقلاب عظیم سے نظام قومی کا درہم و برہم کرنا اور اس فتنہ خوابیدہ کو جگانا کسی حالت مین واجب اور مناسب نہین ہمین افسوس ہے کہ ہم ان احباب سے شرکت غم نہین کر سکتے اور مقام شکر ہے کہ اس خود غرضی و بزدلی کے خیالات اب روز بروز کم ہوتے جاتے ہین اور انکے معدوم ہونے کی امید روز بروز قوی تر ہوتی جاتی ہے - البتہ ان اصحاب سے قطع نظر کرکے ایک کافی گروہ تعلیم یافتہ احباب کا ایسا بھی ضرور ہے کہ جو اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور جسمین ہمدردی کا خیال بھی موجود ہے - تاہم اُسکی رائے مین غالباً ناواقفیت کیوجہ سے یہ مضمون ایسا اہم نہین ہے کہ جیسے بعض اور پولیٹکل یا اکانمک مسئلے - میری رائے عاجزانہ اس باب مین قطعی طور سے یہ ہے کہ ہماری موجودہ حالت مین جسقدر ہے کہ ملکی معاشرتی - اقتصادی یا اخلاقی بہتری کے مسائل ہمارے روبرو ہین وہ سب یکسان طور پر نہایت ضروری و لازمی ہین ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح دیکر پورا فائدہ ہرگز نہین اُٹھا سکتے کیونکہ انمین سے ہر ایک دوسرے سے اسقدر وابستہ ہے کہ اُسکا قطعی علیحدہ

کرنا غیر ممکن ہے۔ تمثیلاً ایسی پامال قومون کے مسئلہ پر اگر غور کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ یہ صرف شوسل اصلاح ہی کا سوال نہین بلکہ اسکا تعلق ہماری اقتصادی وملکی ترقی سے بھی بہت کچھ ہے۔ کیا ملک کی ۳۰ کرور کی آبادی مین سے ایسی کثیر التعداد اور جسیم جماعت پر کہ جسکا شمار ۶ کرور سے زائد ہو ہر قسم کے پیشہ و تجارت کا دروازہ قطعی بند کر دینا۔ اسقدر جسمانی و دماغی قوت کو جو نشو و نما پانیکی قابلیت رکھتی ہو معطل و بیکار ڈال رکھنا کیا ہمارے مالی نقصان کا سبب نہین۔ جسوقت یہ جسیم جماعت پوری واقفیت و کوشش کے ساتھ صنعت و حرفت کے میدان مقابلہ مین آکر فتحیابی کی کوشش مین مشغول ہوگی بلاشک وہ دن تجارتی دنیا مین حیرت انگیز تغیر و تبدل کا نظارہ پیش کرے گا۔ اسیطرح اگر ہم اسکے پولیٹکل پہلو کے طرف توجہ کرین تو بھی اسکی اہمیت بہت کچھ ثابت ہوگی۔ ہمارے وہ دوست جو پولیٹکل آزادی کی دھن مین از خود رفتہ ہو رہے ہین اور ایسے مسئلون کو جیسے یہ زیر بحث مسئلہ آسانی سے ٹال دیتے ہین لارڈ مارلے صاحب کی اُس تقریر کو کہ جسمین اُنھون نے اس مضمون کیطرف اشارہ کیا ہے فکر و توجہ کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے اور اُس تلخ جوابی سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اُن لوگون کو کہ جو یہان اپنی نیچ ذاتون کے پامال رکھنے کے حامی۔ اُنپر ہر ایک ظلم و تشدد روا رکھنے کے مجرم اور اُنکی بہتری اور نجات کی تحریک کے مخالف ہین اور پھر یہی چیخ چیخکر غیرون سے اپنے حقوق مانگتے اور پولیٹکل آزادی کے خواہشمند ہین لحظہ بھر یہ سوچنا چاہئے کہ کیا کوئی غیر شخص اُنکے حقوق کی پروا کریگا کہ جب وہ خود اپنے عزیزون کے حقوق کی پروا نہین کرتے۔ کیا اُنکی آہ و بکا کا کچھ اثر ہوگا کہ جب وہ خود اورون کی فریاد سے متاثر نہین ہوتے۔ یہ امر غور طلب ہے اور اسکا جواب آسانی سے نہین دیا جا سکتا۔ علاوہ برین حضرات! ہماری سوسائٹی کا وہ درمیانی طبقہ کہ جو صدیون سے اتنک تمام جسمانی و دماغی مشقت و کاہش کا برباد ہوا۔ جسنے یہانتک قومی زندگی کی منزل کو اُفتان و خیزان بُرے یا بھلے طور سے طے کیا اب قطعی ماندگی و عاجزی کے آثار ظاہر کر رہا ہے۔ اسکو اشد ضرورت ہے تازے خون کی کہ جو اسکی اصلی حرارت و قوت کو از سر نو قائم کرے اور پھر ایکبار نئی روح پھونکے۔ اسمین ایجاد و اختراع کا مادّہ محنت و مشقت کا حوصلہ اور تہذیب و شائستگی کے ارمان پیدا کرے کیونکہ بغیر ان اوصاف کے تمدنی جد و جہد کی تاب لانا غیر ممکن ہے۔ جسکے معنی یہ ہین کہ سوسائٹی کا وہ معطل جزو کہ جو اسوقت تک جبراً معذور رکھا گیا بحال کیا جائے کہ جو اپنی ہمت سے عاجز اور ماندون کو تازگی بخشے اور منزل مقصود تک لیجائے۔ غرضکہ کسی پہلو سے بھی غور کیا جاوے اس مسئلہ کی اہمیت قطعی ثابت ہے۔ پس جو لوگ کہ ملکی بہتری کے خواہان و قومی خدمت کے دعویدار ہین اُنکا اسطرف توجہ کرنا اور اس کار خیر مین امداد فرمانا عین فرض ہے۔ فقط

کشن پرشاد لول

مکسیکو کی تباہی

مجھے اس بات کا شوق ہوا کہ نئی دنیا کا پتہ لگنے سے پہلے وہاں کے لوگون کا حال معلوم ہو کہ وہ کس حالت مین تھے۔ یورپ کے مورخین کے اقوال پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ سب وحشی و مردم خوار تھے اور پھر بھی لوگ یہ بھی لکھتے ہین کہ امریکہ کے شمال و مغرب مین تقریباً پچیس کوس کے فاصلہ پر ایشیا ہے۔ ایشیا سے لوگ بہہ کر ادھر نکل آئے ہین اور آئسلنڈ مین کلمبس سے سیکڑون برس پیشتر یورپ سے لوگ پہونچ گئے تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایشیا اور یورپ سے جو لوگ وہان گئے وہ سب مردم خوار تھے اور وہان پہونچنے سے پہلے بھی وحشی تھے ورنہ یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ انسان مین مدنیت آنیکے بعد بھی اسکا وحشی و مردم خوار ہو جانا ممکن ہے۔

کس زمانے سے یہ لوگ امریکہ مین ہین اس مسئلہ کے متعلق بعض لوگ یہ بیان کرتے ہین کہ غالباً پہلے پچیس کوس کا بھی فاصلہ پرانی اور نئی دنیا کے درمیان نہ تھا اور زمین متصل تھی۔ اسیطرح آئسلنڈ کیطرف بھی امریکہ اور یورپ مین اتصال تھا۔ اور بعض لوگ یہ احتمال کرتے ہین کہ شمال کیطرف اتصال ارض اگر تھا تو وسط مین بھی ممکن ہے کہ ہو اور دلیل اسپر یہ کہ جزیرے بکثرت قریب قریب وسط مین پڑتے ہین۔ ایک زمانہ مین یہ سب ایک ہونگے اور یہان سے وہان تک خشکی کی راہ ہوگی۔ لیکن کرۂ ارض پر اتنا بڑا انقلاب کہ زمین دریا ہو جاے اور دریا زمین ہو جاے اسکو بھی ہزارون ہی برس چاہئے اور یہ کسی طرح یقین نہین آتا کہ ہزارون برس انسان وحشی رہے اور اسمین باوجود مدنی الطبع ہونے کے مدنیت نہ آئے۔ دو ایک ملکون کا نام لیا جاتا ہے کہ انمین کچھ مدنیت تھی مگر مردم خوار وہ بھی تھے۔

افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ اندلس کے لوگ جب امریکہ پہونچے ہین تو مکسیکو مین بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ وہ سب کتابین ایک میدان مین ڈھیر لگاکر آگ لگا دی گئی اور تمام انکے تاریخ و علوم کو خاک مین ملا دیا۔ مکسیکو کے حالات بچشم دید جو کچھ اہل اندلس نے لکھے ہین وہ بھی عجیب و غریب ہین۔ یہ ایک کوہستانی ملک ہے سمندر سے آٹھ سات ہزار فٹ کی بلندی پر۔ یہ سارا ملک ایک وادی وسیع ہے جسمین بڑی بڑی جھیلین ہین۔ اس وادی کو قوم ازٹیک نے آباد کیا۔ مورخون نے اتنا پتہ لگایا ہے کہ یہ لوگ امریکہ کے شمال و مغرب کی جانب سے اس وادی مین آکر بس گئے تھے اور تباہی مکسیکو سے تین سو برس پیشتر سے اس ملک پر قابض تھے مغول و تاتار سے ان لوگون کو بہت مشابہت تھی اوائل مین مدنیت ان مین نہ تھی تاتاریون کی طرح مدتون صحرانشین و خانہ بدوش رہے۔ اس قوم مین تمدن کس زمانہ سے تھا اسکا ٹھیک حال نہ معلوم ہوا لیکن جو سنہ کہ انکے یہان جاری تھا اسکی ابتدا ۱۰۹۱ء کے مطابق ہے۔ جب ان لوگون نے شہر بسائے اور تمام قومون پر غلبہ حاصل کیا تو ایسی شاندار سلطنت قائم کی جسے مورخین سلطنت روم سے مشابہت دیتے ہین۔ انکی عمارتین نہایت عالیشان تھین۔ انکے مندر اہرام مصر سے ہمسری کرتے تھے۔

انکا دارالامارۃ یورپ کے شہر وینس سے بہت مشابہ تھا۔ انکے
کشت زار و پالیز و بساتین پانی پر تیرتے پھرتے تھے۔ پانی پر
سیکڑون گز تک لکڑیاں پہلے بچھا دین پھر اُسپر ذرا ذرا مٹی
ڈال دی۔ پھر تخم افشانی کردی۔ اس کھیت کو سینچنے کی ضرورت
بھی نہ ہوتی تھی جھیل کا پانی لکڑیون کے نیچے سے درختون کی
جڑون تک پہونچتا رہتا تھا۔ جب چاہو کھیت کا کھیت ادھر سے
اُدھر کھینچ کرلے جاؤ۔

پہلے چھوٹی چھوٹی ریاستین تھین اور آپسمین جدال و قتال
ہمیشہ رہتا تھا جب سے چند ریاستون نے باہم معاہدہ کیا اور
اتفاق پیدا ہوا۔ ملک وسیع ہونے لگا اور قوم مین برکتین
نمایان ہوئین۔ قوانین سیاست نافذ ہوئے۔ خونی کو قتل زانی
کو سنگسار کرتے تھے چور سے غلامی کرواتے تھے یا قتل
کرڈالتے تھے۔ لیکن غلام تک کا قتل کرنا جائز نہ تھا۔ ملک کا
بڑا قاضی ایسا مقتدر ہوتا تھا کہ بادشاہ بھی اُسکے فتوی کا تابع
تھا مگر رشوت لینے پر قاضی کو قتل کرنا قانون ملک تھا۔ بڑا قاضی
بادشاہ کا مقرر کیا ہوا ہوتا تھا اور اُسکے ماتحت ہر ہر ضلع مین
قضاۃ و حکام رعایا کے انتخاب کئے ہوئے تھے۔ اسیران جنگ
اکثر قتل ہی کئے جاتے تھے محتاج و دانہ زد لوگ اپنے تئین
غلامی مین دے سکتے تھے اور اپنے بچون کو بیچ ڈالنے کا
کا اختیار رکھتے تھے۔ سرکاری خراج ادا کرنے مین جو لوگ
قصور کرتے تھے وہ بیچ ڈالے جاتے تھے۔ حدود مفتوحہ مین
فوج رہتی تھی کہ بغاوت رعایا کا تدارک کرتی رہے۔ ڈاک کا
انتظام حیرت خیز تھا کہ سو کوس تک ایک دن مین خبر پہونچ
جاتی تھی۔ پیک تیز رفتار بچپن سے مشق کئے ہوئے اس
خدمت پر مامور ہوا کرتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ
پر ڈاک خانے تعمیر کئے ہوئے تھے۔ ایک ڈاکخانہ سے دوسرے
ڈاکخانہ تک قاصد دوڑتے تھے۔ وہان پہونچ کر دوسرے
قاصدون کے حوالے نامے اور رسالے کر دیتے تھے اور
یہ سلسلہ سیکڑون کوس تک یونہین جاری تھا۔ خلیج مکسیکو سو
کوس کے فاصلے پر تھی پھر بھی ہر روز تازی مچھلیان دسترخوان امرا
پر پہونچ جاتی تھین۔ بڑے بڑے شہرون مین دارالشفائین بنی
ہوئی تھین۔ جابجا تھانے اور کپڑا بننے کی کارگاہین قائم
تھین کاغذ بنانا بھی جانتے تھے۔ اور چمڑے پر بھی لکھتے تھے۔ شہرون مین حمام گرم
رہتے تھے۔ لڑائی ان لوگون مین جزو مذہبی سمجھی جاتی تھی۔ مرد جنگ جو
وسلاح شور کو علمائے دین کے مرتبہ مین سمجھتے تھے۔ بادشاہ
کا انتخاب گو خاندان شاہی سے ہوا کرتا تھا لیکن پھر بھی ناموری
و معرکہ آرائی و فتوح بلدان کے شرائط اُسکے ساتھ لگے ہوئے
تھے۔ جب ان شرطون کو وہ پورا کرلیتا تھا تو تاج شاہی
کے پہننے کا استحقاق اُسے ہوتا تھا۔ محصل و عمال بڑے ظالم
تھے اور رعایا ناراض تھی۔ اندلس والون سے اُنکے مغلوب
ہوجانے کا بڑا سبب یہی تھا کہ اکثر شہرون کی رعایا دشمن
کی کمک پر تھی۔ اُنکا طرز تمدن و انداز حکومت و رسم الخط
فراعنۂ مصر کے زمانہ سے بہت مشابہ تھا۔ بڑے نجومی تھے۔
زائچہ بنانا جانتے تھے۔ مدار آفتاب کا بہت صحیح حساب اُنھین
معلوم تھا۔ معدل النہار و نصف النہار و میل کلی کو پہچانتے۔
سورج گہن کی علت سے اور چاند کی حیلولت سے واقف
تھے۔ دھوپ گھڑی بنانا جانتے تھے۔ خدا سے بے خبر نہ تھے
اُسے دانا و توانا و خالق و عالم الغیب سمجھتے تھے۔ کتابون مین
یہ نقل رہ گئی ہے کہ ایک ضعیفہ اپنی جوان بیٹی کو نصیحت کرتی ہے
کہ خبردار رخسارون پر غازہ لگانے کی۔ ہونٹون کو رنگین کرنے کی

عادت نہ ڈالنا کہ یہ طریقہ عصمت دارون کا نہین ہے۔ تم اپنی عصمت کا خیال رکھنا اور اپنے شوہر کی اطاعت کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ فعل بد کی کسی کو خبر نہو گی۔ خداوند عالم جو ہر جگہہ موجود ہے اور ہر بات کو دیکھ رہا ہے۔ اُسکا خوف کرنا اور اپنے باپ دادا کی عزت کو دھبہ نہ لگانا۔ مگر خدا کے علاوہ اور بھی کئی سو اُنکے معبود تھے ان سب مین بزرگ تر مریخ کو سمجھتے تھے۔ اسکے بعد ایک اور شخص ہے ہوا کا مالک فصلون کا بدلنے والا میوون کا پیدا کرنے والا۔ وہ زمین پر بھی آچکا ہے اور کشت کاری و اخراج معاون و سیاست مدن وہی تعلیم کر گیا ہے۔ رنگ اُسکا گورا ہے اور مُنہ پر داڑھی ہے اور سر پہ خود ہے۔ وہ یہان سے مشرق کیطرف گیا ہوا ہے اور پھر آنے کا وعدہ کر گیا ہے اور بادشاہی روے زمین کی بشارت دے گیا ہے۔ اندلس کے لوگ جب وہان پہونچے تو امریکہ والون نے یہ سب علامتین اُنمین پائین اور اہل اندلس کو اُسکی اولاد مین سمجھے۔ ساری قوم اُسکے آنے کی اسیطرح منتظر تھی جسطرح ہندوٗن کو ایک اوتار کے ہونے کا انتظار ہے یا جسطرح یہود کو ایک پیغمبر کا یا جیسے نصاریٰ کو حضرت مسیح کا یا مسلمانونکو امام مہدیؑ کا۔ ایک بُت کی کمر مین سانپ لپٹا ہوا تھا جسطرح ہندوؤن کے ایک بُت کو سانپ لپٹے ہوئے ہین۔ ایک عورت کی مورت بھی انکے مندرون مین تھی اور اُسکے ساتھ بھی سانپ تھا۔ وہ لوگ اس عورت کو مان کہتے تھے اور کہتے تھے دُنیا کی تمام آفتین اور گناہ اور موت اسی مان کے سبب سے ہم سب کو جھیلنا پڑین جسطرح اہل کتاب حضرت حوا کو کہتے ہین۔ اُنکا اعتقاد یہ تھا کہ عالم کے چار جُگ کئی کئی ہزار برس کے گزر چکے ہین ہر جُگ کے ختم ہونے پر انسان کی نسل دُنیا سے منقطع ہو جاتی ہے اور آفتاب بے نور۔ دوسرا جُگ شروع ہوتا ہے تو پھر آفتاب مین نور آتا جاتا ہے اور از سر نو انسان پیدا ہوتے ہین۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ بدکار مرنے کے بعد ظلمات ابدی مین گرفتار رہتا ہے اور شہدا اور مجاہدین کی روحین آفتاب مین پہونچ جاتی ہین اور وہان سے بہشت کی راہ پاتی ہین۔ یہ لوگ بھی ہندوٗن کی طرح اکثر مردہ کو جلا دیا کرتے تھے۔ ہر ایک معبد مین کثرت سے موبد مقرر تھے اور آتونین معین تھین۔ اُن سب کو جاگیرین سرکار سے ملی تھین۔ لڑکون اور لڑکیون کی تعلیم بھی انھین مندرون مین ہوا کرتی تھی لکھنا پڑھنا سکھانے مین نہایت جبر کرتے تھے ہر روز دن بھر مین تین دفعہ اور رات کو ایک دفعہ سب پوجا کرتے تھے معبود بکثرت اور ہر ایک کی پرستش کے لئے ایک ایک دن مخصوص۔ یہ نوبت تھی کہ رسوم مذہبی کے بجا لانے سے اتنی مہلت نہ ملتی تھی کہ امور دنیاوی مین مصروف ہون۔ غیر قومون سے جنگ اکثر اسواسطے ہوتی تھی کہ قیدی ہاتھ لگین۔ لڑائی مین قتل کرنے سے زیادہ اسیر کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ ہر سال ہزارون قیدی مندرون مین بھینٹ دئے جاتے تھے۔ نقل ہے کہ ایک بڑا مندر جب پہلے پہل تعمیر ہوا ہے تو ستر ہزار قیدی جو مدت سے اس دن کے لئے بلاد مکسیکو مین جابجا جمع کئے گئے تھے اس معبد مین قربانی کئے گئے۔ ہر ایک بُت خانہ مین قربانی کے خاص خاص طریقے اور علیحدہ علیحدہ رسمین تھین۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ جسکی قربانی ہوتی ہے وہ حیات ابدی پاتا ہے۔ اسی سبب سے قیدیون کے علاوہ خود اپنے نفوس کو اور اپنی اولاد کو قربانی کیا کرتے تھے۔ کھوپریان بتکدون مین جمع رہتی تھین۔ ایک شخص کی قربانی کا حال مورخون نے بیان کیا ہے کہ اُسے قیدیون مین سے انتخاب کر کے کسی بہشت

کے نامزد کیا مدت تک اُسکی تعظیم و مدارات بلکہ پرستش کرتے رہے۔ چار حسین عورتین نوجوان اُسکی خدمت مین دین اور اس شرف کے حاصل ہونیسے وہ عورتین بھی سزاوار تعظیم و پرستش سمجھی گیئن۔ عید قربان جب آئی تو بُت خانہ مین لے جاکر قربان گاہ مین اُسے لٹایا۔ کوئی اُسکا سر کوئی ہاتھ کوئی پاؤن پکڑے ہوئے تھا کہ اضطراب نکرے۔ ایک شخص نے بڑھکر اُسکا سینہ چاک کرکے فوراً دل نکال لیا اور بُت کے قدمون پر ڈال دیا۔ ان لوگون مین قربانی کا گوشت کھانا رسم مذہبی تھی جسطرح سال مین ایک دفعہ چین کے لوگ کُتے کا گوشت اور یورپ والے سور کا گوشت کھانا جزو مذہب سمجھتے ہین۔ مندر اُنکے بہت بلند ہوتے تھے اور اُسکے کئی طبقے ہوتے تھے۔ قربانگاہ اوپروالے درجہ مین ہوتی تھی۔ قربانیون کی سیر سارا شہر گھر بیٹھے دیکھا کرتا تھا ہر بت خانہ مین آتشکدہ گبر کی طرح ہروقت آگ روشن رہتی تھی۔ ایک مندر کی بلندی تاریخ مین ایکسو اسّی فٹ لکھی ہے۔ انکے مندرون مین بھی سنکھ پھُنکتے تھے اور سلام کرنیکا طریقہ بھی ہندوؤن کے سلام سے مشابہ تھا۔ یہ سب لوگ بُت پرست۔ آتش پرست۔ آفتاب پرست اور صلیب پرست تھے۔ خدا کو مانتے تھے لیکن اُسکی عبادت کا کوئی طریقہ مقرر نہ تھا۔ موحد تھے لیکن مشرک فی العبادت۔

اکثر کھنڈرون مین بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے زبانِ حال سے کہہ رہے ہین کہ بڑی دُور سے یہ پتھر یہان لائے گئے ہین اور بڑی بڑی چڑھائیان اور ندیان راہ مین پڑی ہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فن جرثقیل سے یہ لوگ بیگانہ نہ تھے۔ باغ لگانے مین اور زراعت کرنے مین اور جڑی بوٹی کے افعال وخواص پہچاننے مین یہ لوگ کسی سے کم نہ تھے۔ بعض بعض نباتات سے شراب نکالتے تھے لیکن اُسکا پینا بوڑھون کیلئے مباح اور جوانون کیلئے ناجائز تھا۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ سیسہ۔ ٹین کان سے نکالتے تھے اور برتن بناتے تھے برتنون پر نگکاری کا کام ایسا نفیس کرتے تھے کہ اندلس کے سُنارون نے اعتراف کیا کہ ہم لوگ ایسا کام نہین بنا سکتے۔ سونے کے پتّر باریک کرکے اُسکے کپڑے بناکر پہنتے تھے۔ لوہا پہاڑون مین کثرت سے تھا مگر قدیم زمانے کے مصریون کیطرح یہ لوگ بھی لوہے سے کام لینا نہ جانتے تھے اور یہی امر اُنکی تباہی کا باعث ہوا۔ تانبا اور رانگے کو ملاکر برنجی ہتھیار۔ اوزار اور آلات بنایا کرتے تھے اور آتشین پہاڑون مین اوبسیڈن ایک چیز ہوا کرتی ہے جو شیشہ سے مشابہ ہے مگر نہایت سخت ہے۔ اُسکی تلوارین بناتے تھے۔ طیور کے پرون سے اور خرگوش کے بالون سے ایسا نفیس کپڑا بنتے تھے جسکی نظیر دُنیا مین کہین نظر نہین آتی۔ تجارت وہ لوگ استقدر آزادانہ کرتے تھے کہ جس مین شان امارة پائی جاتی تھی۔ اُس قوم مین تاجر محض تجارت کے لئے شہر بشہر نہین پھرتے تھے بلکہ اپنی قومی سلطنت وسیع کرنے کے لئے جاسوسی بھی کرتے تھے اور تاجر مشیر سلطنت سمجھا جاتا تھا۔

یورپ کیطرح انکی محفلون مین بھی زن و مرد ملکر ناچتے تھے۔ ہرایک جلسہ مین عورتین بنی سنوری نکھری ہوئی مونیون کے چھپکے اور جڑاؤ سیس پھول چوٹیون مین لگائے مردون کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھین۔

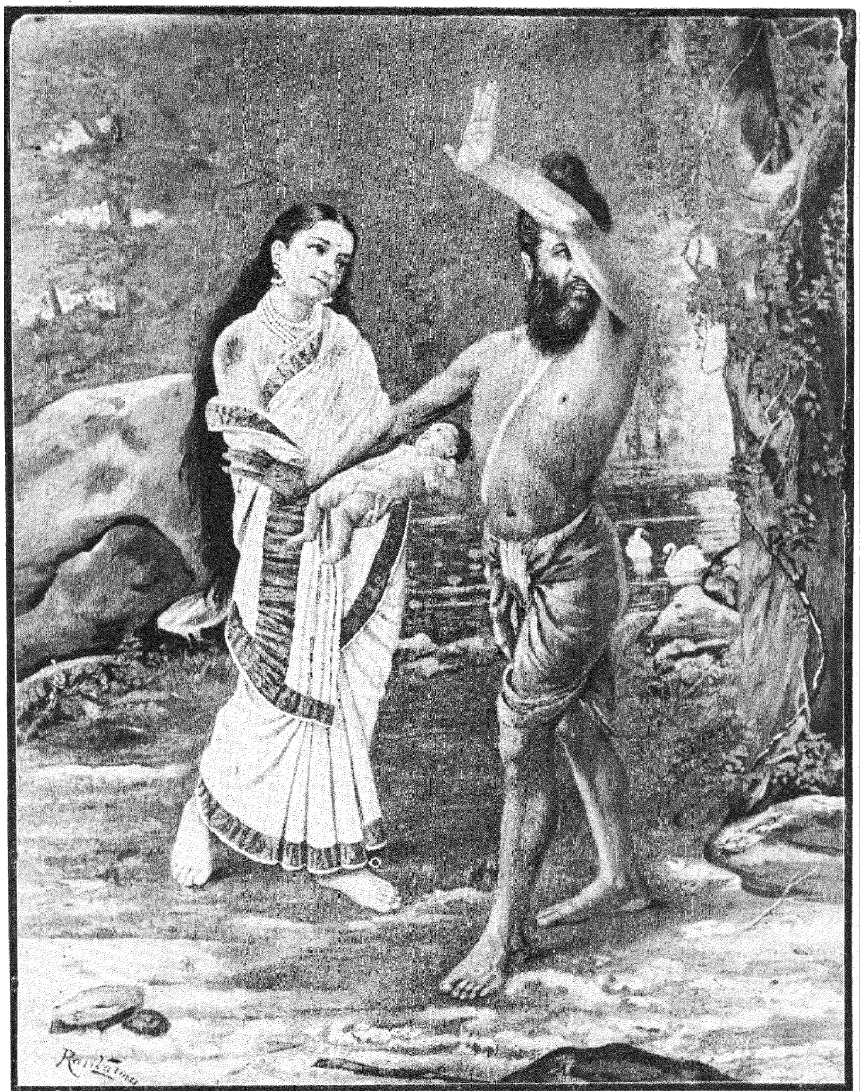
اتفاق کی خوبی سے یہ لوگ ایسے باخبر تھے کہ مکسیکو کے راجہ نے اپنے قرب و جوار کے تمام رجواڑون سے عہدنامے لکھوائے تھے کہ ہمیشہ جنگ و جدال مین باہم شریک و معین رہینگے اور ممالک مفتوحہ کو آپس مین تقسیم کرلیا کرینگے۔ اُس قوم مین یہ عہدنامہ نہایت حیرت انگیز چیز تھی۔ اس سے بڑھکر یہ امر

حیرت انگیز ہوا کہ سو برس تک برابر جنگ و جدل مین کسی سے خلاف عہد نہین ہوا اور نہ تقسیم غنائم و ممالک مین نا اتفاقی ہونے پائی۔ اس اتفاق سے بہت جلد دریا کے اس ساحل سے اُس ساحل تک اس قوم کی بادشاہی پھیل گئی لیکن ٹلاسکالا ایک ملک تھا جہان دو سو برس سے سلطنت جمہوری قائم تھی اور باوجود اس اتفاق کے بھی قوم ازٹیک نے اس ملک مین دخل نہ پایا تھا۔

مکسیکو کا راجہ خودسر تھا۔ قانون بنانے کا اختیار تام اُسکو حاصل تھا لیکن ریاست تیزکوکو مین جو دوسرے درجہ کی سمجھی جاتی تھی۔ ایسی خودسری بادشاہ کو حاصل نہ تھی۔ یہان ہر تیسرے مہینہ تمام ملک کے حُکام دار الامارہ مین جمع ہوتے تھے اور باتفاق معاملات اہم کا فیصلہ کرتے تھے اور امور ملکی مین بادشاہ اُنکے مشورہ سے کام کرتا تھا۔ یہ لوگ بارھوین صدی عیسوی کے آخر مین اس وادی مین داخل ہوئے اور جھیل کے مشرقی ساحل پر مکسیکو کے مقابل شہر تیزکوکو بسایا۔ مورخین کہتے ہین کہ ریاست تیزکوکو امریکہ مین اُس مرتبہ کی تھی جیسے یورپ مین یونان۔ مکسیکو والے سامان شان و شوکت و ریاضیات و جرثقیل مین بہت ممتاز تھے لیکن اس بات کے معترف تھے کہ شعر و فلسفہ و تاریخ و ہیأت و اخلاق و سیاست مین تیزکوکو والے اُنسے بہت بڑھے ہوئے ہین۔

اس ریاست کے فرمانرواؤن مین نیزاہول کویوٹل آخری زمانہ مین ایک راجہ گزرا ہے جو بڑا شاعر و فلسفی اور مدبر اور جری تھا۔ اُسکے ملک مین کہین بیکار زمین نظر نہ آتی تھی۔ ہر جگہہ زراعت تھی یا عمارت تھی۔ اُسنے ایوان شاہی کو اسقدر وسیع کیا تھا کہ تمام کچہریان محکمے سفارت خانے دار الشوریٰ وغیرہ سب اُسمین سما گئے۔ اس عمارت کی لمبان پورب پچھم بارہ سو چونتیس گز اور اُتر دکھن نو سو اٹھتر گز کی چوڑان تھی۔ دو لاکھ معمار و مزدور اسمین کام کرتے تھے۔ یہ عمارت بھی اندلس والون نے تاراج کی۔ اُسکی لکڑی اور پتھر سے ابھی تک گرجے تعمیر ہوا کرتے ہین۔ یہ بادشاہ بڑا قانون گو تھا۔ اسنے اپنے ملک کے لئے جو قانون بنایا تھا وہ خون سے لکھا گیا تھا۔ یہ قانون ایسا مقبول ہوا کہ مکسیکو والون نے بھی اپنے ملک مین اُسے جاری کیا۔ انتظام ملک کے لئے الگ الگ اہل کنگاش اسنے مقرر کئے تھے۔ کنگاش عدل۔ کنگاش حرب۔ کنگاش ملکی وغیرہ۔ ہر مجلس کنگاش مین اُمرا کیساتھ رعایا مین سے بھی چند شخصون کو شریک ہونیکا اور راے دینے کا حق تھا اور امرا مین چودہ شخص راجہ کے خاص مشیرون مین تھے۔ ایک انجمن اس کام کے لئے مقرر تھی کہ ملک مین صنعت و حرفت کو پھیلائے اگر کوئی شخص کسی علم و فن مین کچھ تصنیف کرے تو اُسے لازم تھا کہ شائع کرنے سے پہلے اس انجمن مین پیش کرے۔ اگر وہ تصنیف قابل انعام ہو تو اُسے انعام دیا جاے۔ اس انجمن مین بلا لحاظ مرتبہ و خاندان و ثروت تمام مشاہیر علما و ماہرین فن مقرر تھے۔ سال مین تین بار اسی شاہی ایوان مین مجلس وعظ ہوا کرتی تھی۔ جسمین خود راجہ اور اُسکی تمام اولاد و ازواج مسکینون کا لباس پہنکر شریک ہوا کرتے تھے اور وعظ سُنکر تمام اہل مجلس روتے ہوئے اُٹھتے تھے۔

ایک بلند پہاڑ پر خاص ایوان شاہی تھا اور اسی مین راجہ اکثر رہا کرتا تھا۔ کوسون پشتے بنا بنا کر اُس پہاڑ پر پانی پہونچا یا تھا جس سے تمام باغ سیراب ہوا کرتا تھا۔ اس باغ مین سنگ مرمر کی ترشی ہوئی تصویرین جابجا نصب تھین۔ پہاڑ پر چڑھنے کیلئے پتھر کو تراش کر سیڑھیان ایسی مصفا بنائی تھین کہ آئینہ کیطرح اُنمین عکس پڑتا تھا۔ یہ راجہ بڑا کریم النفس و خوش اخلاق تھا۔



ولادت سکنتلا

انڈین پریس الٰہ آباد

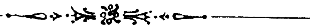
راتون کو بھیس بدل بدلکر رعایا کی خبرگیری کرتا تھا۔ بُت خانون سے انسانی قربانی اُسنے اپنے ملک سے اُٹھادی تھی۔

نقل ہے کہ راجہ کے یہان کوئی لڑکا نہین ہوا تھا موبدون نے کہا کہ جبتک بتکدہ مین انسانی قربانی نہوگی فرزند نہوگا۔ غرضکہ اُنکا افسون چل گیا اور پھر قربانی ہوئی مگر بےنتیجہ رہی۔ اسپر نیزاہولکویوٹل نے کہا کہ یہ لکڑی اور پتھر کی مورتین بھلا کیا مراد دینگی۔ اس عالم کا خالق جو سب کی نظرون سے چھپا ہوا ہے۔ مین اُسکی ذات پر بھروسہ کرتا ہون اور اُسی سے مراد لونگا۔ یہ کہکر پہاڑ پر چلا گیا۔ چالیس دن تک روزے رکھے اور دعا مین مشغول رہا۔ چلہ کھینچنے کے بعد خواب دیکھا کہ تیری دعا قبول ہوئی اور ایسا ہی ظہور مین بھی آیا۔ اب اُسنے بآواز بلند بُت پرستی کی مذمت شروع کی امرا اور رعایا کو اپنی رائے کے ساتھ متفق کیا۔ ایک عبادت گاہ نہایت عالیشان تعمیر کی جسمین نو آسمانون کیطرح نو طبقے تھے۔ اوپر والی چھت کا رنگ سیاہ رکھا تھا جسمین فلزات کے بنے ہوئے ستارے چھٹکے ہوئے تھے۔ نہ اُسمین کوئی بُت تھا نہ قربان گاہ۔ نہ کچھ نذر ہوتی تھی نہ نیاز۔ عود جلایا جاتا تھا اور پھول چڑھائے جاتے تھے۔

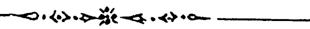
اس عبادت گاہ کا نام معبد خدائے غیر مرئی یا عبادت خانہ علۃ العلل اُسنے رکھا تھا۔ اسکو تلقین عقائد و اصلاح مذاہب کا زمانہ بہت کم ملا۔ جام توحید پیئے ہوئے آٹھ نو برس سے زیادہ نہین گزرے تھے کہ پیمانۂ عمر اُسکا لبریز ہوگیا۔ مرتے وقت اپنے لڑکے کو بُلاکر وصیت کی کہ خدائے غائب کی عبادت کو کبھی ترک نہ کرنا۔ ایک زمانہ آئیگا کہ تمام روے زمین پر اُسکی عبادت ہوگی۔ بہتر برس کی عمر مین تینتالیس برس فرمان روائی کرکے یہ خداشناس راجہ جسکا مثل نئی دنیا مین نہوا ہوگا راہی ملک بقا ہوا۔ بڑا باذل و کریم النفس تھا۔ رعایا کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھتا تھا۔ غریبون سے زیادہ قیمت دیکر چیزین مول لینا اسکی عادت مین داخل تھا۔

یہ سب حالات وہ ہین جو یورپ کے مورخین نے لکھے ہین اور اس سے ظاہر ہے کہ مدنیت اُن لوگون مین اندلس والون سے کسیطرح کم نہ تھی۔ بلکہ بہت سی باتین اہل اندلس وہان سے سیکھکر آئے جو تمام یورپ مین پھیل گئین۔ بڑا اعتراض اُنپر یہ ہے کہ اسیران جنگ کو بھون کر کھالیتے تھے لیکن جس چیز نے اُنھین تباہ کردیا وہ یہ ہے کہ لوہے اور باروت کے استعمال سے ناواقف تھے۔

علی حیدر طباطبائی



ولادت سکنتلا۔ بسوامتر ایک زبردست عابد تھے۔ جب اُنکی عبادت درجۂ قبول تک پہنچگئی تو راجہ اندر کو خوف ہوا کہ دیوتاؤن کے دستور کے مطابق بسوامتر کو میرا درجہ بخش دیا جائے گا۔ اسی خیال سے اُنھون نے بسوامتر کو بہکانے اور انکی ریاضت مین خلل ڈالنے کے لئے اپنے پرستان کی ایک پری بھیجی جسکا نام مینکا تھا۔ یہ پری اپنی کوشش مین کامیاب ہوئی اور اسکے بطن سے ایک حور وش لڑکی پیدا ہوئی جو سکنتلا کے نام سے ابتک شہرۂ آفاق ہے۔ جب سکنتلا پیدا ہوئی تو مینکا اُسے بسوامتر کے پاس لیگئی۔ بسوامتر نے اُسے دیکھکر جس انداز سے مُنہ پھیر لیا وہ تصویر سے ظاہر ہے۔ یعنی رشی کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت ہے اور وہ اس لڑکی کو دیکھنا نہین چاہتا۔ آخرکار سکنتلا کی پرورش ایک دوسرے عابد نے کی جنکا نام کنو رشی تھا۔



صاف گوئی

زمانۂ طالبعلمی مین ایک کتاب "دی اسکیچ بُک" واشنگٹن ارونگ" ایک مشہور امریکن مصنّف کی لکھی ہوئی میری نظر سے گذری۔ اسمین نامور مصنّف نے مختلف مضامین کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر اظہار مدعا کا ڈھنگ دوسرے مصنفین سے نرالا ہے۔ اسی لئے کتاب کا نام "دی اسکیچ بُک" تجویز کیا ہے۔ اگر عام طریقے پر یہ کتاب بھی ایک زبردست صاحب قلم کے لکھے ہوئے مختلف مضامین کا مجموعہ ہوتی تو اسے "Essays by Irving" کا نام دینا نہایت مناسب ہوتا۔ مگر بات تو اُسمین انوکھی اتنی ہی ہے کہ کسی مضمون یا اس مضمون کے کسی ایک خاص پہلو پر رائے زنی کرنے کا نہایت اچھا اور مرغوب طریقہ اسے "اسکیچ" کی صورت ہی مین ادا کرنا ہے۔ خیر اس کتاب کی خوبی عبارت اور خوبی بیان سے تو وہی لوگ حظ اُٹھا سکتے ہین جو اسے انگریزی مین پڑھیں۔ میرا مطلب اس تمہید سے یہ ہے کہ مجھے اس مصنّف کا یہ طریق بہت پسند آیا اور میرا یہ ارادہ ہوا کہ زبان اُردو مین بھی اگر اس طریقہ پر کوئی کتاب لکھی جاے تو مقبول ہونیکے علاوہ مفید بھی ثابت ہو۔ چنانچہ مین نے بھی اس خیال کو عملی صورت مین لانیکی کوشش اُسیوقت سے شروع کردی تھی مگر بوجہ چند اسباب دنیوی کے جو دو تین سال کے عرصے تک میرے علمی مشاغل مین سدّراہ رہے ہین اسے تکمیل کو نہ پہونچا سکا۔ اب چونکہ خدا خدا کرکے اُنسے ذرا نجات ملی ہے تو پھر اس پُرانے شوق نے گدگدایا اور اُس کتاب کے متعلق پہلا اسکیچ لکھنے پر اس وارفتہ طبیعت کو مائل کیا۔ اس سے پیشتر جو اسکیچ تقریباً پندرہ بیس بصورت مسودہ میرے پاس لکھے پڑے تھے وہ "غرق مے ناب اولی" ہو چکے۔ اُنکے تلف ہو جانے کا رنج تو مجھی کو ہے اور مین ہی خوب جانتا ہون کہ اب اندنون میری طبیعت پر کیا گذرتی ہے اور جی نہین چاہتا کہ ان خیالات کے کھنڈرون کو جنکے ساتھ میرے دیگر مشاغل نے بہت بُرا سلوک کیا۔ ازسرِنو تعمیر کرون مگر اس خیال سے کہ شاید اس دفعہ کامیابی کی صورت پیدا ہو پھر کچھ لکھنا شروع کرتا ہون۔ ہان اس جگہہ اتنا اور کہہ دینا مناسب سمجھتا ہون کہ لفظ "اسکیچ" سے میری مراد کیا ہے۔ چند دوستون مین بیٹھے ہوئے گپ اُڑانے کے موقعہ پر یا کسی مجلس مین یا کسی سیر کے وقت ضروری بات ہے کہ ہمارا دماغ مختلف خیالات اور محسوسات کا مرکز بن جاتا ہے۔ ان خیالات یا ان محسوسات مین سے کوئی ایک حال خصوصیت سے اپنے آپ کو دوسرون سے الگ الگ رکھتا ہے اور ہماری توجہ کو اپنی طرف زیادہ مائل کرتا ہے۔ اس خاص خیال کو شرح و بسط کے ساتھ اپنے ابناے جنس کے استفادہ کیلئے تحریر کا جامہ پہنانا ایک اسکیچ کہلاتا ہے۔

کچھ دن ہوئے مین اپنے ایک مہربان دوست کے پاس ملاقات کیلئے گیا۔ اثناے گفتگو مین وہ مجھسے کہنے لگے کہ بھائی آج تمہارے متعلق ایک نہایت اچنبھے کی بات سُنی ہے۔ ابھی ابھی ارادہ کر رہا تھا کہ تمہاری طرف جاؤن اور تمہین اس سے آگاہ کرون۔ اچھا ہوا کہ تم خود آگئے۔ اب دوبدو تمسے اسکے متعلق

گفت گو ہو کے معاملہ سُلجھ جائیگا۔ مین نے کہا آخر کہو تو سہی کہ وہ ایسی بات کونسی ہے جو تمسے پوشیدہ ہے اسلئے مجھے حیرانی ہے کہ تمنے کونسی نئی بات سُن پائی۔ وہ فرمانے لگے کہ جناب حیرانی بھی تو یہی ہے کہ ہم تم دونون ہم نوالہ و ہم پیالہ - ہر وقت ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے یاران ہم صحبت۔ ہم راز۔ پھر ایک تیسرا شخص جس سے سوائے صاحب سلامت کے زیادہ ملت نہین وہ ایسی بات کہے اور تمہارے متعلق جسکا ہمین علم نہو تو پھر تعجب ہے یا نہین۔ خیر اس شکایت آمیز تمہید کے بعد میرے دوست نے مجھے وہ سارا قصہ سُنایا۔ مجھے سُنکر کچھ تو اُس شخص پر غصہ آیا اور کچھ ہنسی۔ وہان سے تو مین اُٹھکر چلا آیا اور اپنے دوست کو اُس شخص کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی بتا آیا مگر سارے راستہ بھر اور گھر پہونچکر بھی مین یہی سوچتا رہا کہ اُس شخص نے جو اپنے نقطۂ خیال سے میرے متعلق ایک رائے قائم کرلی ہے خواہ وہ اچھی ہے یا بُری۔ اس سے تو کچھ سروکار نہین۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اس رائے قائم کرنے کا وہ کہانتک مجاز تھا اور مجھ مین وہ کونسی بات ایسی تھی جسنے اُسے یہ رائے قائم کرنے پر آمادہ کیا۔

اس خیال کے ضمن مین مجھے سر آرتھر ہیلپس کا وہ مقولہ یاد آیا کہ ہمین کسی دوسرے شخص کے متعلق رائے زنی کرتے وقت نہایت محتاط ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ہم کسی ایسی چیز کی نسبت جو ہمنے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو یا دیکھی ہو تو اسکے خواص یا اسکے متعلق دیگر حالات سے واقف نہ ہون۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوتے جھجکتے ہین اور وثوق کے ساتھ کسی امر کا اظہار نہین کرتے۔ اُسیطرح ایک بنی نوع انسان کی نسبت رائے قائم کرنے مین ہمین بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ انسان کی خواہشات۔ جذبات۔ محسوسات۔ توہمات۔ سب مل ملا کر اُسے ایک ایسا پیچیدہ معما بنا دیتے ہین کہ ہم مستقل رائے قائم کرنا تو درکنار کچھ کہہ بھی نہین سکتے۔ کسی شخص کے افعال کو نفرین یا قابل تحسین قرار دینا کسی ایک شخص کا کام نہین۔ ایسا کرنے والا صرف اتنی بات کا حق ضرور رکھتا ہے کہ کہہ سکے میرے خیال مین اسکا یہ فعل معیوب ہے یا مرغوب بس اس سے آگے وہ اپنے حقوق سے تجاوز کرتا ہے۔ خیر یہ خیال تو اس اصلی خیال کی ایک شاخ تھی وہ اصلی خیال جسنے مجھے متوحش کر رکھا تھا وہی تھا کہ مجھ مین وہ بات کونسی ہے جسنے ایسی جلدی ایک غیر شخص کو میری نسبت رائے زنی کا موقع دیا۔ بہت دیر تک اسی سوچ مین بیٹھا رہا۔ آخر الامر یہی نتیجہ نکالا کہ میری صاف گوئی کے علاوہ تو اور کوئی بات ایسی نہین جو دوسرے کو ایسی جلدی رائے قائم کرنیکا موقع دے سکے۔ ہر معاملہ مین اپنی رائے کا صاف صاف اظہار کرنا اور ظاہر کچھ اور باطن کچھ نہ رکھنا بھی فی زمانہ ایک بڑا عیب ہے اور انسان کو نشانۂ ملامت بناتا ہے۔ مگر بنظر انصاف سے دیکھا جاے تو صاف گوئی ایک ایسا وصف ہے کہ جسمین باقی تمام اوصاف جمع ہین مثلاً جو شخص صاف گو ہوگا وہ جھوٹ سے پرہیز کریگا۔ ایمان کی بات کہیگا۔ دغا بازی اور دیگر افعال قبیحہ سے دامن پاک رکھیگا گو اسکو یہ اس خوف سے کہ اگر میرے اس فعل بد کا حال طشت از بام ہوگیا تو مجھے اپنی صاف گوئی کی عادت سچ سچ کہنے پر مجبور کریگی اور پھر ندامت کا سامنا ہوگا۔

دوسرے دن تیسرے پہر مین اپنے اُس دوست کے پاس پھر گیا اور کہا کہ جناب اُن حضرت کی رائے قائم کرنیکی وجہ جو اس عاجز نے بعد غور و خوض بسیار قائم کی ہے

وہ یہی ہے کہ میں صاف گو ہوں۔ یہ سُنکر وہ بہت
ہنسے اور کہنے لگے معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر:۔

"آنراکہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک"۔

مرزا محمد عبدالرحمن بی اے

تلافی

(ایک دلچسپ قصہ)

شیخ حاتم علی لاہور کے ایک نامور رئیس تھے۔ سخاوت اور دریا دلی کے لحاظ سے اسم بامسمی اور واقعی اپنے وقت کے حاتم تھے۔ اُنکی اہلیہ کا مدت سے انتقال ہو چُکا تھا۔ جب اُنکا پیمانۂ عمر لبریز ہوا تو اُنکی صاحبزادی کی عمر انیس سال کی اور لڑکے کی عمر سترہ سال کی تھی۔ بیٹی کا نام سکینہ اور بیٹے کا نام ممتاز تھا۔ سکینہ شکل کی سیدھی سادی مگر بلا کی ذہین اور طباع لڑکی تھی۔ ممتاز اپنی ہمشیرہ کے خلاف نہایت ہی قبول صورت نوجوان تھا۔ سکینہ کا رنگ سانولا اور ممتاز کا سُرخ و سپید تھا۔ سکینہ میانہ قد تو ممتاز غزال رعنا تھا۔ دانت دونوں کے ہیرے کیطرح شفاف اور خوشنما تھے۔ بہن کی آنکھیں ازرق تو بھائی کی آہو کیطرح سیاہ اور موٹی موٹی تھیں۔ بہن کے ہونٹ کسیقدر سطبر تھے مگر بھائی کے پیازی اور کاغذی تھے۔ ان دونوں کو دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ ایک ماں کے پیٹ سے اسقدر مختلف صورت اولاد کسطرح پیدا ہوئی۔ بہن کو بھائی سے غایت درجہ اُلفت تھی اور بھائی بھی بہن کو دیکھے بغیر ایک پل نہ رہ سکتا تھا۔ کچھ تو سیدھی سادی صورت اور کچھ انتظام خانہ داری کیوجہ سے سکینہ انیس۱۹ سال کی عمر تک کنواری رہی۔ ادھر انیسواں سال ختم ہوا اور اُدھر شیخ صاحب کو پیغام اجل آگیا۔ مرتے دم شیخ صاحب نے اپنے دونوں بچوں کو وصیت کی کہ اتفاق سے رہنا اور جہانتک ہو سکے ایک دوسرے سے جُدا نہونا۔ سکینہ نے باپ کی وصیت کو بغور سُنا اور دل میں عہد کر لیا کہ شادی نہیں کرونگی۔ اس عہد پر غیر معمولی قابلیت والی لڑکی قائم رہی اور شادی نکرنی تھی نہ کی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ شیخ صاحب کی برسی کے چند ماہ بعد سکینہ باورچی خانہ کے دروازہ میں کھڑی ہوئی کھانا پکانیوالی ماما سے کچھ کہہ رہی تھی کہ ممتاز خوشی خوشی مکان میں آیا اور کہنے لگا کہ لو بہن مبارک ہو۔ بی۔اے۔ کا نتیجہ نکل آیا اور میں پاس ہو گیا۔ اٹھارہ سال کی عمر اور بی۔اے۔ کے امتحان میں کامیابی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ سکینہ یہ خبر سُنکر باغ باغ ہو گئی اور ہمشیرہ و برادر دونوں دالان میں جو فرش فروش سے دُلہن کیطرح آراستہ تھا جا بیٹھے اور بڑی دیر تک اس مضمون پر کہ ممتاز کو آیندہ کیا کرنا چاہیے بحث کرتے رہے۔ ممتاز وکالت کا خواہشمند تھا اور سکینہ طبابت کو اچھا سمجھتی تھی۔ آخر سکینہ نے بھائی کو قائل کر دیا کہ طبابت نہایت شریف پیشہ ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ انسانی تکلیف اور جسمانی مصیبت اور آزار کو رفع کیا جائے۔ اسپر ہم خرما و ہم ثواب کی مثل صادق آتی ہے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سکینہ اپنے پیارے

بھائی کو جان سے بڑھکر پیارا اور آنکھون کا تارا سمجھتی تھی اور ممتاز اپنی بڑی بہن کی عزت و منزلت والدہ کیطرح کرتا تھا۔ بہن کی صلاح کو اُسنے پسند کیا اور لاہور کے مدرسہ طبابت مین ایم۔ بی۔ کلاس مین داخل ہوگیا۔

۲

پانچ سال ہوگئے۔ پانچ سال کا زمانہ کہنے کو تو بڑا عرصہ ہے اور واقعی مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ لوگون کے لئے عقوبت دوزخ کے برابر ہے لیکن تندرستی اور راحت کے سائے مین جاتا ہوا دکھائی نہین دیتا۔ ؎

گزرتی عمر ہے یون دور آسمانی مین
کہ جیسے جائے کوئی کشتیٔ دخانی مین

پانچ سال گزر گئے۔ اس عرصہ مین ہزارون انقلاب نمودار ہوئے۔ کئی بچے جوان ہوگئے۔ کئی جوان بڈھے ہوگئے۔ کئی تندرست بیمار اور کئی صاحب اقبال ذلیل وخوار ہوگئے۔ کئی کنواری لڑکیان مائین بنگئین۔ کئی سہاگنین بیوہ ہوگئین۔ لیکن ہمارے ہیرو کے گھر مین بجز اسکے اور کوئی انقلاب نہوا کہ سکینہ پچیس [۲۵] سال کی عورت اور ممتاز بی۔ اے۔ ایم۔ بی۔ اسسٹنٹ سرجن تیئیس [۲۳] سال کا نوجوان ڈاکٹر بن گیا۔

لاہور مین صبح کی ڈاک چھ بجے تقسیم ہوتی ہے۔ ممتاز کا معمول تھا کہ ڈاک ہمیشہ اپنی ہمشیرہ کی موجودگی مین کھولتا تھا۔ ایک دن ڈاک کھولتے ہوئے ایک چٹھی بغیر کھولے اُسنے سکینہ کے ہاتھ مین دی اور کہا کہ یہ خط تو چچا جان کا معلوم ہوتا ہے۔ خدا خیر کرے آج اُنھون نے اتنے سال کے بعد کیون یاد کیا۔ سکینہ نے بھائی کے ہاتھ سے خط لیکر کھولا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"میرے پیارے بھتیجے۔ تم اس خط کو پاکر حیران ہوگے کہ آج چچا جان کیونکر مہربان ہوئے۔ مگر مین تمکو یقین دلاتا ہون کہ مہربانی کی کوئی بات نہین ہے مجھے اپنا مطلب مجبور کرتا ہے کہ تمکو خط کرون۔ مجھے یاد ہے کہ جب سے میرے برادر بزرگوار نے انتقال کیا ہے مین نے تمہاری خبر نہین لی۔ کبھی کسی قسم کی راہ و رسم جو رشتہ دارون مین ہونی چاہئے جاری نہین رکھی۔ ہمیشہ گُردے کی بوٹی کیطرح تم سے علحدہ رہا۔ اور تمہارے والد بزرگوار میری نسبت علانیہ طور پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

بھاگ ان بردہ فروشون سے کہان کے بھائی
بیچ ہی ڈالین جو یوسف سا برادر ہووے

لیکن مین کیا کرون طبیعت سے مجبور تھا۔ گو اب مین داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہون اور کوئی دن کا مہمان ہون لیکن اب بھی میرا یہی عقیدہ ہے کہ دُنیا مطلب کی ہے اور جبتک مطلب نہو کوئی کسیکی پروا نہین کرتا۔ ؎

مطلب بغیر کوئی نہین اس جہان مین
پھر کون ہے کسیکا جو مطلب نکل گیا

اس آخری وقت مین مین تمسے ایک درخواست کرتا ہون اور وہ درخواست یہ ہے کہ میری اکلوتی بیٹی رضیہ اسوقت سولہ [۱۶] سال کی ہے اب میرے بعد اسکا کوئی خبر گیر اور پُرسان حال نہین ہے۔ میرا مکان اور بیس [۲۰] ہزار روپیہ نقد جو بنک مین جمع ہین اس میری قرۃ العین کا جہیز ہین۔ جب میری تجہیز وتکفین ہوجائے تو رضیہ کو امرتسر سے تم اپنے ہمراہ لاہور لیجاؤ۔ تمہارے پاس بطور ہمشیرہ رہیگی۔ کسی اچھی جگہ اُسکی شادی کردینا۔ جبتک اُسکی شادی نہو رضیہ تمہارے اور سکینہ کے

سپرد ہے - مین ضُعف و نقاہت اور ہجوم یاس و حسرت کیوجہ سے زیادہ لکھ نہین سکتا - جسوقت یہ خط ملے فوراً آؤ ورنہ مجھسے ملنا ناممکن ہوگا ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یان سب یار بیٹھے ہین
بہت آگے گئے باقی جو ہین تیار بیٹھے ہین

یہ خط پڑھکر سکینہ کے مُنہ سے بے ساختہ "ہونہ" نکلا یہ سکینہ کے چچا غانم کا خط تھا - غانم اس قسم کا بندۂ حرص اور دُنیادار شخص تھا کہ شیخ حاتم علی کی زندگی ہی مین اُنسے علیحدہ ہوگیا تھا - کبھی میل ملاقات کا روادار نہ تھا - اُنکے مرنے پر بھی نہین آیا تھا مختصر یہ کہ مطلب کے بغیر کسی سے بات نہ کرتا تھا اور صاف صاف کہدیتا تھا کہ "بھائی ہم تو گون کے یار ہین" سکینہ اسوقت تک اس گھر کی ملکہ تھی - سیاہ و سفید اُسکے اختیار مین تھا - اس گھر مین تیسرے کا آنا اُسکو سخت ناگوار گذرا - بڑے اصرار اور مبالغہ سے زور دیتی رہی کہ رضیہ یہان نہ آئے مگر ممتاز نے نہ مانا اور کہا کہ رضیہ کو جسکو مین نے اچھی طرح دیکھا بھی نہین اس بیکسی کی حالت مین تنہا چھوڑ دینا گناہ ہے - مین ضرور جاؤنگا اور اُسکو لاؤنگا - یہ پہلی بار تھی کہ ممتاز نے بہن کی عدول حکمی کی -

(۳)

دوپہر کا وقت تھا اور ایک پالکی گاڑی شیخ ممتاز کے مکان کے آگے آکر کھڑی ہوئی اور اُسمین سے خود میاں ممتاز - ایک بُرقع پوش عورت اور ایک ماما اُتری - چند منٹ مین گاڑی پھاٹک کے آگے سے چلی گئی - بُرقع پوش مکان مین آئی - سکینہ کو سلام کیا اور کہا "آپا اچھی طرح سے ہو"؟ جسوقت اس بُرقع پوش نے چہرے سے بُرقع اُٹھایا تو سکینہ کو سکتے کا عالم ہوگیا - یہ چندے آفتاب اور چندے ماہتاب لڑکی "رضیہ" تھی - اسکی شعاع حُسن سے کمرہ منوّر ہوگیا - نرگسی آنکھین پیاری ہونٹ - پیوستہ ابرو - سُنہرے بال - بوٹا سا قد - سڈول اور شفاف دانت - کوہ قاف کی پریون کی آبرو خاک مین ملاتے تھے اور حوران بہشت کو خون رُلاتے تھے - جو لوگ اہل تجربہ اور مشاہدہ ہین وہ خوب جانتے ہین کہ بد صورت عورت کو ماہرو عورت ایک آنکھ نہین بھاتی - وہ تمام گناہ بخش دیگی مگر حسین ہونا کبھی نہ بخشیگی - رضیہ کے حُسن عالم افروز نے خرمن تحمّل کو جلا دیا اور سکینہ کے دل مین آتش رشک و حسد مشتعل ہوئی - اُسکو بڑا ڈر تھا کہ ممتاز اس شمع رو کا پروانہ ہوجائیگا اور مجھکو بھول جائیگا - اس جلن اور حسد کے باعث اُس دن سے سکینہ کے دل مین رضیہ کیطرف سے گرہ پڑگئی - وہ رضیہ سے ہمیشہ تیوری چڑھائے رہتی تھی کبھی سیدھے منہ سے بات نہ کرتی تھی - اور تلخ کلامی سے پیش آتی تھی - رضیہ ایک تو باپ کے غم مین سوگ نشین تھی دوسرے ہر وقت کی نوک جھونک سے اور بھی دل برداشتہ ہوئی اور اکثر تنہائی مین اکیلے بیٹھکر رویا کرتی تھی - خدا کی شان جسقدر سکینہ کو رضیہ سے نفرت تھی اُسیقدر بلکہ اُس سے ہزار درجہ زیادہ محبت ممتاز کے دل مین اُسکی طرف سے پیدا ہوگئی - وہ سکینہ کے برابر بلکہ اُس سے بھی زیادہ اُسکو چاہنے لگا اور رضیہ کی دلجوئی اور تواضع ہر وقت اپنا فرض سمجھتا تھا -

رضیہ کو لاہور مین آئے چھ ماہ گذرے تھے کہ لاہور مین طاعون نے بے طرح سر اُٹھایا - بازار موت گرم ہوگیا - شہر ویران ہو چلا - لوگ گھرون سے نکل نکل کر بھاگ گئے اور چارون طرف تہلکہ مچگیا - رضیہ کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو

اپنی ایک دُور کی رشتہ دار کے یہان جو پھولون والے محلہ مین رہتی تھی چلی جایا کرتی اور تمام دن وہان رہکر شام کو گھر واپس آجاتی تھی۔ جس دن وہان اُسے جاتا ہوتا تھا دل مین بہت خوش ہوتی تھی کیونکہ وہ تمام دن سکینہ کی نکتہ چینیون سے بچی رہتی تھی۔ اس جمعہ مین دو دن باقی تھے اور ممتاز نے سکینہ کو علٰحدہ لیجاکر کہا کہ پھولون والے محلہ مین طاعون کا بہت زور ہے بلکہ خود سرور بیگم جو رضیہ کی رشتہ دار ہے طاعون مین مبتلا ہوگئی ہے۔ رضیہ کو اس بات کی خبر نہ کرنا مگر اس جمعہ کو وہان جانے نہ دینا۔ کوئی بہانہ کرکے ٹال دینا۔ سکینہ کو یہ خاطرداری پاسداری سخت ناگوار ہوئی۔ برہم ہو کر بولی اچھا دیکھا جائیگا۔ نہین جانے دونگی۔

خدا آتش حسد کا مُنہ کالا کرے۔ جمعہ کے دن سکینہ نے رضیہ کو بالارادہ سرور بیگم کے مکان پر بھیجدیا اور ممتاز کی فہمایش کے خلاف عمل کیا۔ رضیہ خوشی خوشی اپنی سہیلی کے یہان گئی۔ وہان جاکر دیکھا کہ سرور بیگم کا بدن تنور کیطرح پھُک رہا ہے۔ آنکھین خون کبوتر کیطرح سُرخ ہین اور گلے کے نیچے ایک گلٹی نمودار ہے۔ رضیہ یہ حال دیکھکر سہم گئی اور شام تک مریضہ کے سرہانے بیٹھکر پنکھا جھلتی رہی۔ مریضہ کو بولنے کی طاقت کہان تھی کہ اُسے منع کرتی۔ جب شام کو چلنے لگی تو چارپائی پر جُھک کر اُسکو گلے لگایا اور روتی ہوئی رخصت ہوئی۔ سہ پہر کو ممتاز گھر مین آیا اور رضیہ کو غیر حاضر پاکر سکینہ سے ناراض ہوا۔ اور کہا کہ اگر رضیہ کے دشمنون کو کچھ ہوا تو اسکی ذمہ دار تم ہوگی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ بھائی بہن مین تکرار کی نوبت آئی۔

(۴)

شام کو اعضا شکنی تپ و لرزہ اور اضمحلال رضیہ ساتھ لیکر آئی اور آتے ہی اپنے کمرے مین جاکر سر سے ریشمی رومال باندھکر بستر پر دراز ہوگئی۔ شام کے بعد ممتاز آیا اور اطلاع کرکے رضیہ کے کمرے مین ماما کو ہمراہ لیکر گیا۔ وہان جاکر دیکھا کہ رضیہ درد سر سے بیقرار ہے اور پنڈا بھی پھُکا ہے۔ یہ حال دیکھکر خاموش وہان سے چلا آیا۔ علی الصباح بستر سے اُٹھا اور ماما کو رضیہ کی خبر کے لئے بھیجا۔ رات بھر رضیہ کی فکر مین ممتاز کو نیند نہین آئی تھی۔ ماما حواس باختہ واپس آئی اور خبر لائی کہ چھوٹی سرکار کے دشمنون کو وہی ناشدنی بیماری ہوگئی ہے۔ بغل کے پاس گلٹی بھی نکل آئی ہے۔ یہ خبر وحشت اثر سُنکر ممتاز دیوانہ ہوگیا۔ اپنے کمرے مین دوڑ گیا۔ اور سجدے مین گرکے خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے قاضی الحاجات میری زندگی رضیہ سے ہے اگر اُسکی عمر اتنی ہی تھی تو میری نصف عمر اُسکو دیدے۔ اُسکے بغیر مین ایک پل بھی زندہ نہین رہ سکتا۔ ممتاز دیوانہ وار مناجات کر رہا تھا اور اُسکی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ کسی نے اُسکے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ممتاز نے سجدے سے سر اُٹھاکر دروازہ کھولا۔ دروازہ پر سکینہ کھڑی تھی اور اُسکا رنگ اسوقت ہلدی کی طرح زرد تھا۔

سکینہ۔ "بھائی تم روتے کیون ہو؟"

ممتاز۔ "بہن سکینہ میرے زخمون پر نمک نہ چھڑک رضیہ جو آج مرتی ہے یہ سب تیری مہربانی ہے۔ لیکن یاد رکھو بہن میرا جنازہ بھی رضیہ کے ساتھ نکلے گا۔ میری زندگی رضیہ تک ہے۔۔"

سکینہ کو ممتاز سے اسقدر محبت تھی کہ ہم اُسکو بیان نہین کرسکتے اور ہمارے ناظرین اُسکا اندازہ نہین لگا سکتے۔

اگر اُسکو رضیہ سے نفرت اور عداوت تھی تو اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ ممتاز کا اُسکو پیار کرنا اُسے ناگوار تھا۔ اپنے بھائی کی خدمت وہ مادر مہربان کیطرح کرتی تھی اور اسی بھائی کی خاطر وہ کنواری رہی تھی۔ ایک دفعہ ممتاز بیمار ہوگیا تھا تو یہ تین شبانہ روز جاگتی رہی تھی۔ اُسکے کھانے کا انتظام۔ اُسکے کاروبار کا انتظام سب وہ خود ہی کرتی اور اپنے بھائی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ اس بھائی کی زبان سے (جو اس محبت کی دیوی کا پجاری تھا) ایسے کرخت اور دلشکن کلمات سُنکر اُسکا جی بھرآیا اور آنسو جبراً پی گئی

سکینہ۔ "بھائی تم تو ڈاکٹر ہو کوئی علاج تمکو نہیں آتا؟"

ممتاز۔ "اس بیماری کا صرف یہ علاج ہے کہ اس گلٹی کو نشتر سے چھیڑا جاے اور پھر کوئی اُس جگہہ کو چوسے اور خون فاسد چوس کر تھوک دے۔ لیکن ایسا کرنے مین چوسنے والے کا جانبر ہونا بہت دشوار ہوگا۔"

سکینہ۔" بھائی آؤ اور گلٹی مین نشتر دو۔"

ممتاز۔ (حیران ہوکر) "کیا تم یہ عمل کروگی"

سکینہ۔" ہان مین نے جو گناہ کیا ہے اُسکی تلافی کرنا چاہتی ہون۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔"

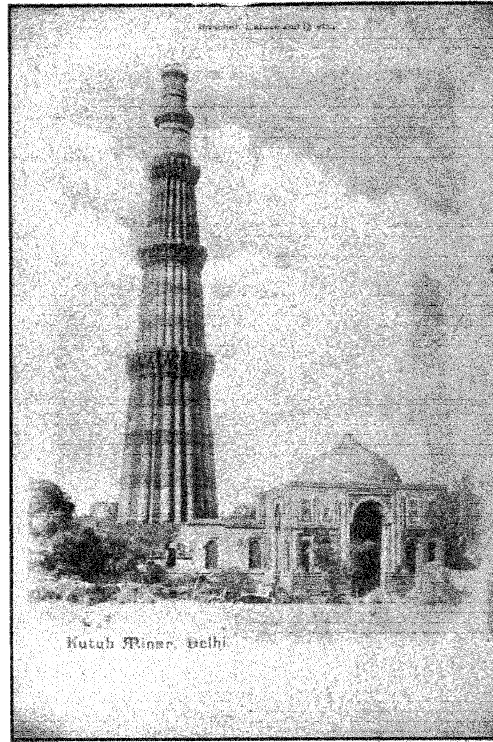
ممتاز نے ہرچند سکینہ کو سمجھایا مگر اُسنے ایک نہ مانی اور گلٹی مین نشتر دیکر خون فاسد کو چوس کر کلی کردی۔ دو تین بار ایسیطرح کیا۔ اس عمل کے ہوتے ہی رضیہ کی غنودگی رفع ہوگئی اور اُسنے آنکھین کھول دین مگر ضعف انتہا کا تھا۔ اسوقت سے رضیہ کی حالت سنبھلنے لگی مگر اُسی دن شام کو اُسے سخت قسم کا بخار آگیا اور رات کے دس بجے رضیہ کیطرح صاحب فراش ہوگئی اور جان کے لالے پڑگئے۔

+ + + + + + + + + +

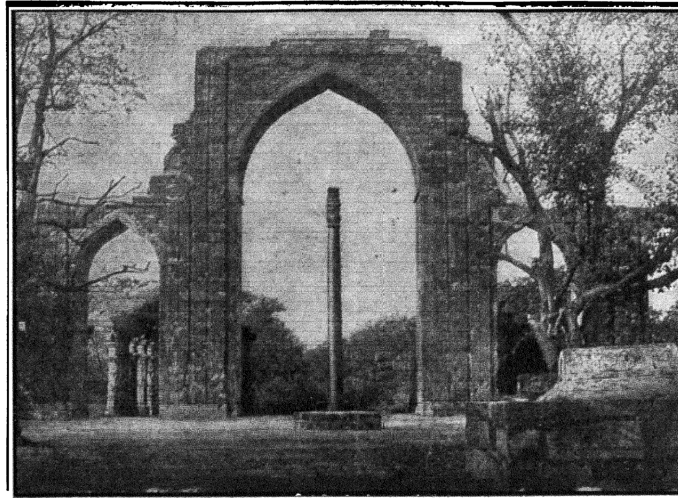
اس بات کو تین سال ہوگئے۔ صبح کا سہانا سمان ہے۔ ایک خوبصورت جنٹلمین اور ایک ماہ طلعت نازنین ایک قبر کے سرہانے کھڑی حضرت علی مخدوم کے مزار کے عقب مین فاتحہ پڑھ رہے ہین۔ اور نازنین پھولون کے ہار اس قبر پر ڈال رہی ہے۔ وہ دیکھو ایک طرف سے ایک ماما ایک خوبصورت لڑکی کو گود مین لئے آتی ہے۔ یہ لڑکی ہوبہو اس نازنین کی ہمشکل ہے۔ اس لڑکی کا نام سکینہ ہے اور یہ دونو جوان رضیہ اور ممتاز ہین۔ لڑکی کا نام رضیہ نے اپنی محسنہ کی یادگار مین سکینہ رکھا ہے اور ہر جمعہ کے دن میان بیوی سکینہ۔ جان نثار سکینہ کی تربت پر پھول چڑھانے آتے ہین۔

احمد حسین خان منصف





قطب مینار



لوہے کی لاٹ

قطب مینار

دہلی کا قطب مینار ہندوستان کے عجائبات مین شمار کیا جاتا ہے اور ممکن نہین کہ کسی سیاح کی نظر اُسپر نہ پڑے بعض لوگون کا خیال ہے کہ اپنی رفعت کے باعث وہ دُنیا کے سات عجائبات مین شمار ہونے کے لائق ہے۔ لیکن جب ہم نیویارک کی زمانہ حال کی بلند عمارتون پر نظر ڈالتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ قطب مینار اب اس دعوے کا حقدار نہین رہا۔ جو سیاح دہلی مین وارد ہو ممکن نہین کہ وہ اُس شخص کی شہرت پسند طبیعت کی تعریف کئے بغیر رہ سکے۔ جس نے اس مینار کو بنوایا تھا۔ اسمین شک نہین کہ قدیم عمارات کے متعلق تحقیقات کرنا صرف اُنھین لوگون کا کام ہے جو زمانہ قدیم کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہون یا جو مورّخ ہون۔ مگر قطب مینار کے متعلق بعض دلچسپیان اس قسم کی ہین کہ ا٘نمین ہر خیال کے لوگ حصہ لے سکتے ہین۔

اسمین کلام نہین کہ یہ عظیم الشان عمارت کسی بہت بڑے بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے مگر کچھ عرصے سے اسکے متعلق ایک دلچسپ سوال یہ چھڑا ہوا ہے کہ آیا اسے پہلے ہندوؤن نے بنوایا اور بعد مین مسلمان فاتحون نے اسمین تبدیلی کر کے مکمل کرایا تھا، یا مسلمانون نے ہندوؤن کے مندرون سے مسالہ لیکر اسے از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ ان دونون باتون کو چھوڑتے ہوئے بقول کننگھم صاحب مسلمانون نے اصلی مسالہ سے اسے تعمیر کیا تھا؟

فی الحقیقت قطب مینار کی تعمیر کی تھیوری کے متعلق دو مختلف پارٹیان موجود ہین جن کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہین یعنی ایک کا خیال تو یہ ہے کہ اسے ہندوؤن نے تعمیر کرایا تھا اور دوسری کا یہ کہ مسلمانون نے استعمال شدہ مسالہ کا سوال بلحاظ اہمیت دوسرے درجے پر ہے اور اسلئے اسکے متعلق اس موقعہ پر بحث نہین چھیڑی جا سکتی۔

عام طور پر جو خیال لوگون مین پھیلا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ سلطان محمّد غوری کی فتح کی یادگار مین اسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ اس بیان کی تائید مین ذیل کے دلائل پیش کئے جاتے ہین۔

(۱) برج پر فارسی زبان کے کتبے بہت کثرت سے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اسے مسلمانون نے بنوایا تھا۔

(۲) قطب الدین کے انتقال کے ایک دو صدی بعد فیروز شاہ نے اسکا نام "برج فتح" رکھا جس سے مطلب یہ تھا کہ اسے محمّد بن سام غوری کی فتوحات کی یادگار مین تعمیر کیا گیا ہے۔

(۳) بُرج کی بنیاد کے قریب ایک بُجھا ہوا سا کتبہ موجود ہے جسمین قطب الدین کا نام پڑھا جاتا ہے۔

(۴) مشہور عالم آثار قدیمہ جنرل کننگھم کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ مسلمانون کے وقت کی عمارت ہے۔

(۵) ان تمام دلائل کے علاوہ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسکا نام "قطب مینار" ہی صاف ثابت کر رہا ہے کہ مسلمانون کے عہد مین تعمیر ہوا ہوگا۔

یہ سب دلائل اس قسم کے ہین جو اس بات کے ثبوت مین پیش کئے جاتے ہین کہ قطب مینار مسلمانون کے عہد مین تعمیر ہوا تھا۔

برعکس اسکے فریق ثانی یہ خیال کرتا ہے کہ اسے راجہ پھتھوی راج نے اپنی اکلوتی لڑکی اوشاوتی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اتہاس مین آیا ہے کہ وہ جمناجی کے درشن کئے بغیر کھانا نہ کھاتی تھی۔ چنانچہ اسکی سہولت کے لئے راے پتھورا نے اسقدر بلند برج تعمیر کرایا تھا۔ معلوم نہین یہ خیال کہانتک درست ہے مگر کم ازکم غیر اغلب نہین ہوسکتا۔

قطب مینار کے مسلمان بادشاہون کے عہد مین تعمیر ہونے کے متعلق جو دلائل اوپر درج کئے جاچکے ہین انمین سے آخرالذکر کی تردید مین مسٹر مرے نے اپنی کتاب ہنڈ بک فار انڈیا اینڈ سیلون Hand book for India and Ceylon ایڈیشن ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۱۴۵ پر لکھا ہے کہ "لوگون مین یہ اعتقاد عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ اسے راے پتھورا نے اس غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ اُسکی لڑکی اسپر چڑھکر جمناجی کے درشن کرلیا کرے"۔ لیکن ملکی روایات کو چونکہ تاریخی وقعت نہین دے سکتے اسلئے ہم طرفین کے ان دلائل کو نظرانداز کرتے ہین۔

آثار قدیمہ کی تحقیقات کے میدان مین مسٹر کننگھم ایسے آدمی نہین ہین کہ اُنکے بیانات ناقابل تردید ہون یا یہ کہ اُنکے پایہ کا کوئی دوسرا شخص موجود نہو۔ مشہور بنگالی لیڈی شریمتی سورن کماری دیوی نے جنکے مضامین اکثر انگریزی اور بنگالی رسالون مین نکلتے رہتے ہین "دیپ نروان" کے نام سے ایک تاریخی ناول لکھا ہے جسکے دیباچے مین اُسنے مختلف مستند مورخون کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ قطب مینار کو ایک ہندو راجہ نے تعمیر کراکے اسکا نام "مدجمنااستمبھ" رکھا تھا۔ چنانچہ مسٹر کننگھم کی تردید مین اُسنے جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال Gournal of the Asiatic society Bengal کا حوالہ دیا ہے جو ہندوستان کے آثار قدیمہ کے متعلق نہایت مفید اور مستند خیال کیا جاتا ہے۔ اس جرنل کی جلد ۳۳ بابت ۱۸۶۴ء مین مسٹر بگلورنے نہایت قابلیت سے اس مضمون پر راے زنی کرتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ دراصل یہ ہندو زمانے کی عمارت ہے جسے مسلمان حملہ آورون نے تبدیل اور مکمل کیا تھا۔ اسی ضمن مین یہ بیان کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر سر سید احمد نے اپنی مشہور کتاب آثارالصنادید مین اس عمارت کے متعلق کچھ شبہ سا ظاہر کیا ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی اسے ہندون کے وقت کا بنا ہوا خیال کرتے تھے۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہین کہ مسلمان حملہ آور حتی الامکان مذاہب غیر کی عمارات مین تغیر و تبدل کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر قسطنطنیہ کی مسجد ایا صوفیہ کو دیکھئے جسے سلطان محمد فاتح کے عہد مین جب ترکون نے بازنطینی سلطنت کو نیست و نابود کردیا تھا تو گرجا سے مسجد بنالیا گیا تھا۔ اسیطرح ممکن ہے کہ ہندوستان کے حملہ آورون نے جمنا استمبھ کی حالت بدلکر اسے قطب مینار بنادیا ہو۔

لیکن سب سے عجیب بات اس مینار کے متعلق



تعلیم تیر اندازی
(بششٹ جی کا سری رام اور لچھمن جی کو فن تیر اندازی سکھانا)

انڈین پریس الہ آباد

کتبون مین دیکھنے مین آتی ہے۔ جس سیاح کو اس مینار کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اُسے معلوم ہو گا کہ تمام اسلامی کتبے ہر ایک منزل کے داخلے پر کندہ ہین لیکن دوسری عمارات کی یہ حالت نہین۔ بخلاف اس مینار کے وہ اوپر سے نیچے تک اسلامی کتبون سے بھرا ہوا ہے۔ اس صورت مین کیا یہ ممکن نہین کہ یہ کتبے جو داخلے کے مقامات پر کندہ ہین بعد مین کندہ کر دیے گئے ہون؟ فی الحقیقت ایسا ہونا نہایت سہل اور قرین قیاس ہے۔

اس جگہہ تک ہمنے صرف معمولی دلائل کی تردید پر اکتفا کی ہے لیکن یہان چند ایسے دلائل درج کرنا ضروری معلوم ہوتے ہین جنسے بالواسطہ طور پر اس مینار کا ہندؤن کے وقت مین تعمیر کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔

اولاً تو اس مینار کی بنیاد کے پتھرون پر مختلف دیوتاؤن کی تصاویر کندہ ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر چونکہ بنیاد مین تھے۔ اسلئے ناممکن تھا کہ اُنھین نکالکر تازہ پتھر جنپر فارسی کتبے کندہ ہون رکھ دیے جاتے۔

ثانیاً ہندؤن کیطرح مسلمانون مین اس بات کا رواج نہ تھا کہ کسی مسجد کے قریب صرف ایک ہی بُرج بنایا جاے۔

ثالثاً اس مینار سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک اور مینار کے آثار پاے جاتے ہین جسسے اسکی طرز کا بنانیکی کوشش کی گئی ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مینار بخلاف جمنا مسجد کے آیات قرآنی کے کتبون سے ڈھنکا ہوا ہے۔ اس مختصر سے مضمون مین ہمنے فریقین کے دلائل پیش کرنے پر اکتفا کی ہے اور اس سے اس بات کا فیصلہ کرنا مد نظر نہین کہ یہ مینار ہندون کا بنایا ہوا ہے یا مسلمانون کا ممکن ہے زمانۂ مستقبل مین اس مسئلہ پر کوئی صاحب مزید روشنی ڈال سکین جس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جاے کہ اس عظیم الشان مینار کی تعمیر کا سہرا کس ہندو راجہ یا مسلمان بادشاہ کے سر رہا تھا۔

تیرتھہ رام

تعلیم تیراندازی۔ یہ تصویر رامائن کے ابتدائی واقعات سے تعلق رکھتی ہے جسمین ہندوستان کے نہایت قدیم زمانے کا مرقع کھینچا گیا ہے۔ اگلے زمانے کے شہزادون کو فن سپہگری کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی تھی اور سپہگری مین تیراندازی کے فن کو تمام فنون پر سبقت حاصل تھی۔ اس تصویر مین سری رامچندر اور لچھمن جی کو اُنکے گرو بشسٹ جی تیراندازی کی تعلیم دے رہے ہین۔ اس تعلیم کے لئے شہزادون کو دریاے سرجو کے کنارے کسی جنگل مین روزمرہ جانا پڑتا تھا اور تیراندازی کی مشق کے لئے نہایت دور کے نشانے قائم کئے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے مین دونون شہزادے اس فن مین اسقدر کامل ہو گئے کہ مشہور رشی بسوامتر اُنھین اپنے آشرم کی حفاظت کے لئے راجہ دسرتھ سے مانگ لیگئے اور چونکہ بسوامتر اس فن مین یگانۂ آفاق تھے لہذا اُنھون نے سری رامچندر جی کو وہ علوم بھی سکھا دیے جو اب تک سینہ بسینہ چلے آتے تھے اور جنسے بسوامتر کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔

سانحہ جانکاہ

از وفاتِ شاہِ لندن قیصرِ ہندوستان — ایڈورڈ ہفتمین و مرجعِ اہلِ جہان

چشمِ گردون خون بباریدو ممالک تیرہ شد — ساکنانِ ارض در ماتم بفریاد و فغان

جلالت مآب حضورِ ملک معظم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی دفعۃً وفات وسیع دُنیا کے ہر حصے کے لئے ایک نہایت ہی افسوسناک سانحہ ہے۔ جہانتک آفتاب کی بسیط شعاعون کے ساتھ ساتھ غفران مآب کی مبارک و فیض رسان حکومت کے انوار اجلال پرتو افگن تھے آج اُس نامحدود حصۂ عالم کے مطلع پر عظیم رنج و غم کے وہ تاریک بادل چھائے ہوئے ہین کہ ساری دُنیا سیاہ معلوم ہوتی ہے۔ تمام عالم پر ایک درد انگیز حالت طاری ہے۔ دُنیا کا ہر گوشہ سیاہ پوش و ماتم زدہ ہو رہا ہے۔ ہر طبقے اور ہر مرتبے کے انسانی دل و دماغ اس جانگزا صدمے سے متاثر ہو رہے ہین اور موجودہ زمانے کی ماتمی تصویر تاریخی صفحون کیلئے ایک ایسی غم انگیز یادگار ہے جو آیندہ نسلون کو بھی اپنی افسوسناک یاد دلا دلا کے ہمیشہ خون کے آنسو رُلاتی رہیگی۔

ہماری تقویم کے لئے ۶- مئی ۱۹۱۰ء سے زیادہ کوئی تاریخ افسوسناک نہین ثابت ہو سکتی جسکی شب کو گیارہ بج کے پینتالیس منٹ پر وہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا جسکی مبارک و بابرکت شعاعین دُنیا کے ہر حصے کو نہایت ہی لامع او شفاف روشنی سے منور کر رہی تھین۔ جسکی صاف روشنی مین ہر مظلوم و بیکس کو امن و انصاف کی کشادہ شاہراہین نظر آتی تھین اور جسکی صلح کل پالیسی انسانی ہمدردی اور عام رحمدلی نے دُنیا کو ایک ایسی عشرت گاہ بنا رکھا تھا جہان امن و راحت کی ارزانی ضرب المثل تھی۔

ہز مجسٹی کے قلیل زمانۂ سلطنت مین جسے ابھی پورے دس برس بھی نہین ہونے پائے تھے ایک ایسا مستقل امن قائم رہا جسکی نظیر گذشتہ تاریخ کے صفحات مین مشکل سے نظر آئیگی۔ حضور ملکہ معظمہ کی وفات پر جب زمام سلطنت آپکے سپرد کیگئی تو جنوبی افریقہ مین کُشت و خون کا وہ ہولناک منظر پیش تھا جسنے ہزارہا جانین تلف کر دی تھین اور سیکڑون گھر بے چراغ ہو گئے تھے۔ لیکن آپکے بر سر حکومت ہونے کے چند ہی ماہ بعد اس ناگوار جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور جس سرکش قوم کو زیر کرنے کیلئے اسقدر اتلاف جان اور صرف کثیر گوارا کیا تھا۔ اُسنے نہایت ہی نرم شرائط پر صلح کر لی گئی۔ یہ آپکی رحمدلی اور امن دوستی کی پہلی مثال تھی جو آخر تک قائم رہی اور جسکی بدولت سلطنت برطانیہ کو پھر کہین فوجکشی کی ضرورت نہین لاحق آئی۔

حضور اقدس ۹- نومبر ۱۸۴۱ء کو قصر بکنگھم مین جلوہ افزو بزم ہستی ہوئے تھے۔ آپ علیا حضرت ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کی اولاد ثانی اور اپنے بھائیون مین سب سے بڑے تھے۔ آپکی بڑی ہمشیرہ ہز رائل ہائنس پرنسیز رائل موجودہ شہنشاہ جرمنی کی والدہ ماجدہ ہین جو آپکی وفات کے وقت آپکے بستر مرگ کے قریب موجود تھین۔ جسوقت جرمنی مین آپکے انتقال پُر ملال کی خبر پہونچی تو تمام ملک پر ماتمی گھٹائین چھا گئین او

قیصر جرمن نے جو آپ کے بھانجے ہین اور آپ سے خلقی طور پر محبت رکھتے تھے اپنے کل کام ملتوی کر دیے۔ لندن مین ایک روز پہلے ہی سے تمام کاروبار بند تھے اور وہان کی خلقت اپنے حد سے زیادہ مہربان بادشاہ کی صحت کے لیے نہایت خلوص سے دعائین مانگ رہی تھی۔ نیز ایوان شاہی کے سامنے خلقت کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا اور آپکی کیفیت مزاج دریافت کرنے کے لیے لوگ شاہی ڈاکٹرون کی رپورٹ کا نہایت بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔

۶۔ مئی کی شام کو ڈاکٹرون کی رپورٹ نے ایک گونہ مایوسی طاری کر دی اور معلوم ہوا کہ امید زیست مفقود ہے۔ حضور ملکہ معظمہ پرنس اور پرنسز آف ویلز اور دیگر ممبران خاندان شاہی آپکے بستر علالت کے گرد جمع تھے اور آپ نے نہایت استقلال سے علالت کی سختی کا مقابلہ کر کے گیارہ بجکے پینتالیس منٹ پر اپنے اہل خاندان، اعیانِ دولت اور چالیس کرور رعایا کو تڑپتا چھوڑ کر عالم جاودانی کی راہ لی۔ مرض الموت صرف زکام اور کھانسی تھا جو ایک تھیئیٹر مین سردی کھا جانے سے پیدا ہوا تھا۔ یہ مرض اسقدر مہلک نہ تھا کہ مرض الموت ثابت ہوتا۔ چنانچہ اپنی علالت کے زمانے مین غفران مآب نے اپنے ایک دوست سے مزاج پرسی کے جواب مین فرمایا تھا کہ "مجھے کھانسی کی شکایت ہے۔"

حضور مغفور ۲۳۔ جنوری ۱۹۰۱ء کو تقریباً ساٹھ برس کی عمر مین تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے اور ۶۸ سال ۶ ماہ کی عمر مین نو برس ساڑھے چار مہینے کی پُرامن اور کامیاب حکومت و جہانبانی کے بعد نہضت فرمائے قصر جنت ہوئے۔ اپنے زمانۂ سلطنت مین اُنھین امن و امان قائم رکھنے مین جو حیرت انگیز کامیابی ہوئی وہ تاریخ عالم مین عدیم النظیر ہے۔ غیر سلطنتون سے رشتۂ اتحاد قائم کر کے آپ نے وہ کھٹکا ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جو برطانیہ عظمیٰ کو سب سے زیادہ فوج رکھنے پر مجبور کیے ہوئے تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے اس پیرانہ سالی مین بھی دنیا کے ہر گوشے مین سفر کیا اور فرمانروایان عالم سے ذاتی طور پر ملاقاتین کر کے اُنھین اپنے اخلاق کا گرویدہ بنا لیا شہنشاہ روس سے ملاقات کے وقت آپ نے اپنا جنگی بیڑہ دکھاتے ہوئے جو دُنیا مین لاثانی ہے فرمایا تھا کہ "یہ دُنیا مین امن قائم رکھنے کا سامان ہے"۔ کچھ شک نہین کہ آپ کی افواج بحری و برّی دُنیا مین امن قائم رکھنے کی غرض سے تھین نہ کہ کشور کشائی اور میدان جنگ مین خونریزی کی غرض سے۔

انسانی ہمدردی کا جو زبردست معیار علیا حضرت ملکہ معظمہ مرحومہ نے قائم کیا تھا اُسکی تکمیل اُنکے پیارے فرزند حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم مرحوم کی صلح پسند طبیعت نے جس اعلیٰ قابلیت، بیدار مغزی اور انصاف پژوہی سے کی ہے وہ تاریخ عالم مین لاثانی ہے اور امید ہے کہ اُنکے فرزند دلبند حضور ملک معظم کنگ جارج پنجم فرمانروائے حال اپنے پدر بزرگوار اور اپنی جدۂ امجدہ کی اس دلی تمنا کو اپنے اعلیٰ تدبر، تجربہ اور خلقی نیک نفسی کی بدولت کامیابی کے ساتھ قائم رکھینگے۔

آخر مین ہم اپنے حد سے زیادہ مہربان بادشاہ انتہا سے زیادہ محبت دار باپ اور وہم و قیاس سے زیادہ انصاف پژوہ، عادل اور فیاض قیصر کی وفات پر خون کے آنسو بہاتے ہین اور اُس امن و آسایش کے عوض مین جو ہم کو بدرا فتادہ اور بیدست و پا ہندوستانیون کو غفران مآب

عہد معدلت مہد مین ہمیشہ۔ ہر گھڑی اور ہر ساعت نصیب رہی اپنی سچی اور بے لوث محبت و وفاداری کے پھول نثار کرتے ہین جو اگرچہ نفس الامر مین نہایت ہی بے حقیقت ہین لیکن "برگ سبز است تحفۂ درویش" کے اعتبار سے قابل قدر خیال کئے جائینگے۔

ایڈیٹر

ماثرالکرام

(تصنیف حسان الہند مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی)

یہ کتاب مشاہیر بلگرام کی تاریخ ہے جو سنہ ۱۱۶۶ھ مین تصنیف ہوئی حسب ذیل قطعہ سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔

این نامہ حاضر روح پرور — اما اطیبہ خاتمۂ مسک
انجام بعون ایزدی یافت — تاریخ شنو۔ ختامہٗ مسک

مولانا آزاد عربی فارسی کے بلند پایہ شاعر اور مشہور و معروف مصنف گذرے ہین ۲۵ صفر سنہ ۱۱۱۶ھ کو بمقام بلگرام پیدا ہوئے میر طفیل محمدؒ بلگرامی اور علامہ عبدالجلیل سے تمام علوم رسمیہ تحصیل کئے۔ سنہ ۱۱۵۰ء مین حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ وہان دو سال مقیم رہے۔ اس اثنا مین شیخ محمد حیات سندی اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی سے علم حدیث حاصل کیا اور قرات شریف بخاری شریف کی اجازت بھی لی۔ سنہ ۱۱۵۱ھ کے اواسط ایام مین واپس ہو کر ۲۔ ذی القعدہ کو اورنگ آباد مین آئے ان دنون دکن مین نواب نظام الملک ناصر جنگ بہادر برسر حکومت تھے۔ اُنھون نے مولانا کی خوب قدر افزائی کی۔ مدد معاش کے لئے یومیہ مقرر کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ سنہ ۱۲۰۰ھ مین بمقام اورنگ آباد فوت ہوئے۔ ماثر الکرام کے علاوہ انکی اور بھی بہت سی تصنیفات ہین۔

(۱) الضوءالدراری۔ شرح صحیح بخاری ابتدا سے کتاب الزکوۃ کے آخر تک۔

(۲) تسلیۃ الفوائد۔ اسمین قصائد اور مشاہیر علما کا تذکرہ تحریر ہے۔

(۳) سبحۃ المرجان۔ جسمین ہندوستان کے فضائل اور علما کا تذکرہ ہے۔

(۴) دیوان عربی۔ جسمین تین ہزار سے زیادہ اشعار ہین۔

(۵) ید بیضا۔ فارسی شعرا کا عام تذکرہ ہے۔

(۶) خزانہ عامرہ۔ صلہ یافتہ شعرا کا تذکرہ ہے۔

(۷) سرو آزاد۔ ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے۔

(۸) روضۃ الاولیا۔ خلد آباد کے بزرگان دین کا تذکرہ ہے۔

ماثرالکرام مین تقریباً ڈیڑھ سو بزرگان بلگرام کے حالات ہین۔ مصنف نے ہر ایک شخص کی نسبت تمام ضروری باتین جیسے خاندان قوم وطن تعلیم و تربیت تلمذ اخلاق و عادات تصنیف و تالیف وغیرہ خوب شرح و بسط سے لکھے ہین تحت

مین ہندوستان کے اُن بڑے بڑے مشاہیر کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جنسے بزرگان بلگرام کو تلمذ یا بیعت وغیرہ کا تعلق تھا۔ اس تقریب سے ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی شیخ علی مہایمی مولانا علی متقی۔ محمدؐ طاہر فتنی شیخ وجیہ الدین گجراتی شاہ صبغۃ اللہ بھروچی شیخ مبارک ناگوری ابو الفیض فیضی۔ عبد الحق محدث دہلوی۔ ملا محمود جونپوری۔ عبد الحکیم سیالکوٹی۔ قاضی محب اللہ بہاری وغیرہ بڑے بڑے علما کے حالات بھی کتاب مین آگئے ہین۔ انکے ضمن مین بہت سے تاریخی واقعات اور علمی نکات بھی ملتے ہین کتاب دو فصلون مین منقسم ہے۔

فصل اول　در ذکر فقرا قدس اللہ اسرارہم

فصل دوم　در ذکر فضلا نور اللہ مضاجعہم

پہلی فصل مین تمہید کے طور پر ہندوستان مین مسلمانون کے آنے اور اسلام کے رواج پانے کا ذکر ہے۔ اسیطرح دوسری فصل مین اہل اسلام مین علوم و فنون کے پھیلنے اور خلفاے بغداد و اندلس کے مشاغل علمی کا بیان ہے۔

کعبۃ اللہ کی موجودہ عمارت کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ وہ حجاج ابن یوسف ثقفی کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مراد والئ روم نے سنہ ۱۰۴۰ھ مین اسکو تعمیر کرایا تھا۔

در سال مذکور (سنہ ۱۰۳۹ھ) نوزدہم شعبان شب چہارشنبہ باران شدید بر زمین مکہ معظمہ بارید و سیلے عظیم درون مسجد در آمدہ تا طراز جامہ کعبہ بلند گردید مقام زیر آب ماند و تا دوان فرو افتاد و درون خانہ یک قد آدم آب ایستاد و مقدار قامت آدمی مسجد از خاک و خاشاک پر گشت و مزہ آب زمزم تغیر یافت بحدے کہ از گلو فرو نمی رفت و بستم شعبان روز پنجشنبہ بعد عصر خانہ کعبہ فرو نشست وبناے کہ حجاج کردہ بود افتاد و از جہت شامی تمام و از جہت شرقی حتی الباب و از جہت غربی ثلثہ ربع و اکثر بعد ظہور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سقوط کعبہ شریفہ گاہے واقع نہ شد درین حادثہ چہار ہزار خانہ عباد موافقت خانہ خدا کردہ و قریب پانصد کس بہ طوفان فنا رفت۔ سلطان مراد بن سلطان احمد والئ روم انار اللہ برہانہ بہ تعمیر خانہ مبارک امر فرمود و در سنہ ۱۰۴۰ھ اربعین و الف عمارت ہمایون باتمام رسید و بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ سلطان مراد بہ احراز این سعادت عظمیٰ فائض گردید و عمارت مسجد حرام کہ الآن موجود است پیش ازین سلطان سلیم ثانی رفع اللہ قدرہ در سنہ ۹۸۰ھ ثمانین و تسعمانہ بنا نہادہ و جانب شرقی و شمالی مرتب ساختہ بہ معمورۂ اخروی شتافت فرزند ارجمندش سلطان مراد ثالث اکرام اللہ مثواہ بہ تعمیر باقی پرداخت و در سنہ ۹۸۴ھ اربع و ثمانین تسعمانہ بہ انجام رسانید حُسن این عمارت عالیشان تعلق بہ مشاہدہ دارد۔

علی مہایمی کے حالات مین قوم نوایت کی نسبت لکھتے ہین۔

و قوم نوایت در بلاد دکن مشہور و معروف اند طبری در تاریخ خود گوید نایتہ طائفہ ایست از قریش کہ از ترس حجاج بن یوسف ثقفی کہ پنجاہ ہزار کس علما و اولیا را ناحق کشت از مدینہ منورہ برآمدند و خود را بساحل بحر ہند رسانیدند و دران سرزمین توطن برگرفتند و این تفرقہ در سنہ ۱۵۲ھ اثنین و خمسین و مأتہ ہجری واقع شدہ

فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کے متعلق لکھا ہوا ہے۔

برہان فضیلت شیخ فیضی سواطع الالہام تفسیر بے نقط است کہ درین ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد طرفہ این کہ این چنین کار دشوار در عرصہ دو سال از مبدء بہ منتہی رسانید میر حیدر معمائی کاشی تاریخ اتمام تفسیر کہ در سنہ ۱۰۰۲ھ اثنین و الف

سورۂ اخلاص برآورده ده هزار روپیه صله یافت فضلاے عصر برین تفسیر توقیعات نوشته‌اند مثل شیخ یعقوب کشمیری شیخ محمد شامی والیضاً ملا ظہوری ترشیزی قصیده غراے و قریب ہفتاد رباعی در لطائف اہمال نظم کرد و ملا ملک قمی نیز رباعیات در سلک نظم کشید۔

تاریخ مذاہب کی مشہور کتاب دبستان مذاہب کے مصنف کی نسبت سخت اختلاف ہے۔ سرجان ملکم جنے ایران کی مشہور و معروف تاریخ لکھی ہے۔ ملا محمد محسن فانی کو اسکا مصنف بتاتا ہے۔ بعض لوگ کیخسرو بن کیقباد کی تصنیف کہتے ہین لیکن ماثرالکرام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مین یہ کتاب مرزا ذوالفقار المتخلص بہ موید کی تصنیف ہے۔

ہمارے دوست مولوی محمد عبداللہ خان (جنھون نے اس سے پہلے مرزا علی لطف کا نایاب تذکرۃ الشعرا شائع کیا ہے) ماثرالکرام کو ایک مشہور مطبع مین چھپوا رہے ہین۔ صاحب پبلشر کی عنایت خاص سے اس کتاب کے اوراق جون جون چھپتے گئے ہمارے پاس پہونچتے گئے اور ہمین یہ موقع ملا کہ ہنے دیگر شائقین سے پہلے اسے دیکھا۔ اصل کتاب ۱۱۳ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ سنا گیا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے اسپر ایک مبسوط اور عالمانہ مقدمہ لکھ رہے ہین جسمین مصنف کی سوانح عمری اور کتاب کے خصوصیات کا مفصل تذکرہ ہوگا۔ امید ہے کہ یہ کتاب دو تین ہفتہ مین تیار ہوکر شائع ہوجائیگی۔

قابل پبلشر نے اس کتاب کو چھپوا کر ہندوستان کی علمی تاریخ مین ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے اور جو حضرات تاریخی مذاق رکھتے ہین امید ہے کہ وہ اسکی ضرور قدر کرینگے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

دورنگیِ دُنیا

سدا ہے گردش لیل و نہار دُنیا مین — ہے ایک حال پہ کسکو قرار دُنیا مین
ہمیشہ گلشنِ عالم کا ایک رنگ نہین — کبھی خزان ہے کبھی ہے بہار دُنیا مین
ہے خارِ غم گل عیش و طرب کے پہلو مین — نہین ہے کوئی خوشی خوشگوار دُنیا مین
کوئی عزیز ہے چشم جہان مین گل کی طرح — ہے کوئی خار کے مانند خوار دُنیا مین
گلہ کسی سے نہین اپنی اپنی قسمت ہے — کوئی گدا ہے کوئی شہریار دنیا مین
ہے فکر مال کسیکو کسیکو فکر مآل — ہے کوئی مست کوئی ہوشیار دنیا مین
عجیب آب و ہوا ہے جہان فانی کی — کوئی ہے شاد کوئی دلفگار دُنیا مین
یہی ہے حال تو دلبستگی ہو کیا اس سے — خوشی ہے ایک تو غم ہین ہزار دُنیا مین
یہان ہر ایک خوشی مین تو ساتھ دیتا ہے — مگر نہین ہے کوئی غمگسار دنیا مین
زبان حال سے کہتے ہین کاخ و قصر و محل — کہ کوئی چیز نہین پائدار دُنیا مین
نہین ہین سعدی و جامی مگر ہے یاد اُنکی
ذہن چھوڑ کے جا یادگار دُنیا مین

سید غلام مصطفی ذہن

نوحۂ وفات شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم

گھٹا چھائی ہوئی ہے چارسو کیون آج ماتم کی عروس شب نے کسکے غم مین رُخ پہ زلف برہم کی
صدائے جانگسل ہے لب پہ کیون فریاد پیہم کی خلش کیون شہرگ جان مین ہے یارب نشتر غم کی

روان ہے سیل خون آرزو کیون چشم گریان سے
ٹپکتا ہے لہو بنکر جگر کیون نوک مژگان سے

غم و اندوہ و حرمان ہین یہ کسکے سوگوارون مین تمنا بیٹھی ہے رو کے سر کیون اشکبارون مین
یہ غم ہے کسکی مرگ ناگہان کا غمگسارون مین قضانے ڈالدی ہلچل ہے کسکے جان نثارون مین

لگائی آگ تو نے نالۂ آتش فشان کیسی
تڑپتی آرہی ہین آسمان سے بجلیان کیسی

زبان پر ہے یہ پیہم آج شور الامان کیسا جگر سے اُٹھ رہا ہے آہ سوزان کا دھوان کیسا
کلیجہ آرہا ہے مُنہ کو ہنگام فغان کیسا یہ ہنگامہ قیامت کا ہے مرگ ناگہان کیسا

اعزا رو رہے بالین پہ ہین یہ کسکے ماتم مین
کہ اک اک اشک طوفان خیز غم ہے چشم پُرنم مین

نشان لہرا رہے ہین ہند مین کیون آج ماتم کے یہ ہے کیسی غم آرائی یہ کیون سامان ہین غم کے
لہو کے آہ فوارے ہین چھٹتے اشک پیہم کے کہ حلقے بزم ماتم کے ہین حلقے چشم پُرنم کے

قیامت کی تپش ہے آہ، قلب ناشکیبا مین
خلش ہے نوک نشتر کی رگ جان تمنا مین

یہ کیا اندھیر ہے، تاریک آنکھون مین جہان کیون ہے سواد بزم ماتم، خطۂ ہندوستان کیون ہے
محیط حلقۂ گرداب چشم خون فشان کیون ہے غریق لجۂ غم کشتی عمر روان کیون ہے

نپوچھو کچھ، قیامت کا ہے صدمہ قلب مضطر پر
الٰہی خیر ہو شیشہ گرا ہے آج پتھر پر

یہ ماتم قیصر ہند مین ہے، نصیب دشمنان کسکا فلک کو جا رہا ہے آج، یہ تخت روان کسکا
خمیدہ بار غم سے خاک پر ہے یہ نشان کسکا نہان زیر زمین ہے آفتاب عز و شان کسکا

جو پنہان ہوگئی آنکھون سے، وہ تنویر کسکی تھی
بنایا نقش حسرت ہمکو، وہ تصویر کسکی تھی

جگر مین کچھ نہ باقی تو نے اے سوز نہان رکھا نہ غم کا حوصلہ رکھا، نہ یارائے فغان رکھا
ملائک نے یہ کسکے سر پہ تاج آسمان رکھا قدم فردوس مین یہ کسنے، مرگ ناگہان رکھا

اُٹھایا ہاتھ کسنے آہ، یہ دولت پناہی سے
ٹپکتے ہین گہر بن بن کے آنسو تاج شاہی سے

کلیسا مین نظر آتی ہین کیون ہر سو صفین غم کی صدا کیون آرہی ہے چرچ کے گھنٹے سے ماتم کی
روی ہے آہ کسکے غم مین حالت اہل عالم کی کلیجے مین نہین طاقت ہے اب فریاد پیہم کی

وفات شاہ عالم کی ہے لندن سے خبر آئی
پیام روح فرسا لیکے ہے باد سحر آئی

مبدل غم سے نقشہ آہ، قصر دل نشین کا ہے کہ عالم کچھ عجب حسرت فزا تاج و نگین کا ہے
فلک ہے کانپتا تھر تھر کلیجہ شق زمین کا ہے کہ ماتم آج شاہ ایڈورڈ ہفتمین کا ہے

عزاداری کے سامان ہو رہے ہین آہ لندن مین
گریبان چاک ہین گل، اُڑ رہی ہے خاک گلشن مین

نہ اب وہ طرۂ زرین نہ ہے وہ تاج سلطانی نہ اورنگ مرصع ہے، نہ ایوان جہانبانی
جہان کل تک نشاط و عیش کی ہر سو تھی ارزانی دلون مین ہے وہان رنج و الم کی آج مہمانی

اُداسی غم کی اب ایوان شاہی پر برستی ہے
زیارت کو شہ ذیجاہ کی خلقت ترستی ہے

نشاط عمر فانی، چار دن کی آہ، مہمان ہے بہار زندگانی چار دن کی آہ، مہمان ہے
شکوہ خسروائی، چار دن کی آہ، مہمان ہے عروس کامرانی چار دن کی آہ، مہمان ہے

گدا ہو، یا ہو شہ، اک دن فنا انجام ہستی ہے
یہ معمورہ نہین ہے عیش کا عبرت کی بستی ہے

سرور جہان آبادی

پیکر بے زبان

اُنکا اسرار ہوا بھید وہ تصویر اپنی
مین سمجھتا تھا کہ رسوائی ہے تشہیر اپنی

کہ یہ تصویر ہے تصویر مین آواز کہان
وہ جس انداز کے خواہان ہین وہ انداز کہان

لیجئے ۔ بھیجکے رسوائی مرے ہات آئی
کیون ؟ نہ کہتا تھا مین آخر کو وہی بات آئی

اب وہ مچلے ہین کہ تصویر بھی کچھ بات کرے
کچھ ہنسے بولے کچھ اظہار خیالات کرے

دھوم سنتے ہین بہت اسکی خوش الحانی کی
آج دے ہمکو یہ تعلیم غزلخوانی کی

خوب مضمون ہے اسکا وہ شعاعِ امید
اور وہ مثنوی نور محل کی تمہید

تازہ تصنیف کوئی اپنی غزل پڑھکے سنائے
کچھ پھڑکتے ہوے اشعار ہی یہ اپنے سنائے

اسلئے اسکو بُلایا ہے کہ صورت دیکھین
اسکی تقریر سُنین اسکی طلاقت دیکھین

اُسمین طاقت ہی نہین جب سخن آرائی کی
تو یہ تصویر بھی اک شکل ہے رسوائی کی

اور اُٹھا کر کچھ اسیطرح وہ تمہید کلام
سُکتے ہین پیکر بے روح سے امید کلام

بے زبان چیز سے ہے نغمہ طرازی کی امید
قبر حاتم سے ہے مہمان نوازی کی امید

کان رکھ رکھکے سُنا چاہتے ہین غور سے کچھ
منتظر ہین کہ صدا آئے لب گور سے کچھ

کون کہدے کوئی اس منزل عالی مین تمہین
صاحب خانہ اب اس خانۂ خالی مین نہین

شاہ جی آگے بڑھو اور کوئی در دیکھو
جاؤ بستی کیطرف کوئی بھرا گھر دیکھو

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

تنگ ہین شورشِ ہستی سے فراغت والے
تخلیہ ڈھونڈھتے پھرتے ہین نزاکت والے

بنگئی شیشۂ آئینہ پہ تصویر کہین
ہوگئی باعثِ آرائشِ تعمیر کہین

دیکھتے سب ہین مگر منہ سے نہین کہتے کچھ
محو آرائش و تمکین ہین وہ ایسے کچھ

شکل عبرت کی ہے دلچسپی کی اک صورت ہے
نگہ حسرت تصویر بھی اک طاقت ہے

اُٹھ گیا بزم خرابات سے کوئی مینوش
میز پر چھوڑکے اک شیشۂ خالی خاموش

جسمین کچھ دورِ شیشہ کا نشان باقی ہے
نگہ حسرت نظارگیان باقی ہے

جل بُجھی شمع مگر ہے اثر پروانہ
اُڑتے پھرتے ہین بگولون مین پر پروانہ

سطح مواج سمندر پہ ہے اک شکل حباب
دیکھتی موج پُر آشوب کو ہے چشم پُر آب

کہے کس مُنہ سے کہ مین ہستیِ بے طاقت ہون
مین سر بزم تماشا نگہ حیرت ہون

کارسازان کہ پر اسرار زبانم دادند
مُہر خاموشی حسرت بہ لبانم دادند

نادر

غزل

(از افکار تازہ پنڈت بشن نرائن صاحب در)

کیا ہے گر برق تجلی کا سمان دیکھا ہے
آگ دیکھی نہین موسیٰ نے دُھوان دیکھا ہے

فرش سے عرش تلک کون و مکان دیکھا ہے
لامکان جسکا ہے گھر اُسکو کہان دیکھا ہے

وصل کے لطف سُنے تھے یہ ہوا ہے جب وصل
جو نہ تھا وہم و گمان مین وہ سمان دیکھا ہے

خیر ایمان کی چاہے تو نہ سُن دیر کا حال
کیا کہین شیخ جو کچھ ہمنے وہان دیکھا ہے

یاد آئی ہے مجھے حُسن دو روزہ کی بہار
رود یا گل مین جہان رنگ خزان دیکھا ہے

دھوکے یارونکے نہ احباب کے جرکے کھائے
لطف دُنیا کا ابھی ہمنے کہان دیکھا ہے

سوزشِ دل کا ہے شعلہ آگ لگی ہے دوڑو
آہ کہتی ہے کہ مین نے بھی دُھوان دیکھا ہے

خار پوشیدہ نظر آئے ہجوم گل مین
سبز پتیون مین نہان برگ خزان دیکھا ہے

خاکسارون پہ کرم اہل سخا کا ہے مدام
جانب پستی ہی دریا کو روان دیکھا ہے

سامنا اپنے ہی اعمال کا ہوگا دم حشر
وہی دیکھینگے وہان بھی جو یہان دیکھا ہے

سوز غم سے ہوے تھپر کے کلیجے پانی
ہمنے کہسار سے چشمون کو روان دیکھا ہے

داغ ۔ امیر ۔ اپنے زمانے کے تھے اُستاد مگر
اب آتش سا کوئی سحر بیان دیکھا ہے

عہ ۔ مندرجۂ بالا نظم کے ساتھ حضرت نادر کی تصویر جو اسکے مقابل ہی جلوہ افروز ہے ایک بالکل انوکھی تلمیح پیش کرتی ہے ۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ہمنے ایک خاص مرقع کیلئے اپنے دیرینہ دوست جناب نادر سے اُنکی تصویر مانگی تھی ۔ تصویر کے ساتھ نازک خیال شاعر نے ایک نظم بھی ارسال کی جو بالکل نئے اور انوکھے طرز خیال پر مبنی تھی اور جسے ہم ایک عمدہ تلمیح کہہ سکتے ہین ۔ مرقع مذکور کی تیاری مین اسلئے ناکامی ہوئی کہ ادیب کے خاص خاص قلمی معاونین مین بعض بعض حضرات نے اپنے فوٹو بھیجنے مین خاص معذوری ظاہر کی ۔ ناچار جسقدر تصاویر آگئی ہین اُنھین خاص خاص موقعون پر علیحدہ علیحدہ شائع کیا جائیگا ۔ اس نظم مین جناب نادر کے مخاطب ہم ہین نہ کہ کوئی خیالی معشوق ہے جیسا کہ عام مذاق کے مطابق شبہ ہو سکتا ہے ۔ ایڈیٹر



منشی نادر علیخان صادر نادر

انڈین پریس الہ آباد

لطفِ خموشی

خموشی خوبیٔ غنچہ دہن ہے   سخن آموز چشم سحر فن ہے
نقابِ روے رعنائے سخن ہے   وفور شوقِ اہل انجمن ہے
زبانِ حال کی تقریر ہے تو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تو

نرالی تو۔ نرالے تیرے انداز   ادا ہر اک بجائے خود ہے آواز
ستم ہے وادکیونکر پائین جانباز   کہ محشر مین بھی چپ ہین صاحب ناز
لبِ پان خوردہ کی دمساز ہے تو
شریکِ قاتلِ ممتاز ہے تو

متانت جسکے ہے تو تیر مین تو   معین راے ہے تدبیر مین تو
نہان ہے عالم تسطیر مین تو   مضامین جسکے ہے تحریر مین تو
جگہہ آنکھون مین تجھکو دے رہے ہین
مزے ہم دل ہی دل مین لے رہے ہین

دُلہن آئی مسرت کے نشان ہین   ادھر گھیرے ہوئے ہمجولیان ہین
دلہن کچھ بولے اسپر ہمزبان ہین   تیرے جلوے وہان بھی دستان ہین
عروسِ نو کا جھومر بنگئی تو
حیا کا اور زیور بنگئی تو

کہا اک روز امید وفا پر   کہان تک یہ جفائین اے ستمگر
لگی چُپ شکوۂ بیداد سُنکر   نہ ہون ہان ہے بنے بیٹھے ہین تھر
یہان بیتابیٔ دل صد زبان ہے
وہان اک خامشی قفل دہان ہے

دلِ وارفتہ بیخود ہو رہا ہے   مثال آئینہ سکتا ہوا ہے
خموشی مہر لب ہے چشم وا ہے   کسی جلوہ نے حیران کر دیا ہے
مگر مین اُف اشکیبائی نہ چھوڑی
زبان مین تاب گویائی نہ چھوڑی

تصور مین ہے کوئی جانِ جان کے   حجاب اُٹھے ہوئے ہین درمیان کے
کھُلے عقدے ہین اسرارِ نہان کے   وہان اب ذکر کیا نطق و بیان کے
نظر مین جلوے اُس تنویر کے ہین
خموشی مین مزے تقریر کے ہین

یونہین جل بُجھتی ہے شمع مُنوّر   کبھی لائی نہ سوز دل زبان پر
بصد غم خاک پروانہ پہ شب بھر   سرشک افشان رہی با دیدۂ تر
نہ اُف کی تا دمِ آخر زبان سے
گئی خاموش بیچاری جہان سے

شرر ۔ سہارنپوری

کلامِ اکبر

اچھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے   اچھا وہ دل جو درد کی لذت طلب کرے
یہ پروانہ ہے جسنے دیدہ بازی کا ہنر جانا   اُسیکا کام ہے ذوقِ نظر مین جلکے مرجانا
یہی باتین ہین جنکی یاد تڑپا دیتی ہے دلکو   مرا انگڑائیان لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
رہا دنیا مین مین مستِ مے یکرنگیٔ وحدت   نہ مین نے شام پہچانی نہ ہنگام سحر جانا
ہمین اُس انجمن مین عزتِ شرکت سے کیا حاصل   کہ جب جائز نہین ہمکو بد معروہ مین اُدھر جانا
کونسل مین اگر پرسش ہوئی معلوم نہ تم کو یارو   اللہ کا نیوالا ہے مرنے کیلئے تیار رہو
مال اور دولت یہان وہان سے لائین   سامان انگریز کی دوکان سے لائین
قائم نہ رہے ادب تو کیا اسکا علاج   انگریز کا رعب ہم کہان سے لائین

رباعی

مسکین گدا ہو یا ہو شاہِ ذیجاہ   بیماری و موت سے کہان کسکو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی مین ایک وقت   کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

بارشِ بے ہنگام

گذشتہ سال موسم گرما کا آغاز ہوتے ہی ان اضلاع مین ابر و باران کا وہ طوفان آیا تھا کہ بالکل برسات کا سین کھنچ گیا تھا۔ اس موقع پر ذیل کی نظم کہی گئی تھی جو طولانی علالت کیوجہ سے وقت پر شائع نہین ہو سکی۔ ان دنون پنجاب سے بھی ایسی ہی بے فصل برسات کی خبرین آئی ہین لہذا اس نظم کی اشاعت بیموقع نہ خیال کیجائیگی۔ ایڈیٹر



برس رہا ہے جو بے فصل اندنون پانی
ہوا ہے خلق کو اک موجب پریشانی

کبھی چمکتی ہے بجلی، کبھی ہے رعد کا شور
گھرا ہے ابر فلک پر، ہوا ہے طوفانی

سحر کو دیکھو تو سیلاب ہر طرف ہے عیان
کہ ٹوٹ ٹوٹ کے برسا ہے رات بھر پانی

ہر ایک سمت ہین لبریز ندیان نالے
سمندرون مین تلاطم ہے اور طغیانی

نہین خریف کی برسات کے یہ دن ہرگز
نہ ہین ربیع کے بادل نہ ابر نیسانی

بہت سے لوگ ہین حیران ایسی بارش سے
شکستہ پا ہے یہین پر تو عقل انسانی

جو اگلے لوگون سے پوچھو تو کہتے ہین جاننا
ہماری یاد مین برسا نہ آجکل پانی

شروع موسم گرما مین دونگڑے کیسے
کہان وہ لوہ، کہان یہ ہوائے طوفانی

یہ دن زمین کے تپنے کے ہین مہینون تک
ابھی کہان ہوئے پیدا بخار بارانی

کہان تداخل فصلین اور کہان برسات
سمجھ مین آتے نہین کچھ یہ رمز پنہانی

کھڑا ہے کھیتون مین غلہ لگے ہین خرمن بھی
یہ بارشین نہین گویا ہین قہر یزدانی

یہی ہے ملک مین وجہ ترقی امراض
اسی سے قحط کی کثرت وبا کی طغیانی

جو یہ عتاب خدا ہو تو کیا امید کرین
کہ دور ہوگی ہماری کبھی پریشانی

نجومیون سے جو پوچھو تو اپنی گاتے ہین
ہے پنڈتون کی ہمارے عجیب ہی بانی

کہ ایکے سال جو ملماس ہے تو لازم ہے
ہون کچھ نہ کچھ نئی باتین بحکم ربانی

ہزار حیف ہمارا وہ علم جوتش تھا
کہ جس سے پہونچا ہے دنیا کو فیض روحانی

یہی ہے باعث کشف عجائبات فلک
یہی دلیل ترقی عقل انسانی

ہوئی ہے جہل سے مٹی خراب کیا اسکی
قدیم رشیون کی محنت پہ پھر گیا پانی

لکھا خلاف ہے جوتش کے ایک صاحب نے
اور اپنے زعم مین کی ہے بہت گل افشانی

نہین ہے جہل سے کمتر مگر یہ منطق بھی
کہ ہین دلائل فرضی، دلیل نادانی

کیا سمجھ کے نہ حضرت نے کوئی استدلال
قبول کرتی جسے کچھ کبھی عقل انسانی

دل و دماغ مین سوشل رفارم کی جو ہو دھن
تو سب سے پہلے ہے مذہب کی اپنے قربانی

اگر یہ علم نہوتا تو آج دنیا میں
یہ دوربینین ہی ہوتین نہ فلسفہ دانی

جنون سے کم نہین ایسے علوم کا ابطال
فلاسفر تھے بھی کی جنکی ہو ثنا خوانی

اگر علوم قدیمہ ہین نامکمل کچھ
ترقی انمین ہے بیشک کمال انسانی

غرض یہ بحث یہان پر فضول سی ہے نظر
کہانتک اہل حماقت کی مرثیہ خوانی

ہمارے ذہن مین بارش ہوا پہ ہے موقوف
چلین جو خاص ہوائین برس گیا پانی

ہوائین دو ہین، وہ دونون ہین مختلف یکسر
بہم ملین تو ہون پیدا سحاب بارانی

رہے بخار، وہ اکثر ہوا مین ہین موجود
بچے کھچے ہوئے قحطون کے یا فراوانی

ہوائین پا کے مناسب وہی نئے بدلی
برس کے کر گئے پیدا عجیب حیرانی

اثر ستارون کا ہوتا ضرور ہے انپر
کہ یہ نظام جہان کا ہے رمز پنہانی

کیا ہے حل اسی مسئلے کو جوتش نے
یہی ہے علم ہمارا قدیم ولاثانی

مگر جہان مین وہ چھائی ہے مادی تہذیب
کہ گم ہین جسکی فضا مین علوم روحانی

تعلقات زمین و فلک ہین وہ نازک
سمجھ مین آ نہین سکتے کبھی بآسانی

ہوا مین ہو جو رطوبت تو روز بارش ہے
جہان مین سرد ممالک کی ہے یہی بانی

وہان بخار کہان ہین جہان نہین تابش
ہوا ہے گرم نہ خورشید کی درخشانی

عوض مین بارش و باران ہمیشہ اک حکمت
مدام انکو سمجھئے فیوض یزدانی

ایڈیٹر

کلامِ صفی

رباعیات

ہشیار اے ساکنانِ میخانۂ عمر ہر گام پہ ہے لغزشِ مستانۂ عمر
رعشہ نہیں اعضا میں نقاہت کے سبب پیری میں چھلک رہا ہے پیمانۂ عمر

—— … ——

طفلی بھی ہوئی آہ جوانی بھی تمام پیری کا بھی ہونا ہے یہی کچھ انجام
مائل سوئے خاک ہے جو قدِ پرُ خم اب ڈھونڈ رہا ہے اپنی راحت کا مقام

—— … ——

کب قد میں بوجہ ناتوانی ہے یہ خم خمیازہ کشِ مئے جوانی ہے یہ خم
پیری میں ہے رخصت کا زمانہ جو قریب آغوشِ وداعِ زندگانی ہے یہ خم

—— … ——

جب زور نے طعنہ ناتوانی کو دیا پیری نے ہر الزام جوانی کو دیا
جھک کر جو کیا قدِ خمیدہ نے سلام طاقت نے جواب زندگانی کو دیا

—— … ——

غم نقدِ حیات لوٹنے ہی کو ہے یہ رشتۂ عمر ٹوٹنے ہی کو ہے
پیری میں کمر جھکی تو کیا دم کا قیام اب تیر کمان سے چھوٹنے ہی کو ہے

—— … ——

ہے توسنِ عمر گزران گرم شتاب طفلی کا زمانہ ہے نہ ہنگام شباب
پیری کا خمِ پشت سے ہے یہ مقصود غافل سمجھ اس عہد کو بھی پا بر کاب

—— … ——

کو سوئے چراغ صبحگاہی نہ لگا دل جُز طرفِ یادِ الٰہی نہ لگا
پیری کو خضاب سے نہ دے رنگِ شباب اے شیخ سفیدی میں سیاہی نہ لگا

—— … ——

روٹھا ہے شباب اسطرح تو ہم سے رکھا نہ تعلق بھی سرِ مو ہم سے
یہ قدّ دوتا یہ جھرّیاں کب ہیں صفیؔ پیری بھی ہے آہ چین بہ ابرو ہم سے

—— … ——

پیری آئی دیا پیامِ رخصت ہے بہر حواس اذنِ عامِ رخصت
یہ قدّ دوتا کا ہے اشارہ غافل کرتی ہے تجھے زیست سلامِ رخصت

—— … ——

بڈھے سے کسی جوان نے پوچھی یہ بات کیا ڈھونڈھتے رہتے ہو جھکے تم دن رات
اسنے یہ کہا ارے "جوانی" بابا جو خاک میں ملگئی ہے ظالم ہیہات

—— … ——

غزل

نہ وہیں تھا نہ یہیں جلوۂ جانانہ جُدا ایک پردے نے کیا کعبہ و بتخانہ جُدا
آشنا راہ میں ہیں صورتِ بیگانہ جُدا اپنے سائے سے بھی ہاں اے دلِ دیوانہ جُدا
سُرخیاں خونِ محبت کی ہر اک نقطے پر ہے سب افسانوں سے کچھ عشق کا افسانہ جُدا
حُسن سرتا بقدم شعلۂ امید گداز ایک عشوہ میں ہوا شمع سے پروانہ جُدا
منزلِ شہرِ خموشان کو جو دیکھا جاکر ایسی بستی ہے کہ جس سے نہیں ویرانہ جُدا
نازِ مستانِ چمن حد سے گزرنا کیسا جادۂ راہ سے ہے سبزۂ بیگانہ جُدا
جتنے بھی خمکدۂ عشق میں ہم مشرب ہیں انکا پیمانہ جُدا ہے مرا پیمانہ جُدا
نہ یہاں کوئی طبیب اور نہ بیمار پرست ہے محبت کے مریضوں کا شفاخانہ جُدا
کششِ حُسنِ رُخِ شمع ہے شیرازۂ عشق ہونے پاتا نہیں پروانے سے پروانہ جُدا
دیتے اُٹھا ہے مجھے کوئی اس انداز سے جام رعشہ ہاتھوں میں جُدا لغزشِ مستانہ جُدا
لذتِ درد کا طالب ہے ابھی اور صفیؔ
روح قالب سے نکرا ے غمِ جانانہ جُدا

—— … ——

مخمس

مسرت کے سامان ہم دیکھتے ہین   بہت دور دُنیا سے غم دیکھتے ہین
یہ کہکر ترقی کو ہم دیکھتے ہین   جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین

جو معنی کو سمجھے نہین عشق و تن کے   نہ بنتے ہین میر کسی انجمن کے
بیابان کے شائق نہ رنگِ چمن کے   دل آشفتگان خال کنج دہن کے
سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

پریشان ہوئے سیکڑون اہل عالم   تری کاوشون سے ہے ہر زم برہم
رکھین دوست کیا حب دنیا تجھے ہم   ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین

غرور جوانی پہ یہ بیقراری   کہ فانی ہے دُنیا کی تزئین ساری
نہ حاصل ہو تجھکو غم و سوگواری   تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہین

جو منظور ہو غیب کا پردہ اُٹھے   تو جا کر صفا باطنون سے سبق لے
زرا دیکھ سینے کو گردن جھکا کے   سراغ تف نالے داغ دل سے
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہین

نہ ثروت کے خواہان نہ حشمت کے طالب   نہ محشر کیسلی ہین دولت کے طالب
کسی سے نہ دُنیا مین اک جان دو قالب   بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہین

محشر لکھنوی

کلام چکبست

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم و گمان نہین   یہ سرور ساغر مے نہین یہ خمار خواب گران نہین
جو ظہور عالم ذات ہے یہ فقط ہجوم صفات ہے   ہے جہان کا اور وجود کیا جو طلسم وہم و گمان نہین
یہ حیات عالم خواب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے   وہی کفر و دین مین خراب ہے جسے علم راز جہان نہین
وہ ہے سب جگہ جو کرو نظر وہ کہین نہین جو یہ پوچھو   مجھے آج تک نہ ہوئی خبر وہ کہان ہے اور کہان نہین
نہ وہ خُم مین بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسن جلوہ فروش ہے   نہ کیسکوارت کا جوش ہے وہ سحر کو شب کا سمان نہین
یہ زمین پہ جسکا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا   اُنھین یون فلک نے مٹا دیا کہ مزار تک کا نشان نہین

ہوئے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت مین   اندھیری رات ہے اور آشیان نہین ملتا

یون نہ انسان کا سرگشتہ مقدر ہو جائے   مین اگر پھول اُٹھا لون تو وہ پتھر ہو جائے

مغرب کے بوستان مین جو رنگ خزان نہین   سُنتے ہین اُس زمین پہ یہ آسمان نہین
کچھ اور ہے وہ شاعر معجز بیان نہین   جسکے سخن سے رنگ طبیعت عیان نہین
اظہار درد غیر سے کرتے ہین بوالہوس   ہم کو دماغ نالہ و آہ و فغان نہین
دوش صبا پہ رہتا ہون مانند مرغ بو   شاخ شجر کو یار مرا آشیان نہین
جادو کسیکے حُسن کا چلتا ہے رات دن   بیکار نقش بندیِ کون و مکان نہین
کیا دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا بدل گئی
واللہ وہ زمین نہین وہ آسمان نہین

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

مشرق گورکھپور "ادیب الٰہ آباد" اُردو علم ادب کے ترقی کا درجہ بہت اونچا ہوا ہے۔ اور وہ ہندو و مسلمان نہایت خوش قسمت ہیں جو ایک متحدہ زبان کی ترقی اور اسکی اصلاح کی کوشش میں اپنا عزیز وقت صرف کر رہے ہیں

. . . .

ہمارے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی جنکو اُردو علم ادب میں خاص دستگاہ اور نظم شاعری میں شہرہ آفاق ہیں اس رسالے کے ایڈیٹر ہیں۔

جب . . . . اہل زبان اڈیٹر ہوں تو رسالے کی ترقی میں بہت بڑی کامیابی کی امید ہوسکتی ہے۔ جنوری فروری کے دو نمبر ہمنے دیکھے ہیں دونوں کی رفتار ایک امید فزا حالت کی خبر دیتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے گو بلند پایہ ابھی نہیں ہے۔ مگر ترتیب اور رنگ روپ۔ اہتمام تصاویر اور کاغذ کے ستھرے پن۔ چھپائی اور کتابت کی خوشنمائی کے اعتبار سے یہ رسالہ بہت کچھ قابل تعریف ہے۔ مضامین پر ہمارا اعتراض نہیں ہے ابتدا میں مضامین کی بلندی اور علمی مضامین کی تلاش ظلم ہے اسکی اصلاح مدتوں میں ہوتی ہے اُردو کی بیمایگی اور کس مپرسی کیحالت دیکھکر یہ گروہ جو کچھ کر رہے ہیں کرامت ہے ادیب کی تصویروں پر رشک آتا ہے۔ بنانیوالے کے ہاتھ چومنا تو آسان ہے افسوس ہے کہ صاحب دول اور صاحب استطاعت رؤسا انکی قدر نہیں کرتے ایسے رسالونکی ہر جگہ ضرورت ہے۔ اسکی قیمت فی پرچہ ۵ اور سالانہ چار روپیہ ہے

حسن یوسف کوڑیوں کے مول ہے بازار میں

دوبارہ خدا نظر بد سے بچائے۔ "ادیب" ماشاءاللہ خوب رنگ بہار دکھا رہا ہے۔ ہم اپنے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کو مبارکباد دیتے ہیں کہ وہ کامیاب ایڈیٹر ہیں۔

اپریل کے نمبر میں حافظ شیراز۔ دُمدار ستارہ۔ فن کتاب نویسی پر بہت اچھے مضمون نکلے۔

مشرقی ادب کی تاثیر۔ ماہیت فلسفہ۔ پر جو لکھا گیا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔ کلام اکبر۔ کلام ابر لعد چکبست کا قطعہ۔ نظر کی غزل۔ دلپر تیر و نشتر لگانیکو۔ "ادائے شرم" پر جو کچھ سُرور نے لکھا ہے وہ خاص اُنکا حصہ ہے۔ ادیب کے دیکھنے والے ہر بار پڑھیں اور داد دیں۔ جدید دور کے شاعروں میں اور جدید شاعری کی دُنیا میں سُرور کا سکّہ چلے گا۔ ہم لوگ نثر میں بھی یہ خوبصورت تصویر نہیں کھینچ سکتے۔ تمام اوصاف شاعرانہ کے ساتھ جناب سُرور نے صحیح تصویر "ادائے شرم" کی کھینچی ہے اسکی تعریف کیا ہوسکتی ہے۔

ہماری داد کی انتہا یہ ہے کہ کم فرصتی میں بھی اسکو دو بار پڑھا۔ "ایک یادگار مشاعرہ" کے عنوان سے جو مضمون ہمارے دوست جناب چکبست نے لکھا ہے اور مشاعرے کی جو صورت کھینچی ہے گو وہ کوئی لاثانی تحریر نہیں۔ مگر اُردو علم ادب کے میگزین میں ایک بینظیر دلچسپ اضافہ ہے۔ ایسے دماغ گرم کرنیوالے اور دلکش مضامین سے علم ادب کی قوت بڑھتی ہے اور جب فلسفیانہ مضامین اور اخلاقی انشا کو دیکھنے کے بعد ایسے پُر لطف اور پاکیزہ مضمون دیکھنے میں آتے ہیں تو روح میں بالیدگی اور دماغوں میں جوش طبیعت میں اُمنگ اور تمام قوی میں جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہم مسٹر چکبست کے انداز بیان کی تعریف اور انکی نظر انتخاب پر صاد کرتے ہیں اگر ایسے چشم دید واقعات لکھنے کا التزام کیا جائے تو اپنی زبان میں ایک کافی سرمایہ ہم موجود پائینگے اور یقیناً ہم کو بہت شگفتگی ہوگی۔

لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گانون مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین - اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تعریف نہین - تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے - اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیون کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈرون پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے -

ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین - انمین اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیون اور سبقون کے علاوہ تمیزداری معاشرت - امور خانہ داری - بچون کی پرورش - مریضون کی تیمارداری - خاوند کی اطاعت - شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتین لکھی گئی ہین - علاوہ برین ان ریڈرون مین سیتاجی - دمینتی - سکنتلا - ساوتری - لیلاوتی - اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چین و جاپان کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور بچون کی سمجھ مین آنیوالی زبان مین درج ہین - کاغذ لکھائی - چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہین جو انڈین پریس کا حصہ ہے - ان ریڈرون مین ۱۱۸ تصاویر بھی ہین جنمین ۳۲ تصاویر پورے صفحون پر علٰحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہین - پورا نصاب حسب ذیل ہے -

(۱) اُردو کا نیا قاعدہ .... قیمت ۹ پائی

(۲) لوار پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) " ۲ / ر

(۳) اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) " ۳ / ر

(۴) لوار مڈل ریڈر (پانچوین اور چھٹی جماعت کا نصاب) " ۸ / ر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

ہر ایک عیالدار کے لئے ضروری کتاب

ہمارے ملک مین ہزارون

عورتین اور بچے ہرسال اناڑی دائیون کے بدولت بیوقت مرجاتے ہین اور خاندان برباد ہوجاتے ہین - ملکی ہمدردی کو مدنظر رکھکر کبراج بابو ابناش چندر بسواس پریسیڈنٹ تھیوصفیکل سوسائٹی نے ایک نادر کتاب موسومہ ہدایت نامہ دائیان ہند مولفہ ڈاکٹر جے - این - مکرجی صاحب - ایل - ایم - ایس - اُردو زبان مین ترجمہ کرکے معرفت سول سرجن صاحب لودھیانہ بخدمت جناب انسپکٹر جنرل شفاخانہ جات پنجاب واسطے اظہار رائے روانہ کی صاحب موصوف نے کتاب مذکورہ خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان پروفیسر میڈیکل کالج لاہور کی خدمت مین بھیجکر رائے طلب کی - ڈاکٹر رحیم خان صاحب نے لکھا کہ کتاب نہایت مفید اور قابل تحسین ہے - بعد ازان یہ کتاب جناب کرنل جی - کاڈون ینگ صاحب بہادر کمشنر جالندھر نے براہ مہربانی واسطے منظوری گورنمنٹ پنجاب ارسال کی تھی گورنمنٹ پنجاب نے کتاب مذکورہ پسند فرماکر ایک جلد خرید فرمائی اس کتاب مین سوالا جواب کے طور پر شروع زمانہ سے بچہ پیدا ہونے تک جس طرح حاملہ زچہ کی احتیاط خبرگیری علاج معالجہ ہونا چاہئے مفصل درج ہے بعد بچون کی پرورش امراض کا علاج پانچ برس کی عمر تک مفصل لکھا ہے ....

... اس کتاب کو ہر شخص پڑھکر اپنی مستورات کو واقف کرسکتا ہے اور جوان جوان عورتین جو تعلیم یافتہ ہین وہ خود ہی فائدہ اُٹھا سکتی ہین اور اپنی اور اپنے پیارے بچون کی جان کو بچا سکتی ہین پبلک کی قدردانی سے چھٹی مرتبہ چھپکر فروخت ہو رہی ہے - باتصویر صفحہ ۲۳۲ کلان - قیمت اُردو ایک روپیہ تین آنہ - ناگری ایک روپیہ پانچ آنہ مع محصول ڈاک ہے - نامی اخبارات نے عمدہ ریویو درج کئے ہین - اگر منگاکر ناپسند ہو تو واپس کرکے قیمت واپس لو اشتہار کے موافق نہ ہو تو کتاب بھی رکھو اور دام بھی لو یہ شرط ہے - ملنے کا پتہ -

منیجر قیصر ہند ایجنسی نمبر ۱۹ لودھیانہ پنجاب

جلد — جون سنہ ۱۹۱۰ع — نمبر ۶

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ چار روپیہ — پنچکوڑی مترا پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا — فی پرچہ چھ آنہ

اطلاع

جنوری نمبر دوبارہ چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ جن حضرات کو ضرورت ہو جلد طلب فرمائیں۔ اب سہ بارہ چھپنا بہت مشکل ہے اور یقیناً مایوسی ہوگی۔

منیجر ادیب

ضرورت

انڈین پریس الٰہ آباد کو چند کاپی نویس اور مصلح سنگ درکار ہیں۔ تنخواہیں معقول دیجائیگی جنکا تصفیہ خط و کتابت سے ہوسکتا ہے۔ درخواست کے ساتھ تحریر کا نمونہ ضرور آنا چاہئے۔

منیجر انڈین پریس الٰہ آباد

(قیمت سالانہ للعہ) # ادیب (فی پرچہ ۶؍)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پرداز اسے وقیع۔ دلچسپ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو کوشش کیگئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہوں خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید اور خوشگوار ثابت ہوں جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی مقررہ ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر بھی دیجاتی ہین جنمین مشہور مصوّرون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویرون کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علٰحدہ ہوتی ہین۔ بہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کیلئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۶؍ وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف خوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالے مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصاویر ساتھ نہ آئینگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکیگی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الٰہ آباد

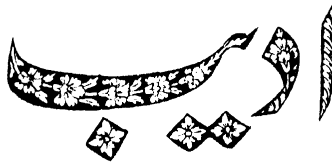


اعلیٰ حضرت شہنشاہ جارج پنجم دام ملکہ

علیا حضرت ملکہ معظمہ میری دام اقبالہا

انڈین پریس الہ آباد

جون سنہ ۱۹۱۰ء



جلد ——— نمبر ۶

تمدّن ہند

(مصنفہ موسیو گستاولی بان - کتاب چہارم - باب دوم)

فصل دہم ہندوؤن کے مذہبی اعتقادات تین یا چار سو سال قبل مسیح -

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہین اُسمین مذہب بُدھ ہندوستان مین پیدا ہو چُکا تھا لیکن اُسنے ابھی قوت نہین پکڑی تھی - مگستھنیز بُدھ درویشون کا ذکر کرتا ہے اور اُنکے اعتقادات سے بھی جو اُسوقت پھیل رہے تھے بحث کرتا ہے اور نیز برہمنون کی مخالفت کا حال لکھتا ہے لیکن بُدھ مذہب اُس زمانہ کے بعد اشوک کی حکومت مین یعنی اڑھائی سو سال قبل مسیح مین ہندوستان کا حکومتی مذہب بنگیا اور تمام ملک مین پھیل گیا جیسا کہ ہم باب سوم مین دیکھینگے - اس مقام پر ہم صرف اُس زمانہ کے برہمنی مذہب سے بحث کرینگے -

قیاساً تو ہندو مذہب ہمیشہ ویدسے مشتق خیال کیا جاتا ہے - یہ کتابین اس درجہ قدیم ہین کہ استدلال انہین سے ہوا کرتا ہے - وید کے دیوتا نام کے رہ گئے ہین لیکن عملاً اصلی مذہب مین بے انتہا تغیر ہو گیا ہے - ایک طرف تو بعض فلسفی مباحث انسان کی آیندہ زندگی اور دُنیا کے انجام کے متعلق مذہب مین شامل ہو گئے ہین اور دوسری طرف یہ امر محسوس ہوتا ہے کہ برہمنون کے مذہبی اصول نہایت سخت ہو گئے ہین - اعمال اور چڑھاوون پر اس درجہ زور دیا گیا ہے کہ گویا انکی تاثیر دیوتاؤن کی قوت سے بھی بڑھ گئی ہے - سب سے زیادہ تو بیرونی اعمال ہین جو اسقدر بے معنی اور خشک اور پیچیدہ ہین کہ انکی مثال دوسرے مذاہب مین نہین مل سکتی - یہ معلوم ہوتا ہے کہ وید کی دُنیا کو کسی سرد کرۂ زمہریر کی ہوا نے ٹھٹھرا کر بے جان کر دیا ہے - وہ وید کے دیوتاؤن کا گروہ اور وہ قوائے فطرتی کا عجیب و غریب سمان جس سے رگ وید

کے سوکت بھرے ہوئے ہین ہمیشہ کے لئے تلف ہوگیا۔ نہ تو آفتاب اپنے فتح کے رتھ پرسوار ہوکر آسمان پر چڑھتا ہے اور نہ شفق اُسکے آنے سے پہلے مشرق کیطرف اپنا تبسم دکھاتی ہے۔ موافق اور سازگار ہواؤن کے جھونکے ابر کی گایون کو آسمان کی چراگاہ پر نہین لے جاتے اور نہ اُنکے پُرآب تھنون مین سے وہ موسلا دھار بارش ہوتی ہے جو ہرشے کو زندہ کردیتی ہے۔ یہ سارے شاعرانہ توہمات ختم ہوگئے اور اُنکے ساتھ ہی مذہب کی دلچسپی اور دلفریبی بھی مرمٹی۔ اس مقام پر ہم برہمنی مذہب کی عبادت اور اعمال اور چڑھاوؤن کے تفصیلات مین نہین جاسکتے۔ اسلئے ہم آگے چلکر اُس باب مین بحث کرینگے جہان ہندوستان کے موجودہ مذہب پر نظر ڈالی گئی ہے۔ یہان ہم صرف اُن فلسفی اعتقادات کی طرف توجہ دلائینگے۔ جو ہندو مذہب مین پھیل گئے ہین اور اسکے لئے ہم منوؔ شاستر سے کام لینگے کیونکہ منو مین برہمنہ اور اپنشد دونون کے خیالات جمع کرلئے گئے ہین۔

رگ وید مین بھی دیوتاؤن کی خصایص کا زیادہ تعین نہین ہے اور اگرچہ انہیں مین سے برہمنی دیوتا شیو اور وشنو پیدا ہوئے ہین لیکن انکے خصایص بھی غیر معین ہیں۔ یہ گویا برہما کے اجزا ہین جو تمام مخلوقات مین سائر و دائر ہین۔ خود برہما کا مرتبہ برہمنی مذہب مین کم ہوگیا ہے۔ ویدمین تو وہ ساری مخلوقات عالم کا خالق اور حاکم ہے لیکن برہمنی مذہب مین اُسکی یہ خالقی حیثیت باقی نہین رہی ہے۔ وہ صرف ہر مخلوق مین سائر ہے اور بُرے اور بھلے کے ساتھ اُسکی کل زندگانی کے دائرہ مین اُنکے دُکھ درد خوشی غم مین شریک اور اُنکے امتحانات اور روحانی ترقی اور تنزل مین اخیر تک ساتھ دینے والا رہ گیا ہے۔ منو لکھتے ہین۔

"روح مطلق یعنی برہما تمام مخلوقات مین سائر ہے خواہ وہ اعلیٰ درجہ کے ہون یا ادنیٰ درجہ کے۔ اس روح مطلق مین سے بے انتہا شکلین اسطرح نکلتی ہین جسطرح آگ سے چنگاریان اور یہ شکلین عالم کی مختلف مخلوقات کو حرکت مین لاتی ہین" (منوشاستر بارھوان باب ۱۴ و ۱۵)۔

جس وقت یہ اعتقاد ہوکہ روح مطلق تمام مخلوقات مین سائر و دائر ہے اور ساری مخلوقات اُس روح مطلق کا ظہور ہے تو پھر لازم آیا کہ انسان ہر ایک ذی روح کا خواہ وہ خطرناک سے خطرناک درندہ یا ضعیف سے ضعیف کیڑا کیون نہ ہو لحاظ رکھے۔

"جو شخص خود اپنے مین اُس روح مطلق کا احساس کرلے جو تمام مخلوقات مین سائر ہے تو پھر اُسکے نزدیک کل مخلوقات کا درجہ مساوی ہوجاتا ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کو پہونچکر برہما مین شامل ہوجاتا ہے۔ (منوشاستر بارھوان باب ۱۲۵)۔

"جو برہمن کسی سانپ وغیرہ کو مار ڈالے اور اُسکا کفارہ دان کے ذریعہ سے نہ دے سکے تو اُسے چاہئے کہ ہر ایک کے بدلے علحدہ پراسچت

لہ۔ مصنف کتاب مین یہ بڑا عیب ہے کہ جن مقامات پر وہ مختلف کتابون سے عبارت نقل کرتے ہین اُنکا حوالہ مطلق نہین دیتے مثلاً رگ وید کے بیس سے زیادہ اقتباسات اور منوشاستر کے دوسو سے زیادہ اقتباسات اور آیلج اور کتابون کے اقتباسات مصنف نے جابجا اپنی کتاب مین درج کئے ہین اگر میرے پاس ایک غیر معمولی ذخیرہ سنسکرت لٹریچر کا ہوتا اور مجھے اُسپر کسیقدر عبور ہوتا توان حوالون کا نکالنا محالات سے تھا۔ اسپر بھی مین نے کم سے کم دو ہفتہ کی محنت مین ان اقتباسات کا پتہ لگایا ہے۔ اسکے ساتھ بھی صد ودے چند کا پتہ اسوقت تک نہین لگا ہے۔ مترجم

کرے تاکہ اُسکا گناہ دُھل جاوے - لیکن ایک ہزار ہڈی والے جانوروں یا ایک چھکڑا بھر کر بے ہڈی کے جانوروں کو مارنے کے لئے اُسپر وہی پرایسچت لازم ہے جو شودر کے قتل کرنے کے لئے" (منو شاستر گیارھواں باب ۱۴۰ و ۱۴۱) -

روح کا مفہوم خدا کے مفہوم سے علحدہ نہیں ہے - ہر ایک ذی روح کی روح - روح مطلق کا ایک جزء ہے - عالم کے کل دیوتاؤں انسانوں اور حیوانات کی ارواح کا مجموعہ روح مطلق ہے - یہی متنوع اور غیر شخصی خدا ہے - جو تمام عالم کی قوتوں زندگیوں اور تغیرات کا منبع ہے

"روح مطلق تمام دیوتاؤں کا مجموعہ ہے اور عالم کا دارومدار روح مطلق پر ہے - روح مطلق ہی تمام عالم کے ذوی الارواح کے افعال اور حرکات کا سبب ہے" (منو شاستر بارھواں باب ۱۱۹) -

برہمن مذہب مین دُنیا کا قادر مطلق کوئی ایسا جوہر نہین جسکو انسان کا متخیلہ پا سکے - یہ صرف ایک غیر مادّی سبب ہے جسکی متفاوست نہین ہو سکتی اور تمام عالم مین سایر و دایر اور عالم کو جلانے والا ہے - ویدکے زمانہ مین جسطرح پوجاری اگنی کو قادر مطلق سمجھتا اور بعض وقت یہ خیال کرتا ہے کہ خود اُسکی رگون مین اگنی دوڑ رہا ہے اسیطرح برہمنی مذہب مین برہما کا درجہ مانا گیا ہے - منو لکھتے ہین -

"انسان کو چاہئے کہ روح مطلق (وجود مطلق) پرورش کو تمام عالم کا بادشاہ اور حاکم مانے وہ چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے بھی چھوٹا ہے اور خالص سونے کی طرح چمکتا ہے - اُسکا ادراک صرف دماغ خواب یا مراقبہ کی حالت مین کر سکتا ہے - بعض اُسے اگنی کے نام سے پکارتے ہین بعض منو اور پرجاپتی کے نام سے بعض اُسے اندر کہتے ہین بعض روح اور بعض ازلی برہما - وہ پانچ شکلون مین تمام عالم کی مخلوقات مین سایر و دایر ہے اور اُنہین پیدایش نمو اور انحطاط کے ذریعہ سے اسطرح حرکت مین رکھتا ہے جیسے گاڑی کا چاک حرکت کرتا ہے" (منو شاستر بارھواں باب ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴) -

غرض یہ ہمہ اوست کا مذہب ہے لیکن آریون کا ہمہ اوست نہین ہے جسمین کل قواے فطرتی بجاے خود خدا تھے مگر کیسے خدا جنمین شان و شوکت رنگ و بو صورت و آواز رحم و غضب موجود تھے - یہی خصایص اُن خداؤن کو اپنے بندون کے لئے آشکار کئے ہوئے تھے - برہمنی مذہب کا ہمہ اوست پوشیدہ ہے - اب بھی وہ عناصر مین موجود ہے لیکن اسطرح جسطرح کوئی قید خانہ مین ہو - اُسکی اصلی عظمت و شان بالکل جاتی رہی ہے - نہ اُسمین جسم ہے نہ صورت نہ ارادہ نہ جان اور جو کوئی مخلوق گناہون سے پاک ہو جاوے وہ اُسکا مماثل سمجھا جاتا ہے - یا اُسمین جذب ہو جاتا ہے - اس اخیر سعادت جاودانی تک پہونچنے کے لئے ہنود کے متخیلہ نے ایک غیر محدود سلسلہ زندگیون کا فرض کیا ہے - انسان کی زندگی غیر محدود ہے - جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اس سے پہلے بہت سی زندگیان بسر کر چکا ہے - جو بڈھا مرتا ہے اُسے ابھی بہت سی زندگیون کا سلسلہ بہت سی صورتون مین طے کرنا باقی ہے -

مسئلہ تناسخ جو کل مذاہب ہند کا (جسمین مذہب بدھ بھی شامل ہے) اصولی مسئلہ ہے انسان کے اعمال پر مبنی ہے - جس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی ایک زندگی مین جس قسم کے اعمال کرتا ہے اُنہین کے مطابق اُسکی آیندہ زندگی معین ہوتی ہے - اس مسئلہ کو منو نے بہت تصریح سے بیان کیا ہے -

اُن اعمال نیک یا بد کے رو سے جو انسان سے سرزد ہوں وہ آیندہ زندگی میں معزز یا ذلیل پیدا ہوگا - اُسکی روح کسی برہمن یا ولی یا دیوتا یا چنڈال میں جنم لیگی یا کسی گائے سور یا سانپ میں - منو لکھتے ہیں -

"اگر انسان کا نفس زیادہ تر نیک کام کرے اور بُرا کام کم کرے تو اُسکو جنت میں اپنے عناصر خمسہ (یعنی جسم) کے ساتھ خوشی ملے گی - لیکن اگر انسان کا نفس زیادہ تر بدی کرے اور بھلائی کم کرے تو وہ اپنے عناصر خمسہ سے علحدہ ہو کر یم یعنی مالک دوزخ کے عذابوں میں مبتلا ہوگا - نفس یم کے عذاب سہنے کے بعد پاک ہو کر پھر اُنہیں پانچ عناصر میں داخل ہو جائیگا یعنی دوبارہ پیدا ہوگا - پس انسان کو چاہئے کہ اس تناسخ کو جسکا دار و مدار نیک و بد اعمال پر ہے اپنی عقل سے معلوم کر کے ہمیشہ نیکی کی طرف متوجہ ہو" (منو شاستر بارھواں باب ۲۰-۲۳)

"جو لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مدت دراز تک سخت عذاب جہنم میں رہنے کے بعد مندرجۂ ذیل صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں - برہمن کا قتل کرنے والا کُتے یا سور یا گدھے یا اونٹ یا گائے یا بکری یا بھیڑ یا ہرن یا چڑیا یا چنڈال یا پلکش کی صورت میں پیدا ہوگا - وہ برہمن جو کسی برہمن کا سونا چرائے ہزار مرتبہ مکڑی - سانپ - چھپکلی - آبی جانوروں اور خطرناک پشاچ کی صورتوں میں سے گزرے گا" (منو شاستر بارھواں باب ۵۵ و ۵۷) -

پس گویا انسان کی عقبے کا دار و مدار مذہب عیسوی کی طرح کسی خاص فعل پر نہیں اور نہ انسان کی اخیر حالت اور توبہ پر بلکہ اُسکے کُل افعال کے مجموعہ پر ہے اور اس مجموعہ میں خفیف سا خفیف فعل بھی اپنی قیمت اور حیثیت رکھتا ہے -

منو لکھتے ہیں -

"وہ افعال جو خیال اور زبان اور جسم سے پیدا ہوتے ہیں اُنکے نتایج یا تو اچھے ہوتے ہیں یا بُرے - انہیں افعال سے انسان کی مختلف حالتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی اعلےٰ متوسط اور ادنیٰ"

(منو شاستر بارھواں باب ۳) -

یہی اعتقادات ہیں جو ہندو کو سخت ریاضت کا پابند کر دیتے ہیں اور خفیف سے خفیف کام کے کرنے اور چھوٹی سی چھوٹی حاجت نکالنے کو بھی اُسکی مرضی پر نہیں چھوڑتے ادنےٰ سی ادنےٰ بے احتیاطی یا غلطی بھی شدید نتایج پیدا کرتی ہے اور ان نتایج سے بچنے کے لئے غلطی کے بعد ہی سخت طہارت اور عبادت کے ذریعہ سے اُسکو رفع کرنیکی ضرورت پڑتی ہے - ان غلطیوں ان گناہ صغیرہ کی نسبت انسان کی راے کچھ کام نہیں آتی نہ اُس سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ گناہ کرتے وقت کسی نے دیکھا یا نہیں دیکھا - گناہ گار خود اپنے فعل کے نتایج کو سمجھتا ہے اور اُسکو مٹانے کے لئے بعض صورتوں میں نہایت سخت کفّارہ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے - منو شاستر کے اُس باب کو جسمیں پرایسچت یعنی کفّاروں کا بیان ہے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جسکا ہم ذکر کر رہے ہیں ہندو کن سخت زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور ویدی زمانہ کی آریا آزادی اور اُس زمانہ کی جکڑ بندی میں کسقدر فرق عظیم تھا - وہ قدیم آزاد اور خوشحال مخلوق مر مٹی تھی اور اُسکی جگہ ایک ایسی مخلوق نے لی تھی جو آنکھ بند کئے ہوئے حیوانات کی طرح بلا آرام اور چین بلا کسی وقفہ کے شدید مصیبت کی بادیہ نوردی میں مبتلا تھی - یہ تھی حالت قدیم برہمنی مذہب کی اور جدید برہمنی مذہب بھی

کم و بیش یہی ہے صرف فرق اسیقدر ہے کہ مذہب بُدھ کی رحدلی اور ہمدردی نے اُسے بہت کچھ نرم اور شیرین کر دیا ہے۔

اس قدیم براہمنی مذہب کی سختیون نے انسان کو اس درجہ جکڑ بند کر دیا تھا کہ وہ دن آنے والا تھا جب اسکی زنجیرین خود بخود ٹوٹ جائین۔

انسانی زندگی کا ہر فعل اسطرح باندھ دیا گیا تھا اور اُسکے نتائج ایسے شدید دکھائے گئے تھے کہ تخیلہ مایوسیون سے بھر گیا تھا اور زندگانی وبال ہو گئی تھی۔ بجز فنا کے کچھ نظر نہین آتا تھا۔ اطالیہ کے مشہور شاعر دانتے نے اپنی کتاب جہنم مین جن عذابون کی تصویر کھینچی ہے اُس سے کچھ اندازہ اُن مظالم کا ہو سکتا ہے جنسے برہمنون نے ہند کے باشندون کو چارون طرف گھیر رکھا تھا۔ یہ عذاب پیدایش کے ساتھ شروع ہوتے تھے اور سالہائے دراز تک بڑھتے ہی جاتے تھے یہان تک کہ انسان اس لایق ہو کہ وہ روح مطلق مین جذب ہو جاے یعنی فنا ہو جاے۔ برہمنون کی مذہبی سختی نے مخلوق کے دل مین نجات کی تمنا اس شدت سے پیدا کر دی تھی کہ آخر کو وہ نجات مل ہی گئی۔ اس زمانہ کے کئی صدیون بعد روما مین بھی اگرچہ بہت ہی مختلف اسباب سے یہی حالت پیدا ہوئی اور مسیح کا ظہور ہوا۔

ہندوستان کے لئے بھی ایک شیرین کلام ہمدرد رحمدل مسیح آنے والا تھا اور اُسکی آواز تمام ایشیا مین گونجنے والی تھی۔ وہ کروڑون مخلوق جو ذات کے عذاب مین صدیون سے پس رہی تھی جسکو مذہبی اعتقادات اور مذہبی قانون کی زنجیرون نے ایک دائمی مصیبت مین جکڑ رکھا تھا دفعتہً جاگ اُٹھی اور اُسے یہ محسوس ہوا کہ مایوسیون کی جلانے والی سموم کی جگہ رحمت و امید کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ یہ نجات کا لانے والا یہ ہند کا مسیح شاکیا منی تھا جو مذہب بُدھ کی خوشخبری کو تمام عالم مین پھیلانیوالا تھا۔

سید علی بلگرامی

شہنشاہِ ہند کا پیغام اہل ہند کے نام

میرے والد کا ناگہانی اور رنجدہ انتقال مجھے اس تخت پر بیٹھنے کو مدعو کرتا ہے۔ جسکا ایک پرانا اور نام آور خاندان کا جانشین ہونے کی حیثیت سے مجھے حق پہونچتا ہے۔ بحیثیت شاہ و شہنشاہ مین اپنے مقبوضات ہند کے والیان ریاست رؤسا اور باشندون کو مبارک و سلامت کہتا ہون۔ اس موقع پر ہندوستان کے مختلف المذہب گروہون اور مختلف النسل قومون نے شاہی تاج اور تاج کے پہننے والون سے جس شخصی محبت و عقیدت کا اظہار نہایت رقت انگیز طریقہ سے کیا ہے۔ مین اُسکے لئے صدق دل سے شکر گزار ہون۔ ملکہ وکٹوریہ نے سلطنت ہند کی عنان حکومت دست مبارک مین لیتے وقت رعایا و خراج گذار والیان ریاست سے خطاب کیا تھا جسکی پچاس سال بعد میرے والد بزرگوار نے اپنے پیغام مین تصدیق فرمائی تھی۔ یہ قیصری حکومت کی خسروانہ نوازش کے چارٹر (عہد و پیمان) ہین۔ اپنی حکومت کے دوران مین مین صدق دل سے اس عہد پر قائم رہونگا۔ شاہ مرحوم کے حسب ارشاد اور انکے نمونہ کی تقلید کرتے ہوے پانچسال پیشتر مین نے اپنی ملکہ بمعیت ملک ہندوستان کی سیاحت کی۔ جسنے تاریخی ریاستون سے ذاتی واقفیت پیدا کی اور اُس تمدن کی یادگارون کو دیکھا جو ہماری تہذیب سے کہین پرانا ہے۔ پرانے رسم و رواج اور طرز معاشرت سے واقفیت حاصل کی حکمرانون۔ رعایا۔ شہرون۔ قصبون اور گاؤن کو دیکھا۔ اس عجیب و غریب سیاحت کے دوران مین جو کچھ دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ یاد سے مٹ نہین سکتا۔ اور نہ وہ کبھی ہمارے یاد سے مدھم ہوگا۔ جو اہم محنت طلب اور اعلیٰ فرائض میرے سامنے ہین۔ انکی تکمیل اور انجام دہی مین مجھے بھروسہ ہے کہ آپ استقلال اور فرض شناسی سے میری مدد کرینگے اور مین یہ بھی توقع رکھتا ہون کہ آپ ہندوستان کی بہبودی سے جو میری حکومت کا اصلی منشا ہے عملی ہمدردی دکھانیکو آمادہ پائے جائینگے"

(از ہندوستان۔ لاہور)

انگریزی حکومت کے برکات

پہلے ہندوستان کو سمجھ لیجئے پھر برٹش برکات کو دیکھئے گا۔ ویدون اور شاستروں کے موافق تو ہندوستان کی قدامت کا کچھ حساب ہی نہیں لیکن موجودہ نسلون کے اعتبار سے بھی اسکی قدامت کو تمام دُنیا کی آبادی پر یہ شرف حاصل ہے کہ انسانون کا سب سے پہلا باپ (آدم) اسیکی سرزمین پر نازل ہوا۔ (جو چرن دیو کے نام سے موسوم تھی اور اب سراندیپ لکھی جاتی ہے)

علامہ آزاد بلگرامی نے ہندوستان کی اشرفیت مین یہانتک غلو کیا ہے کہ وہ تمام دُنیا کے انبیا کو خاک پاک ہندوستان سے منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ حضرت آدم کا نور تمام دُنیا کے انبیا مین منتقل ہوا ہے۔ تا بہ دیگران چہ رسد۔

قریب زمانہ مین "ہندوستان" نام ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو ایک روشن خیال سب جج کی محققانہ تالیف کا پہلا خاکہ ہے۔ اور غالباً اسی الہ آباد سے شائع ہوئی ہے۔ اسوقت میرے سامنے وہ کتاب موجود نہین لیکن وہ نئی کتابون مین ایک ضروری تالیف ہے اور فی الحال پنجاب مین ہندوستان کی صحیح تاریخ لکھنے پر خاص توجہ کیجارہی ہے۔ موجودہ زمانہ کو ایسی تالیفات کی سخت ضرورت ہے[ؔلے]۔

مین اس مضمون مین بہت پُرانے زمانہ کا ذکر کرنا نہین چاہتا جبکہ ہندوستان اپنے خیر و برکات سے تمام دُنیا کا سرتاج بن رہا تھا۔ جو اب ایک افسانہ سمجھا جارہا ہے۔ آریون کی تاریخ مین برہم ورزم کے بڑے بڑے نمونے پائے جاتے ہین۔

بُدھ مذہب والون نے فقیری مین جو کام کئے وہ بادشاہون کو بادشاہی مین نصیب نہین ہوئے۔ بُدھ کے یادگاری نشانات قریب دو ہزار سال گذرنے پر اب بھی اپنے استحکام و صنعت مین عقل فرنگ کو دنگ کر رہے ہین مین نے اپنے دیکھے ہوئے مقامات ایلورا و اجنٹا علداری سرکار نظام کی توضیح مین ایک رسالہ لکھا ہے جسے شاید مین آیندہ ناظرین ادیب کے ملاحظہ مین پیش کرنے کا موقع پاسکون۔

مقامات مذکورہ سے اُس زمانہ کے انجینرنگ پر عقل حیران ہوتی ہے اور توا و را ایلورا متعلق اورنگ آباد کے سلسلۂ عمارات مین ایک نہایت شاندار اور عالیشان کمرہ ہے جسکی دیوارون پر گوبر کا لیس کیا گیا ہے۔ یہ گوبر انڈے کے چھلکے کے برابر و سفید چیزون کے بیچ مین ہے اور جیسے مصر کی لاشین مومیا کی ترکیب سے ہزارون برس گذرنے پر اب تک جون کی تون دیکھی جاتی ہین ویسے ہی یہ نہایت تھُسی چیز (گوبر) اب تک اُسوقت کے ہندوستانی عمل سے اپنی

لے - فی الحال لارڈ منٹو کے عہد مین گزیٹیر کا ایک خاص دفتر قائم کیا گیا ہے۔ جسکا کام تمام ہندوستان کے ایک ایک گاؤن کی گذشتہ اور موجودہ حالت کی تاریخ لکھنے اور جغرافیے کے نشانات ظاہر کرنے کا ہے۔ اس کام مین شاہانہ فیاضی سے کام لیا جاسے گا۔ اسکی جلدین صوبہ وار مرتب ہونگی۔ مجموعی قیمت پانسو روپے کے قریب ہوگی جو اپنے وسیع مطالب کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہین۔ ایسی کتاب کبھی ہندوستان مین مرتب نہین ہوئی اور نہ عام طور سے یہ کام پورا ہوسکتا ہے کیونکہ ایسا کام بادشاہون ہی کے سزاوار ہوسکتا ہے۔ دیسی ہندوستان کی مستند تاریخ لکھنے والون کو اس دفتر سے تعلق پیدا کرنا ضرور ہے یہ مواد کہین سے ملنا ممکن نہین (مشہری)

حالت پر محفوظ ہے۔اسیطرح راجہ اندر کا اکھاڑا جس عظمت اور خوبصورتی سے دکھایا گیا ہے اُسکے ایک ایک پتھر کی نقاشی عقل کو حیران کرتی ہے اور اُسکے خرچ کا اندازہ کرنے کو کروڑون کی تعداد بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے۔ اسکے بعد برہمن۔چھتری اور مرہٹون کی الوالعزمیون سے ہندوستان کی پچھلی تاریخ کے ایک باب مین کئی فصلین پیدا ہو گئی ہین۔جو ہندوستان کے عام انقلاب کا پیش خیمہ تھین۔انہین فصلون نے ہندوستان مین مسلمانون کے آنے کی راہ نکالی۔یا یون کہئے کہ سکندر کی پگ ڈنڈی کو وسیع کر دیا۔

افسوس کہ تاریخ کا یہ ضروری اور فلسفہ تاریخ کو روشنی مین لانے والا حصہ بہت ہی تاریک حالت مین ہے۔کیونکہ ہندوون نے اسوقت کے سچے حالات قومی گناہ سمجھکر لکھے نہین اور مسلمانون نے پولٹکل لحاظ سے اُنپر پردہ ڈالا تا کہ عوام کو دونون کے ساز باز کی صحیح اطلاع نہونے پائے۔

ہندوستان کے سیاحون مین مارکو پولو۔ابن بطوطہ البوریحان بیرونی کے سفرنامون سے دور وسطی کی حالتون کا اندازہ ہوتا ہے۔اور معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چھ سات آٹھ سو برس پہلے تک ایسے ایسے جہان گشت سیاح اس للچائی ہوئی نگاہ سے ہندوستان کو دیکھتے تھے جسکے مقابلہ مین کوئی ملک اُنکی نظرون مین نہ سماتا تھا۔اُنکی تحریرون سے ہندوستان کی عظیم الشان عظمت کا پتہ ملتا ہے۔مارکو پولو کے بعد مسلمانون کی یلغار اور اُنکی رستخیز سے ہندوستان مین ایک نئی ہلچل محسوس ہوتی ہے۔پیادہ۔سوار۔گھوڑے۔ہتھیار۔لباس۔ رنگ۔روپ۔رفتار۔گفتار۔مذہب وغیرہ ہر بات سے ایک خاص غیریت کا احساس و امتیاز ہوتا ہے۔ہندوستان کی باہمی مخالفت اور طوائف الملوکی قدم قدم پر اُنکا استقبال کر رہی ہے۔

مین ہندو مسلمانون کے ذکر مین کوئی بات ایسی چھیڑنا نہین چاہتا جو ایک پر دوسرے کی فوقیت ظاہر کرتی ہو۔ان اس سلسلۂ کلام کے موضوع حقیقی کے متعلق اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کون کون نشانات اُس وقت کے خصوصیات کو ظاہر کرتے ہین۔مین اسکے ثبوت مین ہندوستان کے نہایت مشہور اور مقدس شہزادہ رامچندر کی اُس دیوار کو پیش کرتا ہون جو ہزارون برس سے سمندر کی طوفان خیز موجون کی ہر روز ان گنتی ٹکرین برداشت کرتی ہے۔اور تمام دُنیا کو اپنے عہد قدیم کے انجینیرنگ کا حیرتناک تماشا دکھا رہی ہے۔

اگر میری یاد مین غلطی نہین تو مین نے ۲۰-۲۵ برس پیشتر کسی اخبار مین دیکھا تھا کہ بعض انگلش انجینیر اس دیوار کو توڑکر اسکا مسالہ دوسرے کام مین لانا چاہتے ہین لیکن وہ ایسی مستحکم تعمیر ہے جسکو موجودہ اوزار بغیر بہت بڑے اہتمام کے توڑ نہین سکتے اور نہ اُسکا ایک پتھر دوسرے پتھر سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے خلیفہ ہارون رشید نے قصر کسریٰ کو توڑنا چاہا تھا لیکن اُسکے خرچ کا تخمینہ اتنا زیادہ ہوا کہ اُسکا توڑنا موقوف رہا۔اسی طرح جنوبی دکن کے بعض نشانات کو راجہ رامچندر کی روانگی یا مراجعت لنکا سے منسوب کیا جاتا ہے اور خود اُنکی حالت بہت پرانے زمانہ کا پتا دیتی ہے۔

برہمنون کے یادگاری نشانات مین زیادہ تر مندرون کا سراغ ملتا ہے۔بدھ کے نشانات کا اوپر ذکر کیا گیا۔بدھ کے بعد جن مقامات پر اُنکے یادگاری نشانات ملتے ہین وہان جینیون کی الوالعزمی اور اُنکے عہد کے انجینیرنگ کا بھی نشان پایا جاتا ہے۔

چنانچہ ایلورا[۵۱] اور اجنٹا[۵۲] مین بھی جینیوں کے تعمیر کردہ مندر اُسی صناعی کے ساتھ قریب قریب نظر آتے ہین۔ چھتری سوماوت کی یادگارین زیادہ تر قلعوں کی صورت مین ہین جو انکی بہادری فتاحی کی یاد دلاتی ہین۔ انمین بعض قلعے ایسے ہین جنکے استحکام اور انجینیرنگ کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔

مثلاً ضلع جبلپور مین قلعہ بجاولی کی تعمیر ایسے غیر معمولی اصول پر کی گئی ہے جو اب تک افہام عام سے باہر ہے۔ بیس پچیس برس اُدھر صاحب چیف کمشنر بہادر ناگپور نے اُسکے انکشاف حالات مین بہت بڑی تحقیق سے کام لیا لیکن اُسکے راز سربستہ کا انکشاف نہ ہوا۔ راقم نے خود اُس مقام کو دیکھا ہے۔ اُسکی ہر بات عقل کو حیران کرتی ہے۔ تاریخی تحقیق سے یہ مقام دکن کے ایک راجہ اور اُسکے ہمراہی حکیمون کی لاثانی حکمتون کا نمونہ بیان کیا جاتا ہے معمولی لوگ اُسکو دیوتاؤن کی تعمیر خیال کرتے ہین۔ لیکن کچھ بھی ہو ہندوستان کے یادگاری مقامات کا لاثانی نمونہ ہے۔ اسیطرح ہندوستان کی تاریخ کیلیے اس قسم کے نشانات کثرت سے مل سکتے ہین جنسے ہر زمانہ کا مذاق دریافت کیا جا سکتا ہے۔

انکے بعد مسلمانون کا نمبر آتا ہے۔ اسوقت کے نشانات بھی کثرت سے موجود ہین اور دور آخری کے تاجدارون مین شاہجہان بادشاہ نے اپنی بادشاہ بیگم (ارجمند بانو معروف بہ تاج محل و تاج بی بی) کی یادگار مین روضۂ تاج گنج ایسا بنوایا ہے جو تمام دُنیا کی سات عمارتون مین سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ یہان اتنا اور سمجھ لیجیے کہ ہندو راجاؤن کے عہد سے لیکر مسلمان بادشاہون کے عہد تک مشرقی ادب کا عملدرآمد ہوتا رہا ہے اور آپس کے خیالات مین کیسی ہی بیگانگی ہو اور ایک دوسرے کا مذہب کیسے ہی تعصب سے حملہ پایا جاے لیکن مشرقی ادب نے ہر وقت دونون کا ساتھ دیا ہے۔ مشرقی ادب سے زیادہ کوئی چیز آپس کے تعلقات کو خوشگوار بنانے والی اوراقِ تاریخ مین نہین ملتی۔ مسلمان حکمرانون کے بعد انگلش کمپنی کا تداخل شروع ہوتا ہے جو کمپنی سے بادشاہی اور بادشاہی سے شاہنشاہی کے درجہ تک ترقی کرتا ہوا پایا جاتا ہے اور آج ہندو اور مسلمان دونون اُسکے حلقۂ اطاعت مین دست بستہ سر جھکاے نظر آتے ہین۔

مین اس موقع پر ہندو حکمرانون اور مسلمان بادشاہون کے زمانۂ حکمرانی کی لوٹ مار اور اُسوقت کی خانہ جنگی اور جدال و قتال کی داستان لکھنے کو تیار نہین ہون اور نہ اُسوقت کے ساتھ عہد برٹش کے امن و امان کا موازنہ کرنا چاہتا ہون کیونکہ یہ معاملہ جب فلسفۂ تاریخ کی روشنی مین لایا جاے تو قدرت کیطرف سے دونون کا نتیجہ واحد ظاہر ہوتا ہے۔ پچھلے زمانے مین لوگ لڑائیون مین مرتے تھے اور برٹش عہد کے امن و امان کے وقت مین نیچر نے ہماری بدنصیبی سے میزان کے دونون پلّے برابر رکھنے کیلیے ہیضہ۔ قحط۔ طاعون وغیرہ وغیرہ بلیات کو ہمپر مسلط کر دیا ہے۔

باین ہمہ امن و امان کی برکتین ایسی زبردست ہین جنکے سامنے ہمکو اپنی پچھلی تاریخ بالکل تاریک معلوم ہوتی ہے۔ انگلش تداخل اور برٹش فتوحات کے حالات اجمالاً عہد نامہ جات

۵۱۔ ایلورا۔ یہ مقام اورنگ آباد سے سات کوس عملداری سرکار نظام مین واقع ہے۔

۵۲۔ اجنٹا۔ یہ مقام سرسالار جنگ حیدر آباد کی جاگیر مین ہے۔

ملک سے ظاہر ہو سکتے ہین اور معلوم ہو سکتا ہے کہ برٹش فاتحین نے دو سو برس تک مشرقی ادب سے کتنے بڑے بڑے کام نکالے ہین - مشرقی ادب کی بہت صحیح مثال طب یونانی سے دیجاسکتی ہے جیسے طب یونانی کا اصول مزاج ملکی اور مزاج شخصی کو دیکھنا اور ہر دوا کو ہر مرض سے مخصوص کرنا اور مصلحات اور مضرات کا خیال رکھنا ہے - اور جس دوا سے مریض کو ذرا بھی نقصان پہونچنے کا خیال ہو اُسکو بغیر اصلاح کے کام مین نہین لاتا ویسے ہی مشرقی ادب کا اصول ادیب کو حد ادب سے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا روادار نہین - وہ ہرگز کوئی بات ایسی کہنا نہین چاہتا جسکی مضرتون سے انسانی زندگی پر خراب اثر پڑے - مین اپنی قوم مین علامہ شبلی نعمانی کو اس اصول کا دوسرون سے زیادہ پابند دیکھتا ہون اور ہندو سوسائٹی مین مجھکو رام[1] سے بہتر کوئی شخص یاد نہین پڑتا جسکے اقوال نے (بلا قید مذہب) یہ عام دلنشینی پیدا کی ہو۔

مشرقی ادب کا پہلا سبق یہ ہے۔

(۱) تم جو بات کہو وہ ایسی ہو جس سے خدا کے نافرمان نہ ہو۔
(۲) تمہاری کوئی بات بادشاہ وقت کے خلاف نہ ہو۔
(۳) تم کوئی بات ایسی نہ کہو جس سے خود تمکو نقصان پہونچے۔
(۴) تمہاری کوئی بات تمہارے توابع کے لئے مضرت رسان نہ ہونا چاہیئے۔

اب آپ سمجھ سکتے ہین کہ جس ادب کے پہلے سبق نے آپ کو ایسی مفید باتین سکھائی ہون اُسکی مکمل فلاسفی کیسی زبردست ہوگی - اسی لئے آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے ادب کو ساتھ لیکر جہان چاہین جاسکتے ہین - وہ ہر مقام پر آپ کی حفاظت کرتا رہے گا -

ادب تاجیست از لطف الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

ہندو اصحاب اپنے راجاؤن کے طرز عمل سے اور مسلمان حضرات اپنے بادشاہون کی سیاست مدن سے اس نتیجہ کو دریافت کرسکتے ہین کہ جس راجا یا بادشاہ کے عہد مین ادب کا درجہ بلند رہا اُسکی ہر دلعزیزی ناموری مین ترقی ہوتی رہی اور جس راجا یا بادشاہ کے وقت مین ادب کی مٹی خراب ہوئی اُس راجا یا بادشاہ پر خراب اثر پڑا۔

مغربی ادب غیر محدود آزادی کی تعلیم کرتا ہے لیکن مشرقی ادب محدود خودداری کا سبق پڑھاتا ہے - اگر آپ اپنے ادب سے کام لین تو طوفان خیز دریا مین آپ کی کشتی ڈانوا ڈول ہو ہی نہین سکتی۔

قدا سے دیدہ ورائے کہ از بہار پدشت
زگرد باد شناسد سرو بستانی

آپ نے ابھی قریب زمانہ مین سر جارلس بیلی صاحب بہادر ریذیڈنٹ حیدرآباد کی اسپیچ مین وہ مقام دیکھا ہوگا جہان وہ ہمارے ادب کی تعریف کرتے اور محبوب کالج سکندرآباد کی نسبت ارشاد فرماتے ہین کہ ہمنے اس کالج کے لڑکون کو سڈیشن آمیز کارروائیون مین شامل ہوتے نہین سُنا (یہ حیدرآباد کے پرانے ادب کا نتیجہ ہے) اسکے بعد آپ نے حضور لفٹنٹ گورنر بہادر مشرقی بنگال کی اسپیچ متعلق ڈھاکہ کالج مین پڑھا ہوگا کہ حضور ممدوح نے ہمارے پُرانے اخلاق و ادب کو کیسے صاف لفظون مین سراہا ہے - وہ کہتے ہین کہ مین نے ۳۷ سال ہندوستان مین گذارے ہین اور مین نے کافی غور سے پُرانے اخلاق و ادب کا مطالعہ کیا ہے - مین نہایت سچائی سے کہہ سکتا ہون کہ

[1] سوامی رام تیرتھ جی مرحوم

نئی تعلیم کے لئے ہندوستان کے قدیم اخلاق و ادب کا پابند رہنا بہترین آیڈیل کا نمونہ سمجھا جا سکتا ہے جو اصلاح طبقہ جدید کے لئے سخت ضروری ہے۔

اب مین ہندو مسلمانون کی داستان سے آگے بڑھکر برٹش عہد کے نمایان برکات کا ذکر کرتا ہون۔

(۱) انگلش کی بدولت ہمنے اسٹیمرون کو دیکھا۔ اسٹیمرون نے انگلستان۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ۔ چین۔ جاپان وغیرہ سے ہندوستان کو اتنا قریب کردیا ہے کہ اس سے پہلے یہ بات کبھی حاصل نہ تھی۔ یہ مغربی فرشتے ہمارے ملک کی پیداوار یورپ کو لیجاتے اور وہان سے طرح طرح کی چیزین ہمارے لئے لاتے ہین۔

(۲) ہم پہلے گاڑی۔ چھکڑا۔ رتھ۔ بہل پر سفر کرتے تھے۔ اب انگلش نے ہر حصہ ملک مین ریلوے جال پھیلا دیا ہے پہلے ایسی سواری راجاؤن اور بادشاہون کو بھی نصیب نہ تھی جسپر اب غریب سے غریب آدمی سفر کرتے ہوئے پائے جاتے ہین۔

(۳) ریلوے کے ساتھ تار برقی نے ہمکو تمام دُنیا سے قریب کردیا ہے اور ہماری آنکھون نے یہ وہ حیرتناک ایجاد دیکھی ہے جس سے ہماری عقلین حیران ہین۔

(۴) سررشتہ ڈاک کے انتظام نے ہمکو ایسا شکرگزار کیا ہے جسکو ہم دل سے قبول کرتے ہین۔ اس سے پہلے مشرقی تاریخون مین کوئی زمانہ ایسا نہین ملتا جسمین ایک پیسے کا کارڈ پیشاور سے کلکتہ و ڈھاکہ تک جاکر تیسرے روز ملجاتا ہو۔

(۵) طرح طرح کی مشینون نے ہمارے قلوب کو مجبور کر رکھا ہے کہ ہم انکو دیکھکر برٹش برکات کا اندازہ کرین۔

(۶) مغربی اشیار سے ہندوستان کے تمام بازار بھرے پڑے ہین۔ سوئی بیچک تک برٹش برکات کا نمونہ نظر آتی ہین۔

(۷) برق و مقناطیس کے کرشمون نے مغربی سائنس کو ایک معجز نما حالت مین ظاہر کر رکھا ہے۔ دور مشرق کا پچھلا زمانہ کسی عجیب چیز کو بطور راز کے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن مغربی دُنیا عام طور سے یہ پوشیدہ راز ظاہر کررہی ہے۔

ہمارے دامان آرزو مین ان پُر بہار پھولون کے رکھنے کی سمائی نہین

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسن تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز دامان گلہ دارد

(۸) بگھی۔ فٹن۔ موٹر کار۔ بائیسکل۔ ٹرائیکل۔ فوٹوگراف۔ گراموفون وغیرہ وغیرہ کیسی عجیب چیزین ہین جو اسوقت کے خصوصیات مین سمجھی جاسکتی ہین۔

(۹) انگریزی قوانین کو ہم ایک برکت جانتے ہین جنکے ذریعہ سے ایک غریب آدمی بڑے سے بڑے زبردست کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

(۱۰) قدیم زمانہ کی شاہراہون کے نقوش مٹ گئے۔ صرف مسلمان بادشاہون کے وقت کی بعض سڑکین باقی ہین۔ انہین لاہور سے کلکتہ تک شیر شاہ کی سڑک یادگار ہے۔ مگر عہد انگریزی مین سڑکون کی وہ کثرت ہوئی اور سیاحون مسافرون اور سوداگرون کے لئے وہ انتظام کئے گئے جو اپنی نوعیت مین بےمثل ہین۔

(۱۱) عہد انگریزی مین نہرون کے سلسلہ نے خاص وسعت پیدا کی ہے جس سے کاشتکاری کو بہت کچھ نفع پہونچا ہے۔

(۱۲) انگریزی کارخانون پر نگاہ کیجئے تو وہ اُن

حصّوں کی آبادی کا ذریعہ بن رہے ہین اور ہمکو عملی طور سے ہرکام کی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ پائے جاتے ہین لیکن خود ہم اُنسے مفید سبق حاصل نکرسکین تو اُنکا قصور نہین۔

(۱۳) کلکتہ - لاہور - الہ آباد وغیرہ کی نمایشگاہون مین برٹش عہد کے برکات کا سلسلہ علی الترتیب اپنی عظیم الشان دولت۔ صنعت - حرفت - طاقت کا اظہار کر رہا ہے۔

(۱۴) مغربی علوم کے عجائبات کو ہم نے جس نادیدہ نگاہ سے دیکھا اور اُنکی برکتون سے جس حد تک ہم مستفیض ہوئے اُسکا ہمکو اعتراف ہے۔

(۱۵) پچھلے زمانون مین دیسی مکاتب اور مدارس کا وجود پایا جاتا ہے جسکے قدیم نمونے ابتک جابجا باقی ہین لیکن برٹش عہد مین تعلیم نے جو رواج عام پایا ہے یہ اس دور کے خصوصیات مین ہے۔

(۱۶) انگریزی شفاخانون نے پبلک کی حفظ صحت اور تندرستی مین نمایان حصہ لیا ہے - اور ڈاکٹری کی نئی نئی تحقیقاتون نے ہمکو وہ باتین بتلائین اور ایسی اُستادیان دکھائی ہین جو اعجاز مسیحائی کا نمونہ ظاہر کرتی ہین۔

اسیطرح بہت سی باتین ہین جو عہد انگریزی کی تاریخ مین تھوڑے غور و مطالعہ سے دریافت ہوسکتی ہین۔

پریس کی ترقیات نے علمی دُنیا کو بیحد شکرگزار کیا ہے "عام آزادی" کا حق ہمنے عہد برطانیہ ہی مین حاصل کیا ہے جسپر ہر قوم جائز فخر کرسکتی ہے اور گو وہ تھوڑے زمانہ سے بیم ور جا کی حالت مین ہو لیکن انگلش گورنمنٹ کی فیاض قوم اور اُسکے طبعی میلان سے ہمکو حقوق آزادی کی نسبت کوئی خوفناک مایوسی نہین اور اگر ہم دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار غمّاز و فتنہ پرداز لوگون کو علیحدہ کردین تو تمام ملک اور تمام ریاستین برٹش گورنمنٹ کے عہد کو اپنی بقاء حیات اور امن عام کا ذریعہ یقین کر رہی ہین - یہان اسباب مین فلسفہ عقلی سے پھر غور کریجیے کہ آجکل گورنمنٹ انگریزی ہندو مسلمانون کے تعلقات کو دو نگاہون سے دیکھ رہی ہے اور انگلش نیشن کو ہندؤن کے متعلق خاص قسم کا خلجان پیدا ہو رہا ہے - یہ کیون ہے اور اسکا سبب کیا ہے - اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ہندو لیڈرون نے اپنے مشرقی ادب کو بھولکر مغربی لٹریچر سے کام لیا اور مسلمان لیڈرون نے اپنے مشرقی ادب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا - ہندو بزرگوار انگریزوں کے ساتھ مساوات کی دُھن مین پڑگئے اور مسلمان فاتح اور مفتوح کے تفاوت کو سمجھے رہے۔

مشرقی ادب کا ساتھ کب سے چھوٹا جب سے نیشنل کانگرس قائم ہوئی نیشنل کانگرس کے دعاوی کیسے ہی سچے اور قابل قدر ہون لیکن اُس آواز نے حدّ ادب سے آگے بڑھکر ایک ایسے غل و شور کا کام کیا جسکو فاتح قوم کی نازک دماغیان برداشت نہین کرسکتین۔

اے عندلیب نالان دم در گلو گرہ کُن
نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد

مسلمانون نے باتین تو اُسی قسم کی کہین لیکن بادشاہ پسند لہجہ مین دھیمے سرون سے آواز نکالی - جو خوش گلو گوتے کے مناسب وقت راگ کیطرح سب کو اچھی معلوم ہوئی۔

پس ہندو لیڈر جب اپنے بھولے ہوئے ادب کو یاد کرینگے - اُنکی کامیابی اُنکے دروازون پر دست بستہ حاضر ہے۔ ہر قوم اپنا فلسفہ اپنے مفید مطلب ٹھیک کرتی ہے ہم چاہین

کہ انگلستان کے شاگرد ہوکر اُسکے فلسفہ سے اُسکو مات دے سکیں یہ فلسفۂ عقلی کے خلاف ہے۔

مین نے اوپر گورنمنٹ انگریزی کے چند نمایان برکات کا ذکر کیا ہے۔ اُسکا مقصد یہ نہین کہ صرف گورنمنٹ کی شکر گزاری کا اظہار کیا جاے۔ اُسکی نمایشین تو بات بات سے ظاہر ہو رہی ہین بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان اُسکی تمام برکتون سے جایز حصہ پانے والا ہو - اور ہندو مسلمان دونوں جیسے اپنا اپنا ٹکٹ لیکر ایک ریل اور ٹرموے پر سوار ہوتے ہین ویسے ہی اپنی ضرورتون اور مصلحتون کے لئے ایک پلیٹ فارم پر نظر آئین اور اپنے مشرقی اخلاق و ادب کو جو ابتک عام خاندانون مین باقی ہے بھولے ہوئے سبق کیطرح پھر یاد کرلین۔ اشہری

مین وہی آپ وہی شوق وہی دل ہے وہی
آپ چاہین تو ابھی گرمیٔ محفل ہے وہی

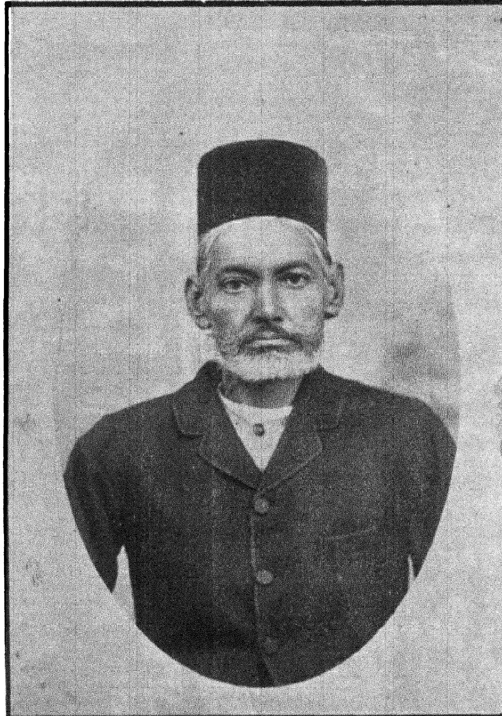
آپ دیکھین تو کہ آپ کے مشرقی ادب نے آٹھ سو[عہ] برس تک ہندو اور مسلمانون کے تعلقات کو باوصف ایک روحانی مغایرت کے کیسی عمدہ حالت سے قائم رکھا جب آپ ہندوستان کے والیان ملک اور امیرون یا دوسرے اہل کمال و ارباب سوال کے طرز ادب اور مسلمانون بادشاہون اور وزیرون کے طرز مقال اور انداز کلام سے نتیجہ پیدا کرنا چاہینگے تو ہر تحریر اور ہر فرمان سے آپ کو ایک خاص رہنمائی محسوس ہوگی۔ اسکے بعد دو سو برس تک انگلش فاتحین نے جس دانشمندی سے مشرقی ادب کو اپنے ساتھ رکھا اُسکے نتایج علانیہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہے ہین۔ زان بعد جب سے مغربی لٹریچر کے شاہنشاہی جبروت نے مشرقی ادب کو اپنی شہزور طاقت سے دبانا چاہا ہے تب سے طرفین کے طبایع مین ایک نئی امنگ کی بنیاد قائم ہوئی جو ہمارے حسب حال نہین۔

پس ہماری فلاسفی کا تمام راز ہمارے مشرقی ادب مین پوشیدہ ہے - اور ادب کی فلاسفی سے آگاہ کرنا ادیب کا اعلیٰ مقصد ہے۔

اشہری

مندرجۂ بالا مضمون جسکے بعض حصون سے ہمین اتفاق نہین - مولانا اشہری کی آخری یادگار ہے - مشکل سے اس مضمون کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہوگا کہ اُنکے انتقال کی خبر آگئی - مرحوم ابتداے شباب سے آخر دم تک علم ادب کی خدمت کرتے رہے اور اُنکے معجز نگار قلم نے اُردو نظم و نثر مین جو معتدبہ اضافہ کیا ہے اُسکی تصریح اس مختصر نوٹ مین ناممکن ہے - اُردو کے بلند پایہ اہل قلم مین جناب اشہری کا نام نامی تادیر یادگار رہیگا - اُنکے انتقال سے بزم اُردو کی ایک نورانی شمع گُل ہوگئی اور دُنیاے ادب سنسان نظر آتی ہے - زیادہ افسوس ادیب کی قسمت پر ہے جسکے جاری ہونے پر سب سے بڑی اور سچی داد مرحوم ہی کے قلم نے آگرہ اخبار کے صفحات مین دی تھی - اور باوجود پیرانہ سالی و انتشار طبیعت ادیب کی ضرورتون کو محسوس کرکے خاص مضامین لکھنا شروع کئے تھے جن مین ایک اس نمبر مین درج ہے اور دوسرا جو اس سے پیشتر وصول ہوا تھا اور زیادہ جامع اور بسیط ہے آیندہ نمبرون مین باقساط پیش کیا جائیگا - اس نمبر مین ہم ممدوح کی تصویر شائع کرنے پر اکتفا کرتے ہین - اُمید ہے کہ آیندہ نمبر مین اُنکی علمی زندگی کی زیادہ تفصیل ہو سکے - اہل قلم سے استدعا ہے کہ مرحوم کے شاعرانہ ماتم مین حصہ لین اور دعاے مغفرت سے دریغ نفرمائین -

عہ غالباً آخری تین سو سال سے زائد نہیں -



مولانا امجد علی صاحب اشہری مرحوم

ولادت ۱۲۶۲ھ وفات ۱۳۲۶ھ

انڈین پریس الہ آباد

از یادرفتہ سلطنت

بیجانگر

پہلا باب

مقدمہ

ہندوستان مین مسلمانون کا آنا - مسلمانون کی آمد کے زمانہ مین دکن کی ہندو سلطنتین - دیوگڈھ کا راج - ورنگل کا راج - اوڑیسہ کا راج - چالوکیا کا راج - کرالا کا راج - ز یمورن کرناٹک کا راج - دکن پر مسلمانون کا قبضہ - علاءالدین کا حملہ - دیوگڈھ پر حملہ - ملک کافور کے فتوحات - ورنگل پر حملہ - کرناٹک کی فتح - غیاث الدین تغلق کی بادشاہت - ورنگل دیوگڈھ کی مکرر فتح - محمد تغلق کا بادشاہ ہونا - دولت آباد کی آبادی -

خلافت بغداد کو جب انحطاط شروع ہوا تو دور دراز کے صوبہ جات مین بغاوتین پھیل گئین - جسکی وجہ سے بہت سی نئی سلطنتون کا ظہور ہوگیا - ۲۶۱ھ ۸۷۴ء مین وسط ایشیا مین سلطنت سامانیہ کی بنیاد پڑی اسکے دوسرے تاجدار اسمٰعیل سامانی کے ایک غلام الپتگین نے ۳۵۲ھ ۹۶۳ء مین بغاوت کرکے افغانستان مین اپنی حکومت قائم کرلی - اور غزنین کو مستقر حکومت قرار دیا - الپتگین کے مرنے پر ۳۶۵ھ ۹۷۵ء مین اُسکا غلام سبکتگین بادشاہ ہوا - اس نے ہندوستان پر دو مرتبہ فوج کشی کی جس سے دریائے سندھ تک کا ملک اسلامی تصرف مین آگیا - اسکے بعد سلطان محمود کو بادشاہت ملی - محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور تمام پنجاب کو اپنے قبضہ مین کرلیا -

محمود کے بعد پنجاب اُسکی اولاد کے قبضہ مین رہا - ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء مین غوریون نے غزنین پر قبضہ کرلیا جس سے پنجاب بھی اُنکی حکومت کا ایک صوبہ ہوگیا - سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۲ھ ۱۱۷۶ء سے لیکر ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء تک ہندوستان پر کئی حملے کئے اور راجہ پرتھی راج کو تھانیسر کے میدان مین شکست دیکر دہلی اور اجمیر کا مالک ہوگیا - اسکے بعد ۵۹۱ھ ۱۱۹۴ء مین ایک اور حملہ کیا جسمین قنوج اور بنارس فتح کرکے بہار تک قبضہ کرلیا - سلطان غوری کے مرنے کے بعد ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء مین اُسکا ترکی غلام قطب الدین ایبک جانشین قرار پایا - اسنے پہلے پہل گجرات پر فوج کشی کی پھر بنگالہ کے دارالسلطنت لکھنوتی کو فتح کیا - الغرض شمالی ہندوستان کا قریب قریب تمام ملک سندھ کے دریا سے گنگا کے دہانے تک مفتوح ہوچکا یا بہت جلد مفتوح ہونے کے قریب ہوگیا - ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء مین قطب الدین کا انتقال ہوگیا جسکے بعد اُسکے خاندان مین نو بادشاہ ہوئے اور انمین اسّی برس حکومت رہی - ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء مین غلامون کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت خاندان خلجی مین منتقل ہوگئی - جلال الدین خلجی ستر برس کی عمر مین دہلی کے تاج و تخت کا مالک قرار پایا - بوڑھا بادشاہ نہایت رحمدل تھا جسکے سبب سے مہمات سلطنت بہت کم انجام پاتے تھے - تاہم اُسکے لڑکے ارقلی خان اور بھتیجے علاءالدین اور الماس بیگ سلطنت کو سنبھالنے اور اُسکی وسعت بڑھانے مین ہمیشہ کوشان رہا کرتے تھے -

علاء الدین خلجی نہایت دانشمند ذی حوصلہ عالی ہمت شخص تھا جسکی وجہ سے جلال الدین کی بیوی ملکہ جہان کو اس امر کا اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا بادشاہ کے مرنے پر یہ تخت کا مالک ہو جاے اور میرا لڑکا ارقلی خان سلطنت سے محروم رہے - اس لئے اُسنے بادشاہ سے علاء الدین کے شکایات بیان کرنے شروع کئے - علاء الدین کو جب ان باتون کی اطلاع ہوئی تو چندھیری اور بوندیلکھنڈ کی بغاوت کے فرو کرنے کا حیلہ کرکے دارالحکومت سے چلا گیا - اور وہان اس عمدگی سے انتظام کیا کہ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے ملک اودھ کی حکومت عطا کر دی - علاء الدین یہان کچھ دنون رہنے کے بعد دکن کے حملہ کی تیاریون مین مصروف ہوا -

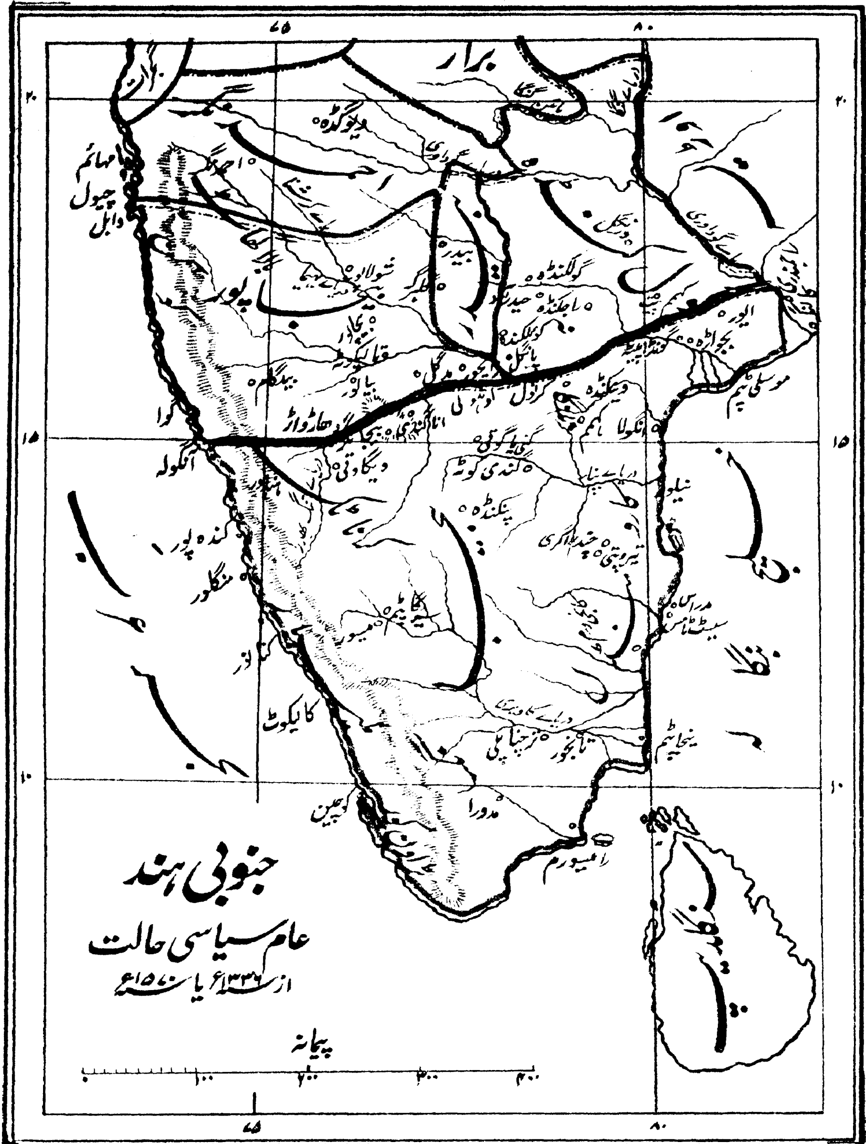
مسلمانون کے آنے سے پہلے دکن مین ہندون کی بہت سی سلطنتین قائم تھین ۳۰۰ء مین مہاراشٹر مین ایک راجہ شالباہن نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی - جو نوین صدی مین جادو بنس راجپوتون کے خاندان مین منتقل ہوگئی اور ان راجاؤن نے دیوگڈھ کو جو اب دولت آباد کہلاتا ہے اپنا مستقر حکومت قرار دیا - یہ سلطنت مسلمانون کے حملہ تک قائم رہی -

تلنگانہ مین بکرماجیت سے مدتون پہلے مگدھ دیش کے اندر بنسی والون نے آکر حکومت قائم کی تھی ۵۱۵ء کے قریب یہ حکومت یوآن خاندان مین چلی گئی جسمین ۳۴۲ھ ۹۵۳ء تک نو راجہ برسر حکومت ہوئے - اسکے بعد گھن پتی خاندان کا آغاز ہوا - اسکو تیرھوین صدی مسیحی کے آخر مین خوب عروج ہوگیا تھا - اسوقت تلنگانہ کے علاوہ گوداوری کا تمام جنوبی ملک اسکے قبضہ مین تھا - ۷۲۳ھ ۱۳۲۳ء مین اسلامی حملون سے اسکی قوت کم ہوگئی - قطب شاہیون کے عہد مین یہ راج گولکنڈہ کی حکومت مین داخل ہوگیا - ورنگل انکا دارالحکومت تھا -

بکرماجیت کے زمانہ مین یوآن خاندان والون نے اوڈیسہ پر قبضہ کرلیا - جنکی اولاد مدت ہاے دراز تک حکومت کرتی رہی - ۳۷۴ء مین کیسری خاندان والون نے ملک فتح کرلیا - اور ساڑھے چھ سو برس کے عرصے مین اس خاندان کے چھتیس ۳۶ راجا برسر حکومت ہوئے - پھر یہ سلطنت گنگاوسا خاندان مین منتقل ہوگئی اور مسلمانون کے حملہ تک انہین کا قبضہ رہا -

کرناٹک اور مہاراشٹر کے حدود پر چلوکیا قوم کی سلطنت تھی - یہ لوگ ۲۵۰ء کے قریب اودھ سے آکر یہان آباد ہوئے تھے - چوتھی یا پانچوین صدی مسیحی مین ان کو خوب عروج ہوگیا تھا - اس زمانہ مین انکی مملکت نربدا سے چولا کے راج تک پھیلی ہوئی تھی ۵۷۸ھ ۱۱۸۲ء مین یہ راج کالابھوریا بنس خاندان کے ہاتھون مین چلا گیا - پھر یہ خاندان بھی بہت جلد نیست و نابود ہوگیا -

پہلی صدی مسیحی کے آغاز مین کرالا مین برہمنون نے ایک راج کی بنیاد ڈالی جو پنچایتی حکومت کی حیثیت سے مدتون قائم رہی - پھر اس ملک کے شمالاً جنوباً دو حصے ہوگئے - جنوبی حصہ یعنی ملیبار مین طوائف الملوکی قائم ہوگئی جنمین سب سے بڑی ریاست سامری کی تھی جسے انگریزی تاریخون مین زیمورن Zamorins لکھا ہے ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء مین سلطنت پرتگال کیطرف سے واسکوڈیگاما Vasco de gama کالی کٹ مین آیا تو تمام ملیبار پر اسی خاندان کے ایک راجا کا قبضہ تھا - یہ لوگ سولھوین صدی مسیحی کے شروع تک وہان حکومت کرتے رہے پھر ٹیپو سلطان نے اسکو فتح کرکے



مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد

اپنی حکومت مین شامل کرلیا۔

شمالی ملک یعنی کرناٹک جسے کنارہ بھی بولتے ہین چولا اور پانڈی راجاؤن نے تقسیم کرلیا تھا۔ دُور دور کے بعض قطعات پر سرکش زمینداروں نے چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کرلی تھین سنہ ۴۹۴ھ / ۱۱۰۰ء مین بلال بنس خاندان کے راجپوتون نے طوائف الملوکی مٹاکر کرناٹک اور ملیبار کے تمام علاقون پر اپنا غلبہ حاصل کرلیا۔ اور دوارسمندر کو جو مغربی میسور مین واقع تھا دارالریاست بنایا۔ ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء مین مسلمانون کے ہاتھون اس خاندان کی تباہی ہوئی۔

دکن کے انتہائے جنوب مین جناب مسیح سے تقریباً پانسو برس پہلے پانڈی نامی ایک شخص نے اجودھیا سے آکر ایک بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ سنہ ۲۸۶ھ / ۹۰۰ء مین اس راج کو کمال عروج ہوگیا تھا۔ راجا کن راج جو پانڈیون کا آخری راجا ہے گیارھوین صدی مسیحی تک زندہ رہا۔ مدورا بستی انکی راجدھانی تھی۔

حضرت مسیح سے تقریباً تین سو برس پہلے پانڈیون کی سلطنت کے بہت سے حصے پر تمن نال نے قبضہ کرکے چولا خاندان کی بنا ڈالی۔ یہ دونون خاندان آپس مین ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور ان مین ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ کانجی ورم انکا دارالحکومت تھا۔ آٹھوین صدی مسیحی مین کنارا اور تلنگانہ کے ملک پر گوداوری تک قبضہ کرلیا اور تانجور کو اپنا مستقر قرار دیا۔ اسکے بعد انحطاط شروع ہوا۔ سترھوین صدی مسیحی کے آخر مین یہ لوگ راجگان بیجانگر کے باجگذار ہوگئے جسکی تھوڑی مدت بعد سیواجی کے بھائی نے جو عادل شاہی فوج کا افسر تھا۔ بادشاہ کے ایما سے بغرض امداد وہان جاکر ملک پر قبضہ کرلیا۔ اسطرح یہ سلطنت تباہ ہوئی۔

علاء الدین سنہ ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء مین آٹھ ہزار سوار لیکر کڑہ سے نکلا۔ دور دراز مسافت طے کرتے ہوئے دو مہینے مین ایلچ پور پہونچا اور دو روز یہان مقیم رہکر رات کیوقت دیوگڈھ کی راہ لی۔ اُس زمانہ مین رام دیو جادو دیوگڈھ کا راجا تھا۔ راجہ کو جب علاء الدین کے آنے کی خبر پہونچی تو اُسنے بھی مقابلہ کی تیاریان شروع کین۔ دو تین ہزار سپاہی لیکر دو کوس کے فاصلہ پر آموجود ہوا۔ غرض دونون فوجون مین خوب لڑائی ہوئی راجا شکست کھاکر قلعہ مین چلا گیا۔ اسلامی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور یہ مشہور کردیا کہ بیس ہزار فوج پیچھے آرہی ہے۔ رام دیو نے پریشان ہوکر صلح کے پیغام شروع کئے۔ پندرھوین دن علاء الدین نے بھی دور اندیشی سے اسے منظور کرلیا۔ اور واپسی کی تیاریان ہونے لگین۔ عین وقت پر رام دیو کا بیٹا سنگل دیو جو کسی تیرتھہ کو گیا ہوا تھا۔ واپس آگیا۔ علاء الدین نے ایک ہزار آدمی نصرت خان کے ساتھ قلعہ کے محاصرہ پر چھوڑے اور بقیہ فوج لیکر سنگل دیو کے مقابلہ کو نکلا۔ تین کوس کے فاصلہ پر دونون مین خوب گھمسان لڑائی ہوئی۔ قریب تھا کہ مسلمانون کو شکست ہوجائے مگر نصرت خان نے محاصرہ کو چھوڑکر مدد کو آگیا۔ جس سے ہندوؤن کے لشکر مین ہلچل پڑگئی اور علاء الدین نے اُنھین تہ و بالا کردیا جب وہ لوگ بھاگ گئے تو پھر آکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور خوب سختی شروع کی۔ جسکی وجہ سے رام دیو کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے۔ راجانے ایلچ پور اور اُسکے گرد و نواح کے پرگنات اور

بہت کچھ مال و دولت دیکر علاءالدین سے صلح کرلی۔ اور وہ پچیس روز کے بعد محاصرہ اٹھاکر کڑہ کو چلا گیا۔ ۱۷۔ رمضان ۶۹۵ھ کو جلال الدین خلجی کے مارے جانے پر علاءالدین کو ہندوستان کی بادشاہت ملی۔ علاءالدین کے بادشاہ ہونے پر ملک مین ہرطرف بغاوتین پھیل گیئن اور مغلون کی یورشین بھی ہونے لگین۔ بادشاہ تقریباً گیارہ سال اس فتنہ و فساد کے فروکرنے مین مصروف رہا۔ رام دیو اس موقع کو غنیمت سمجھکر اداے خراج مین تساہل کرنے لگا۔ بادشاہ نے جب خانگی بدنظمیون سے فرصت پائی تو ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء مین اپنے ایک ترکی غلام ملک کافور کو فوج کثیر دیکر دکن کی جانب روانہ کیا تاکہ رام دیو کو تنبیہ و تادیب کرکے پیشکش وصول کرے۔

ملک کافور گجرات اور خاندیش سے گذرتا ہوا ایکلانا آیا اور وہان سے مہاراشٹر مین آکر دیوگڈھ کے علاقہ مین خوب لوٹ مار مچادی۔ رام دیو نے لڑنا نامناسب سمجھا اور اپنے اہل و عیال کو لیکر ملک کافور کی خدمت مین چلا آیا۔ ملک کافور راجا کو دلی لے گیا۔ علاءالدین نے اسکے بادشاہون کے مانند خاطر تواضع کی مخلوق مین علاءالدین اور رام دیو کی عظمت مین کوئی فرق باقی نرہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اسکی قدیم سلطنت عطا کردی اور قصبہ نوساری اور ایک لاکھ تنکہ نقد اپنی طرف سے دیکر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کردیا اور وہ تمام عمر مطیع و فرمانبردار رہا۔

ملک کافور نے جب دیوگڈھ سے فراغت پائی تو بادشاہ کے حکم سے ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء مین ورنگل کیطرف روانہ ہوا۔ پہلے پہل اندور مین آیا۔ وہان سے سار بار کے قلعہ پر جو ورنگل کے راج مین تھا حملہ آور ہوا۔ قلعہ کا فتح ہونا تھا کہ تمام ملک مین ہل چل پڑگئی اطراف و اکناف کے باج گذار راجہ خوف وہراس سے راجہ ورنگل کے پاس قلعہ مین پناہ گیر ہوئے۔ مسلمان لڑتے بھڑتے ورنگل کی فصیل تک پہونچ گئے۔ ورنگل کا راجہ لدر دیو جسنے تلنگی کتابون مین پرتاب رودر لکھا ہے اس حالت کو دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور اُسنے جنگ و جدل نامناسب جانکر تین ہزار ہاتھی سات ہزار گھوڑے اور اسکے علاوہ بہت سا مال و اسباب دیکر خراج گذاری کے وعدہ پر صلح کرلی۔ ملک کافور نے ۱۶۔ شوال ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء کو ورنگل سے محاصرہ اٹھالیا اور ایک ہزار اونٹ پر اسباب پیشکش لدوا کر دلی کی جانب روانہ ہوا۔

بادشاہ نے ۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء مین ملک کافور کو کرناٹک فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ ایک مہینے کے بعد سرحد پر پہونچے وہان سے مار دھاڑ کرتے ہوئے دارالسلطنت دوار سمندر تک چلے گئے۔ یہ شہر سرنگا پٹم کے پاس ایک بڑے تالاب کے کنارے واقع تھا۔ مسلمانون نے اسکو فتح کرلیا۔ اور یہان کا راجا بلال دیو اسیر ہوا جس سے یہ سلطنت نیست و نابود ہوگئی۔ اسکے بعد مسلمانون نے قدم اور آگے بڑھائے اور کاس دیوراج کی سلطنت پر لشکر کشی کی۔ یہ بڑا دانشمند راجہ تھا اور اسکے خزانہ مین بارہ کرور اشرفی اور بیشمار موتی۔ لعل یاقوت جمع تھے اور اسکا راج نہ صرف ملیبار مین تھا بلکہ مدورا۔ ترچناپلی۔ تانجور وغیرہ بھی اسمین داخل تھے اور دارالسلطنت اسکا مدورا تھا۔ جب یہ راجا مرگیا تو اسکے دو بیٹے سندر پانڈیا اور بیر پانڈیا سلطنت کے دعوےدار ہوئے۔ چھوٹے بھائی سندر پانڈیا نے غلبہ حاصل کرکے اپنے بڑے بھائی کو ملک سے نکال دیا۔ وہ تباہ حال ہوکر ملک کافور کی خدمت مین

آیا۔ مسلمانون نے اُسکی تائید کی اور جنگ وجدل کرتے مدورا
تک پہونچ گئے اور ۱۷ ذیقعدہ ۷۱۰ھ ۱۳۱۱ء کو شہر فتح کر لیا۔ اور
سیت بند رامیشور مین ایک مسجد بنائی اور اُس مین سلطان
علاء الدین کے نام کا خطبہ پڑھا۔ راجانے پانسو بارہ ہاتھی
پانچ ہزار گھوڑے پانسو من جواہرات دیکر ملک کافور سے
صلح کر لی اور وہ تمام مال واسباب لیکر بافتح وظفر دہلی پہونچا۔
رام دیو کے مرنے پر جب اُسکا بیٹا سنکل دیو دیوگڈھ
مین تخت نشین ہوا تو بادشاہ کی اطاعت سے انحراف کرکے
سرکشی اختیار کر لی۔ قریب قریب اسی زمانہ مین کرناٹک مین
بھی کچھ فساد برپا ہوگیا۔ اسلئے ملک کافور نے ۷۱۳ھ ۱۳۱۳ء مین
پھران ممالک پر چڑھائی کی اور سنکل دیو کو گرفتار کرکے قتل
کر ڈالا۔ گلبرگہ۔ رائچور۔ مدگل وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ جن
راجاؤن نے اطاعت قبول کی وہ حکومت پر بحال رہے
اور سرکش معزول کر دئے گئے۔ دیوگڈھ دکن کا اسلامی
مستقر قرار پایا اور یہان ایک امیر مامور کیا گیا تاکہ وہ تمام
صوبہ جات کی نگہداشت کیا کرے۔ اسوقت علاء الدین
کی حکومت کوہستان ہمالیہ سے لیکر سنگلدیپ تک اور بنگالہ
سے ہرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۶۔ شوال ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء کو علاء الدین
فوت ہوگیا اور اُسکا بڑا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ خلجی مالک
تاج وتخت قرار پایا۔

مبارک شاہ کے زمانہ مین رام دیو کے داماد ہرپال دیو
نے اپنے علاقہ مین بغاوت برپا کردی اور گرد ونواح کے
راجاؤن کو بھی اپنا شریک وسہیم کر لیا اور ایک کثیر فوج لیکر
دیوگڈھ پر پے بہ پے کئی حملے کئے اسلئے ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء مین بادشاہ
خود اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آیا۔ باغی لوگ منتشر
ہوگئے۔ ہرپال دیو گرفتار ہونے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اور
اسطرح اس بغاوت کا خاتمہ ہوا۔ ان دنون چونکہ برسات
کا موسم شروع ہوگیا تھا اسلئے بادشاہ دیوگڈھ ہی مین مقیم ہوگیا۔
اور جنوبی ملک کی بغاوتون کے انسداد کے لئے خسرو خان
کو بھیجا۔ خسرو خان جب وہان پہونچا تو سرکش گروہ مقابلہ کی
تاب نہ لاکر بھاگ گئے۔ پھر تلنگانہ کیطرف رجوع ہوا اور یہان
کے راجا سے سو ہاتھی اور بہت سا مال متاع لیکر پھر ملیبار کو
واپس چلا گیا۔ وہان ایک سال قیام پذیر رہا۔ جب کافی
امن وامان قائم ہوگیا تو دلی واپس چلا آیا۔ خسرو خان کے
ایما سے بعض امیرون نے مبارک شاہ کو قتل کر دیا۔ جسکے
بعد خسرو خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی اور امرا
اعیان سلطنت کو بڑے بڑے عہدے دیکر راضی کر لیا۔ جب
اسکی اطلاع پنجاب کے حاکم غیاث الدین تغلق کو ہوئی۔
تو انتقام کی غرض سے فوج کثیر لیکر خسرو خان پر چڑھ آیا۔
۲۳۔ رجب ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو خسرو خان شکست کھاکر گرفتار ہوگیا
تو غیاث الدین نے اُسے اُسی جگہہ قتل کرا دیا جہان اُسنے
مبارک شاہ کو مارا تھا۔ چونکہ علاء الدین کے خاندان مین کوئی
حکمرانی کے قابل نہ تھا۔ اسلئے ارکان سلطنت نے غرہ شعبان
۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو غیاث الدین کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اسکی تخت نشینی
کے دوسرے سال لدر دیو نے ورنگل مین بغاوت اختیار کی
اور دیوگڈھ مین بھی کچھ بدنظمی پھیل گئی۔ اسلئے اُسنے اپنے بیٹے
جونا خان کو بہت سی سپاہ دیکر دکن کی مہم پر روانہ کیا۔
جونا خان دیوگڈھ کی بدنظمی کو دفعہ کرتا ہوا ورنگل آیا۔ اُسکا
محاصرہ کیا اور راجا سے کئی معرکے ہوئے۔ راجا نے مجبور ہوکر
پیش کش بھیجنے کے وعدہ سے صلح کی خواہش کی لیکن شہزادے

نے قبول نہ کیا اور لڑائی بدستور جاری رکھی - چونکہ برسات کا موسم تھا اسلئے کئی امراض لشکر مین پھیل گئے - علاوہ اسکے سیکڑون متوحش افواہین اُڑنے لگین - بعض لوگون نے مشہور کر دیا کہ غیاث الدین تغلق کے مارے جانے پر کسی دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی عمل مین آگئی - اس خبر کے سُننے سے سپاہ پریشان ہوگئی اور خود شاہزادے نے بھی مجبوری محاصرہ اُٹھا کر دہلی کا رُخ کیا - دیوگڈھ تک پہونچا تھا کہ بادشاہ کی خیروعافیت کی اطلاع ملگئی جسے سُنکر منتشر لشکر شہزادہ سے آملا - اس پریشانی مین بعض بڑے بڑے سردار مارے گئے - ملک تیمور کو تلنگون نے ملک تگین کو مرہٹون نے مار ڈالا - دیگر اُمراجنھون نے رفاقت ترک کر دی تھی دہلی پہونچنے کے بعد بُری طرح قتل کر دئے گئے -

اس واقعہ کے چار مہینے بعد ۷۲۳ھ ۱۳۲۳ء مین شاہزادہ نے دکن پر دوبارہ لشکر کشی کی اور ورنگل کے قلعہ کو توڑ کر قبضہ کر لیا اور راجا کو مع اہل وعیال کے گرفتار کر کے دہلی بھجوا دیا - بادشاہ نے لدر دیو کا قصور معاف کر کے پھر اُسے ورنگل کا راجا بنا دیا - ربیع الاول ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء مین ایک اتفاقی حادثہ سے بادشاہ کا انتقال ہوگیا - باپ کے مرنے پر جونا خان نے بہ لقب محمدؐ تغلق سریر سلطنت کو رونق بخشی اور اعیان سلطنت کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیرین عطا کر کے اُنکی خوب قدر افزائی کی -

محمدؐ تغلق نے اپنے ایام حکومت مین خراسان اور چین کی تسخیر کا ارادہ کیا اور اس مہم کے لئے کرورہا روپیہ صرف کر کے ایک کثیر التعداد فوج بھی تیار کی اور ایک لاکھ آدمی چین کیطرف روانہ کر دئے - اس بیجا صرف سے خزانہ خالی ہوگیا اور ملک مین ہر طرف ابتری پھیل گئی -

اسی زمانہ مین ملک بہاءالدین نے جو محمدؐ تغلق کا پھوپی زاد بھائی تھا اپنی جاگیر ساگر کے قلعہ کو مستحکم کر کے علم بغاوت بلند کیا - بادشاہ کی طرف سے اسکی تنبیہ کے لئے خواجہ جہان مامور ہوا - طرفین مین دیوگڈھ کے پاس لڑائی ہوئی - بہاءالدین کا لشکر تہ و بالا ہوگیا اور اُسنے وہان سے بھاگ کر راجا کنبیلہ کے یہان پناہ لی - اس اثنا مین محمدؐ تغلق بھی دیوگڈھ کو آگیا اور اُسکے تعاقب مین بہت بڑی فوج روانہ کی - سپاہ نے راے کنبیلہ کو گرفتار کر لیا - بہاءالدین وہان سے نکل کر کرناٹک مین بلال دیو کے پاس جا چھپا جسے اُسنے گرفتار کر کے خواجہ جہان کے پاس بھیجدیا - اور وہ قتل کر دیا گیا - اس زمانہ مین ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ بہت وسعت حاصل کر چکی تھی - اسلئے بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ تمام ملک کے وسط مین کسی شہر کو اپنا مستقر حکومت بنائے - اور دیوگڈھ کو از سرِ نو آباد کر کے دولت آباد نام رکھا اور اُسے رونق دینے کے لئے بڑے بڑے امیر اور اہل فضل وکمال دہلی سے طلب کر کے بسائے - جب اس کام سے فراغت حاصل کر لی تو کنڈھانہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور آٹھ مہینے تک محاصرہ کئے پڑا رہا - یہان کے راجا ناٹک نے جو خاندان کول سے تھا - محاصرہ سے تنگ آکر بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی -

محمدؐ تغلق مین انتظامی قابلیت نہ تھی اور وہ طرز حکمرانی سے ناواقف محض تھا اسلئے اسکے مقبوضات مین ہر وقت بغاوتین پھیلتی رہین - ملتان کا حاکم بہرام باغی ہوگیا - ملک فخرالدین نے بنگالہ مین اور سید حسن نے ملیبار مین اطاعت

سے انحراف کردیا - بادشاہ نے قوام الملک کو ملتان بھیجکر وہان کی بغاوت کا خوب بندوبست کرایا - بنگالہ اور ملیبار کی بغاوت ۷۴۲ھ / ۱۳۴۱ء مین خود اپنی ذات سے فرو کی اور مزید انتظام کی غرض سے رعایا پر بہت سے محصول بڑھادئے اور جاگیرداروں سے ایسے ایسے مطالبات شروع کئے کہ جس سے ملک مین بیحد پریشانی پھیل گئی اور رعایا بھاگ کھڑی ہوئی - ملک ویران اور اجاڑ ہوگیا - خدا کی مخلوق خوب تباہ ہوئی -

حکیم سید شمس اللہ قادری

رسم بوسہ ستانی پر ایک حکیمانہ نظر

انسان اپنی کمزوریون سے مجبور ہوکر جن غلطیون مین مبتلا ہوتا ہے، یا ہوسکتا ہے، وہ بلحاظ اپنی نوعیت کے دو طرح کی ہین -

(۱) ایک وہ افعال جنکے ارتکاب کی بُنیاد ایک غلط اصول پر ہوتی ہے -

(۲) دوسرے وہ افعال جنکے بنیادی اصول صحیح ہین، مگر جن اصول کے استعمال کے وقت کوئی اتفاقی فروگذاشت ہوجاتی ہے -

آخرالذکر قسم کی غلطیون کے مرتکب کسی خاص زمانے مین کوئی خاص فرد یا چند افراد ہوتے ہین - اس صنف مین ہم اُن تمام غلطیون کو شامل کرتے ہین جو اکثر ریاضی کا سوال حل کرتے ہوتے طالبعلمون سے، یا کتابت مین لکھنے والون سے ہوا کرتی ہین - یا جب چند طبیب ملکر کسی مریض کا علاج کرتے ہین اور اُسکو صحت نہین ہوتی تو وہ معالج بھی اسی قسم کی غلطیون کے مرتکب ہوتے ہین - یہ بھی ممکن ہے، کہ ایسی کسی غلطی مین تمام دُنیا متفقہ طور سے گرفتار ہوجاے، لیکن ابھی تک کوئی ایسی مثال ہمارے احاطۂ معلومات مین نہین آئی - اس قسم کی غلطیون کا احساس بہ آسانی ہوسکتا ہے، بلکہ بعض صورتون مین ان سے تنبہ کرنے کے لئے ایک معمولی اشارہ کافی ہوتا ہے اسلئے انکی اصلاح بھی آسانی سے ممکن ہے -

اول الذکر صنف کی غلطیون مین اگرچہ کبھی کبھی ایک یا چند افراد بھی مبتلا ہوتے ہین، مگر عموماً اسطرح کی غلطیون کا اثر آبادی عالم کے ایک حصۂ کثیر پر بہ حیثیت مجموعی پڑتا ہے، چنانچہ اکثر مذہبی اعتقادات اسی عنوان کے تحت مین داخل ہین - ایسی غلطیان جنمین ایک عرصۂ دراز سے نوع انسان کا بہت بڑا حصہ گرفتار ہے، لوگون کے دلون مین پختہ طور سے راسخ ہوجاتی ہین، اور انکے متعلق گوناگون تعصبات و توہمات پیدا ہوجاتے ہین، اسلئے یہ نہایت دقت سے تسلیم کیجاتی ہین - اور انکی اصلاح کے لئے سالہا سال درکار ہوتے ہین، اور انکے مصلح کے لئے بہت بڑے ضبط نفس و استقلال کی حاجت ہے - با اینہمہ چونکہ انسانی ترقی کے اوپر بدترین اثر اسی قسم کی غلطیون کا ہوتا ہے - اسلئے انکا دور کرنا ہر مصلح کا سب سے اہم فرض ہے -

دیگر عالمگیر خطرناک رسمون سے قطع نظر کرکے ہم اسوقت جس رسم سے بحث کرنا چاہتے ہین، وہ بوسہ ستانی ہے۔ یہ وہ رسم ہے جسکا وجود محض شاعرون کے عالم خیال مین نہین، بلکہ عملی دُنیا کے اکثر حصّون مین پایا جاتا ہے، اور جسکی توصیف و تعریف سے ہر زبان کا لٹریچر پُر ہے، لیکن کیا کبھی کسی نے اس رسم کی اصلیت اور اسکے اثرات پر غور کیا ہے؟ آو، تھوڑی دیر کے لئے جذبات کی غلامی سے آزاد ہوکر اس معرکۂ علمی کو عسکرِ عقل کی اعانت سے سر کریں۔

یہ مسلم ہے کہ آج جو بیشمار رسوم و رواجات، یا اعتقادات و خیالات، ہماری نظرون کے سامنے موجود ہین، وہ اپنی ابتدائی حالت مین بجنسہ ایسے نہ تھے، بلکہ اُنکی موجودہ شکل نتیجہ ہے بیشمار تغیرات کا، اور زمانۂ ماضی کے اُن غیر محدود خارجی اثرات کا جنسے یہ متاثر ہوا کئے ہین۔ اسی غیر منقطع سلسلۂ تغیرات اور تدریجی نشو و نما کو علمی اصطلاح مین ارتقا کہتے ہین۔ جس وقت کسی مسئلہ کی ماہیت و حقیقت پر غور کرنا منظور ہوتا ہے تو اُسکے لئے سب سے زیادہ صحیح اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ اُس خاص مسئلہ پر بھی اسی قانون ارتقا کے تحت مین روشنی ڈالی جائے، اور قراین و اسباب کے اقتضا کو ملحوظ رکھکر اس مسئلہ کی گذشتہ تاریخ کی تحقیق کی جائے۔

اس اصول کی بنا پر جب ہم بوسہ کی رسم پر غور کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ابتدا، دو چار صدیون سے نہین، بلکہ نہایت قدیم زمانے مین ہوئی ہے۔ یہ رسم اُس عہد کی یادگار ہے جسکو آج عہد جہالت کہا جاتا ہے، اور جب نہ تاریخ کا وجود تھا نہ شایستگی و تمدّن کا پتہ تھا۔ اُسوقت (یعنی آج سے بیشمار سال پہلے) جبکہ ہمارے اسلاف انسانیت کی نہایت ابتدائی منزل مین تھے، اور جبکہ اُن لوگون مین قوائے بہیمی کا اثر قوائے عقلی پر غالب تھا، وہ لوگ اپنی عزیز ترین چیز کا مصرف محض غذا سمجھتے تھے، اور غذا کا حاسہ اُنکے تمام اور حاسات پر فایق ہوتا تھا[۱]۔ اپنے اسی ابتدائی اور وحشیانہ نقطۂ خیال کے مطابق وہ لوگ دوسرے شخص پر اپنی دلی الفت و محبّت کا اظہار صرف اس طریقے سے کرسکتے تھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اُسکو اسقدر عزیز سمجھتے ہین کہ اُسکے کھا جانے کی خواہش رکھتے ہین۔ اپنے اسی مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اُنھون نے بوسہ کا طریقہ نکالا۔ اپنے مُنہ کو دوسرے کے مُنہ پر رکھکر وہ گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ مین تم سے ایسی ہی محبت رکھتا ہون، جیسی کہ اپنی غذا سے، اور تمکو مثل غذا کے کھا جانا چاہتا ہون۔

بلاشبہ، اگر ہمکو انسان کی ابتدائی طرز معاشرت و روش خیالات کا صحیح علم ہے، تو بوسہ کا آغاز اسی طریقہ سے ہوا، اور مثل دُنیا کے تمام دیگر مسائل کے اس رسم پر بھی قانون ارتقا کے عمل کا یہ نتیجہ ہوا، کہ رفتہ رفتہ اس توحّد مین تنوع پیدا ہوا، اور اب بوسہ کے مختلف اقسام ہوگئے، جنکو ہم تین بڑے عنوانات کے تحت مین رکھ سکتے ہین:-

(۱) بوسۂ تعظیم، جو عموماً ہاتھون اور پیرون کا لیا جاتا ہے؛
(۲) بوسۂ تحیّت، جو عموماً پیشانی، کفِ دست، اور کبھی کبھی

---

[۱] یہی کیفیت آج بھی ہم بچّون مین مشاہدہ کرتے ہین۔ جیساکہ طبی تحقیقات نے ثابت کیا ہے بچّہ کا دماغ ابتدائی وحشی انسان کے دماغ سے بہت ملتا جلتا ہے اسلئے اسکے اکثر حرکات و افعال بھی ابتدائی انسان کے افعال سے مشابہ ہوتے ہین چنانچہ ہمارے شیر خوار بچون مین غذا کی خواہش اسقدر قوی ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز کو مُنہ مین رکھ لینا چاہتے ہین - ۱۲

رخساروں کا لیا جاتا ہے؛

(۳) بوسۂ حسن، جو عموماً لبوں اور رخساروں کا لیا جاتا ہے؛

انسانی عقل کی نشو ونما کی وجہ سے اگرچہ اب بوسہ لیتے وقت ہمارے دل میں اُس قدیم تحریک کا اثر نہیں پایا جاتا، جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے، بلکہ ایک رسم پر بیشمار صدیوں سے عمل کرتے ہوئے، قانون توارث Law of heredity کے بموجب، اب یہ خواہش ہمارے دل میں غیرارادی طور سے پائی جاتی ہے، اور کسی دلفریب شکل کو دیکھکر خودبخود اُسکے بوسہ لینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، جس سے ناواقفوں کو خیال ہوتا ہے کہ یہ جذبہ ہمارے دل میں فطری ہے، لیکن دراصل یہ ایک غلط فہمی ہے۔ انسانی دماغ میں جو غیرارادی جذبات و تحریکات پیدا ہوتے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں:۔

(الف) ایک وہ جذبات و تحریکات جو انسان میں بغیر کسی قسم کے خارجی اثر کے، خود اُسی اثر سے پیدا ہوتے ہیں، جو اُسکی جسمانی ساخت، قویٰ کے امتزاج، اور اعضا کی ترکیب کا لازمی خاصہ ہے[1] یہ تحریکات فطرتاً ہر انسان میں ودیعت کیے گئے ہیں، اور فطری جذبات کے صحیح مفہوم میں صرف یہی تحریکات داخل ہیں۔

(ب) دوسرے وہ جذبات و تحریکات جو فطرت سے ابتداءً انسان کو ودیعت نہیں کیے تھے، بلکہ جو اُسنے آج سے لاکھوں سال پیشتر اپنے اختیار و قوت ارادی کی مدد سے پیدا کیے تھے، اور مستواتر سے اُنپر برابر نسلاً بعد نسلاً عملدرآمد ہوتا رہا، یہانتک کہ اب قانون توارث کے بموجب وہ تحریکات بھی ہمارے دل میں غیرارادی طور سے پیدا ہونے لگے ہیں[2] لیکن دراصل یہ ہمارے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں، جنسے فطرت کو کوئی تعلق نہیں[3]

بوسہ کی اضطراری تحریک بھی اسی آخرالذکر قسم کے اکتسابی جذبات میں داخل ہے، جنکے لئے فطری جذبات کا لفظ استعمال کرنا سخت غلطی ہے۔

کسی جذبہ یا حاسہ کے فطری ہونے کے لئے منجملہ دیگر شرائط کے، ایک شرط یہ بھی لازمی ہے کہ وہ تمام نوع میں یکساں طور سے پایا جاتا ہو، لیکن جذبۂ زیر بحث کو جو فطری قرار

---

[1] مثال کے لئے ہم حاسۂ اشتہا کو لیتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی انسان کی ساخت اور خلقت ہی ایسی ہے کہ اسکو بدل ما یتحلل کی احتیاج ہوا اور جو حاسہ کہ بدل ما یتحلل طلب کرتا ہے، اسکو ہم اشتہا کہتے ہیں۔ لہذا حاسۂ اشتہا فطری ہے۔

[2] توارث کا جسقدر وسیع اور گہرا اثر انسان کی جسمانی، اخلاقی، اور دماغی حالت پر پڑا ہے، اُسکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، لیکن اسقدر بتا دینا ضروری ہے کہ اگر کسی فعل کے اخذ یا ترک پر چند نسلیں متواتر عمل کریں، تو چند نسلوں کے بعد آیندہ نسلوں میں اُس فعل کے ارتکاب کی قابلیت یا ناقابلیت خودبخود پیدا ہو جائیگی۔ مثلاً اگر آج کسی خاص عضو سے ہم کام لینا چھوڑدیں اور ہمارے اخلاف بھی سختی کے ساتھ اسکی پابندی کرتے رہیں، تو چند ہزار سال کے بعد ہماری اولاد سے اُس عضو سے کام لینے کی قابلیت بالکل سلب ہو جائیگی، اور اُسوقت غالباً اُنکے اکثر افراد تصور کرینگے کہ اس خاص عضو سے کام نہ لینا ایک فطری امر ہے۔ یہ قانون ہمارے تمام قوائے اخلاقی و دماغی پر صادق آتا ہے۔

[3] مذہبی اعتقادات بھی، جو بادی النظر میں فطری معلوم ہوتے ہیں، اسی صنف کے اکتسابی حاسات ہیں۔

مین ایک یہ بھی وقت ہے کہ بوسہ کا رسم تمام عالم مین نہین پایا جاتا، چنانچہ افریقہ کے شمال، اسکیمو (نواح قطب کے باشندے) آسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ کے باشندے اس رسم سے بالکل ناواقف ہین[1]۔

اس مقام پر ظاہر بینون کو یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ اگر رسم بوسہ ستانی نہایت ہی وحشی و ابتدائی طبقہ انسانی کا ایجاد کردہ ہے، اور اُس عہد کا یادگار ہے، جبکہ دنیاے جہالت کی بھولی اور الھڑ خاتون شایستگی و تمدن کے پُر تکلف لباس اور تعلیم کے بیش بہا زیورات سے آراستہ نہین کی گئی تھی، تو کیا وجہ ہے کہ آج بعض قبایل جو تہذیب و تمدن کے ابتدائی منازل مین ہین، اس رسم سے ناواقف ہین؟

لیکن درحقیقت، یہ نہایت سطحی اعتراض ہے۔ ایسی بیسیون مثالین موجود ہین کہ انسانیت کے دور اولین مین کسی رسم یا رواج کی بنیاد پڑی لیکن کچھ عرصہ کے بعد اخلاف نے باوجود تمدنی حیثیت سے ترقی نہ کرنے کے، دیگر اسباب سے متاثر ہوکر، اس رواج کے خلاف ایک دوسرا طریق عمل اختیار کیا۔ مُردون کے متعلق، انسان کا نہایت قدیم اور ابتدائی طرز عمل یہ تھا کہ نعش کو دفن کر دیا جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد بعض قبایل نے ابتدائی رواج کی پیروی ترک کرکے مُردون کا جلانا اختیار کیا، چنانچہ آج بھی بہت سے فرقون مین حرقت نعش کا دستور قائم ہے جسکی بنا پر بعض سطحی معلومات رکھنے والون کو یہ قیاس ہوتا ہے کہ انسان کا ابتدائی طرز عمل مردون کا جلانا تھا، لیکن ایک حقیقت بین، اس راے کے برعکس، نہایت مضبوط قراین و قیاسات کے بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ انسان کا ابتدائی رُجحان، نعش کے دفن کرنیکی جانب تھا۔

اب اس رسم کی اصلیت دریافت ہو جانیکے بعد اُن نتائج پر غور کرو جو اسکی پابندی سے پیدا ہوتے ہین۔

یہ مسلّم ہے کہ آج جبکہ اصول علاج ایک حد تک منضبط ہو چکے ہین، جبکہ محکمہ حفظان صحت پر لاکھون روپیہ خرچ ہو رہے ہین، جبکہ فزیالوجی کی تعلیم مدارس مین عام ہوتی جاتی ہے، اور جبکہ گھر گھر طبیب و ڈاکٹر موجود ہین، صحت کی ترقی اور ایام زندگی کی افزایش مین جیسی کہ ان اسباب سے توقع تھی، اسکی عشر عشیر بھی کامیابی نہین ہوئی، بلکہ متمدن ممالک مین متعدی امراض کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی ہے۔ یہ کیون؟ کیا اسلئے کہ طب جدید کے مسایل تمامتر غلطی پر مبنی ہین؟ کیا اسلئے کہ زمانہ موجودہ کی آب و ہوا صحت جسمانی کے مخالف ہے؟ نہین، یہ کچھ نہین، بلکہ اسلئے جدید تمدن کے سرچشمہ نے سطح موجودات پر جو لاانتہا ترقیون کا دریا بہادیا ہے، اسکی موجون کی تہ مین بعض ایسے ماقّے بھی موجود ہین، جنکا ایک ایک ذرّہ تمام روے آب پر سمیت و غلاظت پھیلا دینے کے لئے کافی ہے۔ عیاشی، قماربازی، بادہ خوری، وغیرہ اسی سیّہ ہستی کے نمایان مظاہر ہین، لیکن جو چیز کہ ان سب سے زیادہ عام، مگر ان سب سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہی رسم بوسہ ستانی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عموماً امراض کی تولید ایک خاص قسم کے نہایت باریک زہریلے کیڑون کیوجہ سے ہوتی ہے جو خردبین کی امداد کے بغیر نظر نہین آتے۔ یہ کیڑے جس وقت ایک مریض کے جسم سے نکلکر کسی صحیح و تندرست شخص کے جسم

[1] دیکھو ڈارون کی کتاب "اظہار جذبات" صفحہ ۲۲۶ (Darwin on "Expression of emotion")

مین داخل ہوتے ہین، تو اُسکو بھی بیمار کر دیتے ہین۔ لیکن آخر یہ ایک جسم سے نکلکر دوسرے شخص کے جسم مین داخل کیونکر ہوتے ہین؟ اسکا صاف و صریح جواب یہ ہے کہ "زیادہ تر بوسہ ستانی کے ذریعہ سے" جسوقت ایک دل از دست دادہ عاشق، شرابِ عشق کے نشہ مین بیخود ہوکر اپنے لبون کو معشوق کے لبون سے ملاتا ہے۔ اُسوقت وہ اُسکو فی الواقع ایک جام زہر پلاتا ہے، جسکا اثر اگرچہ اسکو فوراً محسوس نہ ہو، لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ زہر ضرور محسوس ہوگا۔

اے عشق و نفس پرستی کے بندو! حُسن کی دیوی کے پرستش کرنے والو! معشوق کے بوسہ کو آبِ حیات کا لقب دینے والو! افسوس کہ تم حقیقت حال سے بیگانہ ہو! حفظانِ صحت اور قیام حیات کے اصول سے ناآشنا ہو تمکو کیا خبر کہ جس چیز مین تم جان بخشی و مسیحا نفسی کی معجز نمائی سمجھ رہے ہو، وہ موت کا پیش خیمہ ہے؟ تم اس سے ناواقف ہوکر محض اپنی دو سکنڈ کی مفروضہ لذّت کے لئے اپنے معشوق کو ہلاکت مین ڈال رہے ہو جس معشوق کی نازبرداری مین تم خود اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہو، اسکی گورکنی مین تم اپنی جہالت و ناواقفیت کیوجہ سے معین ہو رہے ہو۔ تم جس چیز کو آبِ حیات سمجھ رہے ہو، وہ درحقیقت سمِ قاتل ہے۔

عام انسانی طبائع کی رسم پرستی اور ہٹ دھرمی پر نظر کرتے ہوئے یہ امر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بیخکنی مین جلد کامیابی ہو، لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ مہذب ملکون مین اس رسم کی مخالفت کی تحریک بالکل بے اثر نہین ثابت ہوئی، بلکہ وہان کے سمجھدار لوگون مین رفتہ رفتہ اسکی اصلاح کا خیال پیدا ہوچلا ہے، چنانچہ امریکہ مین انسداد بوسہ ستانی کے لئے متعدد انجمنین اور سوسائٹیان قایم ہوچکی ہین، اور بیسیون مشاہیر ڈاکٹر اسکے نقصانات سے لوگون کو تحریر و تقریر کے ذریعہ سے آگاہ کر رہے ہین، جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہزارون والدین نے عہد کیا ہے کہ وہ آیندہ اپنے بچّون کا بوسہ نہ لینگے، اور بہ کثرت نوجوان لیڈیون نے قسم کھائی ہے کہ وہ کبھی کسیکو اپنا بوسہ نہ لینے دینگی۔

بوسہ کے مختلف اقسام (جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین) اُنمین سے بوسۂ تعظیم و بوسۂ محبّت کے انسداد مین ہمکو زیادہ رکاوٹ کے پیش آنے کا خوف نہین، لیکن آخر الذکر قسم: یعنی بوسۂ حسن کے متعلق ہمکو بہت زیادہ مخالفت کے پیش آنیکا اندیشہ ہے۔ یہ نسبتہً آسان ہے کہ خوش عقیدہ مرید اپنے مرشدون کی قدم بوسی و دست بوسی ترک کردین یا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر بوسہ ستانی کے نقصانات والدین کے ذہن نشین کر دئے جائین تو وہ اپنی اولاد کو چومنا چھوڑ دین؛ لیکن یہ نہایت دشوار ہے کہ ایک پُرجوش عاشق اپنے معشوق کا بوسہ لینے سے باز رہ سکے۔ اسکی تشفّی نہ ڈاکٹرون کے اقوال سے ہوسکتی ہے نہ کسی معقول دلیل سے۔ لیکن ہم اسوقت صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہین کہ کیا بوسہ لینے مین فی الواقع کسی قسم کی لذّت حاصل ہوتی ہے؟ اسکے جواب مین حُسن پرست جماعت کے تمام ممبر بالاتفاق ہم آہنگ ہین کہ "بوسہ لینے والے کو ایک خاص قسم کی حلاوت و شیرینی کا احساس ہوتا ہے" لیکن کیا یہ سچ ہے؟ کیا اس جواب مین واقعیت کا شایبہ شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے، کہ بوسہ لیتے وقت صرف دو چیزون کا لگاؤ ضروری ہوتا ہے، ایک زبان کا، دوسرے لبون کا۔ اب انہین سے لبون مین تو کوئی خاص قوت احساس کی ہوئی نہین، اپنے لبون کا دوسرے کے لبون سے ملا دینا، بالکل ایسا ہی ہے جیسے اپنے کان کا دوسرے کے کان سے یا اپنی ناک کا دوسرے کی ناک سے ملا دینا۔ بجز ایک عام قوت لمس کے جو تمام جلد کے حصون مین پائی جاتی ہے، اور کسی قسم کے احساس کی قوت لبون مین نہین پائی جاتی ۔ ہان زبان البتہ مدرک ذوق ہے، مگر اسکو لامسہ کے علاوہ صرف ذائقہ کا احساس ہو سکتا ہے، اور کسی چیز کا نہین۔ پس یہ ظاہر ہے کہ بوسہ لیتے وقت صرف ذائقہ جلد کا احساس ہو سکتا ہے، اور حامیان بوسہ ستانی جس خوشگوار کیفیت کا دعویٰ کرتے ہین وہ بھی اسی حسِ ذائقہ کے متعلق ہے ۔ مگر کیا تمام روے زمین پر کسی شخص کی جلد کا ذائقہ شیرین ہو سکتا ہے؟ جس شخص نے فزیالوجی کی کچھ بھی تعلیم پائی ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ انسانی جلد کے بالائی حصہ مین، جسکو اصطلاح طب مین جلد کاذب کہتے ہین، بیشمار باریک باریک سوراخ ہوتے ہین، اور ان مسامات کے ذریعہ سے ہر وقت پسینہ اور جسم کی کثیف رطوبت خارج ہوا کرتی ہے۔ جلد کے اوپر جو کسی ذائقہ کا احساس ہوتا ہے، وہ دراصل انہین کثافتون کا مزہ ہوتا ہے اور ان کثیف اور زہریلے رطوبات کے ذائقہ کو شیرین خیال کرنا نہ صرف تجربہ و مشاہدہ کے برخلاف ہے، بلکہ اسکا تصور بھی مشکل سے ہمارے ذہن مین آسکتا ہے۔ اور بوسہ ستانی کیوقت وہ مفروضہ لذت و حلاوت جسکے وجود پر اسقدر زور دیا جاتا ہے، نہ صرف خلاف واقعہ بلکہ بعید از قیاس بھی ہے ۔

الغرض یہ ہے کہ مختصر الفاظ مین اس وحشیانہ و خطرناک رسم کی حقیقت، جسکا پابند دُنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ہے، اور جسکی تعریف مین ہر ملک کے شاعرون کی زبانین خشک ہوئی جاتی ہین، مگر افسوس!

"قند مین زہر ملا تھا نہین معلوم نہ تھا"

ایک طالب علم

تذکرۂ عالم ۔ میو پریس دہلی کے نامور اور حوصلہ مند پروپرائیٹر منشی بلاقی داس صاحب نے "تذکرۂ عالم" نام کا ایک ماہوار رسالہ نکالا ہے جسکی تقطیع معمول رسائل کے چار صفحون کے برابر ہے۔ اُردو زبان مین اتنی بڑی تقطیع پر اب تک کوئی ماہوار رسالہ نہین نکلا۔ اس رسالے کا مقصد ملک مین تاریخی مذاق پیدا کرنا ہے ۔ چنانچہ اسکے ہر نمبر مین کسی بادشاہ اور اُسکی بیگم کے تاریخی حالات اور رنگین تصاویر درج ہوتی ہین۔ اس سلسلے کا آغاز خاندان تیموریہ سے کیا گیا ہے اور امیر تیمور بانی خاندان سے لیکر بادشاہ ابن اورنگ زیب تک بارہ پشتون کے حالات بارہ نمبرون مین درج کئے گئے ہین۔ ہر نمبر مین دو تصویرین (بادشاہ اور بادشاہ بیگم) پورے سائز پر مختلف رنگ سے چھاپی گئی ہین۔ علاوہ برین ٹائٹل اور لوح بھی رنگین ہین اور تصاویر مین رنگ کے علاوہ زرافشانی بھی کی گئی ہے جس سے اُنکا رنگ چمک اُٹھا ہے۔ صاحب رسالہ کا بیان ہے کہ یہ تصاویر اصلی ہین اور شاہی مرقعون اور معتبر ذرائع سے لیگئی ہین۔ کیا اچھا ہو کہ ایسے نایاب مرقعون کو جدید اصول کے مطابق چھاپا جائے جنمین وہ ہو بہو نمایان ہون ۔ قدیم اصول کے مطابق ان مرقعون کی نقل کو نہین کچھ نہ کچھ فرق لازمی ہے جس سے تصویر کی اصلی خوبی مین بہت فرق ہو جاتا ہے ۔ قیمت عوام سے بارہ روپیہ سالانہ اور فی پرچہ ایک روپیہ رکھی گئی ہے حجم بارہ صفحون سے سولہ صفحون تک ہم اُمید کرتے ہین کہ ویسی صنائع کے حامی اس رسالے کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھین گے ۔



مادر مهربان ملکه الگزندرا دام ظلها

روپیہ کی قیمت گھٹ رہی ہے

محنت - پیداوار اور روپیہ مین ایک باہمی نسبت ہے کبھی محنت اور پیداوار کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے اور کبھی پیداوار اور روپیہ مین مقابلہ آپڑتا ہے - کبھی تینون مین مقابلہ ہوجاتا ہے - جب یا جن دونون مین محنت سستی ہوتی ہے اُن دونون مین پیداوار اور روپیہ کی قیمت مین روز بروز بیشی ہوتی جاتی ہے - جسقدر محنت مین گرانی ہوتی جاتی ہے اُسیقدر روپیہ کی قیمت مین کمی واقع ہوتی رہتی ہے - اسیطرح جب پیداوار کا نرخ بڑھتا ہے تو روپیہ کی قیمت بھی نرم پڑجاتی ہے - محنت کی ارزانی اور گرانی کے مندرجہ ذیل وجوہ ہوسکتے ہین :-

وجوہ ارزانی -

(الف) مصروفیت کی کمی -

(ب) محنت کرنے والون کی کثرت -

(ج) ارزانی پیداوار -

جس ملک و قوم مین تجارت - بیوپار - کارخانون وغیرہ کی کمی ہوتی ہے اور عموماً ملک والون کے گزارہ کا باہر کی مصنوعات پر زیادہ تر مدار ہوتا ہے تو اُسوقت اندرونی مصروفیتون مین بھی فرق آجاتا ہے اور جو لوگ کام کرنیوالے ہین وہ سستی مزدوری یا اجرت پر کام کرنا پسند کرتے ہین -

مثلاً اگر ایک علاقہ مین ہر شخص اپنے گھر ہی کی چکّی مین آٹا پیس کر کھائے تو وہان پسنہاریون کی مزدوری عموماً ارزان ہو گی اور اگر سب کے سب دوسرون سے پسوا کر کھائین تو اس صورت مین پسائی گران پڑے گی -

جب ایک کام کرنے والے بہت ہو جائین اور مانگ مین کمی ہو تو مزدوری اور اجرت یا محنت مین ضرور کمی آجائیگی -

جب نرخ ارزان ہو تو اُس صورت مین بھی محنت کرنے والے سستی مزدوری یا ارزان اجرت پر کام کرنا پسند کرینگے -

وجوہ گرانی -

(۱) کثرت مصروفیت -

(۲) قلت کارکنان -

(۳) گرانی پیداوار -

جب ملک یا ملک کے اکثر حصّوں مین کاروبار زیادہ کُھل جاتے ہین اور کاروباری دنیا مین چہل پہل ہو جاتی ہے تو اُسوقت محنت اور مزدوری مین گرانی آتی جاتی ہے - عام کاروباری نسلین چونکہ ہمیشہ ایک خاص تعداد مین رہتی ہین اسواسطے بحالات کثرت مصروفیت کے اُنکی محنتون کا نرخ ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے -

اگر کسی شہر مین روئی کا صرف ایک ہی کارخانہ ہو تو اس حالت مین کہ وہان تین اور کارخانے کُھل جائین تو مزدوری کا نرخ ضرور بڑھ جائیگا -

جب کسی علاقہ مین کاروبار بڑھ جاتا ہے اور کارکنون مین کمی ہوجاتی ہے تو محنت کا نرخ بھی بڑھ جاتا ہے جن علاقون مین زراعت ترقی پر ہے اُن علاقون مین کاشتکارون کی مانگ زیادہ ہونے کے ساتھ ہی اُنکے لگانون مین بھی تبدیلی آگئی ہے مثلاً صوبہ پنجاب کے بعض اضلاع سے جو

غیر ذخیلکار کسان لائل پور، چناب اور سرگوان، آبادیون مین چلے گئے ہین تو اصل اضلاع مین کاشتکارون کی کمی ہوگئی ہے اور اُنکا معاوضہ ترقی کر رہا ہے۔

اگر ایک گانون مین ایک پسنہاری ہو تو آٹے کی پسوائی گران ہوجائیگی۔

جب پیداوارین گران ہوجاتی ہین تو اخراجات مین ترقی ہوکر ساتھ ہی محنت اور اجرت مین بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ارزانی کے دنون مین جو مزدور ار مین گزارہ کرسکتا تھا۔ گرانی کے دنون مین اُسے بجاے ایک آنہ کے تین آنہ یومیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ایک آنہ خرچ کی صورت مین وہ تین آنہ یومیہ پر کام کرسکتا تھا لیکن تین آنہ یومیہ خرچ کی صورت مین وہ دو آنہ یومیہ پر بھی شکستہ دلی سے کام کریگا۔

جب محنت اور پیداوار سستی ہوتی ہے تو روپیہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جب محنت اور پیداوار گران ہوتی ہے تو روپیہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ جب دو آنہ یومیہ مزدوری اور دو من کے نرخ سے اناج ملتا تھا تو گویا ایک روپیہ مین ایک دن کیواسطے آٹھ مزدور اور دو من غلہ ملتا تھا۔ جو شخص آٹھ دن کام کرتا وہ ایک روپیہ لینے کا مستحق ہوتا اور جو کاشتکار اسّی سیر غلہ دیتا وہ ایک روپیہ پاتا۔ ایسی حالت مین روپیہ کا ملنا یا پیدا ہونا بہت مشکل ہوجاتا ہے اور بہت کم لوگون کے پاس روپیہ ہوتا ہے۔

جب محنت اور پیداوار مین گرانی ہو تو اُسوقت ایک روپیہ مین زیادہ سے زیادہ دو مزدور اور بیس ۲۰ سیر غلہ مل سکتا ہے۔ مزدورون مین ساٹھ ۶۰ کی کمی اور غلہ مین ساٹھ ۶۰ کا گھاٹا رہتا ہے۔ روپیہ نہایت آسانی سے ملتا ہے اور کاروباری دنیا مین اُسکی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے۔ یہ سوال قابل بحث ہے کہ "محنت اور پیداوار مین کب گرانی ہوتی ہے اور روپیہ کی قیمت کب گھٹتی ہے"؟

بعض لوگون کا یہ خیال ہے کہ جب نسلین ترقی کرتی ہین تو اُسوقت محنت اور پیداوار مین گرانی ہونے لگتی ہے بعض لوگون کے خیال مین جب کسی مُلک مین ضروریات اور تہذیب کی ترقی اور وسعت ہوتی ہے تو اُسوقت محنت اور پیداوار مین گرانی ہونا شروع ہوتی ہے۔ بیشک ترقی نسل کی صورت مین مانگ زیادہ ہوجاتی ہے اور بجاے کم خرچ کے زیادہ خرچ ہونے لگتا ہے لیکن جبتک افزائش نسل کے ساتھ ضروریات اور تہذیب کی بھی ترقی نہ ہو اُسوقت تک محنت اور پیداوار مین قابل احساس گرانی نہین ہوتی ہے۔

اگر ایک گانون مین بجاے دس گھروں کے پچیس ۲۵ گھر آباد ہوجائین تو بیشک اُنکے مایحتاج مین کسی حد تک بقدر اضافہ ترقی ہوجائیگی۔ لیکن اُسکا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ مایحتاج کو پورا یا مہیا کرنے مین ایک حد تک مزید وسائل کی ضرورت ہوگی۔

لیکن جب اُن پچیس گھرون کے ساتھ تہذیبی ضرورتین بھی ترقی پذیر ہونگی تو محنت اور پیداوارون مین بھی خاص گرانی ہوگی۔ اسی واسطے بعض اشخاص کا اس زمانے مین یہ خیال ہوتا جاتا ہے کہ ترقی تہذیب کے ساتھ ہی روپیہ کی قیمت عموماً گھٹتی جاتی ہے یا یہ کہ محنت اور پیداوار مین گرانی ہوتی جاتی ہے۔

ایک مدنی الطبع عالم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر دُنیا کے

ابتدائی حصّون سے لیکر اخیر تک چند سرکل بناتے چلے آئین اور مقابلتہً دیکھین کہ ہر ایک سرکل مین اگلے یا پچھلے سرکلون کے مقابلے مین محنت، پیداوار اور روپیہ کا مقابلہ کس نسبت سے رہا ہے تو ثابت ہوجائیگا کہ جسقدر دُنیا یا دنیا کی منڈی مین ترقی ہوتی گئی ہے اُسیقدر محنت اور مزدوری یا پیداوار مین بھی گرانی ہوتی گئی ہے، اور روپیہ کی قیمت مین روز بروز فرق آتا گیا ہے ۔ یا یہ کہ جہان یا جس خطّہ اور جس ملک مین تہذیبی ضروریات اور ترقیات کا نمبر بڑھتا گیا ہے ۔ اُس خطّے یا اُس ملک مین روپیہ کی قیمت بھی ساتھ ہی ساتھ گھٹتی رہی ہے۔

جب بمقابلہ ایشیائی خطّون کے خطّۂ یورپ مین موجودہ تہذیب کا دور دورہ نہین تھا تو اُسوقت خطّۂ یورپ مین بمقابلہ ایشیائی خطّون کے روپیہ کی قیمت کافی تھی ۔ لیکن جب سے تہذیب بڑھی ہے روپیہ کی قیمت روز بروز کم ہوتی ہے اور محنت و پیداوار کی قیمتون مین لگاتار اضافہ اور گرانی ہوتی جاتی ہے ۔

اسیطرح اگر موجودہ ہندوستان کا گذشتہ ہندوستان سے مقابلہ کیا جاے تو ماننا پڑے گا کہ بمقابلہ سنین گذشتہ کے روپیہ کی قیمت مین روز بروز کمی ہو رہی ہے اور محنت و پیداوار کے نرخون مین گرانی ہوتی جاتی ہے ۔ گذشتہ زمانے مین روغن زرد ہندوستان مین ۳-۴-۵ سیر پختہ تک ملنا بیان کیا جاتا ہے لیکن اسوقت سارے ہندوستان مین سیر بھر سے زیادہ کہین نہین ملتا گویا ۲-۴ سیر فی روپیہ کا خسارہ ہوا ۔ یا یون کہئے کہ روپیہ کی قیمت مین ۱/۲ یا ۳/۴ کی کمی ہوگئی ۔

کیا اسکا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان مین اس سے پیشتر تہذیب کسی حد تک موجود نہ تھی ؟

نہین اسکا یہ نتیجہ نہین بلکہ یہ کہ پہلی تہذیب ایسی محدود تھی کہ اُسکا دائرہ حدود ہندوستان ہی مین رہجاتا تھا اور موجودہ تہذیب دور دراز ملکون یا اقصاے عالم تک وسیع ہوتی جاتی ہے ۔ مثلاً اگلے زمانے مین صرف ہندوستانی مصنوعات پر زندگی یا آسایش زندگی کا مدار تھا اور اسوقت ہندوستان کے ایک ایک فرد بشر کی ضروریات کے واسطے ساری دُنیا تک ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے ۔ کوئی جاپان کی طرف جاتا ہے اور کوئی جرمن سے مانگ رہا ہے اور کوئی انگلستان سے اور کوئی خود ہندوستان سے ۔

کمی قیمت روپیہ کا نتیجہ ۔

جب کسی ملک مین روپیہ کی قیمت گھٹتی ہے تو اُس ملک مین دو چیزون مین رفتہ رفتہ گرانی آتی جاتی ہے ۔

(الف) محنت ۔

(ب) پیداوار ۔

جس ملک مین محنت سستی اور ارزان ہے وہ ملک صحیح معنون مین خوشحال اور دولتمند نہین کہا جا سکتا ۔

مثلاً اگر ایک ملک مین مزدور ایک آنہ یا دو آنہ یومیہ پر مل سکتا ہے اور لوگ جوق در جوق اُسطرف آتے ہین اور اُنکا گزارہ صرف اُسی آمدنی پر موقوف ہے تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُس ملک کی محنت پیشہ جماعتین خوشحال یا دولتمند ہین ۔ جس ملک کی محنت پیشہ جماعتین گران مزدوری پر کام کرتی ہین اور اُن مین یہ خواہش دن بدن بڑھتی جاتی ہے اُس ملک مین گو روپیہ کی قیمت گھٹتی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی محنت کی قیمت مین ترقی ہو کر ملک کی کثیر جماعتون

مین خوشحالی آتی جاتی ہے اور لوگون کو محنت مین ترقی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

جس ملک مین محنت سستی اور ارزان ہوتی ہے اُسمین محنت کی کوئی قدر و منزلت نہین ہوتی اور نہ وہان کے لوگون مین محنت کو خوش آیند بنانے کا سلیقہ آتا اور خیال پیدا ہوتا ہے۔ کن ملکون مین مشینون سے زیادہ کام لینے کا رواج ہوتا ہے؟ جہان محنت اور مزدوری بہت مہنگی پڑتی ہے۔ کن ضرورتون نے ان مشینون کا جز ذہن مین منتقل کیا ہے؟ دو اُمور نے

(الف) محنت کی گرانی۔

(ب) اور خواہش ترقی پیداوار نے۔

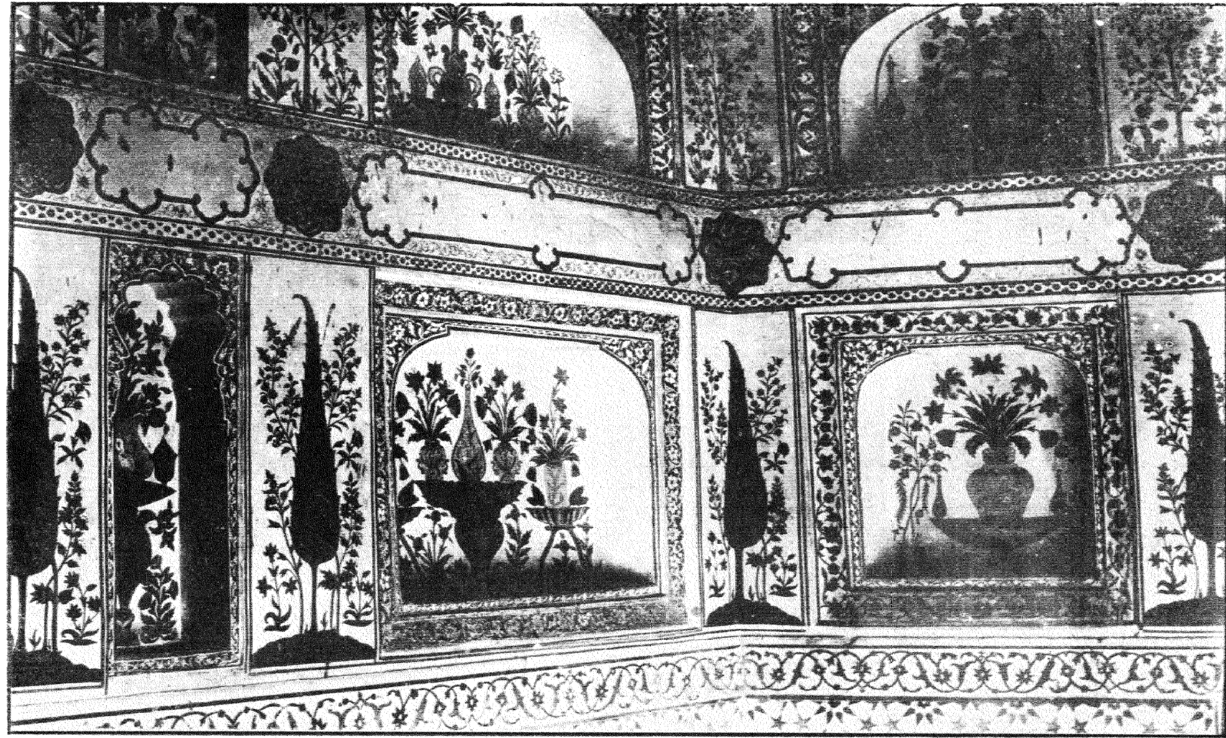
جب محنت مین گرانی آتی ہے تو ساتھ ہی بعض پیداوارون مین بھی گرانی آتی جاتی ہے۔ اور بعض چیزین سستی بھی ہوتی جاتی ہین۔ بعض وقت لوگ نرخ غلّہ پر بہت کچھ کہا کرتے ہین بیشک یہ ایک سخت مرحلہ ہے لیکن یہ بھی تو خیال کرنا چاہئے کہ جب محنت گران ہے تو اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بعض پیداوارین بھی گران ہون۔ جو چیز یا جو پیداوار زیادہ محنت سے ملتی ہے ضرور ہے کہ اُسکا نرخ بھی گران ہو۔

موجودہ تہذیب اور ضروریات کے مطابق ہر ملک اور ہر قوم کے تمدنی مراحل مین کیا کوشش ہونی چاہئے۔ یہ کہ "محنت اور بعض پیداوارون کی قیمتون مین گرانی ہو"۔ روپیہ کی قیمت دن بدن گھٹتی جاے۔ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہین کہ روپیہ کی قیمت گھٹنے سے دولتمندی یا خوشحالی مین فرق آتا ہے یہ ایک مغالطہ ہے دراصل روپیہ کی قیمت گھٹنے سے دولتمندی اور ثروت مین ترقی منصور ہے اور اسمین ملک و قوم اور ملک و قوم کی ضرورتون اور آسایش کی بہبود اور بہتری ہے۔

یورپ مین بڑے بڑے دولتمند جب اندھا دُھند روپیہ قومی کامون مین دیتے ہین تو اس داد و دہش کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے کہ اُنکی نظرون مین واقعی روپیہ کی قیمت بمقابلہ اپنی محنتون اور کاروبار کے بہت ہی کم ہے۔ وہ اپنی محنت اور اپنے کاروبار کا اسقدر حصہ ملک و قوم کی نذر نہ کر سکتے جسقدر کہ اپنی محنت اور کاروبار کا ثمرہ نذر کرتے ہین۔ یہ ایک پُرانی غلطی ہے کہ لوگ دولت سے مراد صرف روپیہ ہی لیتے ہین۔ دراصل روپیہ محض دولت نہین ہے اصل دولت محنت اور کاروبار ہے۔

اگر یہ سوال کیا جاے کہ "محنت اور کاروبار سے روپیہ پیدا ہوتا ہے یا روپیہ سے محنت اور کاروبار تو عملی رنگ مین اسکا جواب یہی ہوگا کہ محنت اور کاروبار سے روپیہ پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ لگانے سے کاروبار چلتا اور محنت سرسبز ہوتی ہے تو اُس کا منشا یہ نہین ہوتا کہ روپیہ بذاتہٖ محنت اور کاروبار کا موجد ہے۔ بلکہ یہ کہ محنت اور کاروبار سے۔ محنت اور کاروبار مین ترقی ہوتی ہے کیونکہ دراصل روپیہ کا دوسرا مفہوم بلکہ اصلی مفہوم محنت اور کاروبار ہی ہے۔

جس ملک مین دولت کے مفہوم مین روپیہ دبایا جاتا اور اُسے کام مین نہین لایا جاتا ہے یا محنت سے کام نہین لیا جاتا اُس ملک مین اگرچہ بزعم خود روپیہ کی قیمت زیادہ کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمین بٹہ لگایا جاتا ہے۔



تاج محل کی پچیکاری

انڈین پریس الٰہ آباد

روپیہ کی قیمت اور ضرورت مین فرق ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ کی ضرورت نہین ہے یا ضرورت ہے تو اُسوقت اُسکی قیمت کا کوئی سوال نہین ہوتا اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ کی قیمت مین اضافہ ہے یا کمی تو اُسوقت یہ بحث ہوتی ہے کہ بصورت اضافہ کے محنت اور نرخ پیداوار مین کمی ہے اور بصورت کمی کے ان دونون مین ترقی ہے۔ روپیہ کی ہر حالت مین ضرورت ہے۔

لیکن جب کم قیمت پر میسر آئے تو وہ دولتمندی اور خوشحالی کی علامت ہے اور جب مہنگا ہے تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اُسکی قیمت بڑھ رہی ہے اور محنت کی قیمت مین گھاٹا آرہا ہے جو ملک کے ادبار کی علامت ہے۔ فقط روپیہ کی کثرت سے کوئی ملک ترقی نہین کرسکتا۔ ہر ملک اُس صورت مین ترقی کرسکتا ہے جب اُسکے امکان مین روپیہ پیدا کرنے کے وسائل وافر اور آسان ہون۔

دراصل روپیہ سے روپیہ پیدا نہین ہوتا۔ بلکہ محنت اور پیداوار ہی روپیہ پیدا کرتی ہین۔ یہ جو بڑا مقولہ تھا کہ "زر زر کشد درجہان گنج گنج" صرف اُس حالت اور اُن معنون مین درست ہے کہ زر کو محنت کے کامون مین لگایا جائے۔ اگر ایک لاکھ روپیہ آئرن سیف مین رکھا جائے اور کسی کام مین نہ لگایا جائے تو اُس سے کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہی روپیہ یا اُسکا کچھ حصّہ کام اور محنت مین لگایا جائے تو اُس سے اور روپیہ بھی پیدا ہوسکتا ہے۔

روپیہ جمع کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن اُسکی قیمت گھٹا کر اور قیمت روپیہ کی اُسوقت گھٹتی ہے جب محنت کی قیمت زیادہ ہو۔ بقول ایک حکیم کے کہ "محنت ہی دراصل ایک قیمتی پیداوار ہے" محنت کب قیمتی ہوتی ہے جب اُسمین لطافت اور نفاست دکھائی جائے۔

دیکھو ہندوستان کے اصلی پرانے نمونے کے چراغ اور شیشہ کے لیمپ مین کتنا فرق ہے۔ پہلا نمونہ بھدی محنت کا نتیجہ ہے اور دوسرا نفیس محنت کا۔ اب ان دونون کی مانگ اور قیمت مین بھی مقابلہ کرکے دیکھو۔ کیا ان دونون مین فرق نہین ہے؟ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھو کہ روپیہ کی پری کس طرف راغب ہے اور کسے زیادہ چاہتی ہے۔

سلطان احمد

اسلامی پردہ

اس سے کسی صاحبِ عقل کو انکار نہین ہو سکتا کہ انسانی سوسائٹی مین عورت ذات کا وجود خلّاق عالم کی لاانتہا دانشمندی اور مصلحت اندیشی پر مبنی ہے۔ جب اُس معبود مطلق کو تخلیق عالم کی ضرورت داعی ہوئی اور "انّی جاعلٌ فی الارض خلیفہ" کا فرمان واجب الاذعان نفاذ پذیر ہوا۔ اُسوقت فرشتون نے عرض کیا کہ انسان کے پیدا کرنے سے سوائے فتنہ و فساد کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے اور تسبیح و تحلیل کے لئے تو نے ہمکو پیدا کیا ہی ہے۔ ملائکہ کی یہ گذارش اُس خالق جل و علا کی بارگاہ عالی مین مقبول نہ ہوئی اور حضرت آدم پہلے انسان تھے جنھون نے خلیفۃ اللہ کا لقب حاصل کرنے کا افتخار آمیز موقع پایا۔ حضرت آدم کے ساتھ ہی ساتھ حضرت حوّا کی پیدایش اس امر کا قاطع ثبوت ہے کہ صرف حضرت آدم کی ذات سے وہ اغراض و مقاصد باحسن الوجوہ نہین پورے ہو سکتے تھے جو خدائے پاک کو روے زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے اور انسانی بادشاہت قائم کرنے مین مدنظر تھے۔ حضرت آدم کی دماغی وجسمانی قابلیتین خواہ کسیقدر مکمّل و ترقی یافتہ رہی ہون لیکن اسمین شک نہین کہ بلا حضرت حوّا کی امداد و استعانت کے اُنسے پورے طور پر کام لینا بالکل غیر ممکن تھا۔ گویا کہ امور خلافت کے بطریق احسن سرانجام ہونے کا انحصار آدم و حوّا (علیہما السلام) کی مشترکہ و مجموعی کوششون پر تھا۔ بزم دُنیا نے جسکے اسٹیج پر ابتداءً حضرت آدم و حوّا نے پارٹ کیا تھا آجتک ہزارون رنگ بدلے اور اُسکی ہیئت و حیثیت مین طرح طرح کے تغیرات پیدا ہوئے لیکن خلافت کی اہم خدمات نوع انسانی کے انہین دونون افراد کے قبضہ مین ہے اور بڑی سے بڑی طاقت انکے اس حق کو نہ ابتک چھین سکی ہے اور نہ آیندہ اسکے نکل جانے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ آدم و حوّا کی اولاد کے سر پر اسوقت تک اشرف المخلوقات ہونے کا طرّہ عجیب و غریب تمکنت کے ساتھ آویزان ہے۔ لیکن جسطرح دُنیاوی خلافت و حکومت مین ایک ہی خاندان کے ارکین رشک و حسد یا بغض و عداوت سے آپسمین ایک دوسرے کے حقوق غصب کر لینے مین پس و پیش نہین کرتے اور خود غرضی اور طمع و ہوس کے ہاتھون ذاتی نفع کے خیال سے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی جا و بیجا کوشش سے عار نہین رکھتے اُسیطرح خدائی خلافت کے دو دعویدارون مین سے ایک نے دوسرے (عورت) کے استحقاق پر خاک ڈالنے اور اُسے درجۂ مساوات سے گرا دینے کی کوئی تدبیر اُٹھا نہین رکھی۔ مردون کی اس تنگ نظری نے عورتون کی عزت و وقعت کو ایک حدتک صدمہ پہونچایا ہے اور تواریخ عالم کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان بے زبانون پر بعض اوقات ظلم و زیادتی کا کوئی دقیقہ باقی نہین رکھا گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ جب سے عورتون کے اختیارات مردون نے محدود کرنے شروع کیے اُسیوقت سے دُنیا مین

فتنہ وفساد کی جڑ از سرِ نو سرسبز ہوگئی۔ البتہ جن قومون نے جب کبھی فرقہ اُناث کے غصب شدہ حقوق واپس دیدئے ہین اُسوقت اُنھین تمدنی و ملکی ترقی بھی نصیب ہوئی ہے۔

واقعات عالم پر اگر غور کیا جائے تو مردون کے اُن خود سرانہ مظالم کا حال بخوبی کھل سکتا ہے جو اُنھون نے غریب عورتون پر توڑے ہین۔ دُنیا مین کوئی قوم اور کوئی فرقہ ایسا نہین جس نے کبھی نہ کبھی مستورات کو ذلیل وخوار کرنے کی تدابیر نہ کی ہون اور اسطرح اپنے آپ کو بطور ایک جابر و غاصب ہونے کے خدا کے سامنے جوابدہ نہ بنایا ہو۔ اس جگہ مجھے اس امر سے قصداً احتراز کرنا پڑا ہے ورنہ مین مفصل طور سے عرض کرتا کہ یورپ نے جو آجکل اس بات کا مدعی ہے کہ دُنیا مین حرمت نسوانی اُسیکے ہاتھون قائم ہوئی ہے کیسی کچھ زیادتیان عورت ذات پر توڑی ہین۔ بیشک اس سے کسیکو مجال انکار نہین کہ فی زمانہ وہ اپنے طبقۂ نسوان کا حقوق شناس ہونیکی حیثیت سے بھی دور جدید کی تاریخ مین اُسکا نام سب سے اوّل لکھا جانے کا مستحق ہے لیکن وُہی یورپ جو آج اقوام عالم کو اپنی ترقیون کے افسانے سُنا سُنا کر متحیر بنا رہا ہے کسی زمانہ مین عورتون کیلئے دوزخ سے کم نہین تھا۔ چند صدی پیشتر تک اکثر یوروپین ممالک مین عورت ذات کو ذی روح طبقہ سے خارج سمجھتے تھے۔ وہان کی سوشل زندگی پر نظر ڈالئے تو عورتون کی بیبسی اور بیچارگی طرفہ تماشا معلوم ہوتی ہے۔ ازدواج وغیرہ مین عورتون کو مطلق دخل نہ تھا۔ اُنکی حالت لونڈی غلامون سے بھی بدرجہا بدتر تھی۔ جانورون کی طرح اُنکی خرید و فروخت کیجاتی تھی۔ شوہر مجلس ہونیکی جگہ اُسکا گویا حاکم تھا اور اُسے مجاز تھا کہ وہ اپنی عورت کو معمولی سی خطا پر جان سے مار ڈالے۔ بعض جگھون پر دستور تھا کہ لڑکیان بادشاہ وقت کی ملکیت خیال کیجاتی تھین اور بازار مین اُنکا سالانہ نیلام ہوتا اور وصول شدہ رقم خزانۂ سلطنت مین جمع کر دیجاتی۔ اسیطرح تمام دُنیا مین عورتون کی مٹی پلید کیگئی ہے۔ عرب۔ روم۔ تاتار۔ ایران۔ ہندوستان کوئی اس عالمگیر اور نفرت خیز الزام سے بری نہین ہوسکتا۔ ہان یہ ضرور ہے کہ یورپ کی طرح اور ممالک مین بھی جب اُنھین اپنی ذلت بار حالت کا احساس ہوا اور اُنھون نے قعر ذلت سے نکلکر اوج رفعت کیطرف رُخ کیا تو اُنکے فرقہ ذکور کے ساتھ اُناث کی بھی حالت سنبھل گئی اور وہ عورتون کے نفع بخش وجود سے متمتع ہونے لگے۔

قدیم ہندوستان کے متعلق میری معلومات کسی حد تک ضرور محدود ہین۔ لیکن یوروپین مصنفون نے بیان کی آرین سوسائٹی کا جو کچھ حال لکھا ہے اُس سے اور نیز ہندی اور سنسکرت کی بعض متداول کتابون سے واضح ہوتا ہے کہ یہان بھی عورتین ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہین اور اُنکے اختیارات محدود کرنیکی کوشش کیگئی ہے۔ تاہم اُس سے انکار نہین کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ ہندو مستورات نے اپنے علم و فضل کی روشنی سے ہمعصرون کی آنکھون مین چکا چوند پیدا کر دی تھی۔ اسوقت بھی اکثر مشاہیر عورات کے حالات کتابون مین آپ کو مل سکتے ہین۔ شاید یہی وہ زمانہ تھا جسے "عہد زرین" کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ مین بھی جبکہ ہندو کمیونٹی علم و ہنر کے ہر ایک شعبے مین ترقی کر رہی ہے اُنکا طبقہ نسوان

اپنی ضروریات کو محسوس کرنے لگا ہے اور ظاہر ہے کہ جس بات کے لئے مرد اور عورت دوش بدوش جد وجہد کرنے پر آمادہ ہون اُسکی کامیابی مین شک کو مطلق گنجایش نہین ہوسکتی۔

تمام اقوام کے حالات پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد اگر عالم اسلام کو دیکھا جاتا ہے تو یہان معکوس کیفیت نظر آتی ہے۔قبل بعثت پیغمبر آخرالزمان صلعم عرب جس جہالت وگمراہی مین پھنسا ہوا تھا اُسکا اندازہ تاریخ کے مطالعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے۔اسلام نے جہان انسانی سوسائٹی کے سنوارنے مین معجز نما کوششون سے کام لیا وہان اُسنے مستورات کو بھی مردون کے جابرانہ قبضۂ اقتدار سے نکالنے اور اُنہین دایرۂ جہالت سے باہر لانے مین کوئی دقیقہ نہین فروگذاشت کیا۔اسلام کو یہ فخر حاصل ہے اور منصف مزاج اہل الرّاے اصحاب غالباً اس فخر کو جائز سمجھنے سے اختلاف نہین کرسکتے کہ جس مذہب نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھکر احترام نسوانی کے حدود وسیع کرانے مین ہمت بلیغ صرف کی ہے وہ دین محمدی ہے۔اگرچہ خدانخواستہ مجھے کسی دوسرے مذہب کی توہین منظور نہین اور نہ مین اس امر خاص مین کوئی مذہبی مناظرہ قائم کرنا چاہتا ہون۔ مین نے فی الحقیقت یہان اپنی ذاتی راے کا اظہار بھی نہین کیا بلکہ یہ یورپ کے اکثر وبیشتر محققون کا خیال ہے جسے مین نے دوسرے الفاظ مین ادا کردیا ہے۔اور اسکے ظاہر کرنیکی ضرورت صرف یہ ہوئی کہ اُن لوگون کو حقیقت حال معلوم ہوجاے جو اسلام کے نام لیوا اور حضرت خیرالبشرؑ کے غلام ہونے کے باوجود آجکل عورتون کے حقوق کے غاصب بنے ہوئے ہین اور وہ دیکھین کہ اُنکی ذات سے احکام نبوی کی کس حد تک پابندی ہورہی ہے۔

اسلام نے صرف یہی نہین کیا کہ فرقۂ اُناث کو خستہ و خراب حالت سے نکالکر عزت وحرمت کے مدارج عطا کئے بلکہ انسانی سوسائٹی کا ایک ممبر ہونے کے طور پر مذہبی تمدنی۔علمی اور معاشرتی پہلو سے اُسکے حقوق قائم کرکے اور گمراہون کو جتادیا کہ عورت ذات کا وجود خداے تعالیٰ کیطرف سے نہایت مصلحت اندیشی پر مبنی ہے اور جو لوگ اُنہین بیکار محض یا اُنکی تخلیق کی غرض صرف نسل انسانی کی افزایش خیال کرتے ہین وہ سخت غلطی پر ہین۔اکثر مقامات مین دستور تھا کہ عورت کو مذہب سے کوئی تعلق نہ رہتا اور جزا و سزا کے مسئلہ سے اُنہین اسوجہ سے بالکل علحدہ سمجھتے تھے کہ عورت تو مثل جمادات کے غیر حسّی شے ہے اور یون عذاب وثواب سے بے تعلق ہے لیکن بانی اسلام نے اس خیال باطل کے برخلاف یقینی طور پر جتلایا ہے کہ عورت بھی مثل مردون کے اپنے افعال واعمال کی بذات خود ذمہ دار ہے۔کلام پاک کی آیت شریف "یا ایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء" گویا مستورات کے حقوق عزت وحریت کی دستاویز ہے۔نصوص اور اخبار کی مستند کتابون مین مسائل نسوانی پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالکر عورتون کے صحیح پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے۔ اور اُن فرائض کی تصریح وتشریح کیگئی ہے جنکا بار عورتون کی گردن پر خلافت الٰہی کی مشترک دعویدار ہونیکی حیثیت سے ہونا ضرور تھا۔لیکن مین اوپر کہہ چکا ہون کہ برخلاف اور اقوام کے مسلمانون مین مستورات کے ساتھ معکوس برتاو کیا گیا ہے۔دوسری قومون کو جبتک عورتون کے



رُکمانگد اور موہنی

انڈین پریس الہ آباد

پر مفاد زندگی سے آگاہی نہ تھی اُسوقت تک وہ اُنہین ذلیل سمجھتے رہے اور جب تجربہ و مشاہدہ یا تعلیم کی امداد سے اُنہین عورت ذات کی پوشیدہ مگر مفید عام قابلیتون سے واقفیت ہوگئی اُسوقت وہ غلط اور لاطائل خیالات کی پیروی سے علیحدہ ہو گئے۔ اور مسلمانون مین اسکے بالکل برخلاف ہوا کہ قرون اولے مین اسلامی مستورات کو اپنے حقوق و فرائض سے متمتع ہونے کی پوری پوری آزادی تھی۔ اُنکی سوشل زندگی ناجائز مشکلات اور جابرانہ اختیارات کے قبضے مین نہ تھی۔ اُنہین مردون کے محکمانہ اور بزدلانہ جذبات کا شکار نہ بننا پڑتا تھا۔ مذہبی ملکی اور معاشرتی ابواب مین اُنہین اظہار رائے کی پوری اجازت تھی اور آنحضرت صلعم تک اُنکی آرا پر نہایت انصاف پسندی غور فرمانا پسند فرماتے تھے۔

تیرہ سو سال کی طویل مدت آفتاب اسلام کو چمکتے ہوئے ہو گئی۔ اس درمیان مین مسلمانون نے روحانی ترقی کے ساتھ جو کچھ دُنیاوی عروج حاصل کیا اُسکی دلچسپ کیفیت باخبر لوگون سے پوشیدہ نہین جس زمانہ مین مسلمان آسمان فضل و کمال کے نیّر درخشان بنے ہوئے تھے اور سطوت و اقبال اُنکے قدمبوس ہونیکی آرزو دل مین لئے ہوئے ہمیشہ ہمراہ رکاب رہنا اپنی عزت سمجھتے تھے اُسوقت کے تاریخی حالات پڑھیئے اور دیکھئے کہ مردون کے پہلو بہ پہلو عورتون نے میدان علوم و فنون مین کیا کیا سحر کاریان دکھائی ہین۔ اُنکے تذکرے اسوقت بھی گمراہون کیلئے شمع ہدایت کا کام دے سکتے ہین۔ ہان کام لینے والے کی ضرورت ہے۔

اُسوقت کی حالت کا سرسری خاکہ ذہن مین کھینچکر آپ اس زمانہ کی افسوسناک کیفیت سے مقابلہ کرین اور انصاف سے کہین کہ کیا یہ مسلمان مستورات حضرت اسماء و زبیدہ وغیرہما کی جانشین بننے کے قابل ہین۔ مگر اسمین غریب مستورات کب قصوروار ٹھہرائی جاسکتی ہین۔ اسکے ذمہ دار تو ہم مرد لوگ ہین جنہون نے نشہ حکومت کی ترنگ مین اپنی مان۔ بہنون، بیبیون اور بیٹیون کے حقوق مین ناجائز طور سے دست اندازی ہونے مین مطلق باک نہ کیا اور اب اُنہین اس حالت کو پہونچا دیا کہ خود اُنکی قوت احساس اپنی موجودہ حسرتناک و ذلیل زندگی کے محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ مختصر یہ کہ اور اقوام نے تو جہالت و لاعلمی کی وجہ سے اپنی عورتون کے ساتھ نفرت خیز سلوک کیا اور جب یہ جہالت اور لاعلمی جاتی رہی تو اُنہون نے اپنے مظالم سے بھی توبہ کر لی اور مسلمانون پر یہ الزام ہے کہ اُنہون نے اس زمانہ مین جان بوجھکر حقوق نسوانی غصب کئے ہین اور باوجودیکہ اُنکی آسمانی کتاب اور اُنکے پیغمبر کے فرامین اُنکے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ ٹھہرا رہے ہین لیکن وہ اُنکی طرف دھیان نہین کرتے۔ گویا عمداً اپنے مذہب کی تکسیر شان کے باعث ہو رہے ہین۔

جس بیان کے لئے ہمنے یہ تمہید قائم کی تھی اُسکے متعلق ہمنے ایک لفظ بھی عرض نہین کیا اور سیاق عبارت کے سبب سے تمہید اسقدر طولانی ہو گئی کہ غزل کا مطلع مقطع ہو گیا۔ ہمین اس تمہیدی عبارت مین مختصراً یہ بات دکھانا منظور تھی کہ اسلام نے عورتون کے ساتھ فراخ حوصلگی کے ساتھ کام لیکر اُنکے حقوق اور فرائض کی تفصیل کی ہے لیکن اس زمانہ کے مسلمان خلقی بخل کے ہاتھون اُنکے ہر ایک حق و استحقاق کو ملیامیٹ کرنے مین اپنی تمام طاقت صرف کر رہے ہین اور خود رائی اور جہالت نے اُنکی آنکھون پر

پردے ڈال دیئے ہین کہ اُنہین نیکی و بدی مین تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

منجملہ اور اہم مسائل کے پردہ کا مسئلہ بھی ایسا ہے جسکا تعلق بلا واسطہ عورات سے ہے اور جس سے ملک اور قوم کی عام ترقی کو کچھ نہ کچھ لگاؤ ضرور ہے۔ ہندوستان مین یہ مسئلہ ایک عرصہ سے معرض بحث مین ہے۔ لیکن ایک خاص فرقہ مسلمانون مین ایسا موجود ہے جو ہندوستان کے موجودہ پردے کو عین قرآن و حدیث کے موافق بتاتا ہے۔ ہماری راے مین جہان اس مسئلہ پر مذہبی نقطۂ خیال سے غور کرنا ازبس ضروری ہے وہان یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ اس سے کیا کیا نقصانات قوم کو پہونچ رہے ہین یا اسکی پابندی کون سی خیر و برکت کے موجب ہے۔ مین نے اس مسئلہ کو کامل کئی سال تک اسٹڈی کیا ہے اور ایک عرصہ تک حیص و بیص اور تذبذب کی حالت مین رہنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ ہندوستان کا موجودہ پردہ احکام شریعت محمدی کے مطابق نہین ہے۔ اور یہ مردون کی حکومت پسند طبیعت کی صرف ایک جدت ہے۔ اسمین شک نہین کہ موجودہ رسم پردہ ایک عرصہ سے ہندوستان کے مسلمانون مین مروج ہے لیکن صرف اسقدر کہدینا اسکی تقدیس کی کفالت نہین کر سکتا کہ یہ رواج اسی شکل اور اسی صورت سے ہمارے بزرگون مین موجود تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسکے قائم کرنے کی آخر کونسی ضرورت داعی ہوئی۔ قیاس ایک ایسی چیز ہے کہ اسکی مدد سے آدمی زمین اور آسمان ایک کر سکتا ہے لیکن غور کرنا چاہئے کہ ہندوستان مین اسکی ابتدا کیونکر ہوئی۔ عرب مین آنحضرت (روحی فداہ) کے زمانۂ مبارک سے قطع نظر کرکے دیکھا جاے تو ممالک اسلامیہ مین آج بھی پردہ کی اسقدر قید کہین نہین ہے اور اسلامی حکومت جب قائم تھی اُسوقت بھی ہندوستان کا سا پردہ کسی جگہ نہ تھا۔ ظن غالب ہے کہ مسلمان جسوقت یہان آئے تھے اُسوقت وہ اس ملک مین کیا بلحاظ مذہب و معاشرت اور کیا بلحاظ خیالات و روایات غرض ہر پہلو سے محض اجنبی تھے اور چونکہ اُسوقت جنگ و جدال کا بازار عموماً گرم رہتا تھا اور یہان کوئی دوست یا غمگسار نہ تھا اسوجہ سے اُنہین ضروری معلوم ہوا کہ وہ مستورات کے لئے حفاظت کا انتظام کرین اور غالباً اس طریقے سے ہندوستان کے موجودہ پردے کی بنیاد قائم ہوئی جو رفتہ رفتہ اسدرجہ سخت و تکلیف رسان ہو گئی ہے۔ دوسرے ممالک اسلام مین چونکہ مسلمانون کو ہندوستان کی سی اجنبیت و غیریت سے سابقہ نہین پڑا اسوجہ سے وہان پردہ اسقدر شدید نہین ہے۔

اسلام ایک فطرتی مذہب ہے اور اُسکے قوانین و احکام عین فطرت کے مطابق ہونا چاہئے۔ لیکن ہم جب اس مروجہ پردہ پر غور کرتے ہین تو مشکل کوئی پسندیدہ پہلو نظر آتا ہے۔ اس سے زیادہ مضرت اس رسم کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ گویا یہ تحصیل علوم مین جسپر دینی و دنیاوی بہبود و فلاح کا انحصار ہے۔ ایک ناقابل اندفاع رکاوٹ ہے۔ تعلیم نسوان کی ضرورت و اہمیت پر یہان کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ موجودہ پردے کے مویدین کی بھی ایک بڑی جماعت عورتون کو ضروری علوم و فنون کی تعلیم دلانا ضروری سمجھتا ہے۔ مخالفین تعلیم نسوان چونکہ عورتون کے فرائض

بہت محدود خیال کرتے ہین اسلیئے اُنکے خیال مین تعلیم بھی بے ضرورت چیز ہے لیکن غور کیا جاے کہ امور خانگی کے انصرام مین بھی کسیقدر عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور عقل فطری جسکی نشو ونما خارجی اسباب سے غیر ممکن ہے اس باب مین مطلق کار آمد نہین ہوسکتی - کیونکہ اسکا تعلق عقل مکتسب سے ہے اور مکتسب عقل بلا علم کے نہین پیدا ہوسکتی - غرض اسی قسم کے اور بہت سے نقائص پردہ کیوجہ سے پیدا ہوگئے ہین - مگر نعوذ باللہ ایک مسلمان کے دل مین کبھی اس بات کا شبہ تک نہین عائد ہوسکتا کہ اُسکے مذہب کے احکام فطرت کے خلاف ہین - اب سچے مسلمانون کو اسکے سواے اور کیا چارہ ہے کہ خود ہندوستان کے مروجہ پردہ کو خلاف عقل سمجھین اور حقیقت حال بھی یہی ہے -

ہمنے پردہ کے متعلق اوپر جو کچھ عرض کیا ہے وہ تمام وکمال ہندوستان کی موجودہ رسم سے متعلق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نے عورتون کے لئے پردہ ضروری قرار دیا ہے لیکن اسلامی پردے کو ہندوستان کے پردہ سے کوئی نسبت نہین - بانی اسلام کی شریعت پُرحکمت اصول پر مبنی ہے اور اُنہین حکیمانہ اصول پر اسلامی پردہ وضع کیا گیا ہے - جو تمدن و معاشرت یا مذہب کے کامون مین کسیطرح ہارج نہین ہوسکتا اور ایسکے پہلو بہ پہلو عورتون کی عزت و حرمت قائم رکھنے کا بھی ذمہ دار ہے - اسلامی پردہ اپنی اصلی شان مین تو شاید ہندوستان کے کسی خطہ - کسی شہر - کسی قصبہ اور کسی گھرانے مین موجود نہین - ہان اس کی معمولی سی جھلک کو مصر اور ٹرکی مین مل سکتی ہے - جہان عورتین چار دیواری مین محبوس نہین ہوتین بلکہ اپنی ضروریات کی دیکھ بھال گھر کے باہر بھی کرسکتی ہین - لیکن گھر سے باہر اُنکا لباس اور اُنکا طرز عمل شرم حجاب نسوانی کی محافظت کرتا ہے اور اُنہین بد بینون کی نگاہین اور بد اندیشون کے ناقص خیالات کوئی صدمہ نہین پہونچا سکتے -

ہمارا خیال ہے کہ اگر ہندوستان کا پردہ عین ہدایات اسلامی کے مطابق ہوتا تو اسکی نظیر دوسرے ممالک مین بھی ملتی لیکن ایسا نہین ہے - خود ہندوستان کے مسلمانون مین سے اکثر اصحاب روم - شام - دمشق - مصر - ایران اور افغانستان وغیرہ مین بہ تقریب سیاحت ہو آئے ہین لیکن اُنکا بیان ہے کہ کہین پردہ کی یہ سختی اور شدت نہین ہے جو ہندوستان کی بے زبان مستورات کے نصیبون مین لکھدی گئی ہے -

ایک نکتہ اور بھی قابل تحریر کرنے کے ہے کہ اگر ہندوستان کے پردہ کو اسلامی پردہ تسلیم بھی کرلیا جاے تو اُسکے رو سے عورتون کو سفر حج سے باز آنا پڑے گا - کیونکہ اثناے سفر و ایام حج مین وہ پابندیان قائم نہین رہتین جو یہان کی عورتون کے لئے ضروری ہین - لیکن اسلام نے فریضۂ حج ذکور و اُناث کے لئے یکسان لازمی قرار دیا ہے - ہان مستورات کے لئے کسی محرم کو ساتھ لے لینے کا حکم ہے جو اعلیٰ درجہ کی مصلحت اندیشی اور دوربینی پر محمول ہے -

اسلامی پردہ کی بُنیاد چونکہ حکمت آمیز اصول پر ہے اسلیئے وہ نہ عورتون کے لئے بمنزلہ قید کے ہے اور نہ تمدن پر بار گذر سکتا ہے - نہ وہ امور مذہب کی ادائگی مین ہارج ہوتا ہے - نہ اُسکی پابندی سے دُنیاوی کامون اور

پیشون مین خلل پڑتا ہے اور میرے خیال مین اس قسم کا پردہ عورت ذات کے لئے از بس ضروری ہے جو ایک طرف تو اُسکے دینی و دُنیاوی مشاغل مین مخل نہو اور دوسری جانب اُسکی وجہ سے اُسکی عفت و عصمت خطرے سے محفوظ رہے - یہ ضرور ہے کہ عورت خود اپنی محافظ ہوتی ہے اور ظاہری رُکاوٹین بجاے خود بیکار ہین لیکن اشتعال انگیز اسباب کا انسداد فی نفسہ بہت بڑا ذریعہ درستی اخلاق کا تسلیم کیا گیا ہے - زمانہ کے موجودہ انقلاب کے ساتھ ہندوستان کے پردے کے پرُپُرزے بھی ڈھیلے پڑ چلے ہین اور لوگون کو صحیح و غلط کی تمیز کرنے کا شوق ہوگیا ہے - اکثر مبصرون کی راے مین موجودہ پردہ بہت تھوڑے عرصہ کا مہمان ہے - وہ دن بہت مبارک ہوگا جب اس مذموم رسم کی بیخکنی کامل طور پر ہوجائیگی ہان اسقدر خوف ضرور ہے کہ کہین ہم ایک مصیبت سے نکلکر دوسری آفت کے پنجہ مین نہ پھنس جائین - موجودہ پردہ کے مخالفون مین ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کوتاہ اندیشی سے ہر ایک امر مین یورپ کی تقلید کا شرف حاصل کرنیکی متمنی نظر آتی ہے - گویا اُسکے خیال مین "اسلامی پردہ" بھی اپنے حقیقی اور اصلی معنون مین بھی قائم نہ رہنا چاہئے - افراط و تفریط کسی حال مین پسندیدہ نہین کہی جاسکتی - تفریط سے نکلکر افراط کی بلاے جان دلدل مین گر پڑنا کونسی عقلمندی ہوسکتی ہے - "خیر الامور اوسطہا" اسلام نے ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اگر ہمین اسلام سے علحدہ ہوکر دُنیا مین رہنا سہنا ہے تو اسکا کوئی ذکر نہین - ہان مسلمان اور سچے مسلمان کے نام سے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمارا کام ہوگا کہ جہان اس پردہ کو جو ہندوستان کی مسلمان خواتین کے حق مین آسمانی آفت سے کم نہین مٹانے کی سعی کرین وہان "اسلامی پردہ" کے قائم کرانے مین بھی عملی تدابیر سے کام لین - تاکہ ہمارا ملک اور ہماری قوم بے پردگی کے اُن نتائج سے محفوظ رہے جو یورپ کی تہذیب و تمدن کے دامن پر بمنزلہ داغ ہے اور جسکی وجہ سے وہان کی ترقی بعض اوقات ایشیا والون کو اپنے طرف سے متنفر بنا دینے کا سامان پیدا کر دیتی ہے - علیگڈھ مین مدرسۂ تعلیم المعلمات کا اجرا مناسب و مستحسن ہے لیکن ہمارے خیال مین اگر وہان بھی اسکول کی چار دیواری مین مقید رہکر لڑکیون نے تعلیم حاصل کی تو اُسکے نتائج چندان مفید اور حوصلہ افزا نہین ہوسکتے - ایجوکیشنل کانفرنس نے چونکہ مسلمانون کی تعلیمی معاملات کی رہنمائی اپنے ذمہ لی ہے اور اپنی ذمہ داری کو اُسنے ایک حد تک محسوس کیا ہے اسلئے اُسکی مساعی جمیلہ کا رجحان بہت جلد اس مسئلہ کے حل کرنیکی طرف ہونا ضروری ہے - موجودہ پردہ کے سبب سے جو بیجا قیود لڑکیون کی تعلیم مین دقتین پیدا کر رہی ہین اُنکے رفع کرنے کے لئے فوری توجہ درکار ہے - علیگڈھ کے مدرسۂ نسوان مین لڑکیون کو اسلامی پردہ کے ساتھ تعلیم دینے کا انتظام ہوجاے تو اسوقت جو مشکلات معلمات کے بہم پہونچنے مین پیش آرہی ہین وہ کسیقدر کم ہوسکتی ہین - اور ابتدائی تعلیم کا آغاز بوجہ احسن ہوسکتا ہے -

اسوقت اکثر مسلمان موجودہ پردہ کو غیر شرعی اور بے ضرورت سمجھنے کے باوجود اُسکے پابند نظر آتے ہین اسکی وجہ سواے اسکے کچھ نہین ہے کہ ابتک موجودہ پردہ کی مخالفت جس پیراے مین کیگئی ہے اُس سے صاف طور پر

مترشح ہوتا ہے کہ مصلحان پردہ کی غرض اس رسم کو ایک سرے سے اُٹھا دینے کی ہے حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارا منتہائے نظر یہ ہونا چاہئے کہ اس وضعی پردے کو خیرباد کہکر خالص اسلامی پردہ کو رائج کیا جائے جب مسلمانوں کے سامنے اسلامی پردہ اپنی اصلی شان کے ساتھ پیش کیا جائے گا تو اُنہیں اُسکے تسلیم کرنے سے چارہ نہوگا۔

اسلامی پردہ کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ حکیمانہ اصول پر مبنی ہے۔ حجاب کے متعلق جو احکام شرعی موجود ہیں اُنہیں اسکے اختیار کرنے سے کوئی فرق نہیں آسکتا اور ضروری کاروبار سے بھی وہ مستورات کو روک نہیں سکتا۔ عرب میں اسوقت بھی عورتیں بازار میں بیع و شریٰ کی غرض سے جاتی ہیں۔ خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہیں۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کرنے کو دن دہاڑے باہر نکلتی ہیں لیکن کوئی اُنپر بے شرمی و بے حجابی کا الزام نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت ایک ایسا لباس پہن لیتی ہیں جسکی وجہ سے اُن کی آرایش و زینت اغیار کی نظر بازیوں کا شکار نہیں ہونے پاتی۔

ایک دفعہ کانپور سے الہ آباد جاتے ہوئے فتحپور کے ریلوے اسٹیشن پر میں نے ایک مسلمان خاتون کو دیکھا جو تن تنہا سفر کرتی ہوئی آرہی تھی۔ فتحپور میں اُسکو اُترنا تھا۔ گاڑی سے اُترکر وہ سیدھے اسٹیشن ماسٹر کے کمرہ میں چلی گئی اور وہاں سے اپنا اسباب لیکر قلیوں کے حوالے کردیا۔ تار دینے کے لئے سگنلر کے پاس پہونچی اور فیس دیکر رسید لی بُرقعہ جسکی وضع و تراش میں خاص قسم کی دل آویز جدت کیگئی تھی اُسکے جسم پر تھا اور اُسکے طرز سے معلوم ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ اور ضروریات زمانہ سے باخبر ہے۔ اس قسم کی واقفیت ہمارے طبقۂ اُناث کو حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ناقابل برداشت مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور اچھے اچھوں کے حواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ میرے ایک ہمسفر دوست بھی اس لیڈی کے طرز لباس اور طریق عمل سے متاثر ہوئے۔ ہم دونوں میں پردہ سسٹم پر ایک دلچسپ بحث چھڑگئی اور بالآخر دونوں اس نتیجہ پر متفق ہوئے کہ اسلامی پردہ کو رائج کرنیکی ہندوستان میں ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ سہل اور سادہ ہونیکے ساتھ ہی کسی پہلو سے مضرت بخش نہیں ہوسکتا۔ بعض دوست شاید بُرقعہ کو ناپسند کریں اور ہم بھی اس قسم کے بُرقعہ کو جو اکثر آجکل مستعمل ہے مفید مطلب نہیں سمجھتے۔ تاہم اسمیں ضروری ترمیم و اصلاح کی گنجایش ہے جسکے بعد یہ تکلیف رساں نہ رہیگا ٹرکی میں جو لباس رواج پذیر ہے غالباً ہندوستان میں بھی اُسکا استعمال نامناسب نہوگا۔ ایک فرنچ لیڈی نے (افسوس ہے کہ اسوقت مجھے اُسکا نام یاد نہیں رہا) وہاں کے بُرقع کی بہت تعریف کی ہے۔ اور کہتی ہے کہ ترکی عورتیں جسوقت اُسکو زیب تن کرتی ہیں تو اُنکی حالت وحیثیت میں نقص پیدا ہونیکی جگہہ خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے اور وہ اُن عورتوں سے کہیں زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی ہیں جو کھلے بندوں اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہیں۔

الغرض اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے خیالات کو اُلف عادات کی مضبوط زنجیروں سے آزاد کرا کے موجودہ پردہ کو خیرباد کہیں اور بے زبان جنس لطیف کے اوپر سے ناجائز و ظالمانہ قیود کا انسداد کرکے اُنہیں زندہ درگور ہونے سے بچاویں۔ اگر ہمکو اس افلاس و مصیبت کی حالت سے نکلنا ہے

اگر ہمین تنازع للبقا کے میدان مین شہسوار نیکصف آرا ہونا منظور ہے۔ اگر ہمکو قومی زندگی کی خواہش ہے اور ہم چاہتے ہین کہ ہم بھی اقوام متمدن کیطرح اپنے علوم و فنون۔ اپنے فضل و کمال وغیرہ کی داستانین صفحات تاریخ پر چھوڑ دین تاکہ آیندہ نسلین اُنکو دیکھکر ہماری ذہنی و دماغی قابلیتون کی معترف ہون تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کامون مین عورتون کو بھی شریک کرین اور رسم و رواج کی بیڑیان اُنکے پیرون سے کاٹ کر اُنہین ہاتھ پیر ہلانیکے قابل بنائین۔ اور جائز حدود کے اندر اُنہین آزادی دینے سے دریغ نکرین اور اگر یہ نہین تو ہمین ہمیشہ کے لئے حقیقی ترقی کو خیرباد کہدینا چاہئے۔

سید محمد فاروق

قطب مینار کسنے بنایا

مئی کے ادیب مین اسکے متعلق دو خیال ظاہر کئے گئے ہین۔ ایک یہ کہ ہندؤن کی عمارت ہے جسکی شکل مسلمانون نے بدل لی۔ اور دوسرا یہ کہ از سرتاپا مسلمانون کی بنا ہے۔ چونکہ یہ مضمون قومی تعصب سے قطع نظر کرکے محض تحقیقی انداز سے لکھا گیا ہے۔ اسلئے مین بھی اپنی واقفیت بلا خیال جانبداری کسی گروہ کی ظاہر کرنی چاہتا ہون۔

ہندؤن کی تعمیر ہونیکا ثبوت ان دلائل سے دیا جاتا ہے۔ جنمین سے چند ادیب مین مذکور ہین اور باقی میری یاد مین محفوظ تھین۔

(۱) مینار مین کُرسی نہین ہے۔ اور مسلمانون کی سب عمارتین کُرسی دار ہوتی ہین۔

(۲) مینار کا دروازہ شمال رویہ ہے۔ مگر مسلمان بڑی عمارتون خاصکر مسجدون کا دروازہ شرق رو بناتے ہین۔

(۳) مینار کے پاس ایک برج ہے حالانکہ مسلمان مسجد کے تین برج بناتے ہین ۔

(۴) مینار کی بنیادون مین مورتین بنی ہوئی ہین۔ جو ہندوانی ساخت کی علامت ہے۔

(۵) سرسیّد مرحوم نے آثار الصنادید مین مینار کی نسبت کچھ شبہ سا ظاہر کیا ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہندؤن کی عمارت ہے۔

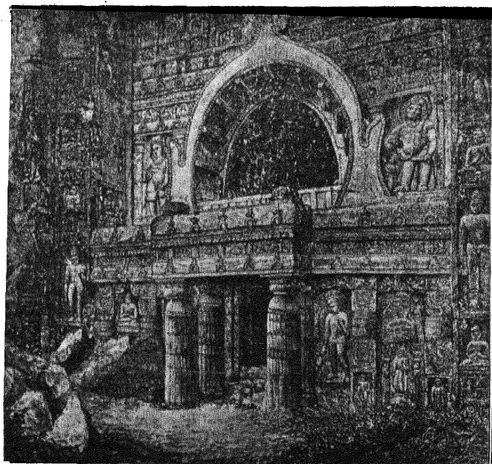
اسلامی عمارت ہونیکا دعوی ان براہین پر مبنی ہے:۔

(۱) مینار کے دروازون کی محرابین بیضی ہین۔ اور ہندؤن کو اس زمانہ مین بیضی محراب بنانی نہین آتی تھی۔ مسلمانون نے سب سے پہلے اس ملک مین ایسی محراب بنائی۔

(۲) مسجد قوت الاسلام کے بائین پہلو مین مینار اس قرینہ سے بنایا گیا ہے کہ فاصلہ اور موقع صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ مسجد کا مینار ہے۔

(۳) لارڈ کرزن کے زمانہ مین جب مسجد و مینار کی مرمت ہوئی تو مسجد کا فرش درست کرنے مین پتھر اُکھاڑے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اندر انکے بت بنے ہوئے ہین۔ اسی قسم کے پتھر قطب مینار کی بُنیاد اور وسطی حصہ مین پائے گئے۔ جنکا بیرونی حصہ صاف تھا اور اندر بُت تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بُت خانہ کے پتھرون سے مسجد اور مینار بنایا گیا۔

؎ اس ثبوت مین اجنٹا کے ایک غار کی تصویر دیجاتی ہے جو اسلامی اثر سے بہت پیشتر کی حیرت انگیز عمارت ہے۔ اسمین بغدادی محرابین صاف طور پر نظر آتی ہین اور دکن مین بحالت اصلی دیکھی جاسکتی ہین۔ ایڈیٹر



غار اجنتا

ہندؤن کی عمارت ہوتی تو مورتون کو اندر کے رخ نہ چھپایا جاتا۔

(۴) ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ مین اسکی تعمیر کا چشم دید حال لکھا ہے۔ اسکے بیان سے ثابت ہے کہ قطب الدین ایبک کی اس عمارت کو ابن بطوطہ کے وقت مین کوئی بادشاہ مکمل کرا رہا تھا جسکی پاڑ اتنی بڑی تھی کہ ہاتھی پتھر لیکر اس پر چڑھ جاتے تھے۔

(۵) کتبون اور آیات قرآنی کی نشست بالکل موزون اور چست ہے۔ یہ نہین معلوم ہوتا کہ بعد مین لگائے ہین۔

مسلمان محقق ہندؤن کی مذکورہ پانچون دلائل کا یہ جواب دیتے ہین۔

(۱) مینار اگر بذاتہ کوئی مستقل عمارت ہوتی تو اسمین کرسی دیجاتی مگر وہ مسجد کے تابع ہے۔ مسجد مین کرسی دی گئی ہے جسکا نمایان اثر علاء الدین کے دروازہ سے معلوم ہوتا ہے۔ شاہجہان کی دہلوی جامع مسجد مین بھی میناروں کو کرسی نہین دی گئی۔ مسجد کے تحت مین وہ بھی ہین۔

(۲) شرقی رو دروازہ ہونیکی کوئی خاص قید مسلمانون کے ہان نہین ہے۔ تاہم کہہ سکتے ہین کہ مسجد کا دروازہ شرقی رو تھا۔ مینار مسجد کے ماتحت ہے اسلئے اسکا خیال رکھنا ضرور نہ تھا۔

(۳) مینار کی بُنیاد مین کہین کہین مورتون کے نشانات تو اسلامی عمارت ہونے کی دلیل ہین۔ کیونکہ وہ پتھر مندرون سے لئے گئے تھے اگر ان پتھرون کو دیوار سے جدا کرکے دیکھا جائے تو نمایان مورتین نکلین گی۔

(۴) مینار کے پاس جو برج ہے وہ مسجد کا برج نہین ہے۔ بلکہ دروازہ مسجد کا ہے جسکو تعمیر مینار کے عرصہ دراز کے بعد علاء الدین خلجی نے بنایا ہے اور جسکی طرز تعمیر اور کتبے صاف کہتے ہین کہ وہ خلجیون کے وقت کی عمارت ہے۔ مسجد مین کوئی برج نہین ہے۔ وہ کھلی ہوئی ہے۔

(۵) سرسید مرحوم نے آثار الصنادید مین کوئی شبہ نہین کیا۔ صرف لوگون کے افواہ کو بیان کرکے اسلامی عمارت ہونیکا ثبوت دیا ہے۔

اب یہ بیان کہ مینار پرتھی راج کی بیٹی کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ وہ اسپر سے جمنا کے درشن کرے۔ قابل تسلیم نہین معلوم ہوتا۔ کیونکہ کہا یہ جاتا ہے کہ مینار کی ابتدائی منزل پرتھی راج نے بنائی تھی۔ پس اگر ابتدائی منزل پر چڑھکر دیکھین تو جمنا نظر نہین آتی۔ بہرحال یہ جو کچھ لکھا گیا محض تاریخی اور آثار قدیم پر مبنی ہے۔ ورنہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر قطب مینار ہندؤن کی عمارت ہے۔ تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ اور اگر اسکو مسلمانون نے بنایا تب بھی مسرت اور شادمانی دونون ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہین غیر ملکون مین دونون کے کام سے ملک ہند کا نام ہوتا ہے اور یہی ہم سب کے لئے باعث فخر ہے۔

لطیف الدین چشتی

مسدسِ غم

(از خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی)

میں آج کیوں متغیر جہان کو پاتا ہوں زمین کو زرد و خموش آسمان کو پاتا ہوں
خزاں رسیدہ ہر اک بوستان کو پاتا ہوں شکستہ حال مکین و مکان کو پاتا ہوں
زمانہ موردِ درد و غم و ملال ہوا
کہ بادشاہ سلامت کا انتقال ہوا

تمام شہر ہے سنسان سرد ہیں بازار نہ مشتری ہیں نہ تجار بند ہیں بیوپار
نہ بھیڑ بھاڑ نہ سڑکوں پہ گاڑیوں کی قطار مثالِ آئینہ حیرت زدہ در و دیوار
چہل پہل ہے نہ ساماں ہیں گرم جوشی کے
گھروں میں بیٹھے ہیں پتلے بنے خموشی کے

وہ بادشاہ جو فیاض تھا لڑکپن سے لیا نہ جسنے کبھی انتقام دشمن سے
تمام ملک تھا وابستہ جسکے دامن سے عیاں تھی عاطفت و رحم جسکی چتون سے
نظیر جسکا نہ تھا چرخ ہفتمیں کے تلے
وہ چاند آج نہاں ہو گیا زمیں کے تلے

وہ بادشاہ فلاطونِ وقت جسکے ندیم دل اسکے نام کی بیساختہ کرے تعظیم
وہ بادشاہ کہ ہے خاندان جسکا قدیم رفاہ جوئے رعایا کریم ابن کریم
نہ سمجھی مرتبہ و احترام اجل اسکا
کہاں یہ مدفنِ ویران کہاں محل اسکا

وہ بادشاہ سکندر حشم فریدوں فر وہ بادشاہ کہ تھا جسکا قہر حق لشکر
وہ بادشاہ کہ سلطان تھا جسکا ہر افسر وہ بادشاہ کہ تھا جسکا رعب دنیا پر
گلہ نہ کیوں ہو رعایا کو بد نصیبی سے
وہ آج خاک پہ سوتا ہے کس غریبی سے

نفس دست بستہ غلامی میں دولت و اقبال اٹھائے سر کوئی سرکش بھلا یہ کب تھی مجال
غرض کہ قطب جنوبی سے تا بہ قطب شمال اسیکا نام تھا پرتو فگن بصد اجلال
اسیکے عدل کا سب عادلوں پہ سکہ تھا
طلا و نقرہ تو کیا ہے دلوں پہ سکہ تھا

اسی نے دی تھی زراہِ کرم یہ نیک صلاح کہ دفعتہً ہوئی جاپان و روس میں اصلاح
رفاہ جو تھا ہمیشہ مسا ہو یا کہ صباح یہ بادشاہ زمانے کی چاہتا تھا فلاح
نہ سر میں کبر نہ زعم اپنی بادشاہی کا
ہمیشہ دھیان تھا پبلک کی خیرخواہی کا

شہنشاہا تری رحلت کا ہے جہاں میں الم سپہر بار گراں! بزم غم ہے یہ عالم
فلک وقار زمیں داورا! کہیں کیا ہم ہجوم یاس سے بس میں نہیں زبانِ قلم
جگر پہ صفحۂ کاغذ کے تیغ چلتی ہے
صریر سے بھی صدائے فغاں نکلتی ہے

شہا یہ نیند ہے کیسی کہ جاگنا ہے قسم یہ غفلتیں تو رعایا پہ ڈھا رہی ہیں ستم
یہ کیا کہ آج نہیں اسطرف نگاہِ کرم زباں سے کچھ تو ہو ارشاد جاں بلب ہیں ہم
یہ خامشی غضب آفت دلوں پہ ڈھاتی ہے
تری غریب رعایا کی جان جاتی ہے

شہا تمام رعایا ہے یوں تو سوگ نشیں خصوص ہند کی خلقت ہے سب سے بڑھکے حزیں
یہ قوم لیکہ وفا کیش ہے نہ کیوں ہو غمیں مدبروں نے ہمیشہ کیا یہی تلقیں
جو ہو فلاح کے طالب وفا شعار رہو
تم اپنے شاہ کے ہر طرح جاں نثار رہو

کجا وہ سخت اپریشن کجا وہ نازک جا کہاں وہ نشترِ فولاد اور کہاں احشا
سلامتی کا یقین ایک کو نہ تھا حاشا جو دن تھے عمر کے باقی تو دی خدا نے شفا



شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا تابوت

ٹیسٹر آ سکے رعایا کو جشن عشرت کے
کٹے حضور، یہ ۹ نو سال ساتھ صحت کے

مگر جب آئی اجل کچھ نہ ہو سکا چارا   ذرا سی بات میں قصہ تمام تھا سارا
ہزار ڈاکٹروں نے سروں سے سر مارا   قضا کے حکم میں انکار کا کسے یارا
عیاں تھا حشر کا سامان اک اشارے میں
محل سے لے گئی تقدیر گاہوارے میں

زبانِ حال سے کہتی ہے شاہ کی رحلت   نہ ہو گی عہدہ برآ موت سے کوئی طاقت
ہے زندگی نفسِ چند بس نہ کر غفلت   جو موت آئی تو دیگی نہ آن بھر مہلت
قضا جب آ کے تماشا بنائے گی تجھکو
نہ مال و زر نہ حکومت بچائے گی تجھکو

یہ چند روزہ جہاں درس گاہ ہے پیارے   علوم و فضل کے طالب ہیں مرد و زن سارے
کرو مطالعہ بیٹھو نہ ہمتیں ہارے   جہالتوں کے نہ پابند ہو کہ یہ گنہگارے
کمی نہیں نگہِ عقل میں بصارت کی
پڑھو پڑھو کہ کھلی ہے کتاب فطرت کی

ذرا تو سوچ کہ تو کیوں جہاں میں آیا ہے   خدا نے کس لئے انسان تجھے بنایا ہے
کہ اس پہ غور کہ کیوں کانشنس پایا ہے   پیمبروں کے صحیفوں نے کیا بتایا ہے
نہیں ہے زمرۂ انسان میں بھی تو اصلاً تو
اسی کو تو نے نہ سمجھا تو کچھ نہ سمجھا تو

بشر ہیں سب ترے ہم جنس سب سے الفت کر   محبتوں میں ہیں کل نیکیاں محبت کر
ہلا نہ عرشِ خدا دل نہ توڑ عبرت کر   خود اپنی راہ میں کانٹے نہ بو مروت کر
تری خطا کا تری روح سے عوض لینگے
یہ عارضے تجھے مرنے کے بعد دکھ دینگے

گناہ جتنے ہیں وہ سب ہیں عارضے بہ یقین   بچ ان سے تا نہ تری روح مبتلا ہو کہیں
فنا کے بعد عدم میں جو ہو گا جا کے مکیں   یہ عارضے تجھے سب مل کے گھیر لینگے وہیں
یہ کوفت تا بہ قیامت ستائیگی تجھکو
عدم میں پل کسی کروٹ نہ آئیگی تجھکو

ہمیشہ چاہئے اے دوست اکتسابِ کمال   وہ کام کر کہ نہ ہو جسکو احتمالِ زوال
اگر ہے جوہرِ ذاتی کی ارتقا کا خیال   گزار دے اسی اک دھن میں عمر کے مہ و سال
دریغ اس میں نہ کر کام آئے گو سر تک
وہ نقش کھینچ کہ مٹنے نہ پائے محشر تک

نمود و نام کی خواہش بری نہیں ہے مگر   ریا نہ کر کہ ریا میں ہیں سو طرح کے ضرر
یہ پالسی جو زمانے میں آجکل ہے ہنر   ہے مکر و کذب خدا کے لئے کر اس سے حذر
مدام کوشش و کاوش رہے طہارت میں
لگے نہ داغ تری روح کی شرافت میں

خلاصہ یہ ہے کہ بچتے رہو رذائل سے   کرو نفوس کو آراستہ فضائل سے
رہے یہ فکر کہ کیونکر خودی مٹے دل سے   ہمیشہ چاہئے پرہیز فعلِ باطل سے
نگویم از تو ازیں پس کہ این مکن آن کن
بفہم مصلحتِ خویش و کارِ آسان کن

اب اس کلام کو کرتا ہوں ختم میں غمگین   دعا کو ہاتھ اٹھاتا ہوں سب کہیں آمین
یہ بادشاہ ہمارا جواب ہے تخت نشین   ہزار سال کرے زندگی بصد تمکین
جہاں میں تا بہ قیامت بعز و جاہ رہے
مگر غریب رعایا پہ بھی نگاہ رہے

ہزار حیف کہ غفلت میں عمر کی برباد   زمانہ بیت گیا تو مگر نہ چیتا شاد
یہ ناصحانہ مضامین یہ پند یہ ارشاد   جو خود ہے ان سے معرا تو سب ہیں بے بنیاد
نہ پائیں زور نہ امید دستگیری ہے
بس اب تو سوچ کے چل راستہ کہ پیری ہے

———

شاد عظیم آبادی

قیصر ہند کے ماتم مین چند آنسو

اے چشم تر اشکون کی روانی تو دکھا دے ہو خونِ جگر جسمین وہ پانی تو دکھا دے
آہون کی وہ کشتیٔ دُخانی تو دکھا دے ہان نوح کے طوفان کا ثانی تو دکھا دے

ماتم مین شہنشاہ کے یہ سینہ زنی ہے
جو بوند ہے آنسو کی وہ ہیرے کی کنی ہے

غم کھاتے ہین غم کھانے سے بس کام ہے ہمکو اپنا دلِ پرخون ہی بھرا جام ہے ہمکو
بے ہوش ہین یکسان سحر و شام ہے ہمکو بس وردِ زبان شاہ کا اک نام ہے ہمکو

بدلی ہے خموشی سے وہ شوخیٔ تکلم
رونے کو بھی آتا نہین ہونٹو پہ تبسم

وہ رحمدل و عادل و فیاض دلاور دارا حشم و کۓ خدم و رشک سکندر
آئینہٗ اقبال مین کچھ جسکے ہین جوہر گھیرے ہوئے عالم کو ہے تحسین کا سمندر

دُرہاے خوش آب اُسنے ہزارون مین لٹائے
گلہاے تر و تازہ بہارون مین لٹائے

صد حیف وہ خورشید جہان تاب کدھر ہے حیران ہین آنکھین تو پریشان نظر ہے
وہ حشر ہے برپا کہ جہان زیر و زبر ہے ہان کیون نہو یہ ماتمِ شاہی کا اثر ہے

کس مُنہ سے کہون ہاے یہ ایڈورڈ کہان ہین
دنیا سے جہان جاتے ہین سب اب یہ وہان ہین

واصف تجھے لازم ہے کہ اب ہاتھ اُٹھاکر شاہون کے شہنشاہ کے آگے یہ دعا کر
مرہم دل مجروح کے زخمون پہ لگا کر جو اُسکے اقارب ہین اُنہین صبر عطا کر

آباد رہین شاد رہین تا بہ قیامت
لاکھون ہی برس تک رہین یہ جارج سلامت

واصف

کلام اکبر

عورس کو، مئے گلگون کو پری کہتے ہین شیخ خوش ہون کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہین
اللہ اللہ یہ نور فلک و رنگ زمین سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہین
حسن کے باب مین اکبر کی سند ٹھیک نہین یہ تو ہر اک بت کمسن کو پری کہتے ہین

فانی ہے حُسن بُت یہ مین کیا جانتا نہین مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہین
اس انقلاب پر جو مین روؤن تو ہے بجا مجھکو وطن مین اب کوئی پہچانتا نہین
میرے لئے شراب یہان بھی ہے کیا حرام اس شہر مین تو کوئی مجھے جانتا نہین
اکبر ہنوز اُنسے ہے امیدوار لطف بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہین

ہم کب شریک ہوتے ہین دُنیا کی جنگ مین وہ اپنے رنگ مین ہے ہم اپنی ترنگ مین
وہسکی کی بو سے شیخ کے تیور بدل گئے انکی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ مین

کچھ غم نہین اگر مین مایوس ہوگیا ہون اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہوگیا ہون
کافی ہے سوز باطن انوارِ معرفت کو اپنی ہی شمع دل کا فانوس ہوگیا ہون

مجھکو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ کیا زندگی گذر سکے جب خوشی کے ساتھ
خُلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا کیا کیا مصیبتین ہین غریب آدمی کے ساتھ

فکرِ عزت مین عبث روز اک نئی تمہید ہے آجتک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا امید ہے
قدِ موزون دیکھیے ابرو کے بندش دیکھیے کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے

ہر جنبشِ نگاہ خود اک حجاب ہے عارض پر اُنکے جلوۂ ہستی نقاب ہے
آرام کی تلاش مین رکھا ہے بیقرار ہر خواہشِ سکون سبب اضطراب ہے

باغِ دل

سہے دلمین انجمن کو آج رشکِ گلستان کردون   دہانِ غنچہ سے رازِ دلِ بلبل بیان کردون
صریرِ خامہ سے ایسا جگاؤن آج مین جادو   کہ ہر برگِ شجر سے دفترِ معنی عیان کردون
شبیہ غنچۂ سربستۂ معنی وہ کھینچون مین   کہ حیرت سے قلم مانی کا انگشتِ دہان کردون
حسینانِ چمن سے سبزے کو بخشون ہم آغوشی   کرون وا چشمِ نرگس بند سوسن کی زبان کردون
چکور و نکی لگن کا داغ دلمین چاند کے ڈالون   گدازِ شمع سے مین سوزِ پروانہ عیان کردون
پہناؤن گردنِ سروِ سہی مین طوق قمری کا   دہانِ غنچہ مین پیدا صدا دل کی زبان کردون
دمِ بادِ صبا مین گھنگرو ہون پیچ سنبل کے   تبسم مین کلی کے بندِ بلبل کی فغان کردون
تدروون کے خرامِ ناز مین وہ کلیان بھرون   کہ دامن چادرِ مہتاب کا مشل کتان کردون
سمن کے سینۂ صافی مین ڈالون داغ لالہ کا   رگِ گل سے مرتب بلبلون کا آشیان کردون
بھرون دُھن شام کی مُرلی کی کویل کے ترنم مین   حسینانِ چمن کو بیخودی مین گو بیان کردون
نظر کی حد مٹا کر اسکو لامحدود کر دون مین   نمایان اس زمین پر اک انوکھا آسمان کردون
اُٹھا دون سربسر نیرنگیٔ عالم کے پردے کو   شفق کو آہِ قلبِ شاد خاور کا دھوان کردون
مین کردون بند اک کوزے مین ان ساتون سمندر کو   حبابون سے مین جوئے شیر کا چشمہ روان کردون
ہر اک کو خود فراموشی کے گہرے رنگ مین رنگ دون   یہان گزرا ہر خشک آئے تو پیرِ مغان کردون
مٹا کر عالمِ احداث کے وہمی کرشمون کو   تمہارے واسطے تیار اک تازہ جہان کردون
اُٹھے فانوسِ شمعِ طور پر سے لنترانی کا   مثالِ مہر روشن آج رازِ کن فکان کردون
وہ کھینچون شاہدِ معنی کی رنگارنگ تصویرین   کہ نیرنگ انکے آگے سب یہ نیرنگِ زمان کردون

لگا دون چار چاند اس مرغ کو نورِ مضامین سے
جبینِ کہکشان کو نگینون سے کلکِ نگارین سے

تماشا آؤ دکھلاؤن تمہین باغِ معانی کا   جہان حاصل ہے حق کا نشہ کو گل کی دستانی کا
یہی ہے وہ باغ صدقے جسکے ہے سو جان سے فیضان   ہے فخر اندر رتبہ جسکے در کی پاسبانی کا
حباب ہے یا نون وضو کر آبِ حیوان سے جہان جاتی   ملک چھڑکاؤ کرتے ہین جہان کوثر کے پانی کا

تدرو و قمری و بلبل مین فرق شخصیت گم ہے   نشان پایا ہے سب نے مثل عنقا بے نشانی کا
برستے ہین وہان شبنم سے موتی خندۂ گل پر   چٹکتی ہے کلی تو چہچہہ ہے شادمانی کا
خزان سے شملِ سروِ آزاد اس گلشن کے بوٹے ہین   نہین ممکن ہے دخل اس باغ مین فصلِ خزانی کا
وہان سبزے کی چار آنکھین ہین فرط ہوشیاری سے   وہان ہے بحرِ عرفان بلبلہ ہر ایک پانی کا
ہے اسکا پتا پتا اہلِ دل کو دفترِ معنی   ہے اسکا غنچہ غنچہ آئینہ رازِ نہانی کا
نہ منہ پھٹ ہے وہان سوسن نہ نرگس ششدر و حیران   وہان عذرِ جہالت ہے نہ دعویٰ راز دانی کا
کھلین گل گر پڑے شاخ شجر کا آب مین سایہ   وہان عالم یہ ہے نامیہ کی ریشہ دوانی کا
ریاضِ روح پرور مین ہے عنقا بلبلِ نالان   خوشی کا راگ گانا مشغلہ ہے کام بانی کا
وہان لالہ کے دل مین سورۂ والشمس لکھا ہے   چٹکتا ہے جو غنچہ نغمہ اٹھتا ہے "اپانی"[1] کا
نظر کے طائرِ طرار کے جلتے ہین پر اُس جا   زمین سے اسکی رتبہ پست بامِ آسمانی کا
رسائی طائرِ علم و حکم کی کب وہان تک ہو   فضا مین اسکی کب ہے دخل مرغِ لامکانی کا
پہنچ پیکِ خیالِ پا شکستہ کی نہین اُس تک   نہین کام اُس سوادِ پاک مین کچھ نکتہ دانی کا
شہود آتشِ گل مین ہے گم مشہود و شاہد بھی   گل و بلبل مین ذکر اس جا نہین ہے لنترانی کا
ظہور اُسکے جمال روح گل کا ذرے ذرے مین   کفِ خاکِ چمن نسخہ ہے اکسیرِ معانی کا

ترا دل ہی تو ہے وہ باغ جسکی چھب انوکھی ہو
یہ بیلا ہے یہ چمپا ہے یہ جوہی یہ چنبیلی ہے

باقی آیندہ   کیفی دہلوی

شکایت نہین رہی

اُمید بے رُخی کی نہ تھی تم سے دوستو   کیا پھیر پڑ گیا کہ وہ الفت نہین رہی
آنکھین پھری ہوئی ہین زمانہ خلاف ہے   کتنی ہین چتونین کہ مروّت نہین رہی
بیماریٔ نفاق نے کھینچا ہے حد کا طول   تخفیفِ درد کی کوئی صورت نہین رہی
جو کچھ ہوا۔ ہوا مگر اک سُو تو ہو گئے   نومیدی و اُمید کی حالت نہین رہی

ہے انتہائے بیکسی و یاس اے نہال
مطلق کسی سے کوئی شکایت نہین رہی

نہال

[1] وید کی ایک اشلوک کا پہلا لفظ ہے جو ذات سبحانی کی شان مین ہے "اپانی پا دھو جو نو گرہیتوا"

کوئل

ساقیا دے مئے گلرنگ کہ آئی ہے بہار   نوعروسانِ چمن پر ہے قیامت کا نکھار
آج اٹھلاتی جو پھرتی ہے نسیم سحری   شاہدانِ چمنِ دہر کی لوٹے گی بہار
کتنی مستانہ تری چال ہے اے موسمِ گل   حشر برپا نہ کرے خلق میں طرزِ رفتار
محتسب دیر نہ کر آج ہے وہ یوم سعید   کیا عجب زاہدوں کی ٹوٹے جو توبہ سو بار
جمع ہیں رندِ بیان محفل ۔ بندا نہ سے ہے   ایسے موقع پہ عبث کرتا ہے انکار لے یار
صدقے میں ساقی بدست کے پی لے دو گھونٹ   کیا عجب بادۂ وحدت سے جو تو ہو سرشار
صحنِ گلشن میں قیامت کی بہار آئی ہے   اپنے جامے سے ہوئے جاتے ہیں باہر اشجار
مرحبا مرحبا اے باغوں کی زینت کوئل   مرحبا مرحبا اے طایرِ شیریں گفتار
تیرے ہی قدموں سے شاداب چمن ہوتا ہے   خیر مقدم کو ترے آتے ہیں ایّام بہار
خوشنوائی پہ تری ہوتے ہیں لاکھوں صدقے   کوک پر تیری ہزاروں ہیں دل و جان نثار
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ نسیم سحری کے جھونکے   بجلیوں سے نہیں کم تیرا چہکنا ہر بار
ہائے کیا صبح کا یہ ہوش ربا منظر ہے   آسمان سے درِ شہوار کی پڑتی ہے پھوار
اللہ اللہ یہ دلسوز ترانہ تیرا   نیند سے چونکے نشے مدہوش ہوئے سب بیدار

ساقیا خوب پلا بادۂ اطہر مجھکو
دے مئے خلد سے بھر کر کوئی ساغر مجھکو

مرحبا مرحبا اے شاہدِ زیبا کوئل   حبذا حبذا اے میری دل آرا کوئل
جلوۂ نور سے معمور ہوا سارا جہان   صبح کا کتنا ہے دلچسپ نظارا کوئل
میں تو ہر روز تجھے یاد کیا کرتا ہوں   چشمِ بد دور ترا نام ہے پیارا کوئل
تیرے آنے سے گلستان میں بہار آتی ہے   ہو گیا غنچۂ خاطر بھی شگفتا کوئل
گلشنِ دہر میں تجھسے ہے بہارِ دلکش   دم قدم سے تری ہر پھول ہے پھولا کوئل
چشم بددور ترے فیض قدم سے ہر سو   رشکِ فردوس بنا دامنِ صحرا کوئل
چٹکیاں لیتی ہے دل میں تری پیاری آواز   دل کو تڑپاتا ہے ہر دم ترا نغما کوئل
قمریاں اور عنادل ہیں کلیجا پکڑے   کتنا دلسوز ہے پُر درد ترانا کوئل
سوزشِ عشق ترے نالہ و شیون سے عیاں   سچ بتا کسکی ہے تو عاشقِ شیدا کوئل
ہاں یوں ہیں چھیڑتی جا نغمۂ دلکش اپنا   ہاں بجے نالۂ و فریاد کا باجا کوئل
تیر و نشتر سے نہیں کم ہے ترنّم تیرا   دلِ بیتاب کو رہ رہ کے نہ تڑپا کوئل
دردمندانِ محبت بھی اُٹھے بستر سے   تیرے نغموں میں ہے اعجازِ مسیحا کوئل
چند روزہ یہ طلسمی ہے بہارِ دُنیا   واقعی ہستیٔ موہوم ہے دُنیا کوئل
آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے   دیدۂ کور کیا آئے نظر کیا دیکھے

اوج گیاوی

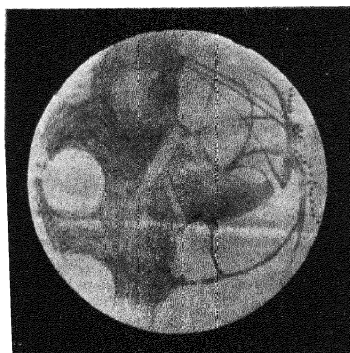
غزل

ازجناب حسرت موہانی۔ اڈیٹر اُردوے معلّیٰ علیگڈھ

تھو اُسکی خطاپوشی پہ کیوں ناز گنہگاری   نشانِ شانِ رحمت بنگیا داغِ سیہ کاری
ستم تم چھوڑ دو میں شکوہ سنجی آہ تا جاری   کہ فرضِ عین ہے کیشِ محبت میں روا داری
ہوئیں نا کامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا   نہ چھوٹی ہے لیکن کوئے جاناں کی ہوا داری
نہیں غم جیب و دامن کا مگر ہاں فکر ہے اتنی   نہ اُٹھیگا مرے دستِ جنوں سے رنج بیکاری
نچھوڑا مرتے دم تک ساتھ بیمارِ محبت کا   قسم کھانیکے قابل ہے ترے غم کی وفاداری
نہ انکو رحم آتا ہے نہ مجھسے صبر ہے ممکن   کہیں آسان ہو یارب محبت کی یہ دشواری
وفورِ اشکِ پیہم سے ہجوم شوق بیجا ہیں   مری آنکھوں سے ہے اک آبشارِ آرزو جاری
غضب رنگینیاں تھیں گریہ ہائے ابتدائی کی   ہوئی ہے جنسے دامانِ محبت پر یہ گلکاری
نہیں کھلتی مری نسبت تری اے حیلہ جو مرضی   کہ ہے اقرارِ دلجوئی نہ انکارِ ستمگاری
تکرا اتنا ستم ہم دردمندوں پر کہ دُنیا سے   مبادا ایکقلم اٹھ جائے تہذیبِ وفاداری

. . . .

ندیکھے اور دلِ عشاق پر پھر بھی نظر رکھے   قیامت ہے نگاہِ یار کا حسنِ خبرداری
یہی عالم رہا گر اُسکے حُسنِ سحر پرور کا   تو باقی رہچکی دُنیا میں رسم و راہِ ہشیاری
وہ جرمِ آرزو پر جسقدر چاہیں سزا دے لیں   مجھے خود خواہشِ تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری
نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت   جزاک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری



کرۂ مریخ

کلامِ چکبست

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جسکو کہتے ہیں، دوزخ بھی ہے اور جنت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوئے اور موت کے طالب جیتے ہیں
اندھیر یہ اس دنیا کے ہمیں آتی ہے ہنسی بھی رقت بھی

یا خوف خدا یا خوف سفر ہیں دو ہی بیان تیرے واعظ
اللہ کے بندے دل میں ترے ہے سوز و گداز محبت بھی

جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

گرتے ہی زمین کے دامن میں اے طفل یہ رونا دھونا کیا
دُنیا میں اگر تو آیا ہے یاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

ہر دم ہے طبیعت کو اُلجھن اک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے

رباعی

یہ قوم ذرا عاقبت اندیش نہیں سودا تو ہے نوش کا سرِ نیش نہیں
پہلے کی ترقی سے ہیں کتنے پیچھے افسوس ہمیں کچھ بھی پس و پیش نہیں

بارِ اندوہ و الم کا کہیں ہلکا ہو جائے پھر بہار آئے الٰہی ہمیں سودا ہو جائے
عرش سے فرش تلک چھائی ہے تاریکی جہل آگ دُنیا کو لگا دو تو اُجالا ہو جائے
ظاہرا ہستی ناچیز بشر ہے کیا چیز یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جائے

چکبست

دنیائے مریخ

گو ہے اے مریخ تو کہنے کو جلادِ فلک لوگ تجھکو مانتے ہیں ایک تارا آج تک
اپنی دنیا سے تری ہم دیکھا کرتے ہیں جھلک دیکھنے سے تیرے اکثر آنکھیں جاتی ہیں جھپک

یہ نہیں معلوم تھا تو عالم انسان ہے
تیرے سر بھی ایک مخلوقات کا احسان ہے

تیرے دم سے بھی ہے قائم ایک دنیائے حیات تجھ میں بھی پائی گئی ہیں ایک عالم کی صفات
جانداروں سے بھی ہیں آباد تیرے سب جہات بستی ہے آغوش میں تیرے بھی اچھی کائنات

پیٹ میں کیا گُن بھرے ہیں تیرے۔ کیا ہشیار ہے
آج یہ عقدہ کُھلا ہے تو بھی دُنیادار ہے

برف بھی گرتی ہے تجھ میں۔ ابر بھی ہے دُرفشان رات دن اور فصل و موسم کا بھی ملتا ہے نشان
باغ بھی ہیں کھیت بھی ہیں تجھ میں اے فخر جہان مونگ دلتا ہے تری چھاتی پہ بھی تیرا کسان

تیرے دُنیا والے رنج و عیش کے خوگر بھی ہیں
بادشہ بھی ہیں، عایا بھی ہے اور لشکر بھی ہیں

ساکنانِ عالم مریخ! کچھ کھولو زبان یا اشاروں ہی میں ہونگی رمز کی باتیں عیان
ہم سے لاکھوں میل او پر ہیں تمہاری بستیان ورنہ ہم تم ایک ہی ہستی کا دیتے ہیں نشان

ہم بھی اک دنیا ستارہ کے رہنے والے ہیں
ہم بھی اک تاریک آبادی میں بسنے والے ہیں

یہ نئی صنعت کے ہیلون۔ اور ہوائی کشتیان تم سے ملنے کے لئے ہم نے بنائی ہیں یہان
تاکہ تم سے مل کے دیکھیں ہم تمہاری بستیان صنعتیں دیکھیں تمہاری اور تمہاری ہستیان

رخصتِ نظارہ دیجئے تم نے غمخوار ان کو اب
ہم بھی آتے ہیں اُڑاتے اپنے غبّاروں کو اب

قیصر

رباعیات وقطعات

ناچیز ہے - مغرور ہوا تو کب سے ۔۔۔ بندے کو تقابل نہیں زیبا رب سے
پیری میں یہ ایما ہے قدِ پُرخم کا ۔۔۔ لازم ہے چلو جھک کے جہان میں سب سے

توڑا کئے طفلی میں فلک کے تارے ۔۔۔ تھا عہد جوانی بھی غنیمت بارے
جب مر گئے پیری میں - ہوا قد سیدھا ۔۔۔ بل آ کے نکالے ہیں قضا نے سارے

یاروں سے تمنائے ملاقات گئی ۔۔۔ وہ ہم نہ رہے عزیزؔ وہ بات گئی
یہ کہہ کے جوانی ہوئی رخصت ہم سے ۔۔۔ نیند آئی ہے سوئیےگے بڑی رات گئی

وہ ولولۂ بادہ پرستی نہ رہا ۔۔۔ کچھ دیر بھی خمخانۂ ہستی نہ رہا
اک شعبدہ تھا جام کی گردش ساقی ۔۔۔ جب بند ہوئی آنکھ تو کچھ بھی نہ رہا

غفلت میں کٹی ہائے مری عمر قلیل ۔۔۔ تھا ہوش میں آنا مرا جانے کی دلیل
چالیس برس کے سن میں آئی یہ ندا ۔۔۔ ہشیار ہو غافل کہ بجا کوس رحیل

ایام جوانی ہوئے رخصت ہیہات ۔۔۔ پیری آتے ہی کھل گیا راز وفات
اعضا کی یہ جھریاں خبر دیتی ہیں ۔۔۔ خط کھینچ دئے ہیں سب پر فردِ حیات

قابل نہیں زینت کے ترا خانۂ تن ۔۔۔ کر نقل مکاں ڈھونڈھ نیا اب مسکن
یہ رعشۂ اندام سے پیری میں کھلا ۔۔۔ گرنے ہی کو ہے خاک پر اب قصرِ بدن

اک رنگ پہ رہتا ہے کہاں چرخ کہن ۔۔۔ ہے زیر زمیں بھی تو یہی رنج و محن
خالی ہے دو رنگی سے بھلا کون مقام ۔۔۔ ہے شام لحد میں بھی عیاں صبح کفن

عزیزؔ

غزل

(از افکار تازہ پنڈت بشن نراین صاحب درؔ)

سر سے شاہوں کے ہو گو افسر شاہانہ جدا ۔۔۔ دل سے مردوں کے ہو جرأت مردانہ جدا
گل کے قدموں سے یہاں سبزہ لگا رہتا ہے ۔۔۔ آشنا سے نہیں اس باغ میں بیگانہ جدا
جلنا آپ اور ہے اور دونکا جلانا کچھ اور ۔۔۔ گرمیِ شمع جدا سوزشِ پروانہ جدا
آپ بھر جاتا ہے وہ کوئی بھرے یا نہ بھرے ۔۔۔ سارے پیمانوں سے ہے عمر کا پیمانہ جدا
پھنسکے دنیا میں نہ کھایا کبھی دنیا کا فریب ۔۔۔ دام سے میرے ہمیشہ کا رہا دانہ جدا
ہم سے سب پھر گئے اب کوئی ہمارا نہ رہا ۔۔۔ آشنا ہم سے الگ بگڑا ہے بیگانہ جدا
کیسی میخانے میں یہ تفرقہ پردازی ہے ۔۔۔ خم سے شیشہ ہے جدا شیشے سے پیمانہ جدا
دل میں جو ہے وہ کب آنکھوں کو نظر آتا ہے ۔۔۔ جلوۂ طور سے ہے جلوۂ جانانہ جدا
کسکے شوخی و شرارت کا کرشمہ ہے یہ ۔۔۔ شمع جلتی ہے الگ بزم میں پروانہ جدا

قطعہ

(تاریخ وفات مولانا اشہری مغفور)

سید امجد علی خجستہ صفات ۔۔۔ بود در نظم و نثر کامل فن
اشہری بود نام او در نظم ۔۔۔ شہرہ در علم و فضل و خلق حسن
داشت در قصبہ پھپھوند قیام ۔۔۔ مایۂ ناز اہل ملک و وطن
ہجدہم از جمادی الاولیٰ رفت ۔۔۔ شنبہ و شامگہ ز دار محن

گفت سال وفات او کاظم

اشہری بود جان اہل سخن

۱۳۲۸ھ

مولوی کاظم حسین صاحب رئیس پھپھوند

ایڈیٹوریل

(مخزن کا شکریہ)

اپریل سنہ حال کے مخزن میں جو اسی مہینے میں شائع ہوا ہے ہمارے دیرینہ عنایت فرما شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بار ایٹ لانے ناچیز ادیب کا پرجوش خیر مقدم فرمایا ہے۔ ادیب کی اشاعت سے پہلے ہمیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ بلند پایہ معاصرین ہماری ناچیز کوششون کی اس فراخدلی سے داد دینگے۔ مگر ادیب کا پہلا نمبر نکلتے ہی معلوم ہوگیا کہ ملک مین انصاف پسندی کا معیار پیشتر کی بہ نسبت اب بہت اونچا ہوگیا ہے۔ چنانچہ بعض مقتدر اخبارات نے اسکے پہلے ہی پرچے پر اپنی بیساختہ رائے ظاہر کردی۔ بعض نے اسکے آئندہ نمبرون کا انتظار کیا اور اسکی رفتار کو اطمینانی حالت مین دیکھکر اپنا فرض ادا کرنے مین زیادہ دیر نہین کی۔ حتیٰ کہ جنوری سے اب تک اسکے ریویو کا سلسلہ برابر جاری ہے اور اہل ذوق و ارباب نظر ان کوششون سے ایک حوصلہ افزا دلچسپی لے رہے ہین۔

شیخ صاحب ہمارے بہت پرانے کرمفرما ہین اور وہ ادیب کے علاوہ ہماری ادبی کوششون کو خدنگ نظر کے صفحون پر بھی دیکھ چکے ہین۔ چنانچہ ممدوح نے ادیب پر ریویو کرتے ہوئے مرحوم خدنگ کو بھی یاد فرمایا ہے اور اُسے ایک "پرلطف گلدستہ" کا خطاب دیا ہے۔ درحقیقت وہ ایک گلدستہ تھا۔ لیکن عام گلدستون کی طرح اُسمین محض طرحی غزلیات ہی نہین ہوتی تھین بلکہ اُسکے پہلے ہی نمبر مین جو ستمبر ۱۸۹۶ء مین شائع ہوا تھا ایک قصیدہ۔ چند قطعات اور ایک نثر مضمون بھی شامل تھا۔ عرصے تک اس قسم کی ناکام کوششون کے بعد جنوری ۱۹۰۰ء سے اُسکے ساتھ نثر مضامین کا مستقل سلسلہ شروع ہوگیا تھا جنمین بیشتر مضمون ملک کے مشہور جادو نگار مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے قلم سے لئے جاتے تھے نیز بعض نیچرل مذاق کی نظمین بھی جنکا زیادہ حصہ ہمارے نامور دوست منشی نادر علیصاحب نادر کے زور تخیل کا نتیجہ ہوتا تھا۔

اسکے سوا برس بعد اپریل ۱۹۰۱ء مین لاہور سے مخزن شائع ہوا اور جو کمی خدنگ نظر مین باقی رہگئی تھی وہ شیخ صاحب کی نکتہ رس نگاہ اور اعلیٰ ذہانت نے پوری کردی۔ خدنگ نظر نے اپنی زندگی مین اردو رسالون کو دو مفید تحفے دیے تھے۔ ایک عمدہ لکھائی چھپائی۔ دوسرا نثر و نظم کا مستقل الحاق جو اس سے پیشتر مفقود تھے۔ مخزن نے ان چیزون کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیش کیا اور اسطرح ادبی دنیا کی ترقی شروع ہوئی۔ اسکے بعد بہت سے رسالے نکلے مگر وہ مخزن کی کوشش پر کوئی اضافہ نہ کرسکے۔ اس صورت مین شیخ صاحب کا یہ فرمانا بہت صحیح ہے "لیکن ایک شکایت اُن سب سے رہی اور وہ یہ تھی کہ کسی نے کوئی نئی بات ایسی نہ نکالی جس سے ملک کو ایسا فائدہ پہونچتا جو پہلے نہین پہونچ رہا تھا۔" ادیب کی اشاعت مین یہی بات ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ دو نئے مقصد لیکر نکلا ہے۔ اول مصوّری کو علم ادب کی ضروری شاخ بنانا۔ دوم ایسا لٹریچر تیار کرنا جو مرد و عورت دونون کے لیے مفید ہو۔ غالباً ان مقاصد مین کسی کی طرف بھی پیشتر توجہ نہین کیگئی۔

ہمارے طباع دوست نے ادیب کے نام کی فرسودگی پر بھی توجہ فرمائی ہے اور اسے حیدرآباد کے مرحوم ادیب کے عمل تناسخ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ ایک پرانے اور مشہور ادیب کو بھول گئے جو سید اکبر علیصاحب کی ایڈیٹری مین غالباً فیروزآباد سے شائع ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے اُسوقت خدنگ نظر نکلتا تھا اور سید صاحب نے اُسکے تبادلہ مین ہمین بھی اپنے قابل تعریف پرچے سے سرفراز فرمایا تھا۔ اُسکی زندگی بہت تھوڑی ہوئی مگر بارہ تیرہ سال کا عرصہ منقضی ہوجانے پر بھی اہل نظر ابتک اُسے نہین بھولے ہین۔ اسطرح ہمارے ادیب پر تناسخ در تناسخ کا مسئلہ صادق آتا ہے جو دنیا کے ہر نام اور ہر چیز مین موجود ہے۔

مجھے اسکے قبول کرنے مین عذر نہین کہ "ادیب شجر مخزن کا ایک نو خیز ثمر ہے" لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہونگا کہ مخزن قبل الذکر پرچون کی ایک یادگار شائع تھا۔ دُنیا مین چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے۔ جسطرح مخزن نے اپنے پیشرون کی کمی کو پورا کیا ہے اسیطرح ادیب اپنے ہمعصرون کی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور جو کمی اسمین رہجائیگی اسے دوسرے ذہین و طباع لوگ پورا کرینگے۔ اسطرح اصلاح کا سلسلہ جاری رہیگا جو دنیائے ادب کے لئے ازبس مفید ہے۔

آخر میں شیخ صاحب نے نامہ نگاران ادیب کی نسبت فرمایا ہے کہ "اکثر ارباب سخن جنکے کلام نظم و نثر سے یہ پرچہ (ادیب بابت جنوری) مزین ہے ہمارے اور جملہ ناظرین مخزن کے دیرینہ احباب میں سے ہیں - اور ایک آدھ نام کے سوا شاید ایسا تو کوئی بھی نہیں جس سے ہمارے ناظرین آشنا نہوں"۔ ہمیں اس بیان کی تصدیق میں شبہ ہے۔ جنوری کے ادیب میں سترہ مضمون نگاروں کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ انمیں رائے پربھو لال صاحب بی۔اے۔ منشی شیو برت لال صاحب ورمن ایم۔اے۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی۔اے۔ پنڈت منوہر لال صاحب زتشی۔ ایم۔اے۔ ان چاروں حضرات کو ہمنے اُفق مخزن پر کبھی جلوہ گر ہوتے نہیں دیکھا ہے۔ باقی حضرات میں نصف سے زائد ایسے ہیں جنکے فیضان قلم سے خدنگ کے صفحے عرصے تک سیراب ہوتے رہے ہیں اور ایسا تو یقیناً کوئی نہیں ہے جس سے ہمیں ادیب کی اشاعت سے پیشتر ذاتی تعارف یا نیازمندی کا فخر نہ حاصل ہو۔

نئے اہل قلم کو ڈھونڈھ نکالنا نہایت آسان ہے لیکن ادیب کے دروازے اُس آزادی کے ساتھ کھولدینے کی شاید آخر تک جرات نہیں کیجائیگی جو اصول فن اور قیود زبان کی روک ٹوک سے مبرا ہو۔ البتہ ملک کے قابل اور واقف کار اہل قلم کی جستجو ایک حد تک جاری ہے اور ادیب کے دوسرے ہی نمبر میں سب سے پہلے ایک نیا نام نظر آتا ہے تاہم ادبی معاملات میں الہ آباد لاہور کا مقابلہ نہیں کرسکتا جو اہل قلم کا دنگل ہے اور جہاں سے مخزن نئے جادو نگاروں کی اتنی بڑی فوج لیکر نکلا تھا کہ دم زدن میں ساری ادبی دُنیا فتح کر لی۔

(تشریح تصاویر)

اس نمبر کی رنگین تصاویر کے ساتھ ہم اپنے نئے شاہنشاہ اور ملکہ معظمہ کا خوشنما خیر مقدم کرتے ہیں۔ خداوند کریم اس سایۂ مبارک کو ہمارے سروں پر عرصہ دراز تک قائم رکھے۔

مادر مہربان حضور ملکہ الگزنڈرا کی شبیہہ مبارک اُس وفادارانہ ہمدردی کے اظہار میں شائع کیجاتی ہے جسکی وہ عام طور پر مستحق ہیں۔ دُنیا کی نیرنگی کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ جس بے پایاں خوشی و مسرت کے ساتھ وہ ۷ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء کو بحالت عروسی اوّل اوّل سرزمین انگلستان پر رونق افروز ہوئی تھیں وہ ۶ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ یوں تو شہنشاہ مرحوم کی وفات کا ساری دُنیا کو رنج ہے لیکن جو حقیقی اور ناقابل التلافی صدمہ حضور ممدوحہ کے قلب نازک کو برداشت کرنا پڑا ہے اُسکی تشریح ناممکن ہے۔

رکمانگد اور موہنی کی تصویر مہابھارت کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے۔ رکمانگد ایک زبردست راجہ تھا۔ اُسنے دوسری شادی موہنی کے ساتھ کی تھی اور حسب دستور قدیم اُسے ایک بردان مانگنے کا استحقاق دیا تھا۔ ایک روز اُسنے راجہ کے مذہبی استقلال کی آزمایش چاہی۔ اُس روز اکادشی تھی اور راجہ برت یعنی روزے سے تھا۔ رانی نے کہا کہ یا تم اپنا برت توڑ ڈالو یا اپنے نوعمر لڑکے کو (جو دوسری رانی کے بطن سے تھا) قتل کرو۔ راجہ نے لڑکے کی ہلاکت کو مذہبی فرض پر ترجیح دی اور اُسکے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ لڑکا بھی نہایت خوشی سے مرنے پر تیار ہوگیا اور قربان گاہ میں آکے بیخوف کھڑا ہوگیا۔ راجہ نے تلوار کھینچی اور لڑکے کی ماں کو یہ دیکھکر غش آگیا۔ آخر میں اُسوقت جب باپ کی برق شمشیر اکلوتے بیٹے کے خرمن ہستی کو فنا کرنے کیلئے چمکی معاً قدرت نے اپنا جلوہ دکھایا اور بشن بھگوان نے ظاہر ہوکر راجا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسطرح راجہ کے مذہبی استقلال نے تاریخ کے صفحوں میں اپنی یادگار چھوڑی۔

شہنشاہ مرحوم کا تابوت ایک نہایت افسوسناک نظارہ ہے۔ ۱۷ مئی سنہ حال کو آنجہانی کا جنازہ قصر بکنگھم سے ویسٹ منسٹر ہال میں لایا گیا اور عام زیارت کی اجازت دیگئی۔ چنانچہ لاکھوں آدمی ۱۷ سے ۲۰ تاریخ تک شہنشاہ کے آخری دیدار سے مستفیض ہوئے۔ ۲۰ مئی کو آپکا جسم مطہر ونڈسر میں سپرد خاک کیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اہل عالم کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

رسالہ خاتون علیگڈھ۔ ادیب۔ اُردو زبان مین آجکل بہت سے رسالے نکل رہے ہین لیکن ان سب رسالون مین سے بہت کم ایسے ہین جو مفید ہون اور کام کے ہون۔

کوئی رسالہ نکالنے کے لئے یہ لازم ہے کہ کسی خاص مقصد اور غرض یا کسی ضرورت کا پورا کرنے والا ہو۔ لیکن ہمارے ملک مین بہت سے رسالے محض اس غرض سے نکل رہے ہین کہ اڈیٹر صاحب کے پاس اور کوئی ذریعہ معاش نہین ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہین کہ جنکے پاس اپنے ضروری کامون سے کچھ وقت بچتا ہے اسمین وہ کوئی رسالہ نکال بیٹھتے ہین کہ شغل بیکاری ہی سہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر رسالے وقت پر نہین نکلتے۔ ایک ایک دو دو مہینے لیٹ ہو جاتے ہین۔ کبھی کبھی کچھ مدت کے لئے بند ہو جاتے ہین اور پھر نکل آتے ہین۔ حالانکہ ایک بڑے اخبار نویس کی یہ راے ہے کہ اگر رسالہ یا اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو اُسکا بند کر دینا بہتر ہے۔

اُردو زبان کے رسالون کی ابتدا کبھی ہوئی ہو لیکن اسکی گرم بازاری رسالہ مخزن کی بدولت ہوئی۔ اسنے ملک مین اُردو کا مذاق پیدا کیا تعلیم یافتہ فرقے کو اس سے دلچسپی پیدا کرائی۔ اسکی کوشش ملک کے ہر حصے مین مشکور ہوئی اور قبولیت کی نظر سے دیکھی گئی اسکی دیکھا دیکھی اُردو زبان کے رسالے عشرات الارض کیطرح نکلنے شروع ہوئے مگر اس سے فوقیت لیجانا کیا معنی اسکی تقلید بھی چند رسالون کے سوا اور کسی سے نہ ہو سکی لیکن مخزن نے جو کام شروع کیا تھا اب اسکو ایک مدت گذر گئی۔ ملک کا مذاق اس حد سے بہت زیادہ ترقی کر گیا۔

اب ایک نئے رسالہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو اس ترقی یافتہ جماعت کی پیاس بجھائے۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے جنوری ۱۹۱۲ء سے الٰہ آباد سے رسالہ ادیب ماہوار اُردو زبان مین نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے اڈیٹر منشی نوبت راے صاحب نظرؔ لکھنوی ہین جو اپنے مقبول عام مضامین کیوجہ سے اُردو دان اصحاب مین مشہور و معروف ہین اور کسی مزید تعارف کی ضرورت نہین ہے۔

اس رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے پاس بغرض ریویو آیا ہے بڑی تقطیع پر ۸۰ صفحے کا رسالہ ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ لگایا گیا ہے۔ چھپائی لکھائی اور سب سے ضروری چیز تصحیح کا یہ رسالہ بہترین نمونہ ہے۔

اسکے ساتھ ہی اسمین چھ تصویرین بھی شامل کی گئی ہین جنمین سے ایک رنگین ہے جس سے رسالہ کی وقعت دوبالا ہو جاتی ہے۔ ہندوستانیون کے ہاتھ مین جسقدر پریس ہین اُنمین انڈین پریس الٰہ آباد عمدہ تصویرون کے چھاپنے مین خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ انڈین پریس ہی سے نکلتا ہے اور وہین تصویرین چھاپی گئی ہین۔

ان سب خوبیون کے ساتھ اس رسالہ کی سالانہ قیمت چار روپیہ رکھی گئی ہے جسکے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہین کہ اس سے زیادہ سستا ہندوستان مین کوئی دوسرا رسالہ اُردو زبان کا نہین ہے۔

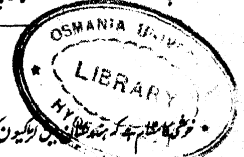
اس رسالہ کی خصوصیات مین سے یہ بھی ہے کہ ایک ایسا ادب کا چمن تیار کرنا چاہتا ہے جو مردون اور عورتون دونون کے لئے یکسان مفید ہو اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اس رسالہ مین جو مضامین چھاپے جائینگے اُنمین یہ احتیاط کیجائیگی اور اس بات کا نہایت خیال رکھا جائیگا کہ وہ عورتون کے لئے بھی مفید اور خوشگوار ہون۔

ہم اس خصوصیت سے نہایت ہی خوش ہین اور ہم سمجھتے ہین کہ اب ہندوستان کی حقیقی ترقی کا زمانہ آن پہونچا ہے۔ کیونکہ ملک کے علمی رسالون مین عورتون کا خیال رکھا جانے لگا اور وہ فرقہ جو کہ علم سے اب تک بہت دور پڑا تھا اب اُسکو بھی ان علمی محفلون مین شریک ہونے کی دعوت دیجانے لگی اور یہی ملکی اور قومی ترقی کی نیک فال ہے۔ خاتون کے اس نمبر مین مستورات ہند کی حالت کے عنوان سے جو مضمون درج کیا گیا ہے وہ اسی رسالہ سے منقول ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس ناگوار کمی کو جو اُردو رسالون مین

ابتک ہے کہ وہ تصویرین نہین شائع کرتے جو علم ادب کی ایک نہایت عمدہ شاخ ہے، پورا کریگا اور زیادہ تر ملکی مشاعرون کے قلم کے نکلے ہوئے نمونے پیش کریگا۔ پالیٹکس اور مذہبی جھگڑون سے بالکل الگ تعلق رہیگا۔ ہمین امید ہے کہ اس رسالہ کو مقبولیت عام حاصل ہوسکے گی ہم اپنے اس نئے ہمعصر کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ وہ اپنے مقاصد مین کامیاب ہو۔

رسالہ نگار لکھنؤ۔ ادیب۔ اس سال کے برکات مین ماہوار رسالہ ادیب ہے جو نہایت ہی آب و تاب کے ساتھ انڈین پریس الہ آباد سے ہمارے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر سابق ایڈیٹر خدنگ نظر کے اہتمام سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ یہ رسالہ مختلف حیثیتون سے اردو کے تمام رسالون پر فوقیت رکھتا ہے۔ حضرت نظر کو اعلیٰ ذوق لٹریچر کے ساتھ چھپائی اور مصوری کے فنون مین بہت کچھ دخل ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کی چھپائی کاغذ اور سب چیزین اعلیٰ درجہ کی ہین۔ مگر بہتر ہو کہ ہمارے دوست کاتب کو بدل دین۔ اردو کے مشہور انشا پردازون کو اس رسالہ کی طرف ابھی پوری توجہ نہین ہوئی ہے۔ تاہم بعض مضامین ایسے ہین جو محنت و قابلیت اور تلاش سے لکھے گئے ہین۔ ادیب کو خاص فوقیت انکی تصویرون کے اعتبار سے ہے اور ہمین یقین ہے کہ کوئی رسالہ کوئی علمی اور ہاتہ خاص مین ادیب اور انڈین پریس کا مقابلہ نہ کر سکے گا جسنے خود یا کسی انڈین پریس کو دیکھا ہے جسمین ہر کام اعلیٰ پایہ پر ہوتا ہے۔ خصوصاً تصویرون کے چھاپنے کا انتظام تو شاید ہندوستان بھر کے کسی پریس مین ویسا نہ ہوگا جیسا کہ انڈین پریس مین موجود ہے۔ اسوقت تک ادیب کے تین نمبر شائع ہو چکے ہین جنمین ہر ایک دوسرے سے زیادہ دلفریب و دلکش ہے۔ پہلے اور دوسرے نمبرون مین چھ چھ تصویرین تھین۔ تیسرے نمبر مین نو تصویرین شائع ہوئین اور ہمین امید ہے کہ چوتھے نمبر مین اس سے بھی زیادہ ہونگی۔ ادیب کا پایہ بھی عام رسالون سے جدا اور خاص وضع کا ہے جو طول مین ۲۰×۲۶ کے برابر اور عرض مین بہت زیادہ ہے اور ان سب خوبیون کیساتھ سالانہ قیمت صرف للعہ (چار روپیہ) ہے اور فی پرچہ ۶ر۔ اردو زبان کے شائقین کو ضرور خریدنا چاہیے کیونکہ انگریزی کے سوا اردو مین کوئی رسالہ اس آب و تاب اور اس شان کا آجتک نہین شائع ہوا تھا۔



لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤن مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ کیسا مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تشریح نہین۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انہین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر صرف لڑکیون کیلئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کیا بلکہ تمام دیگر ریڈرون پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے۔ ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اسقدر کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین۔ انمین اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیون اور سبقون کے علاوہ تمیزداری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری بچون کی پرورش مریضون کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کار آمد باتین لکھی گئی ہین۔ علاوہ برین ان ریڈرون مین سیتا جی۔ دمینتی سکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چین و جاپان کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور بچون کی سمجھ مین آنیوالی زبان مین درج ہین۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجہ کی ہین جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈرون مین ۱۱۰ تصاویر بھی ہین جنمین ۳ تصاویر پورے صفحون پر علٰحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہین۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

(۱) اردو کا نیا قاعدہ .... قیمت ۹ پائی (۲) لوئر پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) قیمت ۴ر

(۳) اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۶ر (۴) لوئر مڈل ریڈر (پانچوین اور چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ر

منیجر انڈین پریس الہ آباد